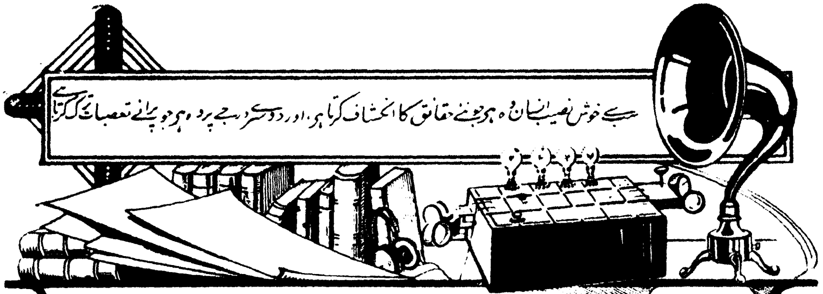


سائنس

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ

اطلاع

(۱) اشاعت کی غرض سے جملہ مضامین اور تبصرے بنام ایڈیٹر سائنس ۹۱۷ ' کلب روڈ ' چادر گھاٹ حیدر آباد دکن روانہ کئے جانے چاھئیں۔
(۲) مضمون کے ساتھہ صاحب مضمون کا پورا نام مع ڈگری و عہدہ وغیرہ درج ہونا چاھئے تاکہ ان کی اشاعت کی جاسکے ' بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ کی جاے —
(۳) مضمون صاف لکھے جائیں تاکہ ان کے کمپوز کرنے میں دقت واقع نہ ہو - دیگر یہ کہ مضمون صفحے کے ایک ھی کالم میں لکھے جائیں اور دوسرا کالم خالی چھوڑ دیا جائے - ایسی صورت میں ورق کے دونوں صفحے استعمال ہوسکتے ھیں —
(۴) شکلوں اور تصویروں کے متعلق سہولت اس میں ہوگی کہ علحدہ کاغذ پر صاف اور واضح شکلیں وغیرہ کھینچ کر اس مقام پر چسپاں کردی جائیں - ایسی صورت سے بلاک سازی میں سہولت ہوتی ھے —
(۵) مسودات کی ھر ممکن طور سے حفاظت کی جاے گی - لیکن اُن کے اتفاقیہ تلف ہوجانے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی -
(۶) جو مضامین سائنس میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوں اُمید ھے کہ ایڈیٹر کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ شائع نہ کئے جائیں گے -
(۷) کسی مضمون کو ارسال فرمانے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ صاحبان مضمون ایڈیٹر کو اپنے مضمون کے عنوان ' تعداد صفحات تعداد اشکال و تصاویر سے مطلع کردیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کے لئے پرچہ میں جگہ نکل سکے گی یا نہیں - کبھی ایسا بھی ہوتا ھےکہ ایک ھی مضمون پر دو اصحاب قلم اٹھاتے ھیں - اس لئےاس توارد سے بچنے کے لئے قبل از قبل اطلاع کردینا مناسب ہوگا -
(۸) بالعموم ۱۵ صفحے کا مضمون سائنس کی اغراض کے لئے کافی ہوگا -
(۹) مطبوعات برائے نقد و تبصرے ایڈیٹر کے نام روانہ کی جانی چاھئیں - مطبوعات کی قیمت ضرور درج ہونی چاھئے —
(۱۰) انتظامی امور و اشتہارات و غیرہ کے متعلق جملہ مراسلت منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاھئے —

جلد ۷ سائنس جنوری سنہ ۱۹۳۴ء نمبر ۲۵

مرتبۂ مولوی محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ام-اے' بی-ایس سی- (علیگ)
معلم طبیعیات کلیۂ جامعۂ عثمانیہ' حیدرآباد - دکن

فہرست مضامین

تخلیق حیات و انسان

پر

ایک مکالمہ

(۱۰)

آگ اور اوزاروں نے انسان نما بندروں کو کس طرح انسان بنا دیا؟

پچھلے دو نمبروں میں جامعۂ کولمبیا کے ڈاکٹر یفن برگر نے انسان کے دماغ اور جذبات کے آغاز کا حال سنایا تھا - اسی دماغ کی بدولت انسان اپنی آواز دنیا کے چاروں طرف پہنچا سکتا ہے' سمندر پر ادھر سے اُدھر کی آواز سن سکتا ہے اور ستاروں کا وزن کرسکتا ہے- اسی سے وہ رات کو دن بنا دیتا ہے' سرما کو گرما میں تبدیل کردیتا ہے اور ریگستان کو نخلستان بنادیتا ہے - ان سب کی ابتدا کیسے ہوئی ؟ آج کی گفتگو میں امریکہ کے متحف تاریخ طبعی کے شعبۂ انسانیات کے ناظم اور جامعہ ییل کے معلم انسانیات ڈاکٹر کلارک وسلر نے بتایا ہے کہ انسان نے اوزار بنانا کس طرح سیکھا —

حال ہی میں کناڈا کے ڈاکٹر ڈیوڈسن بلیک نے چین میں ایک انکشاف کیا ہے وہ یہ کہ ایسی شہادتیں بہم پہنچی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان آگ اور اوزار کا استعمال کوئی دس لاکھ برس اُدھر جانتا تھا - اب

تک سائنسداں تمدن کی ابتدا ایک لاکھ برس ادھر مانتے تھے - ڈاکٹر بلیک کی تشریح ھی کو آج کی گفتگو کا موضوع سمجھنا چاھیے —

مسٹر ماک :- جناب ڈاکٹر صاحب، آپ کے دفتر آتے وقت میں ایمپائر بلڈنگ کے پاس سے گزرا - جب میں نے اُسے دیکھا اور اس کے چاروں طرف گھما گھمی دیکھی تو مجھے خیال آیا کہ ھمارے ابتدائی مورثوں کے زمانے سے اب تک کتنے تغیرات عظیم رونما ھوگئے ھیں - پس میں آپ سے یہی دریافت کرنے حاضر ھوا تھا کہ دنیا وہ کس طرح ھوگئی جو آج نظر آتی ھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- بہت ھی آھستہ آھستہ - مثل مشہور ھے کہ روما ایک دن میں نہیں بنا - مثال کے طور پر ان فلک بوسوں (Skyscrapers) کو لیجئے - عہدقبل التاریخ کے ابتدائی گھروندے کوئی لاکھوں برس کی منزلیں طے کرتے کرتے آج فلک بوس بنے ھیں - یوں تو ۶۰۰۰ برس ادھر بھی فلک بوس تھے —

مسٹر ماک :- یہ تو آپ نے عجیب بات سنائی - میں تو سمجھتا تھا کہ ھمیں اس کے موجد ھیں —

ڈاکٹر وسلر :- ھرگز نہیں ۴۰۰۰ ق م کے زمانے میں قدیم بابلی اپنے دیوتاؤں کے مندروں پر برج بناتے تھے - مصریوں نے اپنے اھرام کوئی ۵۵۰۰ برس ادھر بنائے تھے، لیکن آج بھی فن تعمیر اور انجینیرنگ کا وہ ایک نادر نمونہ ھیں —

مسٹر ماک : - مگر آپ ان کو فلک بوس تو نہ کہیں گے ؟

ڈاکٹر وسلر :- نہ کہنے کي وجہ ؟ ان کي بلندی ۴۵۰ فٹ ھے - جس کے معنے ۴۰ منزلہ عمارت کے ھیں- اس کے یہ معنے ھیں کہ وہ بہت سے نام نہاد فلک بوسوں سے بلند تر ھیں - ان کے قاعدے کي لمبائي ۷۰۰ فٹ ھے - جس انداز پر اھرام مصری ' یونان اور روما کے مندر بنے ھیں ' اس سے واضح ھوتا ھے کہ سنگ کاری کے متعلق ھمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کو وہ لوگ نہ جانتے ھوں - مصری اور یونانی اپنے پتھروں کو اس طرح ملاتے تھے کہ درمیان میں کسی سمنٹ کی ضرورت نہ ھوتی تھی - لیکن روما والے چونا اور سرخی استعمال کرتے تھے - اس میں انھوں نے اتنا اضافہ ضرور کیا کہ گارے میں آتش فشانی خاکستر بھی ملانے لگے' جس سے وہ سمنٹ آب گریز (Waterproof) ھو گیا - عمارتوں کے سلسلے میں انھوں نے ایک اور اھم چیز کا اضافہ کیا یعنی گچ (Mortgage) کا —

مسٹر ماک :- بعض لوگ اس کے لیے ھرگز ان کے شکر گزار نہ ھوں گے- آپ نے جن عمارتوں کا ذکر کیا ھے وہ یا تو مندر ھیں یا یادگار - اب یہ فرمائیے کہ سب سے پہلے گھر کس قسم کے تھے —

ڈاکٹر وسلر :- جس معنے میں ھم گھر استعمال کرتے ھیں اُن معنوں میں سب سے پہلے گھر جن کے آثار پائے گئے ھیں وہ ' وہ گھر تھے جو دریائے نیل کے ساحل پر مزدوروں کے لیے جھونپڑیاں تھے - ان ھي مزدوروں نے اھرام بنائے ھوں گے-

یہ جھونپڑیاں کچی اینٹوں سے بنائي گئی تھیں - لیکن
یہ مصری بنگلے بھي سب سے پہلے رہنے کے مکانات نہ
تھے - کوئي ۲۰٬۰۰۰ برس ادھر عہد حجری جدید کے
آدمیوں نے بیساکھیوں یا تھونیوں (Stilts) پر مکان
بنائے تھے —

مستر ماک :- کیوں؟ بیساکھیوں پر کیوں بنائے؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ اصل میں ایسی جھونپڑیاں تھے جن کي دیواریں
بٹي ہوئی شاخوں سے بنی تھیں' جن کے اوپر متي پھیر
دی گئی تھی - چھت کے لیے پھوس کا چھپر تھا - فرش
لکڑی کا تھا - یہ فرش لکڑی کي بیساکھیوں پر قائم تھا'
جن کو مختلف گہرائیوں تک جھیلوں کی تہوں میں گاڑ
دیا گیا تھا - سوئستان' اطالیہ' آستریا ہنگری اور
جرمني میں ایسے بیوت کے آثار پائے گئے ہیں —

مستر ماک :- ان لوگوں نے پانی میں رہنا کیوں پسند کیا؟

ڈاکٹر وسلر :- اس لیے کہ انھوں نے بھاگنے کو ترجیح نہیں دي - میرا
مطلب یہ ہے کہ غالباً انھوں نے خشکی پر دشمنوں کے
حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے یہ صورت نکالي تھي -
سولھویں صدی میں آئرستان میں جنگوں کی تاریخ سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے سردار بھي آپس کی لڑائیوں
میں اس قسم کی ترکیبوں سے کام لیتے تھے - اسکاچستان
کے مغرب میں بھی ان سے کام لیا جاتا تھا - آج کل بھي دنیا
کے مختلف حصوں میں دیہاتي اور جنگلي باشندے اس قسم

کے مکان بنا کر رہتے ہیں، چنانچہ جنوبی امریکہ، جزائر بورنیو اور سیلیبیز واقع ولندیزی جزائر ہند مشرقی وغیرہ میں ایسے مکانات اب بھی پائے جاتے ہیں —

مسٹر ماک :- تو کیا آپ کے نزدیک انسان نے سب سے پہلے جو سکونتی مکان بنائے یہی دریائی مکان تھے؟ —

ڈاکٹر وسلر :- ہرگز نہیں۔ جب آپ کسی ایسے کمرے میں داخل ہوں جہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوں تو آپ کہاں بیٹھنا چاہیں گے؟

مسٹر ماک :- میں تو ہمیشہ پشت بہ دیوار بیٹھنا چاہتا ہوں —

ڈاکٹر وسلر :- اکثر لوگ اسی کو پسند کرتے ہیں۔ یہ ان کا تقاضائے جبلت ہے یہ ان دنوں کی یادگار ہے جب ہم کو اپنے دشمنوں سے ہر وقت بچنے کی فکر رہتی تھی اور ہم نہ چاہتے تھے کہ کوئی پشت سے ہم پر حملہ کر سکے۔ حیوانوں میں بھی یہی جبلت ہے۔ دیواروں کی طرف اپنی پشت رکھنے کے لیے، اور موسم سے حفاظت کی غرض سے، ابتدائی انسانوں نے چٹانوں کے پہلوؤں میں اور غاروں کے جوفوں میں پناہ لی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے بندر نما مورثوں نے ایسا ہی کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی انسان غار باش تھا۔ لیکن سب سے پہلا مکان اس وقت بنا جب ذہن انسانی اس فطری پناہ گاہ میں اصلاح کر سکا اور کھلے میدان میں اس کو بنا سکا —

مسٹر ماک :- اس مصنوعی پناہ گاہ کی اولین صورت کیا تھی؟

ڈاکٹر وسلر :- محض ایک ڈھیر کی صورت تھی - یعنی ایک جھاڑی سی جس کے پیچھے انسان ہوا سے محفوظ ہو کر بیٹھ سکتا تھا - لیکن جب اس نے آگ کا استعمال شروع کیا تو اس کو ہوا اور بارش سے بچانے کی اور بھی ضرورت لاحق ہو گئی —

مسٹر ماک :- انسان نے آگ کا استعمال سب سے پہلے کب کیا اور وہ کس طرح اس کو معلوم ہوئی ؟

ڈاکٹر وسلر :- ابھی عرض کروں گا - ہم سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے قدیم مورثوں میں مکان کے مفہوم کا نشو و نما کیوں کر ہوا - سابق پر انھوں نے یہ اصلاح کی کہ زمین میں تھونیاں گاڑدیں اور پھر دو تھونیوں کے درمیان ایک کھال پھیلادی - اس سے ایک طرح کا ڈھالیا انھوں نے بنا لیا - جب اس کے جواب پر انھوں نے دوسری طرف ایک چمڑا پھیلا دیا تو یہ گویا خیمے کی ابتدا ہوی - حال حال تک آسٹریلیا کے دیسی باشندے چمڑے اور گھاس پھوس سے اس قسم کے ڈھالیے بناتے تھے - ہمارے اجداد بھی غالباً یہی کرتے تھے - اس کے بعد انھوں نے یہ کیا کہ اس قسم کے ڈھالیے چاروں طرف بنا دئے - اور بیچ کے حصے کو خس پوش بنا دیا - اس طرح ایک گاؤدم جھونپڑی بن گئی - لیکن یہ کوئی آرام دہ مکان نہ تھا - اس میں داخل ہونے کے لیے جھکنا پڑتا تھا اور اندر بہت پست اور بند بند تھا - اس لیے زیادہ جگہ حاصل کرنے

کے لیے انھوں نے اندر کی زمین کھود ڈالی - اس طرح انھوں نے ایک حفرہ (Pithouse) بنا ڈالا - اس کے بعد اُن کے ذھن نے بلند پروازی کی تو انھوں نے ساری جھونپڑی کو بیساکھیوں پر کھڑا کر دیا - پس جو جھونپڑی تھی وہ چھت ھوگئی - دیواریں انھوں نے شاخوں اور مٹی سے بنا دیں - اس طرح ایک گول مکان بن گیا —

مسٹر ماک :- تو لوگوں نے چوکور مکان کب بنانا شروع کئے ؟

ڈاکٹر وسلر :- ۲۰٬۰۰۰ برس سے لے کر ۲۰۰۰ برس ادھر تک اس کی مدت ھے - اس کا انحصار مقام پر ھے - معماری کی ابتدا ھوتے ھی مربع اور مستطیل مکان اور چپٹی چھتیں بننے لگیں - دنیاے قدیم میں اس کی ابتدا عراق اور مصر میں ھوئی - امریکہ میں اس قسم کے مکانات جدید میکسیکو میں پائے گئے ھیں جن کا زمانہ پہلی صدی عیسوی ھے - خود میکسیکو اور پیرو میں اس سے پیشتر کے بھی مکانات پائے گئے ھیں - ان کے صحیح زمانے کا پتہ نہیں - ایک مرتبہ جب انسان نے فن معماری پر قبضہ پا لیا تو پھر اونچی اونچی عمارتوں کا بنانا ایک امر معمولی رہ گیا - مکانوں کی بلندی کے لیے پھر آسمان ھی حد ھوسکتا تھا - لیکن اس تمام دست کاہ کے باوجود ان قدیم معماروں کو ایک چیز نے پریشان کر دیا —

مسٹر ماک :- وہ کیا چیز تھی ؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ یہ کہ ان کو مکان میں آگ جلانا اور پھر اس کو رھنے

کے قابل بنانا نہیں آتا تھا - واقعی تعجب ہوتا ہے کہ چمنیوں کی ایجاد نسبتاً جدید ہے - سارے امریکہ میں ایک بھی چمنی نہ تھی یہاں تک کہ سفید فاموں نے ان کو جاری کیا - براعظم یورپ میں بھی چمنیاں ازمنۂ وسطی تک استعمال میں نہ تھیں - اور انگلستان میں تو اور بعد میں استعمال میں آئی ہیں —

مسٹر ماک :- تو بغیر چمنیوں کے لوگ گزر کیسے کرتے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- جن مقاموں میں وہ اس قسم کے مکان بناتے تھے وہاں آب و ہوا بالعموم معتدل تھی - اس لیے آگ سے گرمی پہنچانے کی بجائے پکانے کا کام زیادہ لیتے تھے - جب آگ اندر جلائی جاتی تھی تو دھواں چھت میں ایک سوراخ سے نکل جاتا تھا - دو سو برس ادھر انگلستانی کسانوں کے مکانوں میں یہی صورت ہوتی تھی —

مسٹر ماک :- تو آگ کا استعمال کس قدر قدیم ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- اگر آپ نے کچھ دنوں ادھر مجھ سے یہ سوال کیا ہوتا تو میں یہی جواب دیتا کہ مجھے نہیں معلوم - لیکن اب ہم کو قطعی طور پر معلوم ہے کہ اس کا زمانہ پیکنی انسان کے عہد سے شمار ہوتا ہے - یعنی کوئی دس لاکھ برس ادھر بالفاظ دیگر اس کا استعمال انسان کے ساتھ ساتھ ہی رہا ہے —

مسٹر ماک :- آپ کو یہ کیوں کر معلوم ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- ڈاکٹر گریگوری نے آپ سے فرمایا ہوگا کہ پیکن کے طبیعہ

کالج کے معلم تشریح ڈاکٹر بلیک نے اپنے تلمیذوں کی مدد سے کوئی چار برس ادھر دو پرانی کھوپریاں کھود کر نکالی تھیں - ان میں سے ایک مرد کی کھوپری تھی اور ایک عورت کی - چونکہ دونوں چین کے ایک غار سے برآمد ہوئی تھیں اس لیے بہ حیثیت مجموعی دونوں کو پیکنی انسان کہا جاتا ہے - اگرچہ کھوپری دبیز ہے اور جبڑے بندر نما ہیں' لیکن سائنس دانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ بلا شبہ انسانی کھوپریاں ہیں' اور جاوی انسان اور پلٹ ڈاؤنی انسان سے ایک درجہ بلند ہیں - اس لیے غالباً وہی ابتدائی انسانی ہستیاں تھیں —

مسٹر ماک :- ہاں مجھے یاد آیا کہ ڈاکٹر گریگوری نے ان کو چینی "آدم و حوا" کا نام دیا تھا —

ڈاکٹر وسلو :- نام تو بہت اچھا دیا - حال ہی میں ڈاکٹر بلیک نے مزید حفریات میں آگ کے اثرات یعنی خاکستر' کوئلہ' جلی ہڈیاں وغیرہ اس قبل التاریخی جوڑے کے غار میں پائیں - جس سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ ان گھروں میں آگ جلا کرتی تھی -

مسٹر ماک :- انھوں نے کیا بہت اچھا - کیوں کہ ان کا زمانہ عہد یخ تھا -

ڈاکٹر وسلو :- جی ہاں انھوں نے بہت اچھا کیا - بلکہ یوں کہیے کہ انھوں نے بڑی سمجھہ کی بات کی - کھوپری اور دانتوں کی شکل سے زیادہ یہ امر ان کے انسان ہونے پر دلالت کرتا ہے - ڈاکٹر بلیک کی ایک اور دریافت سے اس کی

تاکید ہوتی ہے - ایک غار میں جہاں اُن کو لاکھوں برس ادھر کی آگ کے اثرات ملے وہاں کچھہ ابتدائی سنگی اوزار بھی دستیاب ہوے - ان دریافتوں کو جس قدر اہمیت دی جاے کم ہے - ان سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ انسان کے تمدن کی عمر اس سے بہت زیادہ ہے جتنا کہ ہم سمجھتے تھے - ہاں ! تو ہم چینی آدم و حوا کا ذکر کر رہے تھے کہ وہ اپنے گوروں میں آگ جلاے رکھتے تھے - جس کا مطلب یہ ہے کہ غالباً اُن کو آگ جلانا نہ آتی تھی - فطرت میں انسان کو غالباً کہیں آگ مل گئی ہوگی' اس لیے اس نے خوب حفاظت کی -

مسٹر ساک :- تو آگ کس نے دریافت کی ؟

ڈاکٹر وسلر :- درخت ' پہاڑ اور دریا کس نے دریافت کئے ؟ اس کے دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی - حقیقت تو یہ ہے کہ آگ انسان سے قدیم تر ہے - انسان نے اس کو شروع ہی سے جنگل کی آتش زدگی اور آتش فشانوں کی آتش فشانی وغیرہ میں دیکھا ہوگا - ممکن ہے کہ ان کو دیکھہ کر وہ حواس باختہ ہوگیا ہو - لیکن جلد ہی اس کی سمجھہ نے اُن کے استعمال دریافت کرلیے ہوں گے - اس لیے اس کو خیال ہوا ہوگا کہ اس کی حفاظت کی جاے اور جگہ جگہ وہ لے جائی جاے - لیکن جب رگڑ سے اس نے آگ پیدا کرلی تو واقعی ایک حقیقی اکتشاف کیا ـــ

مسٹر ساک :- اس نے اس کا اکتشاف کیوں کر کیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس نے یوں ہی دریافت کیا ہوگا کہ اپنے سنگی اوزاروں سے جب لکڑی کے لٹھوں کو کاٹا یا چیرا ہوگا تو اس نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ گرمی پیدا ہوجاتی ہے - اس دنیا میں چیزوں کے نشو و نما کو سمجھنے کے لیے آپ کو ایک بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے - وہ یہ ہے کہ ہم سب کے اعتقاد کے برخلاف ابتدائی انسان کودن نہیں ہوتے - یہ صحیح ہے کہ اُن کو بہت سی ایسی چیزیں نہیں معلوم جن سے ہم واقف ہیں لیکن ان میں ذہانت ہوتی ہے - اسی طرح ہمارے مورثان اعلیٰ میں بھی ذہانت تھی - جن رکاوٹوں پر انھیں غالب آنا پڑا اور جن خطروں سے وہ دو چار ہوئے وہ بہت زبردست تھے - جس طرح اُنھوں نے چیستانی مسائل حل کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہوشیار اور مستعد تھے - مثال کے طور پر رگڑ سے آگ پیدا کرنے کے سادے سے واقعے کو لیجئے - کیا آپ اس طرح آگ پیدا کرسکتے ہیں ؟

مسٹر ماک :- جی نہیں - مجھ سے نہیں ہوسکتا ـــــ

ڈاکٹر وسلر :- بہتوں کا یہی حال ہے - میں آگ پیدا تو کرلیتا تھا ، لیکن یہ آسان کام نہیں - دقت یہ ہے کہ ہمارے لیے اس کا سکھلانے والا کوئی نہیں - دوسرے ہم کو اس کی ایسی ضرورت بھی نہیں ، جیسی کہ ابتدائی انسان کو تھی - وہ بے چارہ تو اس کے علاوہ دوسرا چارہ نہ رکھتا تھا - اس کی صورت یوں ہے - دیودار جیسی

اوسط درجے کی نرم اور دانہ دار لکڑی میں تیز پتھر سے ایک سوراخ کیجئیے ۔ اب کسی سخت لکڑی کا ایک ٹکڑا لیجیے اور سوراخ میں رکھہ کر دونوں ہاتھوں سے اُسے چرخ دیجئیے ساتھہ ہی لکڑی کو نیچے کی طرف دباتے جائیں ۔ رگڑ سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ سے سوراخ کی لکڑی کٹ جاتی ہے ' جس سے بہت باریک برادہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ برادہ جل اٹھتا ہے اور دمکنے لگتا ہے ۔ اب آگ تو آپ نے پیدا کرلی ' لیکن اس کا فائدہ آپ کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا ' جب تک کہ آپ اُسے برتنا نہ سیکھیں ۔ اس میں راز یہ ہے کہ برادہ حرارت کو قائم رکھتا ہے ' اگر آپ اُسے ہوا دیں تو دمک غائب ہوجاتی ہے ۔ اب اس کے بعد جو کیفیت ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ سگرٹ کے جلتے ہوئے '' پس نوش " (Live Cigarette Butt) سے ہم آگ حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔ اس میں یہی کہا جاتا ہے کہ ایسی چنگاری پر گھاس پھونس رکھی جاتی ہے اور پھر پھونک پھونک کر ہوا دی جاتی ہے جس سے گھاس جلنے لگتی ہے ۔ یہی طریقہ ابتدا میں آگ حاصل کرنے کا تھا ۔ اور آج بھی دنیا میں یہ طریقہ متعدد ملکوں میں رائج ہے ۔ لیکن پالینیشی (Polynesian) طریقہ اس سے مختلف ہے ۔ جنوبی جزیروں میں یہ معمول ہے کہ ایک

نوکدار لکڑی لے کر اس سے لکڑی کے ایک دوسرے ٹکڑے میں نالی سی بناتے ہیں —

مسٹر ماک :- اس کے بعد ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کے بعد ایک تسمہ لکڑی میں لپیٹ دیتے ہیں اور پھر اس کو ادھر ادھر حرکت دیتے ہیں تاکہ لکڑی چرخ کھائے - بڑھئیوں میں برما اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے - غالباً یہ سب سے پہلی محنت بچانے والی تدبیر تھی - باینہمہ یورپ کے قبل التاریخی انسان چقماق سے شعلہ حاصل کرنے کے گر سے آگاہ تھے - کیونکہ ان کے غاروں میں اس کی شہادتیں پائی گئی ہیں - آج کل کی سگریٹ جلانے والی جیبی مشینیں اس عہد کی یاد تازہ کرتی ہیں - قدیم یونانی آتشی شیشے اور آئینے استعمال کرتے تھے - ۱۸۴۸ سے پہلے دیاسلائی کا پتہ نہیں لگتا - ان میں شعلہ پذیر اشیاء بالخصوص فاسفورس ہوتا تھا - اس کے بعد جیسا کہ آپ واقف ہوں گے فاسفورس کو دیاسلائی کی بجائے اس کی ڈبیا پر لگایا جانے لگا —

مسٹر ماک :- آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے محنت بچانے والی مشین جو ایجاد کی گئی وہ یہی برما ہے - لیکن محنت بچانے والی مشینیں اور بھی تو ہیں جیسے بیرم ' پہیہ ' چرخی - یہ یقین نہیں کہ قدما نے بڑی بڑی عمارتیں ان مشینوں کے بغیر محض ہاتھ سے بنائی ہوں —

ڈاکٹر وسلر :- ہرگز نہیں - واقعہ یہ ہے کہ حضرت انسان شروع ہی سے

اس کے حامی رہے ہیں کہ پسینے کی کمائی سے روٹی نہ
حاصل کی جائے بلکہ دماغ کے زور سے حاصل کی جائے -
یہ صحیح ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے لیکن پھر یہ
بھی صحیح ہے کہ تساہل ایجاد کا باپ ہے - بیرم تو
اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان - اولین انسان بھی مائل
سطح سے واقف تھے - انھوں نے جلد ہی معلوم کر لیا کہ
کسی بڑے پتھر کو ڈھلان پر چڑھانے کی بجائے اوتارنا
آسان تر ہے - مشینوں کا زمانہ غالباً اس وقت سے شروع
ہوا جب کہ ہمارے کسی وحشی مورث کو اپنے غار کے سامنے
سے کسی بڑے پتھر کو ہٹانا پڑا ہوگا اور اس کو یہ
معلوم ہو گیا ہوگا کہ پتھر کے نیچے چند گول لٹھے لکڑی
کے ڈال دینے سے اُس کے ہٹانے میں سہولت ہوتی ہے اور
محنت اور وقت دونوں کی کفایت ہوتی ہے - اسی کو
پہیے کی ابتدا سمجھنا چاہئے اور آپ جانتے ہیں کہ
پہیہ ہماری جدید میکانی دور کی جان ہے - قدیم اشوری
کتابوں میں ایک زبردست پردار بیل کا ذکر آتا ہے
جس کی نقل و حرکت کے لئے بیرموں کا استعمال کیا جاتا
تھا اور جس کو منتقل کرنے کے لئے تختے استعمال ہوتے
تھے، جن کے نیچے بیلن ہوتے تھے - مصری بھی چرخیوں
اور پہیوں سے اچھی طرح واقف تھے —

مسٹر ماک :- جس پہیے سے ہم واقف ہیں اس کی عمر کتنی ہے ؟
اور کب اور کہاں اس کا نشو و نما ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کی صحیح عمر تو ہم کو معلوم نہیں لیکن اندازہ ہے کہ ۸۰۰۰ سے لے کر ۱۰،۰۰۰ برس تک اس کی عمر ہے - اس کا آغاز غالباً ایشیا میں ہوا اور بعد میں یورپ میں پھیلا - امریکہ میں جب ہسپانوی یہاں وارد ہوے تھے تو کسی قسم کا کوئی پہیہ بھی یہاں نہیں تھا - قدیم ترین گاڑیوں کے پہیے جن میں چار چار ڈنڈے ہوتے تھے ۴۰۰۰ ق - م کے زمانے کے ہیں - میرے خیال میں موجودہ پہیے کی ابتدا یوں ہوی ہو گی کہ کسی ایشیائی کو یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ ایک گول لٹھے کو ایک دھرے اور دو پہیوں کی شکل میں ایک ساتھ کاٹ لیا جاے - اگر چہ یہ صورت بالکل ابتدائی تھی ' لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ معمولی بیلن کے مقابلے میں یہ تدبیر کس قدر ترقی یافتہ ہے - بھاری بھاری وزنوں کی نقل و حرکت میں اس سے کتنی سہولت پیدا ہو گئی ہو گی - لطف کی بات یہ ہے کہ آج کل کی ریلوں کے پہیے بھی اسی تدبیر سے بناے جاتے ہیں - جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ اگر دھرا بوجھ سے متعلق ہو تو بھاری وزنوں کے اٹھانے رکھنے میں کم آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور سہولت زیادہ ہوتی ہے تو پہیہ علحیدہ بنایا جانے لگا - اس کے بعد گاڑی کا وجود ممکن ہو گیا - ظاہر ہے کہ پہلے پہیے ٹھوس ہی ہوں گے - چنانچہ بعض ملکوں کے دیہاتوں میں اب بھی ایسے پہیے کام میں لاے جاتے ہیں - اس کے بعد پہیے اس

نمونے پر بنے کہ لکڑی کے علیحدہ علیحدہ تختے لے کر لکڑی ہی میں جوڑ دیے گئے ۔ اس کے بعد ٹکڑے ایک دوسرے میں بٹھائے جانے لگے اور شکل ان کی گول بنائی جانے لگی ۔ بالآخر پہیے نے یہ صورت اختیار کی کہ بیچ میں ایک دھرا، پھر تختے، پھر کناری ۔ اب یہ سوال کہ اس کو کس نے اور کب ایجاد کیا ابھی تک حل طلب ہے —

مسٹر مارک :- شروع میں کتنے تختے رکھے جاتے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- صرف دو ۔ لیکن ان کو اپنی جگہ قائم رکھنے کے لیے چار قینچیاں سی لگانی پڑتی تھیں ۔ تختے اور قینچیاں مل کر حرف H کی شکل بن جاتی تھی ۔ صدیوں بعد قینچیوں کی بجائے دو تختے اور لگا دئے گئے ۔ اس طرح ۴۰۰۰ برس ادھر کی چار تختے والی گاڑی وجود میں آئی —

مسٹر مارک :- اس زمانے میں اُن کے پاس اوزار کس قسم کے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- مصری تو بڑے بڑے پتھروں کو توڑنے کے لیے فانے (Wedges) استعمال کرتے تھے ۔ ان کے نجاروں کے اوزار دیکھیں تو آپ کو بڑا تعجب ہو ۔ اور یونان و روما کے نجاروں کے اوزار دیکھیں تو اور بھی تعجب ہو —

مسٹر مارک :- کیوں ؟

ڈاکٹر وسلر :- کیونکہ وہ ہمارے اوزاروں سے بہت مشابہ ہیں ۔ ان

چھینیاں تھیں - یہ اوزار کانسے کے بنے ہوئے تھے، جو تانبے اور رانگ کا بھرت (Alloy) ہے - اگرچہ وہ بہت عمدہ تھے لیکن ان کی وضع سے سابق کے سنگی اوزاروں کا پتہ چلتا ہے —

مسٹر ماک :- کیا ہر جگہ لوگوں نے پہلے سنگی اوزار ہی استعمال کئے ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں - تمام دنیائے مسکون میں تمدن کی حالت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، سنگی اوزار اور ہتھیار ہر جگہ برآمد ہوے ہیں - ابتدائی انسان لکڑی، ہڈی اور سینگ استعمال کرتا تھا، یعنی ہر وہ چیز جس پر اس کی دسترس بآسانی ہوسکتی تھی، مغربی یورپ میں جو قدیم ترین اوزار پائے گئے ہیں وہ شیلیائی انسان (Chelean Man) کے ہیں —

مسٹر ماک :- یہ کون بزرگ ہیں ؟

ڈاکٹر وسلر :- گمان غالب یہ ہے کہ وہ نیاندرتھال انسان کا مورث قریب ہے - خود اس انسان کا زمانہ ۲۰،۰۰۰ سے ۱۰۰،۰۰۰ برس ادھر کا ہے - ہم اس کو شیلیائی انسان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اوزار شیلے نامی ایک قریہ واقع فرانس میں پائے گئے - جس طرح کہ متاخرین نیاندرتھال کے اوزار موستیری کہلاتے ہیں، کیونکہ وہ فرانس کے موضع موستیر (Moustier) کے قرب میں پائے گئے تھے —

مسٹر ماک :- یہ شیلیائی اوزار کس قسم کے ہوتے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- ڈھلیائی اوزار چقماق کے بنے ہوتے تھے۔ ان میں کلہاڑیاں اور دیگر کاٹنے والے اوزار تھے، جن کی شکل وہ پتیوں جیسی بناتے تھے۔ ان میں خاص بات یہ ہے کہ یہ اوزار اگرچہ ہاتھ سے کام کرنے کے لیے بنائے گئے تھے، تاہم وہ اتنے بڑے ہیں کہ ہمارے ہاتھ اُن کو سہولت کے ساتھ کام میں نہیں لا سکتے۔ موسٹیری اوزار، جن میں کلہاڑیاں، رندے اور چھینیاں وغیرہ شامل ہیں نسبتاً چھوٹے اور نفاست سے بنے ہوئے ہیں - مرکزی فرانس کے غاروں میں سنگی کلہاڑیاں، رندے، آری، ہڈی کی سلائیں، تیر سیدھا کرنے کے آلے، اور دیگر اشیاء بر آمد ہوئی ہیں۔ ان اوزاروں اور ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ برفستانی ہرن [Reindeer] اور قدیم ہاتھی (Mammoth) کے آثار بھی پائے گئے ہیں —

مسٹر ماک :- برفستانی ہرن ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں۔ اس زمانے میں فرانس میں ان کی کثرت تھی۔ اور عہد حجری کے انسان ان کا شکار کرتے تھے۔ ساتھ ہی غار باش ریچھوں اور جنگلی بھینسوں (Bison) کو بھی شکار کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان غاروں میں کھدائی سے ہم کو پتہ چلا ہے کہ اس زمانے کے یورپ والے اسی طرح زندگی بسر کرتے تھے، جس طرح کچھ عرصہ پہلے گرین لینڈ کے اسکیمو بسر کرتے تھے، کیونکہ وہ قطبی ریچھوں کا شکار سنگی نیزوں سے کرتے تھے۔ اسکیموں کی

طرح وہ اپنے خالی اوقات میں جانوروں کی تصویریں نقش کیا کرتے تھے- اس قسم کے نقوش بکثرت پائے گئے ہیں- پتھروں اور سینگوں پر برفستانی ہرنوں کے سروں کے نقوش بہت پائے گئے ہیں - ایک خاص نمونہ قدیم ہاتھی کا نقش ہے جو اسی کے دانت پر بنایا گیا تھا- اس طویل مدت کو، جب کہ ابتدائی اوزار استعمال کیے جاتے تھے اور جو ابتدائی عہدیخ سے لے کر ۲۰،۰۰۰ برس ادھر تک ممتد ہے، قدیم عہد حجری کہتے ہیں —

مسٹر ساک :- اس کے بعد کا زمانہ جدید عہد حجری ہوگا ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں- یہی پہلا عہد تخصیص ہے —

مسٹر ساک :- کیوں ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس لیے کہ اس زمانے میں لوگوں کو خاص کاموں کے لیے خاص اوزار بنانے کا خیال آیا- آپ جانیے کہ شروع میں تو ہر اوزار ہر کام کے لیے استعمال ہوتا تھا- اسی کلہاڑی سے وہ کسی چٹان سے پتھر کا ایک ٹکڑا توڑتے تھے، تو اسی سے وہ دشمن یا کسی درندے کا سر بھی توڑتے تھے - رفتہ رفتہ جو اوزار مختلف قسم کا کام انجام دیتے تھے، ان سے صرف ایک ہی قسم کا کام لیا جانے لگا اور اس کی مناسبت سے اُن میں کچھ تبدیلی بھی کردی گئی - تطبیق اور ترقی کے اس فن میں تو ہم استاد جہاں ہیں- مثال کے طور پر اگر کوئی لوہار اپنے چھینی سے آپ کے دانت اکھاڑنے لگے تو آپ کس قدر

گھبرائیں گے، لیکن دندان ساز کا زنبور کیا ہے؟ اوزار کے اوزار کی ایک ترقی یافتہ شکل یعنی وہی چمٹا ایک خاص کام کے مطابق بنا یا گیا تو زنبور ہو گیا —

مسٹر ساک :- آپ کا مطلب یہ کہ جدید عہد حجری ہی میں انسان نے اوزاروں میں تطبیق اور تغیر کا اصول برتنے کی بنیاد ڈالی؟

ڈاکٹر وسلر :- یہ صحیح طور پر تو نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے ہی ابتدا کی، کیونکہ یہ عمل تو پہلے سے بھی جاری تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی جیسی سرگرمی کسی نے نہ دکھلائی۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ انہوں نے سوراخدار ہتوڑا ایجاد کیا، تاکہ سوراخ میں دستہ ڈالا جا سکے۔ ان ہتوڑوں کی وہ بہت سی قسمیں بناتے تھے اور چھینیاں بھی ان کے پاس بہت سی تھیں، نیزے، پیکان، آری، چھری، رندے، خنجر وغیرہ کے سے اوزار اور ہتھیار اُن کے پاس بہت تھے۔ لیکن جہاں اس عہد کے اوزار عہد حجری قدیم کے اوزاروں سے تنوع اور فائدے میں مختلف تھے وہاں صناعی میں بھی اُن سے بڑھ کر تھے۔ تقریباً ہر صورت میں اُن میں پالش کے ساتھ دھار بھی پائی جاتی ہے۔ سابق کے اوزاروں میں پالش نہ ہوتی تھی۔ عہد حجری جدید کے آدمیوں نے ہی پہلے پہل چکیاں اور سان پتھر استعمال کئے۔ اب یہ دیکھیے کہ اس قسم کی تمام ایجادات اور مابعد کی تمام اصلاحیں

بالکل نا ممکن ہوتیں ' بالفاظ دیگر تمدن ہو ہی نہیں سکتا تھا جب تک ایک بات نہ ہوتی —

مسٹر ماک :- وہ کیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- مدنیت ' یعنی مل کر کام کرنے کی عادت - اگر انسان انفراداً کوئی کام انجام دیتا تو کچھ بھی نہ کرسکتا ' لیکن جماعت کی صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے کرنے کی انتہا کہاں تک ہے - مثال کے طور پر اسی اوزار سازی کو لیجئے - اگر صرف ایک انسان ہی اس کا اجارہ دار ہوتا تو یہ فن اسی کے ساتھ ختم ہو جاتا - اس بنا پر غالباً انسان نے امیدواری کا طریقہ نکالا - یعنی جہاں کسی انسان کو اوزار بنانے میں ملکہ حاصل ہوا وہاں اس نے چند نو جوان بطور امیدوار رکھ لئے تاکہ اس کا فن جماعت کے لئے محفوظ رہے —

مسٹر ماک :- کیا عہد حجری جدید کے انسانوں نے اس کی بنیاد ڈالی ؟

ڈاکٹر وسلر :- انہوں نے اس کو ترقی بہت دی ' لیکن جماعت بناکر رہنے اور جماعت کے فائدے کے لئے مل کر کام کرنے کا خیال اس عہد سے بھی قدیم تر ہے —

مسٹر ماک :- اس کا آغاز کس نے کیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- درندوں کے شکار نے - ہمارے ابتدائی مورث شکاری تھے اور وہ باقی اسی وجہ سے رہ سکے کہ درندوں کا شکار کرتے تھے - ناقص سامان سے بڑے بڑے جانوروں کا زیر کرنا آسان کام نہ تھا - اسی لئے تنظیم کی ضرورت ہوئی -

اور چند قوی بہادر اور قابل آدمیوں نے ایک جماعت بنا ڈالی۔ کسی ایک ہی خاندان سے اس جماعت کی بھرتی نہ ہو سکتی تھی۔ اسی بنا پر خاندانوں کے گروہ یعنی قبیلے وجود میں آئے —

مسٹر ماک :- لوگوں نے خاندانوں میں رہنا کب سے شروع کیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- ہمیشہ سے۔ یہ تو انسان کی سرشت میں ہے۔ غالباً یہ ہمارے بندر نما موروثوں کا ورثہ ہے۔ بڑے بڑے بندر اکثر ٹولیوں میں رہتے ہیں۔ جہاں کوئی غیر آیا تو اس کو دشمن سمجھا گیا یا مشتبہ نظروں سے دیکھا گیا۔

مسٹر ماک :- کیا یہ قبل التار یخی خاندان ہمارے گوروں جیسا ہوتا تھا ؟ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا اس میں باپ، ماں اور بچے ہوتے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- نہیں ابتدائی خاندان تو بندروں کی ٹولی سے زیادہ مشابہ تھا، یعنی بجائے اس کے کہ ایک جوڑا مع اپنی اولاد کے ہوتا، ہوتا یہ تھا کہ ایک ہی جوڑے کی اولاد کے گروہ ہوتے تھے۔ ان میں "شیخ" ہوتا تھا، متعدد جوان مرد اور عورتیں ہوتی تھیں اور ان کے بچے ہوتے تھے۔ اس طرح بارہ یا پندرہ افراد ہوتے تھے۔ لیکن ان گروہوں کی "اکائی" خاندان یا گھر ہوتا تھا۔ درندوں کے شکار نے قبیلے اور قریے کی بنیاد ڈالی اور اسی نے سیاست اور جنگ پیدا کی —

ڈاکٹر وسلر :- جب آپ نے ایک فرقے کی بنیاد ڈالی تو کہئیے کہ ایک طرح کی ابتدائی حکومت بھی قائم ہوگئی - انفرادی خاندانوں کے " شیوخ " ایک جگھہ مل بیٹھے اور وہ سردار قرار پائے - سب کے اتفاق سے ان میں سے ایک پورے قبیلے کا " شیخ " قرار پایا - یہ وہ شخص ہوتا تھا جو سب میں زیادہ مستعد ہوتا اور سب میں زیادہ شکار میں تجربہ کار - اس طرح پہلا سردار یا بادشاہ وجود میں آیا -

مسٹر ساک :- درندوں کے شکار نے جنگ کیونکر پیدا کی ؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ اس طرح کہ شکار کی ابتدا تو ضرورت سے ہوئی اور بعد میں وہ تفریح بن گیا - اس نے انسان کے اندر امنگیں پیدا کیں - اسے شکار میں لطف آنے لگا - اور قوت وعقل کے بل پر قوی تر اور عظیم تر جانوروں کو قابو میں لانے میں مزہ آنے لگا - اس سے طاقت کا احساس ہوا اور جنگ کے فن کی بنیاد پڑی - جب ایک جماعت اس فن سے آگاہ ہو جائے تو اسی سے فوج بن جاتی ہے - تو پھر کیا تعجب کہ جب قبیلوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا ہو تو وہ لڑ کر طے پایا ہو - درندوں کے شکار میں جو فن جنگ انھوں نے حاصل کیا وہ اب ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے لگے - یہی باقاعدہ جنگ کی ابتدا تھی —

مسٹر ساک :- وہ لڑتے کس لئے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- غالباً اپنی شکار گاہوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ۔

مسٹر بالک :- ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ عہد حجری جدید کے آدمیوں نے چکیوں کے استعمال کی ابتدا کی ۔ کیا اس سے یہ مطلب ہے کہ بجائے شکاریوں کے وہ کاشتکار تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں ۔ ان کے پاس زراعت بھی تھی اور اہلی جانور بھی تھے ۔ لیکن اس مبحث کو دوسرے دن کے لئے رکھئے تو مناسب ہے ۔

تجزیۃ النفس

از

(ع - ح - جمیل علوی ، بی اے - ، جمیل منزل - گوجرانوالہ)

تجزیۃ النفس (psycho - analysis) سے کیا مراد ہے -

نفسیات کے اس شعبے کا نشوو نما ، جو " تجزیۃ النفس " کے نام سے مشہور ہے خود نفسیات سے نہیں ہوا - بلکہ طبی مشق سے ہوا - وسیع معنوں میں یہ علم امراض دماغی کے علم کی ایک شاخ ہے لیکن اس کی بنیاد کچھ ایسے اصولوں پر رکھی گئی ہے کہ ان دنوں یہ مذہب تمام ماہرین نفسیات کی توجہ اپنی طرف مبذول کررہا ہے - اس کو " نفسیات سیرت " کے نام سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے - اگر چہ یہ سیرتی طریقوں اور اصولوں سے بہت ہی بعید ہے - ڈاکٹر ینگ (Jung) کے مذہب کو اکثر " نفسیات عمیق " (Depth psychology.) کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس کا تعلق اس چیز سے ہے جو ہر فرد کی زندگی کی گہرائیوں میں محفوظ ہے —

" تجزیۃ النفس " سے اکثر تین معنے مراد لیے جاتے ہیں :—

(الف) علم طب کا ایک خاص طریقہ جس کو " ویانا " یونیورسٹی کا ایک پروفیسر ڈاکٹر " سگمنڈ فراڈ " (Sigmund Freud) عصبی کمزوریوں کے علاج کے کام میں لایا —

(ب) ایک ایسا خاص طریقہ جس سے نفس کے عمیق طبقات کا انکشاف کیا جاتا ھے ۔ اور

(ج) ایک ایسا اصول جس سے اقلیم تعلیم کو مختص کیا جاتا ھے ۔ ان معنوں میں یہ " علم بے شعوری " کا مترادف ھے ۔ بعض طبیب غلط فہمی سے عصبی کمزوریوں کے ذھنی علاج کو " تجزیۃ النفس " سے موسوم کرتے ھیں ۔ اور وہ اس بات کو فراموش کر جاتے ھیں کہ اس میں ڈاکٹر فراڈ کے طریقے کو بالکل کام میں نہیں لایا گیا ۔ قبل اس کے کہ ھم تجزیۃ النفس کے معنوں پر بحث کریں ھم یہ واضح کرنا چاھتے ھیں کہ ڈاکٹر فراڈ سے قبل بھی چند حکما کو علم تھا کہ نفس میں چند ایسے عناصر بھی ھیں جو ادراک میں آنے کے نا قابل ھیں ۔ لیکن فراڈ پہلا شخص تھا جس نے اس بات پر زور دیا کہ یہ عناصر نفس کے باقی اجزا کی مطابقت کے خلاف ھیں —

تاریخ

" تجزیۃ النفس " کی تاریخ علم امراض دماغی کی تاریخ سے وابستہ ھے ۔ انھوں نے کمزور دماغ آدمیوں میں چند خاص تبدیلیاں دیکھکر ان کے عادات ، اطوار ، اور ان کی ذھنی دنیا کا مطالعہ شروع کر دیا کہ اس سے اس کی وجوہ سمجھہ میں آئیں ۔ پس اسی اصول پر " تجزیۃ النفس " کی بنیاد رکھی گئی ۔ یہ بات بہت دلچسپی سے سنی جائیگی کہ اس کے نشوو نما کی تاریخ کا تعلق تاریخ تنویم سے گہرا ھے ۔ جس کی بنیاد سب سے پہلے فرڈرک مسمر (Fredrick Mesmer) نے ۱۷۸۰ ع میں سائنس کے اصولوں پر رکھی ، جو ویانا یونیورسٹی کے شعبۂ طب کا طالب علم تھا ۔ بدیں وجہ اس سائنس کو اکثر " مسمریزم " (Mesmerism) کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ھے ۔ اس نے اپنا تجربہ سنگ مقناطیس سے کیا ۔ اور اس بات پر زور دیا کہ چند خاص امراض کا علاج سنگ مقناطیس

سے بخوبی کیا جاسکتا ہے - آہستہ آہستہ اس نے مقناطیس کی بجائے اپنی ہتھیلی کے خاص حصے کو اس کام کے لئیے استعمال کرنا شروع کردیا - اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کے ذریعے انسان کو گہری نیند میں بھی سلایا جاسکتا ہے - شروع شروع میں اس نے اتنی شہرت حاصل کرلی کہ حکومت فرانس نے اسے اس بھید کے انکشاف کے لئیے ایک معقول رقم نذر کی - لیکن اس نے انکار کردیا - حکومت نے اسے جلاوطن کردیا اور یہ سوئٹزر لینڈ چلا گیا - اس کے نظریے پر عوام تو نگاہ حیرت ڈالتے تھے - لیکن طبیبوں نے اس پر کچھہ خاص توجہ نہ کی - انیسویں صدی کے اخیر میں " پیرس " اور " نینسی " کے دو متضاد مدارس نے بہت شہرت حاصل کرلی -

' شارکو '' (Charcot) ۱۸۲۵-۱۸۹۳ نے ' جو اپنے وقت کا مشہور عالم اور امراض عصبی میں خاص مہارت رکھتا تھا پیرس کے اسکول پر تسلط جمایا - اس نے معلوم کیا کہ جن اشخاص پر تنویم (Hypnotism) بہت زیادہ اثر کرے وہ اختناق الرحم (Hysteria) میں بہت جلد مبتلا ہوسکتے ہیں - اس نے اس اصول کو اختناق الرحم کے علاج میں استعمال کرنا اور مریضہ کے نفس پر تنویمی حالت کے اثر کا اندازہ لگانا شروع کردیا - اس کا یہ خیال " نینسی " والوں کے خلاف تھا جن کا یہ عقیدہ تھا کہ تقریباً ہر ایک انسان پر تنویمی اثر ہو سکتا ہے - اور اشارات کے ذریعے بھی ایسی حالت کا طاری ہونا ممکنات سے ہے - اسی لئے انھوں نے اس طریقے کو عصبی امراض میں برتنا شروع کیا تھا —

شارکو کے بہت سے شاگرد تھے جنھوں نے تشریح اعصاب میں بہت شہرت حاصل کی • بوسٹن کے مارٹن پرنس (۱۸۵۴ - ۱۹۲۹) نے بھی تنویمی طریقہ مختلف امراض میں استعمال کیا - ماہرین نفسیات اس سے اس کے تجربات اور تجزیۂ ادراک کے سبب سے بخوبی آشنا ہیں - جینے (Janet - ۱۸۵۹)

ہماری توجہ کا خاص مستحق ہے جس نے پچھلی صدی کے اخیر میں اپنی زندگی امراض اعصاب کے لئے وقف کردی - اس نے اختناق الرحم میں شارکو کے طریقۂ تنویم میں نئے نظریے قایم کئے - اور سب سے پہلے اسی نے معلوم کیا کہ حالت تنویم میں اختناق الرحم کی مریضہ ان تمام واقعات اور حوادث کو دہرا سکتی ہے جو مدت ہوی خواب و خیال سے وابستہ ہوگئے ہیں - اسی طرح تمام فراموش شدہ صدمات کی یاد اس حالت میں بخوبی تازہ ہوسکتی ہے - علاوہ ازیں اس نے یہ بھی معلوم کیا کہ اگر تنویمی حالت میں طبیب مریضہ کو اس قسم کے اشارات دے کہ مرض کا دورہ ختم ہو چکا ہے اور اس کے تمام نشانات کافور ہوچکے ہیں تو ہوش میں آنے پر مریضہ بالکل تندرست ہوسکتی ہے - اور اس کی تمام علامات مرض غایب ہوسکتی ہیں - برائر (Breuer - ۱۸۴۲ -) اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گیا اور اس نے اس بات کا انکشاف کیا کہ علامات بذات خود کچھہ معنے رکھتے ہیں - اور مریض کی زندگی اور اس کے مرض کے ساتھہ ان کا گہرا تعلق ہے - یہ انکشاف اس نے ۱۸۸۰ ع میں اختناق الرحم کی ایک مریضہ کا علاج کرتے ہوے کیا اور اسی وجہ سے اس نے کافی شہرت حاصل کرلی - ایک لحاظ سے ہم جینے کو جو قریب قریب اسی نتیجے پر پہنچا تھا اسپر ترجیح دے سکتے ہیں - کیونکہ اس نے برائر سے پہلے اپنے تجربات اور انکشافات کو کتابی صورت میں شایع کیا - برائر اپنے تجربات کو ۱۸۹۳ - ۵ ع سے پہلے شایع نہ کرسکا اور یہ وہ زمانہ تھا جب وہ اور ڈاکٹر فراڈ اس اہم منزل کے ہم سفر تھے اور دونوں ایک عالم کو محوحیرت کر رہے تھے - برائر اور جینے سے پہلے " لارے " (Leuret) نے بھی یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ دیوانے کے اوہام بھی کچھہ حقیقت رکھتے ہیں - لیکن ان کی حقیقت کے راز کو آشکارا

کرنا مشکل کام ہے۔ ڈاکٹر فراڈ اور برائر کے متفقہ انکشافات ثبت کرنے سے پہلے 'فراڈ' کی زندگی کے حالات تحریر کرنے ضروری ہیں جو انہیں معنوں میں "تجزیۃالنفس" کا بانی کہا جاتا ہے۔ جن معنوں میں اکبر خاندان مغلیہ کا:—

سگمنڈ فراڈ (Sigmund Freud) زیکوسلے ویکیا (Czechoslovakia) میں ۱۸۵۶ع میں پیدا ہوا لیکن وہ بچپن ہی سے "ویانا" چلا آیا۔ یونیورسٹی میں اس نے طب کا مطالعہ کیا اور اس علم میں خاص دلچسپی لینے لگا۔ تعلیم سے فراغت حاصل کر کے اس نے چھ سال تک فعلیات کے معمل میں کام کیا چونکہ اس شعبے میں اسے اپنی زندگی کی بہبودی کی کوئی خاص توقع نہ تھی اس لئے اس نے طب کی مشق شروع کردی۔ ۱۸۸۱ع میں وہ معمل سے ہسپتال چلا گیا اور وہاں اس نے علم اعصاب میں مہارت پیدا کرلی۔ خصوصاً اس کی تشریح اور فامیاتی امراض مثلاً فالج اور دماغی امراض وغیرہ میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ ان ایام میں ویانا کے طبیب اعصاب کے متعلق بہت ہی کم جانتے تھے اور ان کے علاج سے قطعاً ناواقف تھے۔ 'فراڈ' 'شارکو' کی شہرت سن کر عصبی امراض کا مطالعہ کرنے کے لئے ۱۸۸۵ع میں پیرس چلا گیا۔ اور وہاں ایک سال تک مقیم رہا۔ اختناق الرحم کی مریضہ کے علاج میں 'شارکو' کے تنویمی طریقے نے 'فراڈ' پر گہرا اثر ڈالا۔ لیکن 'شارکو' کے ایک فقرے نے اس کی توجہ کو سب سے زیادہ مبذول کیا کہ "تمام عصبی امراض میں انسان کی صنفی زندگی (Sexual) میں ہمیشہ کچھ فتور ہوتا ہے۔ اور کافی جدوجہد سے اس کا پتہ بھی چل سکتا ہے *۔ 'فراڈ' کے دل پر یہ فقرہ نقش کالحجر

* Woodworth: Contemporary Schools of psychology. p. 137. (Methuen. 1931).

ہوگیا - لیکن وہ اکثر غور کرتا رہتا کہ اگر اس کا یہ نظریہ صداقت پر مبنی ہے تو کیوں 'شارکو' اس سقم سے عصبی امراض کے علاج میں کام نہیں لیتا؟ فراق کے دل میں شب و روز یہ خیال چٹکیاں لیتا رہا اور اس غور و خوض کا یہ نتیجہ نکلا کہ فراق نے ایک نیا اور مشہور نظریہ قایم کیا۔ یہ نظریہ اس کے دیرینہ خیالات کا ثمر شیریں تھا —

سنہ ۱۸۸۶ء میں 'فراق' ویانا واپس چلا آیا۔ اور اس نے عصبی امراض خاص کر اختناق الرحم کے نئے طریقۂ علاج کی مشق شروع کردی۔ اس کے علاج کا دار و مدار تنویمی طریقے پر تھا۔ لیکن اس طریقے میں 'فراق' کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس پر واضح ہوگیا کہ یہ کامیابی کے راستے میں سد سکندری کا کام دے رہا ہے۔ کیونکہ ایک تو تمام مریضوں پر اس کا اثر ناممکن ہے اور دوسرے مریض پر اس کا اثر ہوجانے کے باوجود علامات مفقود نہیں ہوتیں یعنی جینے کا طریقۂ علاج تمام حالتوں میں ممکن نہیں۔ انہیں وجوہ سے اسے اپنی امیدوں کے مطابق کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اس لئے اس نے دوبارہ فرانس جانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ لیکن اس دفعہ وہ شارکو کے پاس نہ گیا بلکہ نینسی اسکول کے کارپردازوں کے پاس پہونچا۔ جن کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ہر مریض پر تنویمی اثر ڈال سکتے ہیں۔ حقیقت میں انہوں نے اس تنویمی طریقے میں کافی ترقی کرلی تھی اور حالت تنویم میں اشارات (Suggestions) کے ذریعے مریضوں پر کافی تجربات کر چکے تھے اور انہیں تجربات کی بنا پر ان کا دعویٰ خام نہیں تھا۔ آج بھی انہیں کے طریقے خاص کر کوے (Cove) اور باڈوِن (Baudouin) کے طریقوں کو تنویم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فراق اس مدرسہ کے ایک طبیب کی باتیں سن کر مایوس ہوگیا جس نے اسے مطلع کیا کہ یہ طریقہ خصوصی

مریضوں کے لئے اتنا کامیاب ثابت نہیں ہورہا ہے جتنا کہ عام مریضوں کے لئے۔ خصوصی مریض زیادہ زیرک اور ذہین ہونے کی وجہ سے اس طریقۂ علاج سے پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ فراق واپس چلا آیا اور اختناق الرحم کے علاج میں مشغول ہوگیا لیکن اس نے کوئی خاص قابل ذکر ترقی نہ کی۔ وہ کسی نئے طریقے کی دریافت کی اُمید میں سرگرداں رہا —

فراق اور برائر

فراق کی کوششیں جلد ہی بار آور ہوئیں۔ اور اسے معلوم ہوا کہ اس کا دیرینہ دوست جوزف برائر (Joseph Breuer) بھی اسی کوشش میں مصروف ہے۔ فراق کو برائر سے شارکو اور نینسی اسکول والوں سے بھی زیادہ فائدہ پہنچا۔ برائر "ویانا" کا ایک مشہور طبیب تھا جس نے فراق کی طرح عضوی معمل میں کام کرنے کے بعد طبی مشق شروع کردی تھی۔ اس نے فعلیات میں متعدد انکشاف کر کے مشہور و معروف نظریے قایم کئے۔ اب فراق اور برائر عصبی امراض کا علاج دریافت کرنے کے لئے متفقہ کام کرنے لگے۔ برائر ان دنوں ایک نئے طریقے کی دریافت میں مصروف تھا۔ اس نے ہی یہ دریافت کیا تھا (جینے کے انکشاف کا بڑی یہی نتیجہ تھا) کہ اختناق الرحم کی علامات کئی طریقوں سے مریضہ کی زندگی کے فراموش شدہ حوادث اور واقعات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ جینے کی طرح اس نے بھی یہ معلوم کیا کہ اگر مریضہ ان فراموش شدہ واقعات کو دہرا دے تو اس کی علامات کافور ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس نے تنویمی طریقے کو ایسی مریضہ پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اسے معلوم ہوا کہ جب ایسی حالت میں فراموش شدہ واقعات یاد آتے ہیں تو وہ بہت ہی صاف اور واضح ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے سمجھنے میں طبیب کو کسی قسم کی دقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ نیز مریضہ پر ایسے واقعات خاص اقسام کے احساس طاری کر دیتے ہیں

یہ انکشاف برائر کو اس زمانے میں ہوا جب وہ نئے طریقے کی دریافت میں ہمہ تن مصروف تھا - واقعہ یہ ہوا کہ خوش قسمتی سے وہ ان دنوں اختناق الرحم کی ایک مریضہ کا علاج تنویمی طریقے سے کر رہا تھا - مریضہ نے معلوم کیا کہ اگر برائر نے اسے حالت تنویم میں صرف جذباتی مصائب کے دھرانے کے لئے کہا ہوتا تو اس سادہ طریقے سے مریضہ پر زیادہ اثر پڑتا - حالت تنویم میں اسے اپنے تمام فراموش شدہ واقعات یاد آگئے - ہوش میں آنے پر وہ برائر کو تمام واقعات سنانے میں کامیاب ہوگئی - اور صرف ان واقعات کے سنانے سے اس کی علامات مرض بہت کچھ مفقود ہوگئیں - برائر نے یہی طریقہ استعمال کرنا شروع کردیا - اور اس طریقہ سے وہی مریضہ صرف چند ہی ایام میں بالکل تندرست ہو کر اپنی اصلی حالت پر آگئی - اب فرائڈ اور برائر دونو نے اس طریقے کو دوسرے مریضوں پر استعمال کرنا شروع کیا - اور کچھ کامیابی بھی انہیں نصیب ہوئی - ۹۵-۱۸۹۳ ع میں انہوں نے اپنے انکشافات کو شایع کیا - یہ نیا طریقہ تنویم اور تکلم پر مشتمل تھا - یعنی مریض (یا مریضہ) کو حالت تنویم میں جذباتی مصائب دھرانے کے لئے کہا جاتا - جینٹے بھی ان سے پیچھے نہ تھا - وہ ان سے پہلے ہی یہ شایع کر چکا تھا کہ آدمی کی یاد داشت کو قوی کرنے ' گزشتہ بھولے ہوئے واقعات کو یاد کرنے اور علامات کے مضمرات دریافت کرنے کے لئے تنویمی طریقہ بہترین طریقہ ہے - ان دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ جینٹے تنویم کے ذریعے ہی مریضوں کا علاج کرتا - لیکن فرائڈ اور برائر کا علاج مریضوں کے تکلم پر منحصر تھا - وہ تنویم کو صرف اس لئے استعمال کرتے تھے کہ اس حالت میں آکر مریض واقعات کو یاد کرکے صحیح صحیح دھرانے میں کامیاب ہوسکیں - انہوں نے اس طریقے کا نام " استہال دماغی "

(Mental Cathorsis) رکھا۔ انہوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ مریض کے ایسے واقعات جو یاد آتے ہی اس کو شرمندہ کردیں یا اس قسم کا کوئی اور جذبہ پیدا کردیں، جلد فراموش ہوجانے کے زیادہ اہل ہیں۔

اس شاندار ابتدا کے فوراً بعد ہی برائر کو چند وجوہ سے اس طریقے سے مایوس ہوکر دست بردار ہونا پڑا۔ اب فرائڈ اکیلا رہ گیا۔ کچھ عرصے بعد برائر کی مایوسی کی وجوہ اس کی سمجھ میں آگئیں۔ ایک مریضہ اس کے زیر علاج تھی۔ جب اس کا علاج قریب الاختتام تھا تو اس نے برائر پر یہ واضح کیا کہ اس کو اس کے ساتھ عشق ہوگیا ہے۔ اور وہ اس سے کسی صورت میں بھی جدا نہیں ہوسکتی۔ اظہار عشق کا برائر پر بھی اثر نہ ہونا ناممکن تھا۔ وہ عجیب شش و پنج میں پڑ گیا۔ غور و خوض کے بعد اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ نیا طریقہ طبیب کے لیے سخت خطرناک ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے طبیب کا برتاؤ مریض کے ساتھ ویسا نہیں رہتا جیسا کہ طبی مشق میں ہونا چاہیئے۔ فرائڈ کو بھی بعد میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن وہ ان پر جلد ہی غالب آگیا۔ مریضہ کے عشق کی حقیقت دریافت کرنے سے اس نے یہ معلوم کیا کہ یہ اس کی اپنی ہستی نہیں جو مریضہ کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ بلکہ مریضہ اس (طبیب) کی ذات کو اپنا قدیم عاشق یا معشوق سمجھ کر ایسی حرکات کرنے پر مجبور ہے۔ مریضہ اس کی ہستی کو اپنا اصلی محبوب جان کر اس کی طرف راغب ہوتی ہے۔ یعنی طبیب کو اپنے محبوب کی شبیہ سمجھ کر اظہار عشق کرتی ہے۔ اگر طبیب اس کے اظہار کی چنداں پروا نہ کرکے اپنے مخصوص طریقے پر اس کے علاج میں بدستور مشغول رہے تو مریضہ کا یہ انداز

اس کے علاج میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اور طبیب کے لیے یقیناً کامیابی کا پیش خیمہ۔ کیونکہ اس صورت میں مریضہ طبیب کو اپنا محبوب جان کر تمام راز افشا کردیتی ہے۔ اس طرح طبیب دقتوں کا سامنا کرنے سے بچ جاتا ہے۔ نیز اس کو راز کے افشا کے لیے غیر معمولی جدو جہد نہیں کرنی پڑتی۔ کیونکہ مریضہ ایسے راز جو اس کی صنفی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں کبھی کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کرسکتی۔ انھیں کو معلوم کرنا فرائڈ کے لیے سب سے اہم کام تھا۔ وہ ایک مدت تک ایسے طریقے کی دریافت میں مشغول رہا۔ جس سے وہ بآسانی ہر فرد کی بے شعور گہرائیوں تک پہنچ سکے —

اشاری طریقہ

فرائڈ کے بہت سے مریض ایسے تھے جن پر تنویمی حالت کا اثر کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس لیے فرائڈ نے تہیہ کرلیا کہ وہ اپنا طریقۂ علاج اس کے بغیر ہی جاری رکھے۔ اس نے "برنیئم" * (Bernheim) کو مریضوں کی تنویمی حالت کے واقعات کو پوچھتے ہوے دیکھا تھا۔

* "ایپولائٹ برنیئم" (Hippolyte Bernheim) (۱۸۳۹ - ۱۹۱۹ ع) "لی ایبال" (Liebault) کا شاگرد تھا۔ جس کو "اشارات کا باپ" مانا جاتا ہے۔ "لی ایبال" قدیم نینسی مدرسے کا بانی تھا۔ "ایمائل کوئے" (Emile Cove) نے اسی کے تجربات ملاحظہ کرکے بڑا نام پیدا کرلیا۔ نینسی میں اس نے متواتر بیس سال اس کی مشق کی۔ غربا اس کے سادہ طریقۂ علاج سے بہت ہی مستفید ہوے۔ "ایپولائٹ برنیئم" نے جو نینسی میں طب کا پروفیسر تھا اس کے نظریوں کو فلسفیانہ رنگ میں رنگا۔ قدیم نینسی مدرسے کے نظریے زیادہ تر اسی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ "برنیئم" بذات خود تنویم کا بہت بڑا عالم تھا۔ "باڈوِن" (C. Baudouin) جو "کوئے" کا شاگرد تھا اپنی مشہور کتاب "القاء و القاء نفس" (Suggestions et Autosuggestions)

بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ

مریضوں کو صرف یہ یقین دلا دینے سے کہ وہ ان واقعات سے بخوبی واقف ہیں اور ان کو بلا مشقت دہرا سکتے ہیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا - مریضوں کو یہ یقین دلانے کے لیے تنویمی حالت کا طاری ہونا کوئی ضروری نہ تھا - فرائڈ نے بھی اسی طریقہ کا تتبع کیا - عصبی مریض، جن پر ایسی کیفیت کا طاری ہونا ناممکن تھا، اس طریقے سے تمام واقعات بیان کر دیتے - اگر مریض اپنے واقعات بیان کرنے میں کہیں رک جاتے تو فرائڈ انہیں یہ یقین دلا دیتا کہ جب وہ ان کی پیشانی کو اپنے ہاتھ سے قدرے دبائے گا تو تمام واقعات بلا کم و کاست یاد آ جائیں گے - اور ان کا حافظہ بالکل تازہ ہو جائے گا - یہ طریقہ بھی بہت کچھ مفید ثابت ہوا - بعد میں فرائڈ نے اس کو "فشاری طریقے" کے نام سے موسوم کیا - یہ طریقے تنویمی طریقے سے اس لحاظ سے ملتا ہے کہ دونوں طریقوں میں معمول پر صرف عامل ہی کی باتوں کا اثر ممکن ہے - عامل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا عمل ناممکن ہے - مریض کو صرف عامل ہی یقین دلا سکتا ہے کہ وہ اپنے واقعات و حوادث کو بخوبی بیان کر سکتا ہے - یہ یقین کسی دوسرے شخص سے ممکن نہیں —

کے مقدمے میں تحریر کرتا ہے - " میرا بچپن اور میرے عالم جوانی کا بہت سا حصہ نیلسی میں گزرا ہے - میرے تخیلات "برنیم" کے عجیب و غریب تجربات ملاحظہ کر کے درہم برہم ہو جاتے - وہ اپنے معمول کو حکم دیتا کہ ٹھنڈے سکّو کو چھو کر سخت جلن محسوس کرے - چنانچہ معمول حقیقت میں جلن محسوس کرتا اور اس کے ہاتھوں پر جلن کے نشان بھی پائے جاتے" برنیم تجزیۃ النفس میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا —

مزاحمت و استفناع

گو یہ طریقہ فراڈ کے لیے بہت ھی کار آمد ثابت ہوا (کیونکہ اس طریقے میں کوئی غلطی نہ تھی - اور تمام مریض اسی طریقے سے فراموش شدہ واقعات کم و بیش دھرانے میں کامیاب ہو جاتے تھے) لیکن اس سے یہ نہ سمجھہ لینا چاہیے کہ فراموش شدہ واقعات آسانی سے یاد آجاتے تھے - فشار سے ہمیشہ صحیح واقعات یاد نہ آتے - صحیح واقعات کی یاد کے لیے بہت سی مشقت کی ضرورت تھی فراڈ نے جلد ھی یہ بھی معلوم کر لیا کہ ایسے واقعات جو یاد نہیں آتے ان کا باعث ایک ایسی طاقت ہے جو ان واقعات کو شعور میں نہیں آنے دیتی - ان کو شعور میں لانے کے لیے اس طاقت کے ساتھہ بہت سی جد و جہد کی ضرورت ہے - کیونکہ صرف اسی طرح اس طاقت کو مغلوب کرنے کے بعد راستہ صاف کیا جا سکتا ھے - فراڈ نے یہ بھی دریافت کیا کہ یہ طاقت جو ان کو شعور میں نہیں آنے دیتی وھی طاقت ہے جو ان واقعات کو فراموش کرنے کا باعث ہے - یعنی جو طاقت حافظے کو شعور میں نہیں آنے دیتی بلا شک و شبہ وھی طاقت ہے جس نے ابتدا میں حافظے کو شعور سے باھر پھینکا تھا - پہلی حالت میں فراڈ نے اس طاقت کو جو معمول کے چند واقعات یاد کرنے میں حارج ہے "مزاحمت" (Resistance) کا نام دیا' اور دوسری حالت میں اس نے اس طاقت کو جو فی الحقیقت اس فراموشی کا باعث ہے - "استفناع" (Repression) سے موسوم کیا - یہی طاقت جس کے دو مختلف نام ھیں' فراڈ کے "تجزیۃ النفس" کی سنگ بنیاد ہے —

مسائل تجزیۃ النفس

"استفناع" کی حقیقت فراڈ نے چند مریضوں پر تجربہ کرتے ہوے دریافت کی - اس نے ھر دفعہ یہ معلوم

کیا کہ وہ چیزیں جو یاد نہیں کی جاتیں' بلا شک و شبہ ایسی ہوتی ہیں جن کی یاد سے مریض کو نادم ہونا پڑتا ہے۔ یا جن سے ناگوار احساس طاری ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ واقعات کے شعور میں نہ آنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔ یہ واقعات بالعموم مریض کی ایسی خواہشوں سے تعلق رکھتے ہیں جو مدت ہوی اس کے اخلاق سے بر سر پیکار رہ چکی تھیں۔ یہیں سے اختناق الرحم کی علامات سمجھ میں آسکتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو متعدد دماغی حوادث سے طاقت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی سب سے پہلے ناپسندیدہ خواہش' پھر دماغی کشمکش' پھر امتناع اور سب سے آخر علامات کی بغاوت سے۔ اختناق الرحم کی علامات کو ان تمام دماغی حوادث سے یکے بعد دیگرے گذرنا پڑتا ہے۔ یعنی جب ناپسندیدہ خواہشیں دماغی کشمکش میں آکر متمنع ہو جاتی ہیں تو اختناق الرحم (یا عصبی بیماریوں) کی مخصوص علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلے کی ہر ایک کڑی سے ایک نیا مسئلہ پیدا ہوتا ہے —

(۱)۔ کن اقسام کی خواہشیں (یا خیالات) عصبی امراض کے مریضوں کو اتنی ناپسند ہوتی ہیں کہ مریض ان کو رد کردیتے ہیں اور وہ ممتنع ہو جاتی ہیں؟

(۲)۔ ایسی خواہشوں کے مقابل جو طاقتیں کام کرتی ہیں ان کی حقیقت اور اصلیت کے متعلق ہم کیا جانتے ہیں؟

(۳)۔ اُن ناپسندیدہ خواہشوں اور خیالوں پر کیا گذرتی ہے جب کہ وہ متمنع ہو جاتے ہیں؟ اور

(۴)۔ علامتوں اور متمنع خواہشوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ *

---

* Mitchell: "Problems in Psychopathology." P. 30.

(۱) - ڈاکٹر فرائڈ نے جب علیحدہ مشق شروع کی تو اس نے فشاری طریقہ بھی ترک کردیا۔ اور مریض کی خاص خاص علامات کی دریافت کا طریقہ بھی - فرائڈ نے جتنے مریض دیکھے' ان سب کی علامات نہایت ہی پیچیدہ تھیں - اور ان کو سمجھنا بہت ہی مشکل تھا۔ اب فرائڈ اپنے مریض کو آرام سے اس طرح بٹھا دیتا' جس طرح وہ حالت تنویم میں بیٹھتا۔ اس کے بعد مریض کو اپنی بالکل سچی داستان سنانے کے لیے کہتا - اور اسے اس امر کی تاکید کر دیتا کہ وہ کوئی بات خواہ وہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو ہرگز ہرگز نہ چھپائے - مریض کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کسی واقعہ کو معمولی یا باعث ندامت خیال کر کے طبیب سے چھپائے - اس طریقہ کا نام فرائڈ نے " انتلاف اختیاری " (Free Association) رکھا - مریض کے لیے یہ بہت مشکل کام تھا - کیونکہ اس کے ذہن میں ایسی ایسی باتیں آتیں جن کے بتانے کی وہ پروا نہ کرتا - یا کسی خاص وجہ سے ان کو فرائڈ سے پوشیدہ رکھنا ہی مناسب خیال کرتا - فرائڈ کو بار بار اس کا وعدہ یاد دلانا پڑتا - لیکن جب تجربہ شروع ہوجاتا - تو مخصوص واقعات نہ بتانے کی شرم جاتی رہتی - اور وہ تمام واقعات اس سے کہتا جاتا - مریض کو معلوم ہو جاتا کہ اس کی صحت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ فرائڈ سے کوئی واقعہ نہ چھپائے - اس مشکل پر تو فرائڈ غالب آگیا' لیکن ابھی اور مصیبت باقی تھی - یعنی مختلف واقعات اور خواہشوں کو شعور میں کس طرح واپس لایا جائے - وہ طاقت جو استناع میں کام کر رہی تھی اس وقت بھی موجود تھی - اور خیالات کو عرفان میں آنے سے باز

رکھتی تھی - کیونکہ مریض کی خواہش کے باوجود وہ طاقت اپنے کام میں ہمہ تن مصروف تھی - بہت سے خیالات جو مریض کے ذہن میں آتے بظاہر مرض کے ساتھہ ان کا کچھہ بھی تعلق معلوم نہ ہوتا اور اکثر واقعات تو بالکل ہی سہمل معلوم ہوتے - لیکن فرائڈ کو یقین تھا کہ یہ فضول اور سہمل واقعات بھی مریض کے مھتنع واقعات اور خواہشوں سے وابستہ ہیں - اور اس لحاظ سے یہ بھی ضروری ہیں - فرائڈ کا یہ یقین درست تھا کیونکہ جب ان سہمل خیالات پر اور زیادہ روشنی ڈالی گئی تو معلوم ہوا کہ ان کا تعلق فی الحقیقت مریض کے نہایت ضروری واقعات سے ہے —

فرائڈ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا تھا - وہ ایسے طریقے کا خواہش مند تھا جس سے مریض کے از یاد رفتہ واقعات کا بلا واسطہ مطالعہ کیا جا سکے - اس پر جلد ہی واضح ہوگیا کہ مریض کے خواب اس کام کے لیے نہایت ہی موزوں ہیں - مریض گذشتہ رات ' یا اپنی بیماری سے پہلے کا کوئی خواب سناتا ' اور فرائڈ کی مدد سے خواب کے ہر ایک فقرے کے متعلق اپنے خیالات "ائتلاف اختیاری" کے طریقے پر قائم کرتا - مرض کی علامات کے مضمر معانی معلوم کرنے کے لیے ' مریض کے خواب بہت ہی کار آمد ثابت ہوے - " تجزیۃ النفس " میں فرائڈ کا دریافت شدہ تعبیر خواب کا طریقہ بہت ہی مفید ثابت ہوا - اس نے خوابوں کے تمام مشہور و معروف نظریے اپنی پہلی مشہور و معروف کتاب " تعبیر خواب " (Interpretation of dreams - 1900) میں درج کیے - یہ کتاب اپنی طرز میں بے نظیر کتاب ہے - اور بلا مبالغہ

اس موضوع پر بہترین - اس میں فرائڈ نے زیادہ تر اپنے خوابوں کی ہی تحلیل کی ہے - " خوابوں کی تحلیل کے طریقے " " ان سے مختلف معانی اخذ کرنے " ، " خوابوں کے وجوہ " ، " خواب ممتنع خواہش کی تکمیل گاہ کی حیثیت سے " ، " خوابوں کا منبع اور مواد " اور " نفسیات احلام " ، وغیرہ مضامین پر فرائڈ نے نہایت ہی خوبی اور وضاحت سے روشنی ڈالی ہے - اس کے پیرووں نے اس کتاب کو علمی اور عملی لحاظ سے بے نظیر پا کر اپنے انکشافات کے لیے راہبر بنایا - اس کے بعد اس نے ۱۹۰۱ ع میں اپنی دوسری مشہور کتاب " حیات یومیہ کی مرضیات نفسی " (Psychcpathqlogy of Everyday Life - 1901) میں روز مرہ کی معمولی غلطیوں کی ، جن کو اکثر ہم نظر انداز کرجاتے ہیں ، تشریح کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کا بھی مرض کے ساتھہ گہرا تعلق ہوتا ہے —

کچھہ عرصے بعد فرائڈ اور دوسرے ماہروں نے متواتر کوششوں سے معلوم کیا کہ خواب میں چند عناصر ایسے بھی ہوتے ہیں جو صنفی زندگی یا صنفی چیزوں کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً تین کا عدد ، درخت ، چھڑی ، نوکدار اور تیز آلات ، بندوق ، پستول ، پنسل اور قلم وغیرہ مرد کے اعضاء مخصوص کو ظاہر کرتے ہیں - جاندار اشیا میں سے جونک ، سانپ ، مچھلیاں اور چھوٹے بچے عضو تناسل کو ظاہر کرتے ہیں - عورت کے اعضاء مخصوص خواب میں اکثر غار ، جیب ، کمرہ ، میز ، کتاب ؛ منہ ، گرجہ ، چشمہ اور جنگل وغیرہ سے ظاہر ہوتے ہیں - سیب ، ناشپاتی ، سنگترہ ، تربوز اور ککڑی وغیرہ عورت کی چھاتی کے نشان ہیں - ہوا میں اڑنا یا ہوائی جہاز میں بیٹھنا مباشرت کی علامات ہیں -

درخت کی شاخ کو کھینچنا یا دانت باہر نکالنا یہ جاق کی عادت کو ظاہر کرتے ہیں - پانی سے نکلنا یا غوطہ زنی کرنا پیدائش کی علامات ہیں - * ان علامات نے مقرر کرنے کے بعد تجزیۃالنفس کی مشق کرنے والوں کو بہت کچھہ سہولت ہو گئی - کیونکہ جب مریض اپنا خواب سناتا اور اس کے خواب میں مندرجہ بالا اشیا میں سے کوئی شے موجود ہوتی - تو انہیں معانی اخذ کرنے میں کوئی دقت نہ اٹھانی پڑتی - لیکن اصل مضیبت پھر بھی باقی تھی - مریض کو اس کے مرض کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے علاوہ مرض کی وجوہ سے مطلع کرنا زیادہ ضروری تھا - اور اس کام کے لئے پھر "ائتلاف اختیاری" کی ضرورت تھی —

جب مریض کو آپ بیتی سنانے کے لئے کہا جاتا - تو معلوم ہوتا - کہ اس کی آپ بیتی میں بہت سے وقفے رہ گئے ہیں - ان میں سے بہت سے وقفے تو ان یادداشتوں پر منحصر ہوتے - جو صرف اسی وقت ہی فراموش ہو جاتے - ورنہ وہ دیگر اوقات میں باسانی یاد کرنے کے قابل ہوتے - بہت سے واقعات ایسے ہوتے جو مریض کے ذہن میں اس وقت آتے تو تھے - لیکن وہ کسی ندامت کے سبب سے طبیب سے نہ کہتا - کیونکہ وہ واقعات مریض کو شرمندہ کرتے - یا اس کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتے - یہ

---

* بعض طبیب مثلاً ڈاکٹر روز (Dr. Rivers) ان صنفی علامات سے متفق نہیں - ڈاکٹر روز نے اپنی کتاب " نزاع اور خواب " (Conflict and Dream." K. Paul) میں اس موضوع پر کافی بحث کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے - کہ ایسی علامات صنفی نہیں ہو سکتیں - لیکن میرے خیال میں فرائڈ اور اس کے پیرووں کے دلائل زیادہ مدلل ہیں - اور ایسی چیزیں فی الواقع صنفی اعضاء کو ظاہر کرتی ہیں —

بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ایسے واقعات جو ارادتاً روکے جاتے یا جو ممتنع ہو جاتے صرف وہی ہوتے جن سے مریض کو نادم ہونا پڑتا۔ فراڈ نے پے در پے تجربات سے یہ نتیجہ نکالا کہ شرم اور ندامت بھی امتناع کا کام دیتی ہے۔ کیونکہ فراموش شدہ واقعات کو یہ بھی شعور میں آنے سے روکتی ہے۔ ایسی ممتنع خواہشات جو عصبی مریضوں کے ذہن میں ہوتی ہیں۔ ان کی صنفی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ فراڈ کو نہ صرف شارکو کا فقرا ہی یاد آیا کہ تمام عصبی مرضوں میں صنفی رکاوٹیں موجود ہوتی ہیں بلکہ اس نے یہ بھی دریافت کیا کہ ممتنع صنفی خواہشیں، جو مجلس کے آداب یا اور ضروریات کی وجہ سے دبا دی گئی تھیں، عوام الناس میں بھی موجود ہوتی ہیں۔ یعنی یہ خواہشیں ان پر بھی غالب ہوتی ہیں۔ اس بات پر فراڈ کے ساتھ اس کے دوسرے رفیق متفق نہیں۔ کیونکہ فراڈ نے صنفی زندگی پر بہت ہی زور دیا ہے۔

فراڈ نے مریض کے تجربات اور خیالات پر مزید روشنی ڈالنے سے معلوم کیا۔ کہ مریض کے وہ واقعات جو شعور میں نہیں آتے یا کسی تکلیف یا ندامت کے سبب سے نہیں لائے جاتے اس کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں یا اس کی عشقیہ زندگی سے۔ خصوصاً وہ زندگی جس میں صنفی پہلو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ معلوم ہوگا کہ ایسی خواہشیں اس کے حال کے واقعات سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اگر اس تجربے کا بنظر غایر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسی خواہشیں آغاز سن بلوغ کی ہیں۔ بلوغ اگرچہ جسمانی اور ذہنی تکمیل کا وقت گنا جاتا ہے لیکن بالعموم انسان کی صنفی خواہشیں اس زمانے سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ بالغ

آدمیوں کے صنفی میلانات یا تجربات ان کے بچوں کے تعلقات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کو صنفی نہیں کہا جاتا۔ لیکن بچوں کی ایسی خواہشیں بھی اُسی طرح کی ہیں، جس طرح بالغ آدمیوں کی۔ یعنی سوسائٹی میں دونوں کی خواہشوں کو صنفی ہونے کی وجہ سے ناپسند کیا جاتا ہے —

بالغ آدمیوں کی طرح بچوں کی زندگی بھی صنفی ہوتی ہے جس کا آغاز بچوں کی پیدائش ہے۔ اگرچہ یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے لیکن طفلانہ قصد اپنے اطوار سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جسم کے حساس حصوں کی بدولت ان کے احساس کی وجہ سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے مختلف درجے ہیں۔ پہلے درجے میں دودھ پیتے بچے اپنی مختلف حرکات سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ عموماً یہ حرکات ان کی ماں کی چھاتی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ جب بچہ روتا ہے تو اس کی ماں اپنی چھاتی اس کے منہ کے قریب لے جاتی ہے تو بچہ چپ ہوجاتا ہے کیونکہ اس طریقے سے بچے کی صنفی خواہش پوری ہوجاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع شروع میں بچے کی صنفی خواہش اس کی خوراک کی خواہش کے ساتھ ملحق ہوتی ہے لیکن بچے کی ماں یا دایہ اس سے بخوبی واقف ہے کہ بچہ بار بار حلمے کو منہ میں رکھ کر چوستا ہے۔ ایسا فعل دھرانے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اکثر اوقات بچہ محض لذت کے لئے ہی حلمے کو منہ میں رکھتا ہے۔ بچوں میں اس صنفی خواہش کا انکشاف سب سے پہلے ڈاکٹر "لینڈنر" (Lindner) نے کیا۔ اس نے صنفی پہلو کو اس بات سے بھی واضح کیا ہے کہ بچے کی ماں کو دودھ چھڑانے میں اکثر دقت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ یہ لذت

جو بچے نے سب سے پہلے اپنی خوراک حاصل کرتے ہوئے حاصل کی تھی جلد ہی علحدہ حیثیت رکھنے لگ جاتی ہے۔ جب بچہ اس سے ذرا بڑا ہوتا ہے تو ماں کی چھاتی کی بجاے اپنے ہاتھہ کا انگوٹھا یا ربڑ کی چوسنی چوس چوس کر اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ چوسنے میں اس کا مقصد محض صنفی خواہش ہوتا ہے۔ اس فعل سے بچے کو اکثر ناخن چبانے یا ایسی ہی کوئی اور حرکت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس درجے میں جو تقریباً تین سال تک رہتا ہے یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بچے کی تمام صنفی خواہشیں منہ کے ذریعے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ بالغ ہونے پر یہی خواہش جو زندگی میں سب سے پہلے ظاہر ہوئی تھی، بوسے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ حقیقت میں بوسہ دینے اور چوسنے میں کوئی اتنا فرق نہیں۔ دونوں صورتوں میں صنفی خواہش منہ سے ہی پوری ہوتی ہے۔ تین سال کے بعد بچے میں شہوت کے آثار بھی نمایاں ہوجاتے ہیں۔ وہ انگوٹھے کی بجاے اپنے عضو مخصوص سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اکثر دفعہ بعد میں جاکر یہ لذت مشت زنی (جلق) یا ایسی ہی کسی، اور عادت پر منتج ہوتی ہے۔ یہ صنفی زندگی کا دوسرا درجہ ہے۔ لڑکیاں اس درجے میں اپنے مخصوص اعضا کی رگڑ سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں کھیلتے وقت ایک دوسرے کے مخصوص اعضا دیکھنے یا اور مختلف حرکات سے سرور حاصل کرتے ہیں۔ اور اکثر ایک دوسرے کے اعضا کے متعلق گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ بچے کی خواہش عموماً پیشاب کرتے ہوے یا کسی دوسرے کو ایسا فعل کرتے ہوے دیکھنے سے جذبۂ شہوت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہی خواہش بعد میں جاکر اغلام

کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ ذرا زیادہ پیچیدہ ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں ان کا جذبہ اپنی انتہائی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی اپنی صنفی خواہش جلق کی عادت سے پوری کر لیتا ہے اور کوئی اغلام کے ذریعے سے۔ اس درجے میں بعد میں جاکر کسی دوسری مخالف جنس کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ صحبت وغیرہ کے ابتدائی منازل طے کرنے کے بعد دونوں شروع شروع میں پوشیدہ طور پر آپس میں ملتے ہیں (بعض اوقات تنہائی کی ملاقاتیں زنا کی صورت بھی اختیار کرلیتی ہیں) اور اکثر بلوغ کے وقت یہ تعلقات ازدواجی بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ شادی اور جگہ ہو جانے کے بعد ایسے تعلقات میں بہت کچھ فرق آجاتا ہے اور اکثر قبیح عادتیں بھی چھوٹ جاتی ہیں۔ بلکہ ہمارے ملک ہندوستان میں تو آوارگی کا بہترین علاج شادی ہے۔ یہ ازدواجی تعلقات فی الحقیقت صنفی زندگی کے چوتھے درجے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ درجہ زیادہ پیچیدہ اور اہم ہوتا ہے۔ (کیوں کہ انسان زیادہ سنجیدہ ہو کر اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے)۔ نتیجہ یہ کہ بچوں کی تمام حرکات و سکنات میں خواہ وہ کسی عمر میں سر زد ہوں صنفی پہلو ضرور ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں نفسیات کی رو سے یہ صنفی جبلت پیدائشی ہوتی ہے اور پیدائش کے فوراً بعد ہی بچے اس کو استعمال کرنے لگ جاتے ہیں* —

---

* نو مسٹر "سوسن اسحاق" (Susan Issacs) نے حال ہی میں بچوں میں معاشری نشو و نما (Social Development in Young Children; Kegan Paul 1933) کے نام سے ایک کتاب شایع کی ہے جس میں اس نے ایسے تعلقات اور بچوں کی تناسلی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مفصل بحث کی ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد بھی اس موضوع پر بے نظیر کتاب ہے —

(۲) فرائڈ کے لیے تجزیۃ النفس میں سب سے اہم چیز امتناع اور طفلی صنفیت ہے۔ اگر ہم ان دو مختلف نظریوں کو ملا دیں تو ہمیں ڈاکٹر فرائڈ کی نفسیات سمجھنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ یعنی "متمنع طفلی صنفیت" (Repressed Infantile Sexuality) یہ تین لفظ ایسے ہیں جو تجزیۃ النفس میں نہایت ہی ضروری حصہ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ فرائڈ کے تجزیۃ النفس کی بنیاد ہی انہیں الفاظ پر ہے۔ ہم یہ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ مریض کے ایسے واقعات جو شعور میں نہیں آ سکتے یا بڑی دقت سے لائے جاتے ہیں اس کی صنفی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور صنفی ہونے کے سبب سے ہی ممتنع ہو جاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کے ایسے واقعات حال کی زندگی سے ہی تعلق رکھیں۔ بلکہ ایسے واقعات زیادہ تر سن بلوغ سے بھی پہلے کے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد ہی اس کی صنفی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر ہم عصبی مریضوں کے فراموش شدہ واقعات کا علم حاصل کرنا چاہیں تو ہماری تحلیل کا دار و مدار "ممتنع طفلی صنفیت" پر ہوگا۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صنفیت کی مخالف طاقت کیا ہو سکتی ہے؟ یعنی اس طاقت کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے جس سے ان فراموش شدہ واقعات (طفلی صنفیت) کا مقابلہ ہوا اور جس کی وجہ سے ایسے واقعات ممتنع ہوئے؟ فرائڈ نے شروع شروع میں گو مزاحمت، امتناع اور مقابلہ وغیرہ پر کافی روشنی ڈالی لیکن اس نے ان کی ضد کے متعلق کچھ اتنی توجہ نہ کی۔ کبھی کبھی وہ ذہن کی اس طاقتور ہستی کو "انا" (Ego) یا "انائی قصد" سے موسوم کرتا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیتا کہ وہ ان کی حقیقت کے متعلق بہت ہی کم جانتا

ہے۔ ان کے متعلق اتنا ہی علم کافی خیال کیا گیا کہ انائی قصد سے صنفی قصد کا مقابلہ ہوتا ہے۔ مدت تک اس کے متعلق کچھ تحقیقات نہ ہوسکی اور نہ ہی اس تحقیقات کو ضروری خیال کیا گیا۔ صرف چند ہی سال ہوئے ہیں کہ ماہرین تجزیۃ النفس نے اپنی توجہ انائی قصد کی تحلیل کی طرف مبذول کی ہے —

فرائڈ نے "انا" پر مزید روشنی ڈالی تو معلوم ہوا کہ "انا" اور صنفی قصد یا شہوت (Libido) میں کوئی اتنا فرق نہیں۔ ایسے انسان موجود ہیں جو اپنے آپ پر عاشق ہیں۔ یعنی ان کا محبوب ان کا "انا" ہے۔ اس قسم کی صنفی زندگی کا نام قصص الاوثان کے ایک بطل "نرگس" (Narcissus) پر، جو ندی میں اپنا عکس دیکھ کر اس پر عاشق ہوگیا تھا، "نرگسیت" (Narcissism) رکھا گیا۔ یہ "نرگسیت" چھوٹے بچوں میں بھی موجود ہوتی ہے جس کا ظہور اس زمانے میں ہوتا ہے۔ جب وہ دوسرے آدمیوں میں سے اپنا محبوب چننے کے ناقابل ہوتے ہیں یعنی جب چھوٹے بچے کسی اور کو محبوب نہیں بنا سکتے تو یہ جذبہ اپنے آپ پر ہی منتقل کر لیتے ہیں۔ اگر "انا" اس طریقے سے محبت کا مرکز ہوسکتا ہے تو یہ کسی نہ کسی صورت میں شہوت کے دائرے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ جبلت جو شخصی حفاظت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور جو پہلے شہوت کی ضد خیال کی گئی تھی اسی کی شریک کار معلوم ہوتی ہے۔ "انا" کا اور قصد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کو شہوت کی ضد نہیں خیال جا سکتا۔ صنفی جبلت میں جب جبلت حفاظت ذات شامل کی گئی، تو اس کا نام فرائڈ نے "ایراس" (Eros) یا "جبلت حیات" رکھا۔ اس جبلت کے خلاف جو طاقت خاموشی سے کام کر رہی ہے۔

وہ " جبلت موت " ہے اور موت اس جبلت کا نصب العین ہے —

ذہن میں ان دو مخالف طاقتوں کے مقابلے سے امتناع واقع ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ "انا" کے ایک خاص حصے کے ذمے ہے جو "اعلی انا" (Super-Ego) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ در حقیقت امتناع کا باعث "انا" کا یہی حکمران حصہ ہے لیکن عملی کام کے لیے تجزیۃ النفس میں ان مخالف امتناع والی طاقتوں کو محض "انا" کا نام ہی دیا جاتا ہے۔ اور اس کو ان تمام طاقتوں پر مشتمل خیال کیا جاتا ہے جو صنفی جبلت کا مقابلہ کریں۔ یعنی خواہشیں ممتنع اس وقت ہوتی ہیں جب انائی قصد یا انائی خواہشوں کے ساتھ ان کا مقابلہ ہو لیکن انائی خواہشوں میں جبلت حفاظت ذات شامل نہ ہو۔ تہذیب اور تعلیم کا اثر وغیرہ بھی صنفی جبلت کی ضد والی طاقتوں میں شامل کیا جاتا ہے یا دوسرے الفاظ میں ان کو بھی انائی خواہش ہی خیال کیا جاتا * —

(۳) عصبی مریضوں کو واقعات کیوں فراموش ہو جاتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے ہم اب قایل ہو گئے ہیں۔ چند اقسام کی صنفی خواہشات اور ان کے شریک کار خیالات کا "انائی خواہشات" کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے تو اس مقابلے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی خواہشات اور خیالات جن کو "انا" (اعلی انا) ناپسند کرتا ہے، ممتنع ہو جاتی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امتناع کا یہ فعل کس چیز پر منحصر ہوتا ہے؟ اور ممتنع خیالات پر کیا گذرتی ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسے خیالات

---

* Freaud: "Ego and the Id" (Hogarath) —

بالکل ہی ضایع نہیں ہوجاتے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ مریض کو نہ تو کچھہ تکلیف ہی دیتے اور نہ ہی مخصوص علامات پیدا کر سکتے ۔ عصبی مرضوں کے متعلق ہم جو کچھہ جانتے ہیں ' اس سے ہمیں پتا چلتا ہے ' کہ مستدبع خیالات کا تعلق ایسے مرضوں کے اسباب کے ساتھہ نہایت ہی گہرا ہے ۔ علاوہ ازیں فراموش شدہ واقعات کا اکثر اوقات دوبارہ ذہن میں آجانے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسے خیالات بالکل ہی ضایع نہیں ہوگئے تھے ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچپن کے فراموش شدہ واقعات ایک مدت کے بعد اچانک یاد آجاتے ہیں۔ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ایسے واقعات اب تک کہاں رہے ہیں ؟ کیا یہ ذہن سے باہر رہے ہیں؟ اور کیا یہ ذہن میں تھے؛ لیکن شعور میں آنے کے ناقابل تھے کیوں کہ ان میں وہ صفت جو انہیں شعور میں واپس لاتی ہے مفقود تھی ؟

ایسے سوالات ہر اس خیال کے متعلق جو فراموش ہوچکا ہو خواہ وہ متدبع نہ بھی ہو پیدا ہو سکتے ہیں ۔ اکثر کا یقین یہ ہے کہ ہر ذہنی حادثہ اپنے نشانات پیچھے چھوڑ جاتا ہے ۔ اور جب اسے مناسب داعی ملتا ہے تو یہ ذہنی حادثہ پھر تازہ ہوجاتا ہے۔ ایسے نشانات طبیعی یاذہنی ہوتےہیں۔ فراڈ نے " تمہیدی لکچروں " (Introductory Lectures) میں اس سقم کو اچھی طرح واضح کیا ہے ۔ ہر ایک واحد قضیہ سب سے پہلے بے شعور طبیعی طریقوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طریقے سے وہ چند خا ص شرایط کے پورا ہوجانے کے بعد شعور میں داخل ہو سکتا ہے ۔

وہ تجربہ جو شعور سے نکل چکا ہے اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ذہنی نشان کی صورت میں ابھی ذہن میں موجود ہے کیوں کہ وہ تجربہ اس وقت شعور میں موجود نہ ہونے کے باعث بھی ذہن میں موجود ہے لیکن چونکہ وہ شعور میں نہیں ہے اس لئے وہ خاص شرائط پوری نہ ہوجانے تک بے شعوری میں موجود

رہتا ہے ہم روز مرہ کے واقعات سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہمارے ایسے تجربات
اور حوادث جو فراموش ہوچکے ہیں ' دو اقسام کے ہیں - ایسے حوادث جن کو ہم
بالکل معمولی سی کوشش سے شعور میں واپس لاسکتے ہیں - اور دوسرے ایسے حوادث
جن کو شعور میں واپس لانا بہت ہی مشکل کام ہے - یعنی جو ماہر تجزیۃ النفس کی
مدد کے بغیر شعور میں داخل نہیں ہوسکتے - اس قسم میں اختناق الرحم کی مریضہ
کے فراموش شدہ یا ممتنع واقعات شامل ہیں جن کو واپس لانا ماہرین تجزیۃالنفس
کےلئے اہم کام ہے- ان دو اقسام کے حوادث میں فرق کرنا ہمارا فرض ہے- ایسے فراموش
شدہ واقعات اور حوادث جو بہت جلد یاد کئے جاسکتے ہیں- فرائڈ ان کو "قبل شعوری"
Pre conscious. کے نام سے موسوم کرتا ہے - ان واقعات کو جو شعور میں واپس آنے
کے ناقابل ہیں - یا بڑی مشکل سے واپس لائے جاتے ہیں - "بے شعوری"
(Unconscious) کے نام سے تعبیر کرتا ہے- اس قسم میں وہ تمام حوادث داخل ہیں
جو شعور میں صرف خاص خاص طریقوں سے ہی لائے جاتے ہیں - مثلاً تنویمی اور
تجزیۃالنفس کے طریقوں سے اس قسم کو ہم اس تمثیل سے بہت اچھی طرح واضح
کر سکتے ہیں —

ایک ایسا کمرہ فرض کرلیجئے جس میں مختلف ذہنی واقعات اور حوادث
تلاطم برپا کرتے ہیں- اس کمرے کے دروازے پر دربان ان تمام واقعات کا امتحان
کرتا ہے - بعض واقعات کو دوسرے کمرے میں جو شعور کی رہایش ہے داخل ہونے
کی اجازت دے دیتا ہے لیکن بعض واقعات کو وہ اجازت نہیں دیتا کیوں کہ وہ
سمجھتا ہے کہ یہ واقعات شعور میں آنے کے ناقابل ہیں - یہ واقعات ممتنع واقعات
کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں - اور ان کو بے شعوری میں بھیج دیا جاتا ہے '
جہاں ان کی ہستی شعور کے لئے تقریباً معدوم ہی ہو تی ہے - لیکن ایسے واقعات
جن کو دربان سے داخل ہونے کی اجازت مل گئی تھی ' ایک اور کمرے میں انتظار

کرتے رہتے ہیں ۔ اور باری باری سے " شعور " میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ واقعات " قبل شعوری " کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں* —

ڈاکٹر سی ' ڈی ' براڈ نے حال ہی میں اپنی کتاب "ذہن اور نظام کائنات میں اس کا مقام" میں‡ ایسی تفریق کی ہے ۔ وہ " قبل شعوری کو سہل المقابلہ" (Accessible) کا نام دیتا ہے اور بے شعور یاد داشتوں کو " غیر سہل المقابلہ " (Inaccessible) کا۔ ایسے واقعات جو بغیر دقت سے معمولی طریقوں سے ہی یاد کئے جاسکیں؛ پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں - لیکن اگر وہی واقعات ممتنع ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب کے شعور میں واپس آنے کے ناقابل ہوں اور صرف خاص خاص طریقوں سے ہی شعور میں داخل کئے جاسکیں تو یہ دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں - اختناق الرحم اور عصبی مریضوں کی یادداشت دوسرے گروہ سے تعلق رکھتی ہے کیوں کہ تجزیۃالنفس کے ماہرین کے لئے سب سے بڑی دقت انہیں ممتنع واقعات کو شعور میں لانا ہے —

جب امتناع واقع ہوتا ہے تو چند واقعات جو کسی زمانے میں فی الحقیقت خوشگوار تھے المناک یا ناگوار بن جاتے ہیں - ایسے المناک واقعات کو شعور سے باہر دھکیل دیا جاتا ہے۔ کیوںکہ ان کی یاد داشت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے ۔ اور مریض کو ان کی یاد سے نادم ہونا پڑتا ہے ۔ میں ایک عصبی مریض کو جانتا ہوں جو نو جوانی کے عالم میں اپنی بھاوج کو دل دے چکا تھا۔ اس زمانے میں اس کے لیے یہ واقعہ نہایت ہی خوشگوار تھا لیکن کچھ عرصے بعد چندوجوہ سے وہ اُن ناجائز تعلقات سے باز آگیا اور اس نے اس صنفی خواہش کو ممتنع

---

* 'Introductory Lectures on Psycho Analysis' (Allen and Unwin co.)

‡ C. D. Broad: The 'Mind and its place in Nature, (Kegan Paul).

کردیا - اِس واقعے کے تقریباً بیس سال بعد جب ممتنع خواہش شعور میں واپس لائی گئی تو اس نے نہایت ہی ندامت سے واقعہ دھرایا یہاں تک کہ ندامت کے آثار اس کے چہرے پر بھی نمایاں تھے - ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ ایسی ممتنع خواہشیں کس طرح تکلیف دہ ثابت ہوتی ہیں -

(۴) اگرچہ یہ قانون ہے کہ ایسی خواہشیں' جو ممتنع ہوگئی ہوں- بے شعور رہتی ہیں لیکن بعض اوقات عصبی مریض کی خواہشیں امتناع کے بعد بے شعوری میں اتنی طاقت حاصل کر لیتی ہیں کہ وہ ہر لحظہ شعور میں آنے کی کوشش میں سرگرم رہتی ہیں - کیوں کہ ایسی خواہشیں امتناع سے پہلے ذھن میں اتنی تقویت حاصل کرچکی تھیں کہ امتناع کا مکمل طور پر کامیاب ہونا ناممکن تھا - ضرورتاً ایسی خواہشیں ممتنع تو ہو گئیں ' لیکن بے شعوری میں ان کی طاقت پھر بھی باقی تھی - اور وہ محض موقع کی منتظر تھیں ' اس قسم کی طاقتور خواہشیں امتناع کے بعد بھی شعور میں واپس آنے کی اتنی خواہشمند ہوتی ہیں کہ امتناع کی طاقتیں ایسی خواہشوں پر جو ممتنع ہوچکی ہوتی ہیں پورا پورا تسلط نہیں رکھہ سکتیں - نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخر کار شعور میں انہیں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے اور اس طرح سے وہ سرور حاصل کرلیتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ انھوں نے ایسی صورت اختیار کرلی ہو اور ان خواہشوں کی اصلیت بالکل ہی معدوم ہوگئی ہو اور ان کی حقیقت اور اس سرور کی اصلیت بالکل ہی پہچانی نہ جاے اور نہ ہی ان کی اصلیت کا کسی کو مغالطہ ہو فرائڈ کے نزدیک اختناق الرحم تمام کی مریضہ کی علامات اس کی اسی طرح کی دیرینہ خواہشیں ہوتی ہیں جو شعور میں داخل ہوتے وقت کوئی

اور صورت اختیار کرلیتی ہیں یعنی علامات کی صورت فراتڈ کے ہم عصر ماہر جینے کے نزدیک یہ درست نہیں کیونکہ فطرتاً کوئی مریضہ اختناق الرحم کی مخصوص علامات کی خواہش نہیں کرسکتی فوری جذبے کے ماتحت اس کے نفس کا جسم پر اختیار نہیں رہتا۔ اس غیر فطری اصول کا نتیجہ ان مخصوص علامات میں ظاہر ہوتا ہے لیکن فراتڈ نے تجزیے سے یہ بات بخوبی واضح کی ہے کہ اختناق الرحم کی تمام علامات ممتنع خواہشات ہیں لیکن ان خواہشوں کو حال میں تلاش کر نا فضول ہے۔ عصبی مریضوں کی ایسی خواہشیں اکثر ان کے بچپن کے واقعات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ تجربے سے اس کی صداقت کا یقین آجائے گا کہ علامات فی الواقع طاقتور خواہشوں کے مخفی سرور ہیں : یعنی وہ سرور جو ان ممتنع خواہشوں سے زمانۂ ماضی میں حاصل ہوا تھا اور جو باوجود امتناع کے شعور میں داخل ہوگئی تھیں۔ مندرجہ ذیل واقعے سے یہ نظریہ اچھی طرح واضح ہوجائے گا :—

گذشتہ ماہ مجھے اختناق الرحم کی ایک نوجوان مریضہ کو ، جس کو میں بچپن سے جانتا تھا ، دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔ والدین نے اس کی شادی بچپن ہی میں " خ " سے کردی تھی لیکن یہ خاتون ایک اور شخص " ت " کو دل سے چاہتی تھی ۔ اور اپنے خاوند کے پاس جانے کو رضامند نہ تھی ۔ تنویمی طریقے سے اس کی ممتنع دیرینہ خواہش پر روشنی ڈالی گئی ۔ نوجوان مریضہ نے میرے سامنے بڑی دقت سے اس بات کا اعتراف کیا کہ جس زمانے میں اسے " ت " سے محبت تھی ایک دفعہ " خ " بیمار ہوا تو اس کے دل میں اس کی موت کا خیال بجلی کی سرعت سے جاگزیں ہوا (کیونکہ " خ " کی بیماری کے باعث

اسے وہاں پہنچا دیا گیا تھا اور ایک مدت تک یہ "ت" کی ملاقات سے محروم رہی) - یہ خواہش اگرچہ بڑی طاقتور تھی لیکن پھر بھی وہ اس خیال سے کانپ اٹھی - "خ" کی صحت یابی پر جب وہ گاؤں میں واپس آئی تو اسے "ت" کی بے وفائی کا علم ہوا جس نے اس عرصے میں کہیں شادی کر لی تھی - اس نے انتہائی مایوسی سے اس خواہش اور "ت" کو بالکل فراموش کر دینے کا تہیہ کر لیا - ایک مدت کے بعد "خ" کی لگا تار کوششیں اس کا دل حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں - اب دیکھئیے ' اس نے اس صنفی خواہش یعنی "خ" کی موت کو ممتنع تو کر دیا اور "ت" کی بے وفائی اور خاوند کی محبت کے باعث ضرورتاً امتناع ایک حد تک کامیاب بھی ہو گیا لیکن ممتنع صنفی خواہش جو "ت" کے ساتھہ وابستہ تھی ' بے شعوری میں کافی طاقت حاصل کر چکی تھی - "ت" کی محبت جس کو بالکل فراموش کرنا قریب قریب محال تھا ' اس خواہش کو شعور میں دھکیلنے کی سعی بلیغ کرتی رہی لیکن مخالف طاقتوں کی وجہ سے شعور میں اس کا داخلہ ناممکن تھا - اس لیے اس طاقتور ممتنع خواہش نے سرور حاصل کرنے کے لیے اختناق الرحم کی علامات کی صورت اختیار کر لی - فرائڈ کے نظریے کے مطابق یہ علامات فی الواقع وہی ممتنع خواہش ہے ' جس نے ایک وقت شعور میں لذت حاصل کی تھی لیکن جلد ہی شعور سے باہر نکال دی گئی تھی —

عصبی مریضوں کی علامات کے متعلق سب سے پہلے برائر نے انکشاف کیا تھا کہ یہ کچھہ معنے رکھتی ہیں لیکن ان کے معانی خواب کے معنوں کی طرح آسانی سے سمجھہ میں نہیں آسکتے - بعینہ خواب کی طرح یہاں

بھی تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے - وہ دماغی قضیات جن کی وجہ سے ایسی علامات ظہور میں آتی ہیں ' یا تو بالکل وہی قضیات ہوتے ہیں' جو خواب کا اصلی باعث ہیں یا یہ بہت کچھ ان کے مشابہ ہوتے ہیں—

" ائتلاف اختیاری " کے ذریعے سے کسی خواب کی تعبیر کرنے سے معلوم ہوگا کہ خواب کا ایک واحد عنصر بہت سے بے شعور خیالات کو پیدا کر سکتا ہے - خواب کی بناوٹ کے وقت ایسے تمام بے شعور خیالات یکجا ہوکر اس واحد عنصر میں سما جاتے ہیں اور تحلیل کے وقت ایسے تمام خیالات اس عنصر سے جدا ہوکر شعور میں بلا تکلف آ جاتے ہیں - مثلاً وہی اختناق الرحم کی مریضہ' جس کے متعلق اوپر بیان کیا جا چکا ہے ' اپنے تئیں گاؤں کے باہر بے کسی کی حالت میں کھڑی دیکھتی ہے اور مجھے مدد کے لیے پکارتی ہے - اس خواب کی تحلیل کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا واحد عنصر' یعنی "بے کسی کی حالت میں مجھے پکارنا "' بے شمار فراموش شدہ خیالات پر مبنی تھا جن میں سے اکثر خیالات بچپن کے واقعات سے وابستہ تھے - اسی طرح ایک بے شعور خواہش کئی بے شعور خواہشوں سے مل کر بنتی ہے اور یہ بے شعور خواہش اس اصول کے ماتحت' کہ تمام ممتنع خواہشیں تبدیل ہوکر علامات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں' کام کرتی ہے - دوسرے الفاظ میں علامات ممتنع خواہش کو رمز کے طور پر ظاہر کرتی ہیں - علامات کے معنے ہمیشہ بے شعور ہوتے ہیں اور محض اس لیے کہ اس کے معنے مخفی ہوتے ہیں علامات کے لیے یہ بات نہایت ہی آسان ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے تئیں ظاہر کریں - اگر وہ ذہنی قضیہ ' جو علامات میں معانی مضمر کرتا ہے بے شعور نہ ہوتا

تو کوئی بھی علامت ظاہر نہ ہوتی ۔ اگر ہم علامات کے مضمر نشانوں کو شعور میں لانے میں کامیاب ہو جائیں یا اس ذہنی قضیے کو جس کے ذریعے سے علامات نے اپنے مخصوص نشان حاصل کیے شعور میں داخل کر لیں تو تمام علامات فی الفور کافور ہو جائیں گی ۔ عصبی مریضوں کے علاج میں یہی نظریہ کام کرتا ہے ۔ نشانوں کی بناوٹ مختلف عصبی مرضوں میں مختلف ہوتی ہے ' اور یہ ماہر کا کام ہے کہ نشانوں کی بناوٹ سے مرض کی حقیقت معلوم کرے اور مخصوص طریقوں سے مریض کا علاج کر کے نشان (علامتیں) دور کرے ۔

نائٹروجن

از

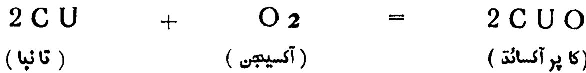
جناب رفعت حسین صاحب صدیقی ایم - ایس - سی (علیگ)
ریسرچ انسٹی ٹیوٹ طبیہ کالج - دہلی

عنصر نائٹروجن جو بہ ظاہر کرۂ ہوائی کا غیر عامل جز ہے انسان کے واسطے غیر معمولی طور سے مفید شے ہے - باعتبار حجم ہوا میں اس کا $\frac{4}{5}$ حصہ ہے - ہمارے تہذیب و تمدن کے اس دور میں استعمال ہونے والی بے شمار بوٹیوں، رنگوں، دواؤں اور دھماکو اشیاء کا جدی عنصر (Parent element) ہونے کے علاوہ وہ تمام ذی حیات مادے کا جزو خاص ہے، جس کی تغیر پذیری اور ذکی الحسی نائٹروجن کے غیر قائم مرکبات کی وجہ سے ہے - بہت سی باتوں میں دیگر عناصر سے بالکل مختلف ہے - معمولی عناصر کے ساتھ اس کی زبردست کیمیائی عدم عاملیت ہی نے اس کو زمین کے اندرونی حصص میں زیادہ مقدار میں جمع نہیں ہونے دیا ہے - کرۂ ہوائی میں آزاد حالت میں صرف اس وجہ سے موجود ہے کہ یہ بے کار ثُفل ہے جو زمین کا ڈھانچہ تعمیر ہونے کے بعد باقی رہ گیا ہے - اگر نائٹروجن کسی حد تک کیمیائی طور پر عامل شے ہوتی تو دوسرے عناصر کی طرح اس کی تثبیت (Fixation) کو بھی مدت ہوچکی ہوتی - مٹی اور چٹانوں سے وہ کیمیائی طریقے سے متحد

ہوچکی ہوتی اور مشکل ہی سے ہماری بود و باش کے واسطے کوئی قابل ذکر کرۂ ہوائی ہوتا —

خیر جو کچھہ بھی ہو ہم اس عجیب و غریب عنصر کے طریقۂ تیاری کی اور اس کے خواص کی تفصیل بیان کریں گے اور ساتھہ ہی ساتھہ بعض اقتصادی مسائل پر بھی بحث کریں گے ' جن کا تعلق اس امر سے ہے کہ اگر مہذب ملکوں کی زمین میں یہ عنصر تقریباً ختم ہو جاے تو کیا نتیجہ ہوگا —

اگر معمولی ہوا کسی سرخ گرم نلی میں جس میں تانبے کی چھیلن بھری ہو ' گذاری جاے تو غیر خالص نائٹروجن حاصل ہوگی ' اس لیے کہ تانبا حسب ذیل طریقے کے مطابق ہوا سے تمام آکسیجن علحدہ کرکے جذب کرلیتا ہے —

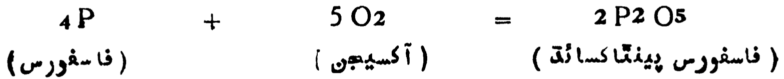


$$2CU + O_2 = 2CUO$$

(تانبا) (آکسیجن) (کاپرآکسائڈ)

نلی کے دوسرے سرے سے نائٹروجن اور آرگن کا آمیزہ نکلتا ہے - یہ دونوں غیر عامل گیسیں ہیں - ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں - صرف کیمیائی طریقوں سے ان کو علحدہ کرنا بہت دشوار امر ہے - لیکن گیس کو مائع شکل میں حاصل کرکے جوش دیا جاے تو دونوں علحدہ ہوسکتی ہیں - نائٹروجن بہ مقابلہ آرگن کے زیادہ طیران پذیر ہے - اس لیے پہلے جوش کھانے لگتی ہے اور جمع کی جاسکتی ہے - آرگن اونچے نقطۂ جوش والے حصے میں باقی رہ جاتی ہے - عموماً نائٹروجن اور آرگن کو علحدہ نہیں کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ عناصر ایک دوسرے کے تعاملات میں خلل انداز نہیں ہوتے —

ہوا سے آکسیجن دور کرنے کا ایک سادہ طریقہ یہ ہے کہ ایک بند فانوس میں پانی کے اوپر فاسفورس کو جلائیے- فاسفورس (مٹر کے دانے کے برابر کافی ہوگا) ایک پورسیلین کی پیالی میں رکھ کر سرخ گرم تار کے ٹکڑے سے روشن کیا جاتا ہے - پیالی کو فوراً فانوس سے ڈھک دیا جاتا ہے اور اس وقت تک رکھا رہتا ہے جب تک کہ فاسفورس تمام آکسیجن جذب نہ کر لے جیسا کہ ذیل کی مساوات سے ظاہر ہے —



فاسفورس پینٹاکسائڈ کے سفید بادل پانی میں جذب ہونے کے بعد فانوس میں جو گیس باقی رہتی ہے وہ نائٹروجن ہے، جو آرگن سے ملی ہوتی ہے —

صنعتی مقاصد کے واسطے گیس کی تیاری کے یہ تمام طریقے بہت گراں ہیں- گیس کو وسیع پیمانے پر ہوا سے لینڈے کے طریق پر، جس کا ذکر آکسیجن کے تحت میں کیا جا چکا ہے، تیار کیا جاتا ہے —

گیس کو خواہ کسی طریقے پر کیوں نہ تیار کیا جائے ہماری بصارت اس کو معمولی ہوا سے متمیز نہیں کر سکتی اس لیے کہ وہ بھی بے رنگ، بے بو، بے ذائقہ ہے اور نظر نہیں آتی ہے- لیکن ہوا سے اُس کی شناخت ایک خاصے کی بنا پر کی جاتی ہے وہ یہ کہ اس میں کوئی چیز نہیں جلتی- اگر کسی روشن شے کو اس کے اندر لے جایا جائے تو وہ اسی طرح خاموش ہو جاتی ہے جیسے پانی میں- معمولی درجۂ تپش پر کسی عنصر کا اس پر کوئی خاص کیمیائی عمل نہیں ہوتا- عنصر بالکل سردہ معلوم ہوتا ہے- اب ذرا اس کے عجیب و غریب تاثرات پر غور کیجیے-

طیف نما سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عنصر فضا میں موجود ہے - تمام کواکب و سحابیوں میں ہے اور بہت سے سیاروں میں بھی پایا جاتا ہے - سحابیہ میں اس کے بادل ہوتے ہیں جن کو کہ ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن فضا میں وہ لکھوکھا میل کا احاطہ کیے ہوے ہیں۔ گیس کے ان تاریک بادلوں سے نائٹروجن کے وجود کا صرف اتفاقیہ طور پر اس وقت انکشاف ہوتا ہے جب کہ وہ پوشیدہ برقی آتش کی وجہ سے چمکتے ہیں - جو ان کی باہری سطح کو منور کردیتی ہے- مریخ اور زہرہ سیاروں کے کرۂ ہوائی میں ہمارے کرۂ ہوائی کی طرح زیادہ تر نائٹروجن گیس ہے اس لیے کہ آکسیجن اور دیگر عناصر زیادہ تر ان کے اندرونی حصص میں جذب ہوکر کیمیائی طریقے سے متحد ہوگئے ہیں - لیکن نائٹروجن کیمیائی طور پر غیر عامل ہونے کی وجہ سے صدیاں گذرنے کے باوجود اب بھی ویسی کی ویسی ہی آزادی سے ہواؤں میں چلتی ہے اور اس باد نسیم میں شامل ہے جو ان کے پہاڑوں اور وادیوں میں اٹکھیلیاں کرتی رہتی ہے - اس کی حالت میں سر مو فرق نہیں آیا ہے - اس کی حالت بدستور وہی ہے جو ان عالموں کے تخلیق کے وقت تھی جس کو اب ایک غیر محدود زمانہ گذر گیا ہے —

اس عنصر کے خواص اچھی طرح دلنشیں ہونے کے لیے ناظرین کو ایسے جہان کا نقشہ پیش نظر رکھنا چاہیے جس کے کرۂ ہوائی میں صرف نائٹروجن گیس ہو - یہ کہنا مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نائٹروجنی (شوریلی) سیارے کی سطح ریت اور چٹانوں کا ایک بڑا سمندر ہوگی یا ایک ایسا ویرانہ ہوگی جس میں ذی حیات مخلوق معدوم ہوگی ' کیونکہ یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ایسی

مخلوق کی ارتقا نہ ہو سکے جو نائٹروجن کو عمل تنفس میں استعمال کر سکے - فی زماننا ہماری زمین ہی پر بہت سے جراثیم ' بہت سے پودے اور بہت سی نم گھاسوں میں نائٹروجن کو جذب کرنے کی قوت موجود ہے - ایسی حالت میں ' جس کا ہم نے تصور کیا ہے ' ممکن ہے کہ ارتقائی مدارج کے بعد ایک عجیب و غریب طریقے سے حیات وجود میں آ جائے - اس سیارے کی مختلف مخلوق اس ماحول میں پھولے پھلے گی جو ہمارے جہان کی مخلوق کے واسطے مہلک ہو گا —

خیر جو کچھہ بھی ہو لیکن یہ ہم وثوق کے ساتھہ کہہ سکتے ہیں کہ سیارے کے ایسے ماحول میں کوئی انسان یا حیوان ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا - فوراً ہی مردہ غیر عامل ہوا دم گھوٹ کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے گی - یوں تو نائٹروجن کول گیس کی طرح زہریلی نہیں لیکن دم گھٹنے کا سبب یہ ہے کہ وہ کیمائی طریقے سے غیر عامل ہے اور اس احتراق کی معین و مددگار نہیں جو زندگی کے واسطے ضروری ہے - انسانوں اور حیوانوں کو آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے - نائٹروجن ان کے واسطے بیکار شے ہے —

ایسے سیارے میں بہت ہی غیر معمولی بات ہر اس شے کی غیر احتراق پذیری ہوگی جو ہماری دنیا کے کرۂ ہوائی میں آزادی سے جلتی ہے - خواہ ہم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں اس میں نہ تو شمع روشن ہو سکے گی اور نہ تیل کا چراغ یا لیمپ ہی جل سکے گا - اگر پرافینی تیل (Paraffin oil) کو بھی سفید گرم کوئلے پر ڈالا جائے گا تو وہ بھی آگ نہ پکڑ سکے گا بلکہ تیل پانی کی طرح کوئلے کی حرارت و تپش خاموش کرنے میں کامیاب ہو گا - ہماری

خوش باشی کے وقت کی کوئلے کی آگ ایسے سیارے میں قطعی ناممکن ہوگی اس لیے کہ کوئلہ بھی سونے یا پتھروں کی طرح احتراق پذیر نہ ہوگا - پس کوئلہ بھی جو ہماری دنیا میں بے حساب دولت و طاقت کا سرچشمہ ہے، محض شے بیکار ثابت ہوگا - یہ ضرور ہے کہ اس کی کشید فارق (Fractional Distillation) سے ایک گیس حاصل ہوسکے گی لیکن نائٹروجن کی طرح یہ بھی غیر احتراق پذیر ہوگی اور بیکار ہوگی —

ان واقعات سے ناظرین نے اندازہ کیا ہوگا کہ معمولی تپش پر نائٹروجن ظاہرا طور پر غیر عامل اور مردہ شے ہے لیکن در اصل یہ گیس مردہ نہیں ہے - اس میں وہ زبردست قوتیں اور بڑی بڑی طاقتیں اور توانائیاں خفتہ ہیں جو کیمیا ساز کے حرف 'ہو' کہتے ہی موجودہ دور کے دھما کو اشیا کی پاش پاش کرنے والی قوت کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہیں —

زبردست قوتیں جو اس گیس کے اندر مقید ہیں وہ زیادہ درجۂ تپش پر یا بجلی کے اثر سے آزاد ہو جاتی ہیں - مثلاً معمولی درجۂ تپش پر کوئی چیز آکسیجن اور نائٹروجن کو متحد نہیں کر سکتی - لیکن سفید گرمی اور برقی تناؤ کی موجودگی میں یہ ایسے خوفناک طریقے سے متحد ہوتی ہیں اور اس قدر گرم شعلہ پیدا ہوتا ہے جو صرف پگھلانے کے واسطے ہی نہیں بلکہ پلاٹینم جیسی دھات کو بھی جوش دینے کے واسطے کافی ہوگا ' جو آسانی سے پگھلنے والی دھات نہیں ہے - جب وہ زبردست برقی 'اخراج جو بجلی کی شکل میں ہوا میں میلوں لمبی زبردست قوس بناتے ہوئے تڑپتے ہیں' تو ان کے راستے میں نائٹروجن اور آکسیجن سفید سرخ گرم ہوکر متحد ہو جاتی ہیں -

کچھہ عرصے تک آکسیجن اور نائٹروجن کا شعلہ منور رہتا ہے اور گندک جیسی بو جو بعض مرتبہ معلوم ہوتی ہے وہ نائٹروجن کے ان اکسائڈوں کی وجہ سے ہے جو اس طریقے سے بنتے ہیں —

فی الواقع بہت سے عناصر زیادہ درجۂ تپش پر نائٹروجن سے متحد ہو جاتے ہیں - ایسے مرکبات نائٹرائڈ (Nitrides) کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں - میگنیشم اور کیلشیم دھاتیں اگر اس گیس میں گرم کی جائیں تو چمکنے لگتی ہیں - فاسفورس سلیکان ، بورن ، ٹائٹینیم (Titanium) ولفرم (Wolfram) کے نائٹرائڈ اسی قدر قیام پذیر ہیں جتنے کہ ان کے آکسائڈ - اس مسئلے یا اسی نوع کے دیگر مباحث کے متعلق اگر ناظرین کو تفصیلی معلومات کی ضرورت ہو تو کتاب ریسو چیز آن دی افی نیٹیز آف ایلی مینٹس " مصنفۂ جی مارٹن ، کا مطالعہ فرمائیں —

تمام حیاتی مادے کو نائٹروجن کی ضرورت ہوتی ہے - نخزمایہ (Protoplasm) کی مسلسل ، مضطرب اور بیقرار حرکات ، اس کی بالیدگی و نشو و نما اور اس کی شکست و ریخت اسی عنصر کے باعث وقوع پذیر ہوتی ہے - فی الواقع بغیر نائٹروجن کے حیات ہی باقی نہیں رہ سکتی - حیوانات و نباتات کو اگر نائٹروجنی اغذیہ نہ دی جائیں تو وہ بیمار ہو کر زرد پڑ جاتے ہیں ؛ مضمحل ہو کر اور کمہلا کر ختم ہو جاتے ہیں - آزاد حالت میں اس عنصر کو نباتات بہت ہی آہستہ آہستہ طریقے پر جذب کرتی ہے - لیکن حیوانات قطعی نہیں - نائٹروجن کا بھر بے کنار جس کا ہوا میں $\frac{۴}{۵}$ حصہ یعنی جس کی ۸۰ فی صدی مقدار ہے اور جو باد سموم و باد نسیم میں شامل ہو کر ہمارے چہروں ٹکراتی ہے ، کیمیائی اعتبار سے غیر عامل اور محض بیکار شے ہے -

حیاتی مادہ اس کو تیزی اور عمدگی کے ساتھہ اسی حالت میں ہضم کرسکتا ہے جب کہ دوسرے عناصر سے متحد ہوکر وہ مثبت (مرکب) ہوا ہو —

اب ان جدید کوششوں کے نتائج بیان کرنا بہتر ہوگا جن کی بنا پر ہوا کی آزاد مگر بیکار نائٹروجن کی بڑی مقدار مثبت اور مفید شکل میں تبدیل کی جاسکتی ہے - تمام بنی نوع کے واسطے یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے - اس کو حل کرتے ہی تمام جہان میں خوش حالی اور فارغ البالی کے شادیانے بجنے لگیں - اگر یہ حل نہ ہو تو چند ہی سال میں ہزارہا انسان بھوکوں مر جائیں - تمام مہذب ممالک میں مفلسی اور فاقہ مستی کی نوبت آجاے اور ہر قصبہ و شہر میں ایک انقلاب عظیم بپا ہوجاے —

یہ بیان حیرت انگیز اور خوف طاری کرنے والا معلوم ہوتا ہے - مگر اس کی صداقت اس خطبے سے ثابت ہوجاتی ہے جو سر ولیم کروکس نے سنہ ۱۸۹۸ ع میں برٹش ایسوسیئیشن میں * دیا تھا :—

حیاتی مادے کے ہر ایک ذرے کا تجزیہ دوران حیات میں ہورہا ہے اور اس عمل میں اس نائٹروجن کو جو اس کے اندر مقفل ہے، آزاد کردیتا ہے - اس سے حیات کی تغیر پذیری ثابت ہوتی ہے - نائٹروجن کے جواہر تمام حیاتی مادے میں موجود ہیں - ان کے مرکز غیر قائم ہوتے ہیں اور ان ہی سے مسلسل شکست و ریخت وقوع پذیر ہوتی ہے - ہر اس اثر سے جو عصب یا آنکھ و پٹھے پر ہوتا ہے، نائٹروجن

* The wheat problem by Sir William Crooks. Chemical News Office; 16 New castle Street, London E. C.

کے ان بے شمار مرکبات کا تجزیہ جو عصب کے راستے میں ہوتے ہیں، دھماکو طریقے سے ہوتا ہے۔ ہر عضلاتی اینٹھن اور تشنج میں، ہر ایک اُٹھائے ہوئے وزن میں، ہمارے جسم کی ہر ایک حرکت میں اور خوشی و رنج کے ہر ایک احساس میں نائٹروجنی مرکبات کے لاکھوں کھا سالمات کا تجزیہ ہوتا ہے۔ ان تمام رگوں کو دیکھیے جو تار برقی کے تاروں کے پیچیدہ نظاموں کی طرح ہمارے جسم کے ہر حصے میں منتشر ہیں اور جو ہمارے دماغوں میں صرف ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ لاکھوں مرتبہ پیچیدہ جالوں کی شکل میں بُنی ہوئی ہیں اور پھر اس پر غور کیجیے کہ ان میں سے ہر ایک پر کیمیائی تجزیے کا تموج اطراف و جوانب میں نہایت سرعت کے ساتھ موجزن ہے تو بہت آسانی سے معلوم ہو سکے گا کہ نائٹروجنی مرکبات کی وہ مقدار کس قدر زیادہ ہے جس کا تجزیہ ہمارے جسموں میں ہر گھنٹہ ہو رہا ہے اور جو بالآخر پسینے اور فضلے کی صورت میں خارج ہو جاتی ہے۔ اگر نائٹروجن کے اس مسلسل نقصان کی تلافی نہ ہو تو حیوان یا پودے بیمار ہو کر ختم ہو جائیں۔ انسان اور حیوان اس نقصان کو حیوانی اور نباتی غذا کھا کر پورا کرتے ہیں۔ ہر نصف سیر گوشت میں اور ہر روٹی میں وہ ترکیب یافتہ نائٹروجن موجود ہوتی ہے جو ہمارے جسموں میں پہنچتی ہے۔ ان پودوں اور حیوانوں کی حیات کا انحصار جو ہمارے دستر خوان کی زینت ہیں، زمین پر ہے۔ زمین کو یہ نائٹروجن غیر معین زمانۂ گذشتہ میں نہایت محنت و مشقت کے بعد اور دوامی لیکن بغایت سست کائناتی عملوں کی بنا پر، ہوا سے حاصل ہوئی ہے۔ کروڑہا طوفانوں کی برق انگیزی نے اس کو ہوا میں ملایا ہے۔ اور

لکھوکھا سالوں کی بارش نے اس متعدد نائٹروجن کو ہوا سے دھو کر زمین تک پہنچایا ہے۔ زمین و نباتات کے کروڑہا جراثیم نے اس کو غیر محدود زمانے میں جذب کیا ہے' لہذا ترکیب یافتہ نائٹروجن جو سپرد زمین ہے وہ قدرت کی ان متعدد کوششوں کا نتیجہ ہے ' جو ایسے زمانے سے پیہم جاری ہیں ' جو خیال و قیاس میں بھی نہیں آسکتا —

موجودہ تہذیب و تمدن کی تمام قیمتی نائٹروجنی اشیا ' خوبصورت رنگ ' موثر ادویہ ' زبردست دھماکو چیزیں بھی ' اپنی نائٹروجن زمین سے حاصل کرتی ہیں۔ نائٹروجن ' جو جنگی جہازوں کی گولہ باری اور آتش اندازی میں منتشر ہوتی ہے' اس کو خورد بینی جراثیم نے نہایت مشقت سے کام کرنے کے بعد صدیوں میں کرۂ ہوائی سے حاصل کیا ہے —

ہم آخر زمین کی نائٹروجن کے اس بیش بہا ذخیرے کو کیا کرتے ہیں ؟ جس تیزی سے وہ خزانۂ فطرت کے عملوں کی بنا پر جمع ہو رہا ہے' اس سے کہیں زیادہ تیزی سے ہم اس کو ختم کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے زمین اوسر اور بنجر ہوی جارہی ہے ' جس پر فصلوں کی کاشت قطعاً نہیں ہو سکتی - یہی وجہ ہے کہ صقلیہ (Sicily) کی زمین کے بڑے بڑے خطے ' شمالی افریقہ کے لق و دق میدان ' فرات کی بڑی وادیاں' جو کسی زمانے میں دنیا میں غلے کی پیداوار کے واسطے زرخیز ترین جگہ تھیں لیکن اب بالکل ویران اور اوسر ہوگئی ہیں —

ہر شخص واقف ہے کہ ایسی زمین کو زرخیز اور قابل کاشت بنانے کے واسطے کیا کیا جاتا ہے۔ ہم کو اس میں کھاد ملانا چاہیے یا بہ الفاظ دیگر ہم کو زمین میں ایسی اشیا شامل کرنا چاہیے جن میں مثبت نائٹروجن

موجود ہو اور جن کو پودے استعمال میں لا کر ہماری غذا کا اہتمام کر سکیں ۔ زمانۂ گذشتہ میں تھوڑی سی آبادی کے واسطے قدرتی کھاد کافی تھی لیکن موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں بنی نوع انسان کی آبادی روز افزوں ترقی پذیر ہے ۔ دنیا کی فطری کھادیں کسی صورت سے بھی کفایت نہیں کر سکتیں ۔ اور ہوا بھی یہی ۔ آدمی عرصے سے مجبوراً مصنوعی کھاد استعمال کر رہا ہے ۔ دنیا میں کار آمد نائٹروجن حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں ۔ مثلاً نائٹروجن کی بڑی مقدار امونیم سلفیٹ کی شکل میں اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ کوئلے کی کشید سے گیس بنائی جاتی ہے ۔ یہ نائٹروجن کسی زمانے میں، جس کا تعین ممکن نہیں، نباتات و حیوانات کے جسموں میں موجزن تھی؛ اس وقت جب کہ انسان کا زمین پر وجود بھی نہ تھا، ایک زمانۂ غیر محدود تک دفن رہنے کے بعد اس کو پھر دن کی روشنی دیکھنا نصیب ہوی اور کھاد میں استعمال ہوکر، پودوں کے جسموں کی تفریح سے سیر ہوکر، ہمارے جسموں میں داخل ہوی ۔ لہذا نائٹروجن جو ہمارے جسموں میں ہے وہ لاکھوں کھا برس ادھر قرون ثانویہ (Mesozoic Age) کے دلدلوں اور وادیوں کے مگرمچھ کے جسم میں جلوہ فگن رہ چکی ہے ۔ ان جانوروں کو نائٹروجن کے مستقبل کا مطلق بھی خیال نہ آیا ہوگا جیسے ہم کو اپنے غیر معین مستقبل کا ذرا بھی خواب و خیال نہیں ۔ سائنس کے یہ سنجیدہ واقعات پریوں کے افسانوں سے بھی زائد تعجب خیز اور عجیب و غریب ہیں —

بہر حال دنیا کے امونیم سلفیٹ کی پیداوار سنہ ۱۹۰۰ ع میں پانچ لاکھ ٹن تھی ۔ یہ مقدار تمام جہان کی ضرورت کے واسطے بہت

ھی کم ھے - مگر اس کو زیادہ مقدار میں حاصل نہیں کیا جاسکتا - ھاں
ایک چیز ضرور ایسی ھے جو بڑی مقدار میں پائی جاتی ھے اور جو
تمام دنیا کی کھاد کی ضرورت کو پورا کرسکتی ھے - اس کو سوڈیم
نائٹریٹ (Na NO3) یا چلی سالٹ پیٹر (Chili saltpetre) یا شورہ کے نام
سے موسوم کرتے ھیں - یہ قدرتی حالت میں چلی کے میدان تما روغل
(Tamarugal) کے ایک تنگ و چھوٹے خطے میں پایا جاتا ھے - اس خشک
اور بے بارش کے ضلع میں زمانہ ھاے دراز سے کرۂ ھوائی کی نائٹروجن کو
زمین جذب کر رھی ھے - اور بہت ھی آھستہ مگر استقلال کے ساتھ
کروڑھا جراثیم اس کو نائٹریٹ میں منتقل کر رھے ھیں لیکن متحدہ
نائٹروجن کی یہ زبردست مقدار بھی محدود ھے - عنقریب ھی وہ
زمانہ آنے والا ھے کہ یہ ذخیرے بالکل ختم ھو جائیں گے - نائٹروجن
کی اتنی مقدار پیدا نہیں ھوتی جتنی کہ ھم ختم کر رھے ھیں -
ذیل کے نقشے سے پتا چلتا ھے کہ کس قدر مقدار شورے کی کھودی
جاچکی ھے —

سنه ۱۸۶۰ ع	۶۸۰۰۰	ٹن
سنه ۱۸۷۰ ع	۱،۸۲،۰۰۰	"
سنه ۱۸۸۰ ع	۲،۲۵،۰۰۰	"
سنه ۱۸۹۰ ع	۱۰،۲۵،۰۰۰	"
سنه ۱۹۰۰ ع	۱۴،۵۳،۰۰۰	"
سنه ۱۹۰۶ ع	۱۶،۰۰،۰۰۰	"
سنه ۱۹۱۰ ع	۲۰،۰۰،۰۰۰	"

سنه ۱۹۰۰ ع میں جس قدر مقدار کھودی گئی اس کی ایک چہارم

هزارها مختلف قسم کے نائٹروجنی مرکبات کے تیار کرنے میں صرف هوئی، جن کی هم کو آئے دن ضرورت رهتی هے - بقیه تین چهارم کهاد میں شامل هوکر هماری غذا کے نذر هوئی - یورپ اور امریکه کی زراعت کا انحصار جنوبی امریکه کی جمهوریت کی ایک چهوٹی سی پٹی پر هے اور ان کو موجوده نائٹریت کی درآمد پر ایک کروڑ بیس لاکهه پاؤنڈ سالانه دینا پڑتا هے - یه روز افزوں بار بهت هی زبردست هے - مزید براں اگر اندرونی معاملات کی وجه سے دفعتاً برآمد بند هوجائے تو قحط، شورش اور بغاوت ایسی هی یقینی طور پهیلے جیسے رات کے بعد دن کا وجود لازمی هے —

تیس سال کے عرصے میں یه خطے بهی ختم هوجائیں گے اور پهر ایک دو سال بعد هم قحط عظیم میں مبتلا هو جائیں گے —

سنه ۱۸۹۸ ع میں سر ولیم کروکس نے مستقبل کے اس خطرے سے هی آگاه نهیں کیا تها بلکه یه بهی بتایا تها که اس کا دفعیه کس صورت سے ممکن هے - دنیا کے مختلف حصوں میں اس وقت بهی اس کی تجاویز پر عمل کیا جا رها هے اور وه منحوس گهڑی یا بدبختی خوش بختی میں تبدیل هوتی معلوم هو رهی هے جس کے متعلق هم بیان کریں گے —

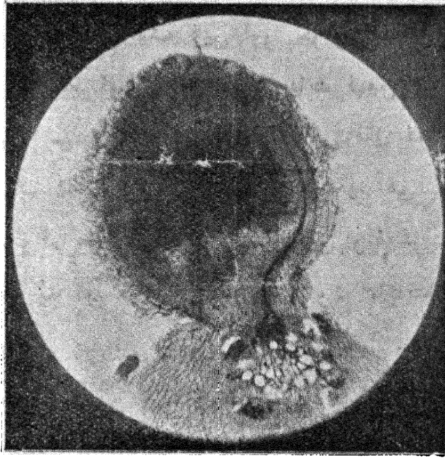
کرۂ هوائی میں اس قدر نائٹروجن هے که وه تقریباً کبهی ختم نهیں هو سکتی - تقریباً ۴۹۸۰ بلین ٹن هو گی - هر مربع گز کے اوپر تقریباً سات ٹن هوتی هے مگر یه نائٹروجن آزاد هے اور کهاد میں استعمال هونے کے لیے بیکار هے - لیکن مثبت حالت میں پودے اس کو بغیر کسی واسطے کے جذب کرسکتے هیں - اگر ایک مربع میل کے اوپر کی نائٹروجن، نائٹریت میں تبدیل کی جاے تو دو کروڑ پچاس

لاکھ پاونڈ کی مالیت کی ہوگی اور تمام دنیا کی کھاد کی ضرورت کے واسطے کئی سال تک کافی ہوسکے گی —

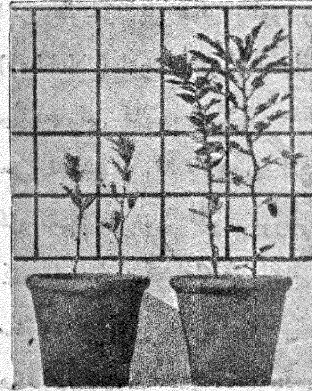
پس اگر کوئی ایسا طریقہ ہو جس سے کہ کرۂ ہوائی کی نائٹروجن عمدہ اور سستے طریقے سے مثبت ہوسکے تو سائنس کا یہ بہترین انکشاف ہوگا۔ حال میں اس کو متعدد طریقوں سے مثبت کرنے کی کوشش کی گئی ہے —

چند سال گذرے جب کہ ہیل ریگل (Hellriegel) نے معلوم کیا کہ پودے (Leguminous Plants) مثلاً تپتیا گھاس ' لوبیا ' مٹر ' کی جڑوں میں چھوٹے چھوٹے دانے ہوتے ہیں جو کہ دراصل شورہ بنانے والے جراثیم کے آباد شہر ہیں یا یوں سمجھئے کہ ایسے جراثیم ہیں جن میں ہوا سے آزاد نائٹروجن کے جذب کرنے کی طاقت ہے ۔ اس کو جذب کرکے اپنی بافت (Tissues) میں اس کو ترکیب یافتہ حالت میں جمع کرتے ہیں ۔ یہ جراثیم مسلسل طریقے پر ایک ایسے کیمیائی عمل کے حامل ہیں جو ہماری طاقت سے کہیں بالاتر ہے ۔ خاموشی سے اور بغیر تھکے اور رکے ہوئے معمولی درجۂ تپش پر اور بغیر زبردست برقی اخراج کے وہ ہمیشہ ہوا کی نائٹروجن کو حاصل کرکے اور اس کو متحد کرکے اپنی بافت میں جمع کر رہے ہیں ۔ اس امر کی یہ دوسری مثال ہے کہ مخفی تعاملات اس معمل میں جس کو خلیہ کہتے ہیں کس قدر تیزی و سرعت سے جاری ہیں اور وہ ان کیمیائی تعاملات کے مقابلے میں کہیں بہتر ہیں جو ہم بہ دقت تمام اور مصیبتوں کے بعد زیادہ درجۂ تپش اور زبردست و تیز موثرات (Reagents) استعمال کرکے شروع کرتے ہیں ۔ حیاتی مادے کا ایک ادنی سا ذرہ بھی جواہر کی ایک دنیا ہے جو غیر معلوم اور عظیم قوتوں کی وجہ سے ادھر ادھر جھپٹ رہے ہیں ۔ وہ قوتیں جو بین جوہری

توانائی (Intra atomic energy) کے بحر بیکراں سے نکل کر جواہر ہی میں



شکل نمبر ۱ -
"بین کا ایک دانہ "
یہ دانے گویا نائٹروجن جذب کرنے والے عضویوں کے شہر ہیں -



شکل نمبر (۳)
(ا) " نائٹروجن ملی ہوی نہیں ہے"
(ب) بین کے جو کوبدانے کی پچکاری دی گئی ہے۔
اس تصویر سے یہ ظاہر ہوتا ہے
کہ جن پودوں میں نائٹروجن جذب کرنے والے عضویے ہوتے ہیں ان کی قوت نمو بہت بڑھ جاتی ہے -



شکل نمبر ۲ - "بین کے دانے میں نائٹروجن جذب کرنے والے عضویے "
ان عجیب و غریب عضویوں میں یہ طاقت ہے کہ ہوا کی نائٹروجن کے سالموں کو توڑ کر ان میں مل جاتے ہیں - اس طرح جس زمین پر یہ پیدا ہوتے ہیں اس کو زرخیز بنا دیتے ہیں -

رقص کر رہی ہیں - فی الواقعہ حیات (Vitality) ان ہی قوتوں کا کرشمہ ہے جو اس قدر زبردست اور ان تھک ہیں اور جوہری دنیا کے نظام کو قائم کئے ہوے ہیں - پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر کیمیا دان معمولی طریقوں سے اس کے کیمیائی تعاملات کی نقل نہ کر سکیں —

بہت عرصے تک یہ خیال رہا کہ ان جراثیم کی صرف پھلی دار پودوں پر ہی نشو و نما ہوسکتی ہے لیکن حال میں پروفیسر باٹملے (Bottomley) نے ثابت کیا ہے کہ یہ ان کی مخصوص و محدود عادت نہیں ہے بلکہ وہ دوسری نوع کے پودوں پر بھی پھول پھل سکتے ہیں - یہاں ایک بیش بہا امکان کی جھلک معلوم ہوتی ہے - ایک کسان خراب زمین میں ان جراثیم کو ملا کر آہستہ آہستہ نائٹروجنی مرکبات کی مقدار بڑھا سکتا ہے - زمین اس طریقے پر عمدہ اور زرخیز ہو جاےگی - سنہ ۱۸۹۶ ع میں نابے (Nobbe) اور ہالٹنر (Hiltner) اپنے مائکروب (Microbe) کو ایک چھوٹے سے تجارتی فارم پر لاے - مائکروب کا نام نائٹراگن (Nitragin) تھا - بہت سی ابتدائی ناکامیوں کے بعد ان کو اس قدر کامیابی ہوی کہ آج کل کئی کارخانے تھوک فروشی کے لیے ان نائٹروجنی مائکروب کی پیدا وار کے واسطے بہتر طریقہ نکالنے میں مصروف ہیں - ان مائکروبوں کی سینکڑوں مختلف قسمیں ہیں اور ان کے متعلق نہایت سرگرمی سے تحقیقات ہو رہی ہے - اس میں مطلق شک نہیں کہ ان کی مدد سے ہم اس زمین کی زرخیز کرنے والی نائٹروجن کی کمی کو پورا کر سکتے ہیں جو مدتوں سے اوسر و بنجر پڑی ہوی ہے - اور ہم نے نہایت فیاضی اور دریا دلی سے اس کا خیال بھی نہیں کیا ہے - حقیقتاً ہم نیچر کی نقل کر رہے ہیں تاکہ اپنی ضروریات اس کے آہستہ عملوں کو تیز کرکے پوری

کر سکیں * - یہ نقل کرنے کا عمل ایک دوسری سمت میں کیا جا رہا ہے اور غالبا زیادہ کامیابی کے ساتھہ —

یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بجلی کی چمک ہوا کو جلا کر نائٹروجن کے آکسائڈ بناتی ہے اور جب مینھہ سے دھل کر یہ زمین پر آجاتے ہیں

تو تیزی سے نائٹریٹ میں مثبّت ہو جاتے ہیں - صرف بجلی ہی نہیں بلکہ خاموش برقی اخراج جو کرۂ ہوائی میں ہوتے رہتے ہیں وہ بھی ہوا کی آکسیجن کو نائٹروجن سے متحد کر کے نائٹرائٹ اور امونیائی نمک بناتے ہیں - اس طریقے سے چار سو ملین ٹن سالانہ مثبّت نائٹروجن برقی عمل کی وجہ سے زمین یا سمندر میں شامل ہوتی ہے † یا یوں سمجھیے کہ یہ اس سے ہزار گنی زیادہ مقدار ہے جتنی کہ چلی کے شورہ سے مصنوعی طریقوں سے بہم پہنچائی جاتی ہے - جس کے سنہ ۱۹۰۵ ع میں دو لاکھہ ساٹھہ ہزار ٹن مثبّت نائٹروجن کے تھے —

بجلی کی چمک ایک زبردست برقی شرارہ ہے اور ہم ان برقی شراروں کی وجہ سے ہوا کو جلا کر نائٹرک ایسڈ اور نائٹریٹ حاصل کر سکتے ہیں - سنہ ۱۸۹۲ ع میں سر ولیم کروکس نے رائل سوسائٹی کے جلسے کے موقع پر

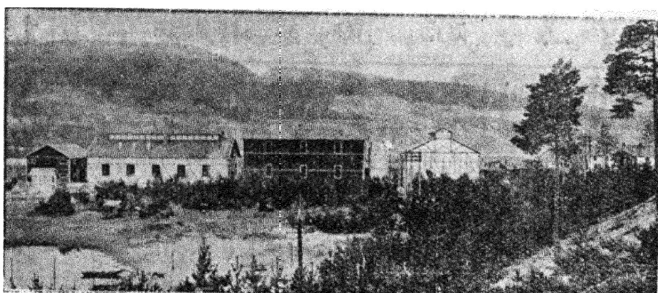
---

* مزید معلومات کے واسطے ناظرین ورلڈس ورک (World's Work) ستمبر سنہ ۱۹۰۷ صفحہ ۳۷۲ ملاحظہ فرمائیں - مزید حوالے کے واسطے مسٹر جان گولڈنگ ایف - آئی - سی ' ایف - سی ' اِس ' کے مضامین اور اس کا صدارتی خطبہ بہ عنوان (Adaptation) جو اس نے ناٹنگھم کی انجمن ماہرین فطرت (Nottingham) (Naturalists society) میں سنہ ۸ - ۱۹۰۷ ع میں دیا بہت بہتر ہے —

† مصنفۂ ارہینیس صفحہ ۱۳۰ سنہ ۱۹۰۸ ع
Arrhenius, Das Werden der Welten.

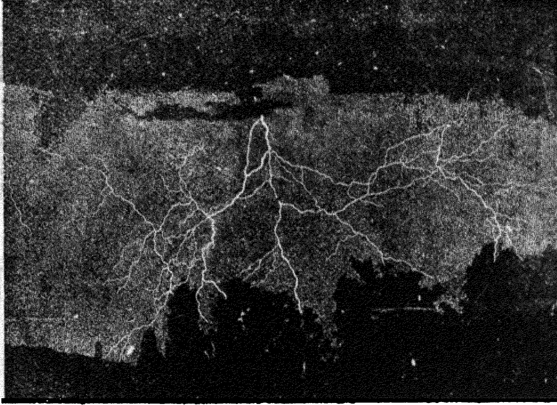
ایک تجربے میں " جلتی ہوی نائٹروجن کا شعلہ " دکھایا - سروں کے درمیان زبردست اسالی رو (Induction current) گذارنے سے ہوا جل اٹھی اور کافی دیر تک جلتی رہی - جلنے سے نائٹرکس اور نائٹرک ترشے بنے اس وقت اس نے دعوے اور وثوق کے ساتھہ برٹش اسوسئیشن کے سنہ ۱۹۰۸ ع کے خطبۂ صدارت میں پیشین گوئی کی کہ " یہ بہت ممکن ہے کہ اس معمولی تجربے سے ایک زبردست صنعت کی نشو ونما ہو اور مسئلۂ اغذیہ بالکل حل ہو جاے " اس کے یہ الفاظ جیسا کہ معلوم ہوگا بالکل صحیح ثابت ہوے —

نائٹریٹ بنانے کا پہلا کامیاب کارخانہ ناٹوڈن (Notodden) واقع ناروے میں پروفیسر برک لینڈ اور ڈاکٹر آئڈ (Birkeland) (Dr , Eyde) نے قائم کیا - یہاں پہاڑیوں اور' وادیوں کے دلفریب مناظر ہیں ' ایک جھیل کے خاموش پانی کے قریب جس سے کہ کرسچیانیا (Christiania) اور ہامبورگ (Hamburg) کی آب رسانی ہوتی ہے اور ایک تیز رو چشمے کے کنارے جس سے کہ بڑے بڑے ڈائنمو (Dynamos) کے چلانے کے واسطے ' جو برقی رو پیدا کرتے ہیں ' بے انتہا قوت حاصل کی جاتی ہے ' تھوڑے سے مکانات نظر آتے ہیں ' بہت ممکن



شکل ۳ - ناٹوڈن (Notodden) کے کارخانے جہاں زرخیز کن نائٹریٹ کرۂ ہوائی سے تیار کئے جاتے ہیں

ہے کہ آئندہ وہ بڑے کاروباری شہر کا مرکز ثابت ہوں ' جہاں کہ زرخیز کرنے والے نائٹریت کرۂ ہوائی سے تیار کیے جاتے ہیں - آلے کا ایک معمولی خاکہ

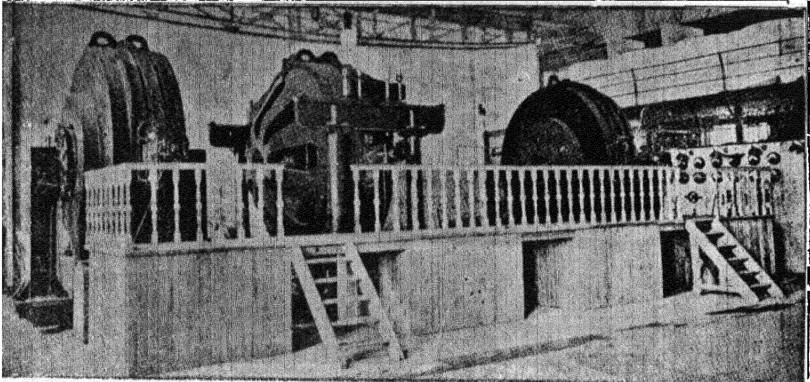


شکل ۵ برق

اگرچہ بعض مرتبہ اس کی وجہ سے حادثات وقوع پذیر ہوتے ہیں لیکن برق ذی حیات مخلوق کے واسطے بہت ہی مفید اور کار آمد شے ہے اس لئے کہ اسی کی مدد سے نائٹروجن زمین میں اس شکل میں آتی ہے جو کہ پودوں کے انہضام کے قابل ہے - چمک کی انتہائی حرارت کے باعث ہوا جل اٹھتی ہے جس کی وجہ سے نائٹروجن اور آکسیجن متحد ہو کر نائٹریٹ اور نائٹرائٹ میں ظہور پذیر ہوتی ہیں اور جو کہ بارش سے ڈھل کر زمین پر آجاتے ہیں - اس طریقے سے نائٹروجن کے ۴۰۰ ملین ٹن سالانہ متحد ہوجاتے ہیں زمین اور ذی حیات اشیاء کی زیادہ تر ترکیب یافتہ نائٹروجن اسی طرح ہوا سے حاصل ہوئی ہے -

شکل (۷) میں دکھایا گیا ہے کہ تین ہزار تا پانچ ہزار وولٹ کی زبردست متبادل رو کی وجہ سے تانبے کے برقیروں کے درمیان ' جو ہوا کی رو میں رکھے جاتے ہیں ' ایک بڑی برقی قوس بنتی ہے - برقیرے کھوکلے ہوتے ہیں اور ان میں سرد پانی گذارا جاتا ہے تاکہ جو گرمی پیدا ہو اس سے وہ پگھل نہ جائیں - برقیروں کے سروں کے

درمیان ۸ ممر تا ایک سینٹی میٹر کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یعنی نصف یا تہائی انچ کا۔ برقیرے کی طرف زبردست برقی مقناطیس کی وجہ سے قوس کا انصراف عمودی ہوتا ہے جو اس طرح رکھا جاتا ہے کہ تانبے کے



شکل ۶ - برک لینڈ - آئڈ کی برقی بھٹیاں جس میں سے ہر ایک ۸۰۰ گھوڑوں کے طاقت کی ہے

برقیروں کے سرے مقناطیسی میدان کے درمیان رہتے ہیں جیسا کہ شکل سے ظاہر ہے۔ فوراً ہی جلتی ہوی نائٹروجن گیس کے انتہائی گرم شعلے کی ایک بڑی گردتی ہوی گردش کرنے والی قرص (Rotating Disc) برقیروں کے درمیان بنتی ہے جس کا قطر ۶ ہوتا ہے۔ شعلے سے گیسیں حاصل کرلی جاتی ہیں۔ ان میں — فیصدی نائٹرک آکسائڈ کے ہوتے ہیں جو حسب ذیل مساوات کے مطابق پیدا ہوتی ہے —

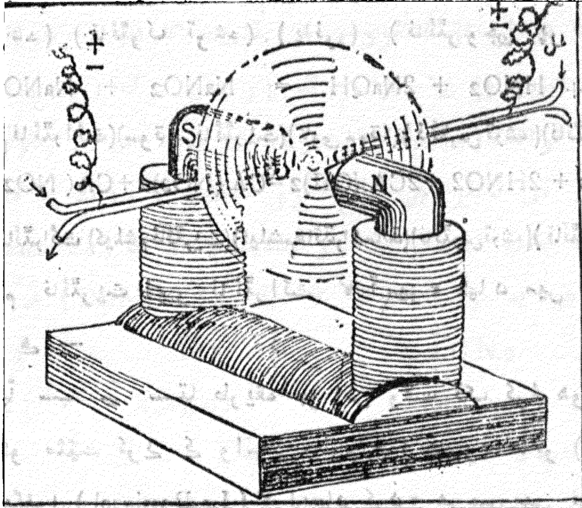


$$N_2 + O_2 = 2NO$$

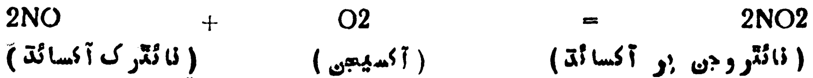
(نائٹروجن) (آکسیجن) (نائٹرک آکسائڈ)

گیسوں کو آہستہ آہستہ ٹھنڈا کیا جاتا ہے اور نائٹرک آکسائڈ

نائٹرک پر آکسائڈ میں تبدیل ہوجاتا ہے - جب کہ اس کو لوہے کی چادر کے تعاملی حوض (Reaction tank) میں ' جس کے اندر چینی کی استر کاری ہوتی ہے ' ہوا سے ملنے دیا جاتا ہے - مساوات حسب ذیل ہے —



شکل ۷ - برک لینڈ آئڈ برقی بھٹی کے اصول کا خاکہ ۳۰۰۰ - تا ۵۰۰۰ وولٹ کا زبردست متبادل رو برقیروں '۱ - ب ' میں رواں ہے - برقیرے تانبے کی نلی کے بنے ہوے ہیں جن میں ہو کر پانی نہایت تیزی سے گردش کرتا ہے تاکہ وہ برقی قوس کی بے انتہا حرارت کی وجہ سے پگھل نہ جائیں - ایک زبردست برقی مقناطیس سے جیسا کہ شکل سے ظاہر ہے قوس سے شعلے کی ایک مدورانہ قرص بنتی ہے ' جو کہ سورج مکھی چرخی (Catherine Wheel) سے مشابہ ہوتا ہے ' اور جس میں کہ جلتی ہوی نائٹروجن اور آکسیجن ہوتی ہیں -

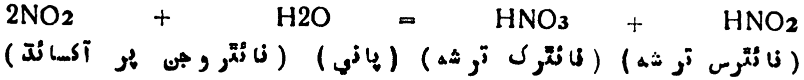


2NO + O2 = 2NO2

(نائٹرک آکسائڈ) (آکسیجن) (نائٹروجن پر آکسائڈ)

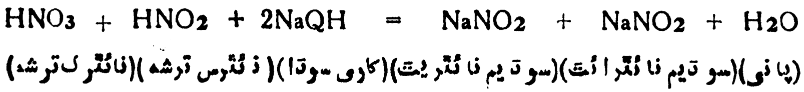
اس تعاملی حوض سے نائٹرس گیسوں کی تراوش ہوتی ہے جو نائٹرک ترشے میں سے ہوتی ہوی پانی کی برجیوں میں پہونچتی ہیں '

جہاں وہ ہلکائے ہوئے کاوی سوڈے یا دودھیا چونے سے ملتی ہیں اس طریقے سے حسب ذیل مساواتوں کے مطابق سوڈیم یا کیلشیم نائٹریٹ اور نائٹرائٹ کا آمیزہ بنتا ہے —



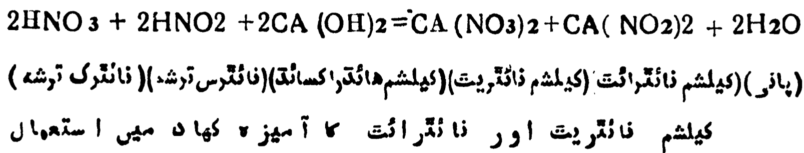
$$2NO_2 + H2O = HNO_3 + HNO_2$$

(نائٹروجن پر آکسائڈ) (پانی) (نائٹرک ترشہ) (نائٹرس ترشہ)



$$HNO_3 + HNO_2 + 2NaQH = NaNO_2 + NaNO_2 + H_2O$$

(نائٹرک ترشہ)(نائٹرس ترشہ)(کاوی سوڈا)(سوڈیم نائٹریٹ)(سوڈیم نائٹرائٹ)(پانی)

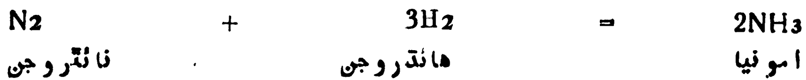


$$2HNO_3 + 2HNO2 + 2CA(OH)_2 = CA(NO_3)_2 + CA(NO_2)2 + 2H_2O$$

(نائٹرک ترشہ)(نائٹرس ترشہ)(کیلشیم ہائڈراکسائڈ)(کیلشیم نائٹریٹ)(کیلشیم نائٹرائٹ)(پانی)

کیلشیم نائٹریٹ اور نائٹرائٹ کا آمیزہ کھاد میں استعمال کیا جا سکتا ہے —

غالباً سب سے سستا طریقہ جو اس وقت تک کرۂ ہوائی کی نائٹروجن کو مثبت کرنے کے واسطے معلوم ہوا ہے وہ ہابر (Haber) اور لے روسیگنول (Le Rossignol) کا ایجاد کردہ ہے جس میں نائٹروجن اور ہائڈروجن کو بعض گرم کیے ہوئے حاملوں (Catalysts) پر گذارا جاتا ہے جب کہ وہ متحد ہوکر امونیا بناتے ہیں۔ اس طریقے کی پوری



$$N_2 + 3H_2 = 2NH_3$$

امونیا ہائڈروجن نائٹروجن

تفصیل قارئین "ماڈرن کیمسٹری * اینڈ اٹس ونڈرس" مصنفۂ جی مارٹن میں ملاحظہ فرمائیں —

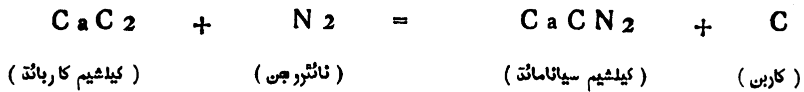
لیکن یہ طریقہ بھی بہت محدود ہے اس لیے کہ چلی سے سوڈیم

---

* Modern Chemistry and its Wonders

نائٹریٹ بہت سستا ملتا ہے۔ لیکن زمانۂ آئندہ میں جب کہ یہ خطے بالکل ختم ہوجائیں گے اور دنیا کی آبادی بہت زیادہ بڑھ جائے گی تو یہ اتنی بڑی صنعت ہوگی کہ تمام دنیا میں ہزاروں انسان اس میں مصروف ہوسکیں گے —

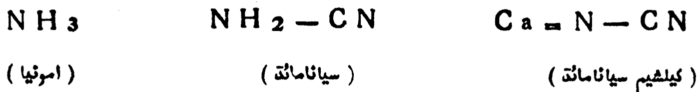
کرۂ ہوائی کی نائٹروجن کی تثبیت کا دوسرا طریقہ بالکل ہی جداگانہ اصول پر ہے جس کو کہ چارلوٹن برگ (Charlottenberg) کے پروفیسر فرانک (Franke) نے مروج کیا ہے۔ اس نے معلوم کیا کہ جب کرۂ ہوائی کی نائٹروجن سرخ گرم کیلشیم کاربائڈ پر گذاری جاتی ہے تو وہ جذب ہوجاتی ہے اور کیلشیم سیانامائڈ (Calcium Cyanamide) بن جاتا ہے۔ یہ مرکب امونیا کا مستخرج (Derivative) ہے —



$$CaC_2 + N_2 = CaCN_2 + C$$

(کیلشیم کاربائڈ) (نائٹروجن) (کیلشیم سیانامائڈ) (کاربن)

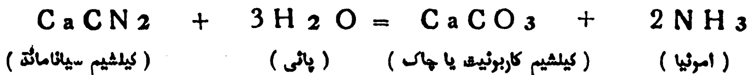
سیانامائڈ کا کیلشیم سالٹ ہے —



$$NH_3 \qquad NH_2-CN \qquad Ca=N-CN$$

(امونیا) (سیانامائڈ) (کیلشیم سیانامائڈ)

یہ کیلشیم سیانامائڈ دباؤ کے تحت پانی کے ساتھ گرم کیا جاتا ہے تو امونیا حسب ذیل طریقے پر آزاد ہوجاتی ہے —

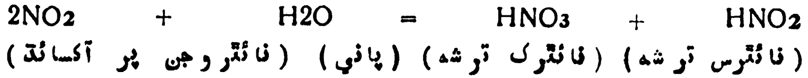


$$CaCN_2 + 3H_2O = CaCO_3 + 2NH_3$$

(کیلشیم سیانامائڈ) (پانی) (کیلشیم کاربونیٹ یا چاک) (امونیا)

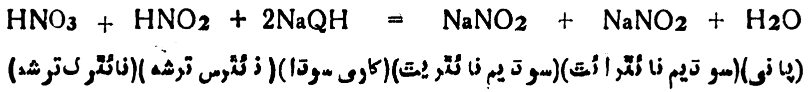
بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ اگر یہ شے زمین پر محض پھیلادی جائے تو نمی آہستہ آہستہ اس کا تجزیہ کردیتی ہے اور اس سے امونیا اور چاک یا لائم اسٹون حاصل ہوتے ہیں اور ان کو بطور کھاد (Fertiliser)

جہاں وہ ہلکائے ہوے کاوی سوڈے یا دودھیا چونے سے ملتی ہیں ۔ اس طریقے سے حسب ذیل مساواتوں کے مطابق سوڈیم یا کیلشیم نائٹریٹ اور نائٹرائٹ کا آمیزہ بنتا ہے —



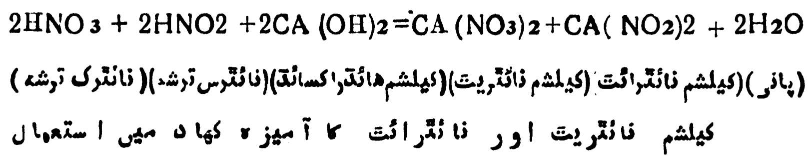
$$2NO_2 + H_2O = HNO_3 + HNO_2$$

(نائٹروجن پر آکسائڈ) (پانی) (نائٹرک ترشہ) (نائٹرس ترشہ)



$$HNO_3 + HNO_2 + 2NaQH = NaNO_2 + NaNO_2 + H_2O$$

(نائٹرک ترشہ)(نائٹرس ترشہ)(کاوی سوڈا)(سوڈیم نائٹریٹ)(سوڈیم نائٹرائٹ)(پانی)

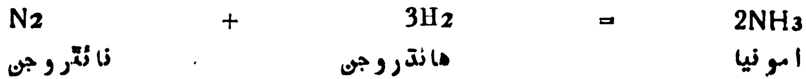


$$2HNO_3 + 2HNO_2 + 2CA(OH)_2 = CA(NO_3)_2 + CA(NO_2)_2 + 2H_2O$$

(نائٹرک ترشہ)(نائٹرس ترشہ)(کیلشم ہائڈراکسائڈ)(کیلشم نائٹریٹ)(کیلشم نائٹرائٹ)(پانی)

کیلشم نائٹریٹ اور نائٹرائٹ کا آمیزہ کھاد میں استعمال کیا جا سکتا ہے —

غالباً سب سے سستا طریقہ جو اس وقت تک کرۂ ہوائی کی نائٹروجن کو مثبت کرنے کے واسطے معلوم ہوا ہے وہ ہابر (Haber) اور لے روسیگنول (Le Rossignol) کا ایجاد کردہ ہے جس میں نائٹروجن اور ہائڈروجن کو بعض گرم کیے ہوے حاملوں (Catalysts) پر گذارا جاتا ہے جب کہ وہ متحد ہو کر امونیا بناتے ہیں۔ اس طریقے کی پوری



$$N_2 + 3H_2 = 2NH_3$$

نائٹروجن ہائڈروجن امونیا

تفصیل قارئین "ماڈرن کیمسٹری * اینڈ اٹس ونڈرس" مصنفۂ جی مارٹن میں ملاحظہ فرمائیں —

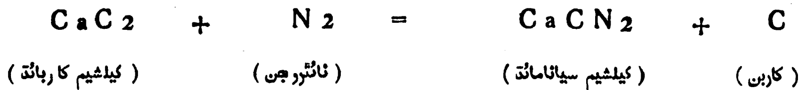
لیکن یہ طریقہ بھی بہت محدود ہے اس لیے کہ چلی سے سوڈیم

---

* Modern Chemistry and its Wonders

نائٹریٹ بہت سستا ملتا ہے۔ لیکن زمانۂ آئندہ میں جب کہ یہ خطے بالکل ختم ہوجائیں گے اور دنیا کی آبادی بہت زیادہ بڑھ جائے گی تو یہ اتنی بڑی صنعت ہوگی کہ تمام دنیا میں ہزاروں انسان اس میں مصروف ہوسکیں گے —

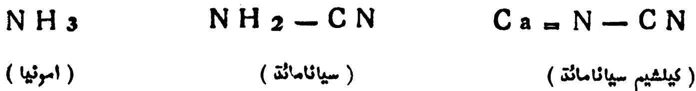
کرۂ ہوائی کی نائٹروجن کی تثبیت کا دوسرا طریقہ بالکل ہی جدا گانہ اصول پر ہے جس کو کہ چارلوٹن برگ (Charlottenberg) کے پروفیسر فرانک (Franke) نے مروج کیا ہے ۔ اس نے معلوم کیا کہ جب کرۂ ہوائی کی نائٹروجن سرخ گرم کیلشیم کاربائڈ پر گذاری جاتی ہے تو وہ جذب ہوجاتی ہے اور کیلشیم سیانامائڈ (Calcium Cyanamide) بن جاتا ہے۔ یہ مرکب امونیا کا مستخرج (Derivative) ہے —



$$CaC_2 + N_2 = CaCN_2 + C$$

(کیلشیم کاربائڈ) (نائٹروجن) (کیلشیم سیانامائڈ) (کاربن)

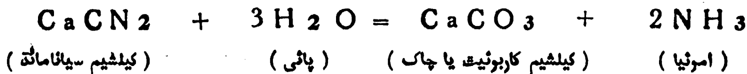
سیانامائڈ کا کیلشیم سالٹ ہے —



$$NH_3 \qquad NH_2-CN \qquad Ca=N-CN$$

(امونیا) (سیانامائڈ) (کیلشیم سیانامائڈ)

یہ کیلشیم سیانامائڈ دباؤ کے تحت پانی کے ساتھ گرم کیا جاتا ہے تو امونیا حسب ذیل طریقے پر آزاد ہوجاتی ہے —

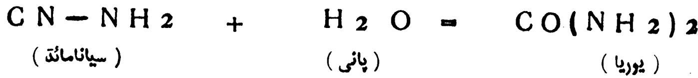


$$CaCN_2 + 3H_2O = CaCO_3 + 2NH_3$$

(کیلشیم سیانامائڈ) (پانی) (کیلشیم کاربونیٹ یا چاک) (امونیا)

بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ اگر یہ شے زمین پر محض پھیلادی جائے تو نمی آہستہ آہستہ اس کا تجزیہ کردیتی ہے اور اس سے امونیا اور چاک یا لائم اسٹون حاصل ہوتے ہیں اوران کو بطور کھاد (Fertiliser)

کے فوراً ھی استعمال کیا جاسکتا ھے - کہا جاتا ھے کہ گیس کے کارخانوں سے جو امونیم سلفیٹ نکلتا ھے اس سے یہ بہتر کھاد ھے اور اسی قدر اچھا ھے جتنا کہ بہترین شورہ - دکانوں پر یہ کالک اسٹک اسٹوف (Kalkstickstoff) یا نائٹرولائم (Nitrolime) کے نام سے فروخت ھوتا ھے - سیانامائڈ کا ایک عمدہ خاصہ (جو کہ کیلشیم سیانامائڈ سے بھی حاصل ھوسکتا ھے) وہ آسانی ھے جس کی وجہ سے وہ پانی سے متحد ھوکر یوریا (Urea) بناتا ھے - یہ وھی شے ھے جو پیشاب میں پائی جاتی ھے —



$$CN-NH_2 + H_2O = CO(NH_2)_2$$

(سیانامائڈ) (پانی) (یوریا)

اس مصنوعی یوریا کی منوں مقدار بناکر دواسازوں کے ھاتھہ طبی ادویات بنانے کے واسطے فروخت کی جاتی ھے - گوانی ڈین (Guanidine) جو حیوانی جسم کا ایک دوسرا حاصل ھے وہ بھی اس سے تیار کیا جاسکتا ھے - یہ بھی بہت بڑی مقدار میں فروخت ھوتا ھے - اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب شے کریٹین (Creatine) ھے جو انسانی عضلے میں پائی جاتی ھے اور جو یخنی (Beaftea) کا جزو محرک (Stimulating) ھے ' اس کو بھی سارکوسین (Sarcosine) اور سیانامائڈ کو متحد کرکے تیار کیا گیا ھے - غالباً وہ زمانہ بھی آئندہ آنے والا ھے جب کہ ھماری غذا کے بہت سے اجزا کرۂ ھوائی کی نائٹروجن سے تیار ھوسکیں گے - کرۂ ھوائی کی نائٹروجن کی تثبیت کے واسطے اسی قدر کارخانے قائم ھوں گے جتنے کہ آج کل لوھا پگھلانے کے واسطے ھیں * —

---

* مزید مطالعے کے واسطے ملاحظہ فرمائیے '' نائٹروجن کی تثبیت کا برقی

(بقیہ نوٹ پر صفحۂ آئندہ)

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خیال جو ہم نے ابتدائے مضمون میں بیان کیا تھا کہ نائٹروجن مردہ اور غیر عامل عنصر ہے بالکل صحیح نہیں ہے۔ جب دیگر عناصر سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو وہ غیر عامل ضرور ہے۔ تاہم آکسیجن کی طرح جو کرۂ ہوائی کا دوسرا جزو ہے وہ پیہم اور مسلسل اس کائناتی تغیر کے زبردست دور میں شریک ہے جس کی وجہ سے حیات روے زمین پر قائم ہے۔ آرھینیس کے قول کے مطابق نائٹروجن نباتی تعاملات میں آکسیجن کے مقابلے میں بیس گنا کم تیزی سے حصہ لے رہی ہے۔ پھر بھی نائٹروجن کی تثبیت کا عمل فطرت یا کائنات میں بڑے پیمانے پر سر انجام پا رہا ہے۔ کرۂ ہوائی سے اس کا تین ملین حصوں میں سے ایک حصہ سالانہ ہوا سے علحدہ ہو کر زمین میں مسلسل برقی اخراج کی وجہ سے جو خشکی اور تری میں ہر جگہ جاری ہیں، آکر شامل ہو رہا ہے*۔

دنیا کی عمر کا کوئی یقین نہیں۔ اس کی عمر سیکڑوں ہزاروں ملین سال کی ہے۔ اگر یہ تعاملات ابتدا ہی سے جاری ہیں تو ناظرین کو فطرتاً اس پر تعجب ہوگا کہ اب اس قدر نائٹروجن ہوا میں کیوں ہے، تثبیت کی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۸۰)

کیمیائی مسئلہ (The Electrochemical Problem of the Fixation of Nitrogen)
از پروفیسر فلپ اے گوئی (Philippe Aguye) رسالۂ کمیکل انڈسٹری ۳۰ جون سنہ ۱۹۰۶ - نیز " کیمیائی صنعت کا زراعت سے رشتہ" (Chemical Industry in relation to Agriculture) از پروفیسر فرانک (Franke) رسالۂ کمیکل انڈسٹری ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۰۸ و جلد ۲۷ سنہ ۱۹۰۴

† سوس ویرتن تیر ویلٹن مصنفہ ارھینیس —

اس رفتار یا شرح کے واسطے چند ہی ملین کا زمانہ کافی ہوا ہوتا جب کہ ہوا میں نائٹروجن قطعاً نہ رہی ہوتی۔ زمین کے امتحان سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ نائٹروجن کہیں بھی جمع نہیں ہے صرف اسی قدر ہے جتنی نباتی دنیا کو اپنی ضروریات کے واسطے درکار ہے۔ لہذا اس سے اس امر کا پتا چلتا ہے کہ بعض تعاملات ایسے موجود ہیں جن کی بنا پر نائٹروجن پھر کرۂ ہوائی میں شامل ہو جاتی ہے اور یہ امر واقعہ ہے۔ جب کہ حیوانات و نباتات کا دور حیات ختم ہوتا ہے اور ان کی شکست و ریخت ہو جاتی ہے تو ان کی مثبت نائٹروجن کا ایک بہت بڑا حصہ جراثیم کی فعلیت (Activity) اور ہ.ل تکسید کی وجہ سے آزاد ہو کر اپنے آبائی مسکن یعنی ہوا میں شامل ہو جاتا ہے۔ ان کے جسموں کے بہت سے پیچیدہ نائٹروجنی مرکبات زمین میں شامل ہو جاتے ہیں اور بعد ازاں پودے ان کو اپنی جڑوں سے پھر جذب کر لیتے ہیں۔ حیوانات ان پودوں کو کھا کر اپنی نائٹروجن حاصل کرتے ہیں اور پودے اس کو بالواسطہ یا بلا واسطہ ہوا سے حاصل کرتے ہیں۔ اس طریقے سے کائنات میں نائٹروجن کی ایک نہایت ہی زبردست گردش کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر سال بڑی مقدار ہوا سے نکلتی ہے اور ہر سال بڑی مقدار پھر جا کر شامل ہو جاتی ہے۔ اگر آکسیجن کے چالیس ہزار ملین ٹن سے مقابلہ کیا جاے تو نائٹروجن کے کرۂ ہوائی سے چار سو ملین ٹن نکلتے ہیں اور پھر شامل ہو جاتے ہیں —

ہمارے اجسام کی نائٹروجن کا ہر ذرہ ابتدائی کرۂ ہوائی میں شامل ہو کر اس زمانے سے بھی بے انتہا قبل جب کہ انسان، حیوان یا پودا عالم وجود میں آیا، تیرتا پھرا ہوگا۔ تمام ذی حیات مخلوق کی

نائٹروجن کا جو زمین پر رینگتی ہے ' ہر پھول کا جو زمین کو رونق بخشتا ہے اور ہر درخت کا جو آسمان چھائی کرتا ہے کسی زمانے میں ہمارے سیارے کی ابتدائی ہواؤں میں موجزن تھا - ہوا میں نائٹروجن کا ایک جوہر بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی وقت ایک مرتبہ نہیں بلکہ بارہا ذی حیات پودے یا حیوان کے نسیج و بافت میں جلوہ فگن نہ رہا ہو —

ہمارے اجسام میں جو جواہر ہیں ان میں سے کسی ایک کی سیر و سیاحت کی کیسی عجیب و غریب سرگذشت قلمبند کی جا سکتی ہے کہ کس طرح انہوں نے کروڑ ہا برس اُدھر فضا کی خاموش و تاریک گہرائی میں عالم وجود میں آکر اپنا سلسلۂ حیات شروع کیا - اس کے بعد وہ کسی طرح اس آتشی سحابیہ کا جز و بنا جس سے دنیا کی تکثیف و بستگی ہوی پھر وہ دنیا کے ابتدائی کرۂ ہوائی میں آکر شامل ہوا یہاں تک کہ اس کو کسی فراموش زمانے کے طوفان میں زبردست برقی چمک نے دفعتاً آکسیجن سے متحد کر دیا - اور پھر طوفانی بارش نے بہا کر زمین پر پہنچا دیا - اس کے بعد وہ جڑ کے ذریعے سے پودے میں داخل ہوا اور پھر لا متناہی زمانے کے دور میں انواع و اقسام کی مخلوق کے اجسام میں داخل ہوا جو ہمارے وجود میں آنے سے قبل زندہ تھی ' جنگ و جدال میں حصہ لیتی تھی اور بعد ازاں مر کھپ گئی ' وہ بہت سے بڑے بڑے رینگنے والے جانوروں کا شریک حال رہا ہے ' جو ان دلدلوں میں رہا کرتے تھے جن کا کہ اب صفحۂ ہستی پر نشان بھی باقی نہیں ہے - بہت سے معدوم پودوں میں کیڑے مکوڑوں اور جراثیم میں ' اور بے شمار ذی حیات مخلوق میں شامل رہا ہے اور بالآخر جو غذا ہم کھاتے ہیں اس میں شامل ہو کر ہمارے اجسام میں وارد ہوا - چند

سال یا غالباً مہینوں ہی کے بعد ہم کو الوداع کہہ کر دوسرے پودوں اور جانوروں کے جسموں میں بلکہ کرۂ ہوائی میں اپنی سیر و سیاحت کو جاری رکھنے کے لیے چلا گیا —

لاکھوں برس بعد انسان اور اس کے کارنامے دنیا سے خواب کی طرح فراموش ہو جائیں گے لیکن نائٹروجن کے جواہر جو کسی زمانے میں انسان کے جسم میں موجزن تھے، اب بھی دوسری ذی حیات مخلوق میں گردش کرتا رہے گا جن کی شکلوں سے وہ قطعاً ناواقف تھا، بلکہ جو کہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں۔ فی الواقع جب فطرت کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس کو ہمیشہ تغیر کی حالت میں پاتے ہیں۔ یہ تغیر زبردست اور مسلسل ہوتا ہے۔ اور ہم پر ہر قلیطوس (Heraclitus) فلسفی کے الفاظ کی صداقت آشکارہ ہو جاتی ہے جس نے پچیس صدیاں ادھر بیان کیا تھا کہ " ہر جگہ تغیر و تبدیلی ہے؛ ہر شے ہے بھی اور نہیں بھی ہے؛ کسی شے کو استحکام (Stability) نہیں ہے۔ بحر کائنات میں تغیر کی وہ موج اور روانی ہے کہ اس بے ثبات اور ناپائدار سمندر میں انسان دو مرتبہ تو کیا ایک مرتبہ بھی نہیں نہا سکتا "۔

سر اسحاق نیوٹن

از

(جناب محمد عبدالحی صاحب - متعلم بی۔ ایس، سی
الہ آباد یونیورسٹی)

پیدائش اور طفولیت (۱۶۴۲ - ۱۶۶۱)

اگست سنہ ۱۶۴۲ ع میں بادشاہ چارلس اول کے خلاف اس کی پارلیمنٹ نے علم بغاوت بلند کیا ۔ تقریباً ۲۰ سال تک یہ خانہ جنگی جاری رہی - پہلے بادشاہ کو مکمل شکست ہوگئی اور پھر چارلس دوم نے پارلیمنٹ کو دبا کر شاہی اقتدار کو دوبارہ قائم کیا - یہ وہ وقت تھا کہ اہل برطانیہ اپنی سیاسی اور اقتصادی دشواریوں میں مبتلا تھے، مگر اسی زمانے میں جب کہ ملک میں امن و امان مفقود تھا اور لوگوں کے دل و دماغ سیاسی خانہ جنگیوں کے باعث بالکل غیر مطمئن تھے ایک ایسا نوجوان پرورش پا رہا تھا کہ جس کی فرزانگی کے باعث دنیائے سائنس میں بڑا اضافہ ہونے والا تھا - کون جانتا تھا کہ جس ملک میں بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان اس طرح خانہ جنگی ہو رہی تھی اسی وقت ملک میں ایک ایسے دماغ کی بھی تربیت ہو رہی تھی جس کی عقل و حکمت کا مقابلہ صدیوں

تک کوئی نہ کر سکا —

۲۵ دسمبر سنہ ۱۶۴۲ کو اسحاق نیوٹن پیدا ہوا - اس کے والدین کوئی ممتاز حیثیت نہ رکھتے تھے - اگرچہ ان کو بالکل غریب بھی نہیں کہا جا سکتا - مگر وہ امیر بھی نہ تھے - اس کا باپ جس کا نام بھی اسحاق نیوٹن تھا ایک بہت معمولی جاگیر کا مالک تھا - اس کی ماں ھنا ایس کف (Hannah Ayscough) اپنی شادی سے چند ماہ بعد اور یتیم نیوٹن کی پیدائش سے چند ماہ قبل بیوہ ہو چکی تھی —

اس صدمے کا اثر اس کی تندرستی پر ایسا پڑا کہ نیوٹن نہ صرف قبل از وقت پیدا ہوا بلکہ بیمار اور بہت کمزور پیدا ہوا - جس کمرے میں نیوٹن پیدا ہوا تھا اب تک بطور یادگار قائم ہے - اس کمرے میں ایک تختی پر تاریخ پیدائش کے علاوہ مندرجۂ ذیل شعر کندہ ہے —

Nature and Nature's laws lay hid in night,

God said "Let Newton be" and all was light.

فطرت اور فطرت کے قوانین پردۂ تاریکی میں تھے

خدا نے کہا کہ "نیوٹن پیدا ہو" بس حجاب اٹھ گیا

اسحاق اس گھر میں کئی سال رہا - پہلے اس کی بیوہ ماں اس کی خبر گیراں رہی پھر اس کی پرورش کا بار اس کے سوتیلے باپ بارنا باس اسمتھ پر پڑا جس سے ۱۶۴۵ع میں نیوٹن کی ماں نے شادی کرلی تھی - وہ پہلے اسٹاک اور اسکلنگٹن کے اسکولوں میں گیا پھر ۱۶۵۵ع میں کنگس اسکول گرین تھم میں بھیجا گیا - اس وقت نیوٹن میں کوئی بات بھی جاذب توجہ نظر نہ آئی - وہ کوئی غیر معمولی لڑکا نہ تھا؛ وہ خود لکھتا ہے کہ وہ تعلیم پر کچھ زیادہ متوجہ نہ تھا - اس وقت تک اس کی

ذہانت سوئی ہوئی تھی ۔ اس کی قابلیت کا معیار دوسرے لڑکوں سے گرا ہوا تھا ۔ مگر جب وہ کام پر تت جاتا تھا تو کوئی حریف مقابلے میں ٹھیر نہ سکتا تھا ۔ وہ لڑکوں کے ساتھہ کھیلتا نہ تھا مگر ہاں نیے نیے کھیل ایجاد کیا کرتا تھا ۔ وہ پتنگ اڑاتا تھا مگر اس سے تجربے حاصل کرتا تھا ۔ وہ بہت خاموش طبیعت کا تھا مگر شریر تھا ۔ ایک مرتبہ رات کو ایک کاغذ کی لالٹین اپنے پتنگ میں لگاکر اڑائی جس سے قریب سادہ لوح کسان بہت خائف ہوگئے ۔ دستکاری میں وہ بہت ماہر تھا اور بڑی عقلمندی کے ساتھہ اوزار اور ہتھیار ایجاد کیا کرتا تھا ۔ مختلف قسم کی مشینیں اور ایک ہوائی چکی ایجاد کی ۔ اجرام فلکی کا مطالعہ اس کے لیے خاص طور سے دلچسپ تھا ۔ اس نے دھوپ گھڑیاں بنائیں جو ایک عرصے تک مستعمل رہیں ۔ مختصر یہ کہ وہ ایک ایسا لڑکا تھا جو ہر اس مرحلے کو طے کرنا چاہتا تھا جو اس کے سامنے آئے —

۱۶۶۵ ع میں نیوٹن کا سوتیلا باپ بھی مرگیا اور اس کی ماں مع تین بچوں کے وولس تھراپ میں واپس آگئی ۔ ان میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا ۔ نیوٹن کو اپنے ان بہن بھائیوں سے ہمیشہ محبت رہی —

اس دیہاتی ماحول معیار کے مطابق نیوٹن کافی تعلیم یافتہ ہو چکا تھا ۔ اس کی ماں کو اس وقت اپنی جائداد کے لیے ایک نگراں کی ضرورت تھی ۔ اگر نیوٹن کو اس قسم کے خانگی مشاغل سے کچھہ بھی مس ہوتا تو وہ گھر کا منتظم ہوکر رہتا ۔ اس وقت اس کی عمر انیس سال کی تھی ۔ مگر اس کا مذاق اس سے بالکل جداگانہ تھا ۔ اس کو اعلیٰ تعلیم

حاصل کرنے کی دھن تھی —

دنیاے سائنس کے موجدین پر متاہلانہ زندگی کا کوئی خاص اور یکساں اثر نہیں ہوا - اکثر ماہرین ریاضی غیر شادی شدہ رہے - اکثروں نے متاہلانہ زندگی خوش گواری یا نا خوش گواری سے گذاری اور اکثروں کو اس کے ہر پہلو سے سابقہ پڑا - کوپرنیکس نے کبھی شادی نہیں کی ٹائیکوبراھی نے شادی کی اور اس کی زندگی میں روشن و تاریک دونوں صورتیں موجود رہیں - کیپلر نے دو بار شادی کی - مگر نیوٹن کی یہ زندگی بہت عجیب رہی - اس نے ایک لڑکی مس استوری (Miss Storey) سے محبت کی - یہ نیوٹن کی تقریباً ہم عمر خوبصورت اور ہوشیار لڑکی تھی - نیوٹن کو ایک عرصے تک اس سے دلبستگی رہی مگر ان دونوں دوستوں کی مالی حالت نے کبھی شادی کرنے کی اجازت نہ دی - یہاں تک کہ نیوٹن کے ذوق تعلیم نے اس کے دماغ سے شادی کے خیال کو محو کردیا اور ٹرنیٹی کالج کیمبرج چلا گیا - مس استوری گرین تھم میں ہی رہ گئی - جب کئی برس کے بعد نیوٹن واپس آیا تو اس کو معلوم ہوا کہ استوری کی شادی ایک دوسرے شخص سے ہوگئی - اور نہ صرف یہ، بلکہ اس کے بعد ایک اور شخص سے پھر اس کی شادی ہوگئی - مگر نیوٹن کو اس سے وہی لگاؤ باقی رہا، اور وہ از راہ دوستی کبھی اس کی مدد سے باز نہیں رہا —

نیوٹن کی سیرت میں سخاوت کی صفت بہت نمایاں تھی - وہ ہمیشہ ضرورت مندوں کو قرض اور تحفہ دینے کے لیے تیار رہتا تھا - ۱۶۵۸ ع سے ۱۶۶۱ ع تک نیوٹن گرین تھم میں رہا - اور کیمبرج کی تیاری کرتا رہا - ۵ جون ۱۶۶۱ ع کو اُنیس سال کی عمر میں ٹرنیٹی کالج کیمبرج

میں داخل ہو گیا —

اعلیٰ تعلیم ۱۶۶۵ - ۱۶۶۱

جب نیوٹن کیمبرج پہونچا تو وہ کوئی غیر معمولی قابلیت کا شخص نہ سمجھا جاتا تھا۔ مقابلتاً وہ بہت سے طلبا سے کم جانتا تھا - خصوصاً ریاضی میں - اس وقت ذوق مطالعہ اس کو یونیورسٹی کے نصاب پر اس درجہ مائل نہ کرتا تھا جتنا وہ آزادی کے ساتھ اپنے ذوق کے موافق پڑھتا تھا - نیوٹن کالج میں بطور سیزار (Sizar) کے داخل ہوا تھا - سیزار وہ طلبا ہوتے تھے جو دوسرے لڑکوں کی خدمت کے صلے میں مفت تعلیم حاصل کیا کرتے تھے - نیوٹن کی ماں کی اس قدر استطاعت نہ تھی کہ وہ اس کو بطور خود تعلیم دلا سکتی —

کیپلر کی کتاب " مناظر " (Optics) پہلی کتاب تھی جو نیوٹن نے کیمبرج میں پڑھی - آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ "مناظر" میں ھی اس نے اپنی سب سے پہلی اور نمایاں ایجاد کی - اس کے بعد ایک نجوم کی کتاب اس کے ھاتھ لگی اور اس کو پڑھ کر اس کو اس کا احساس ھوا کہ وہ علم ھندسہ سے بے بہرہ ھے - چنانچہ اس نے علم ھندسہ کی کتاب خریدی اور مطالعہ شروع کیا - مگر اس مطالعے سے اس کو مضمون کی اھمیت کا اندازہ نہ ھوا - ۱۶۶۴ ع میں وہ ایک وظیفے کے لیے مقابلے کے امتحان میں شریک ھوا - ممتحن نے جہاں اس کو وظیفے کے قابل ٹھیرایا وھاں یہ بھی کہا کہ علم ھندسہ میں اس کی معلومات بہت ھی کم ھیں - اس بات نے پھر اس کو علم ھندسہ کے مطالعے کی طرف مائل کر دیا —

نیوٹن کو پڑھنے میں اس درجہ ذوق نہ تھا جس قدر مشاھدات و تجربات کرنے میں - وہ صرف سوچنے والا نہ تھا بلکہ کام کرنے والا

تھا۔ اس کے مطالعے کی غایت قوانین قدرت کو سمجھنا تھی، وہ قوانین علم ھئیت، اجرام فلکی کی حرکات و سکنات، مدو جزر کے مقررہ اوقات، صابن کے بلبلے میں خوش نما رنگوں کے وجود، مزاحمت ھوائی، قوانین حرکت، اور ایک دھات کو دوسری دھات میں تبدیل کرنے کے متعلق اکثر سوچا کرتا تھا —

موجودہ زمانے کے ایک بڑے موجد نے کہا ھے کہ "ایجادات نوعمری میں ھی ھوتی ھیں۔ اگر کسی شخص نے بغیر کسی ایجاد و اختراع کے اپنی عمر کے ۳۰ سال گذار دیے تو وہ یقیناً کوئی ایجاد و اختراع نہ کر سکے گا"۔ اگر یہ خیال صحیح ھے تو یقیناً تکلیف دہ ھے۔ مگر ھاں یہ امر تعجب سے خالی نہیں کہ دنیا کی جتنی بڑی بڑی ایجادیں ھوئیں ان کے موجد نوعمری ھی سے موجد ثابت ھوگئے تھے۔ اسحاق نیوٹن نے بھی اکثر ایجادیں مثلاً مسئلۂ تجاذب، اور احصا (Calculas) ۲۴ سال کی عمر سے پہلے ھی کی تھیں۔ ابھی وہ ۲۸ سال کا نہ تھا کہ اس نے طیف (Spectrum) اور رنگ کی اصلی ماھیت دریافت کی —

۱۶۶۵ ع میں جو لوگ گریجویٹ ھوے ان کے متعلق کوئی ایسی معلومات نہیں ھے کہ جس سے یہ پتہ لگایا جاسکے کہ آیا نیوٹن ان میں اول نمبر تھا یا نہیں۔ مگر زیادہ خیال یہی ھے کہ وہ نہ اول نمبر تھا اور نہ کوئی ایسی نمایاں حیثیت سے پاس ھوا تھا۔ یہ معلوم ھے کہ وہ فوراً ھی کالج کا رفیق (فیلو) منتخب نہ ھوا تھا —

ریاضی میں ایجادیں سنہ ۱۶۶۵ ع

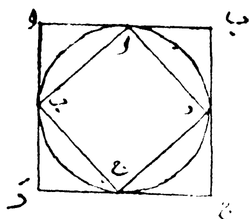
موجودہ ریاضی بغیر احصاء کے تقریباً بے کار ھے۔ کسی قانون فطرت کے مطالعے کے لیے یہ ضروری ھے کہ مقادیر کے تغیر و تبدیل کی رفتار معلوم کی جاے۔ مثلاً حرارت کے

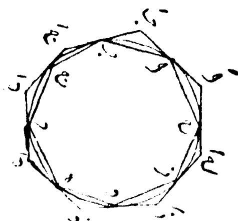
مطالعے کے لیے تپش کی تبدیلی کی رفتار یا ٹھنڈے ہونے یا گرم ہونے کی رفتار معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا حرکیات کے مطالعے کے وقت ہم تبدیلی مقام کی رفتار، اسراع (Acceleration) وغیرہ معلوم کرتے ہیں۔ احصاء تفرقی (Differential calculas) ریاضی کی وہ شاخ ہے جس میں اس موضوع پر بحث کی جاتی ہے۔ نیوٹن نے اس میدان میں پہلی قدم بڑھایا۔ علم احصا کو بہت کار آمد بنا دیا —

علم ہندسہ میں یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے کہ خطوط منحنی سے گھری ہوئی کسی سطح یا اس کے جزو کا رقبہ کیوں کر دریافت کیا جاے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اس سطح کو بہت چھوٹے چھوٹے مربعوں میں تقسیم کرلیں اور ہر مربع یا اِس کے جزو کا رقبہ باہم جوڑ کر کل سطح کا رقبہ دریافت کرلیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اس طرح دریافت شدہ رقبہ تقریباً صحیح ہوگا۔ حالانکہ ایک ریاضی داں کو یہ خواہش اور ضرورت ہے کہ وہ بالکل صحیح نتائج دریافت کرے۔ کسی دائرہ، قطع ناقص (Ellipse)، قطع مکافی (Parabola) یا کسی قطع مکافی کے جزو، قطع زائد (Hyperbola) کے درمیان کسی جگہ، یا متقارب (Asymptote) وغیرہ کا رقبہ کیوں کر دریافت کیا جاے۔ یونانیوں نے اس مسئلے کو کسی حد تک حل کیا تھا۔ ارشمیدس نے بھی اس سلسلے میں کچھ کارآمد نتائج دریافت کیے تھے۔ ان کے ہاں اس مسئلے کا حل یہ تھا کہ فرض کرو کہ کوئی دائرہ کسی محدب کثیر الاضلاع کے اندر واقع ہے۔ اب جیسے جیسے کثیر الاضلاع کے ضلعوں کی تعداد بڑھتی جاے گی ویسے ہی اس کے ضلعے شکل مسئول کے خطوط سے زیادہ قریب ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کثیر الاضلاع کی تعداد لا محدود شمار کی جاے تو وہ

اس دائرہ یا شکل کے خطوط سے بالکل منطبق ہو جائیں گے۔ اور اس طرح گویا کثیر الاضلاع کا رقبہ، دائرے کا رقبہ ہوگا —

فرض کرو کہ کسی دائرے کے محیط کو الف ب ج د نقاط پر چار برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ الف ب ج د ایک مربع بناؤ۔





الف ب ج د پر وتر کھینچو جن سے ایک دوسرا مربع آ ب ج د بنتا ہے۔ دائرے کا رقبہ ان دونوں مربعوں کے رقبوں کے درمیان ہے۔ اچھا اب محیط کو ۸ برابر حصوں میں تقسیم کرو اور نقاط تقسیم کو ملا کر ایک مثمن منتظم الف ب ج د ہ ز ع بناؤ۔ نقاط تقسیم پر وتر کھینچو اور مثمن منتظم آ ب ج د ہ و ز ح بناؤ۔ اب بھی دائرے کا رقبہ ان دونوں مثمنوں کے درمیان واقع ہے۔ اب جیسے جیسے اضلاع کی تعداد بڑھتی جائے گی اندرونی کثیرالاضلاع کا رقبہ بیرونی کثیر الاضلاع کے رقبے سے قریب ہوتا جائے گا۔ اور دائرے کا رقبہ ان رقبوں کے درمیان رہے گا۔ اس طرح نتائج کی صحت اضلاع کی تعداد کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ اس طریقے سے صرف چند شکلوں کا رقبہ دریافت ہوسکتا ہے کیپلر نے بھی اس مسئلے میں مزید وضاحت کی مگر تمام اشکال رفع نہ ہوی۔ اس کے بعد جان والٹس (John Waltis) نے ایک طریقہ بتایا جس سے تقریباً شکلوں کا رقبہ دریافت ہوسکتا تھا بشرطیکہ وہ چند مقررہ شرائط کے ماتحت ہوں۔ اس سے بڑی

مقصد کلی حاصل نہ ہوا کیوں کہ ابھی تک ان اشکال کا رقبہ نہیں معلوم کیا جاسکتا تھا جن میں وہ مقررہ شرائط موجود نہ تھیں —

نیوٹن نے ایک قدم آگے بڑھایا ؛ اس مسئلہ کو احصاء کے قوانین سے حل کیا اور اس طرح حل کیا کہ تمام عملی دشواریاں آسان ہوگئیں۔ اس نے' نہ صرف یہ کہ اس وقت کے اس پیچیدہ مسئلے کو' جس کا حال اوپر بیان ہوا' حل کیا بلکہ اس نے تفرقی اور تکملی احصاء (Differential and Integral Calculas) میں چند کامیاب نظریات' نظریۂ تفرقی مساوات (Differential Equation Theory) وغیرہ علم ریاضی میں ایسی یادگاریں چھوڑیں کہ جن کے بغیر یہ علم گویا ناسکمل تھا —

عالم گیر تجاذب ۱۶۶۶

اگر ہم مجبوراً کام سے باز رکھے جائیں تو یہ کچھ زیادہ نقصان دہ نہیں ہے - بمقابلہ اس کے کہ ہم خود ہی کام سے اعراض کریں - بلکہ کام سے مجبوراً علحدگی اکثر غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس معنی کرکے فائدہ مند ہوی ہے کہ انھوں نے اس دوران میں اکثر نادر و عجیب معلومات حاصل کرلی ہیں۔ طاعون کی کثرت کی وجہ سے کالج بند ہوجاتا ہے اور نیوٹن کو مجبوراً کیمبرج اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے تمام تعلیمی مشاغل سے کچھ عرصے کے لیے علحدہ ہوکر وولس تھراپ جانا پڑتا ہے —

جب انسان نے اپنی زمین کو ایک طشت کی مانند' جس کے اوپر آسمان بطور سرپوش کے رکھا ہو' ماننے سے انکار کردیا' اور یہ جان لیا کہ زمین چاروں طرف سے بے تعلق ہے تو چند صدی قبل مسیح میں ہی غور و فکر کرنے والوں نے زمین کو گول تسلیم کرلیا - اجرام فلکی کی حرکات کا مطالعہ کیا گیا اور سورج' چاند اور دیگر ستاروں کی گردش

کو دیکھہ کر یہ خیال کیا گیا کہ آسمان مع ان تمام اجرام فلکی کے زمین کے گرد گھومتا ہے۔ سورج اور چاند کی مخصوص گردشیں بھی مقرر کی گئیں اور مختلف ستاروں کے لیے مختلف افلاک اور پھر فلک الافلاک وغیرہ تسلیم کیے گئے۔ غرض یہ کہ رفتہ رفتہ نظام بطلیموسی پر عام یقین ہوگیا۔ اس نظام میں زمین کو کائنات کا مرکز تسلیم کیا گیا، اور اپنی جگہ پر قائم مانا گیا؛ اور یہ بتلایا گیا کہ تمام کائنات اس کے گرد گردش کرتی ہے۔ چاند، عطارد، زہرہ، سورج، مریخ، مشتری، اور زحل کی گردش کا زمانہ بالترتیب ایک ماہ، ایک سال، ایک سال، ایک سال، دو سال، ۱۲ سال، اور ۳۰ سال بتایا گیا۔ یہ نظام دوسری صدی عیسوی میں ظاہر ہوا اور فوراً ہی عام طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ قرون وسطیٰ کے اول زمانے میں جب اقوام یورپ بالکل وحشی تھیں، عربوں نے اس علم ہیئت کو بھی اس طرح زندہ رکھا جس طرح انھوں نے یونانیوں کے دیگر علوم کو آنے والی دنیا کے لیے محفوظ رکھا —

سائنس میں نظریات کے مقابلے میں تجارب کو ہمیشہ ترجیح دی گئی ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہائڈروجن کے دو جواہر آکسیجن کے ایک جوہر کے ساتھہ ملکر پانی کا ایک سالمہ بناتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فلاسفہ کے کسی گروہ یا اہل علم کی کسی مجلس نے یہ طے کردیا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ ہے اور ہر شخص ہمیشہ اپنے ذاتی مشاہدے سے اس امر کی تصدیق کرسکتا ہے۔ مگر نظام بطلیموسی میں جو نظائر پیش کئے گئے تھے ان پر مشاہدات کی جانچ کرنے کی نوبت بہت دیر میں آئی —

نظام بطلیموسی کے ماننے والوں نے مادے کی دو قسمیں ٹھیرائی تھیں

ایک ارضی مادہ جو زمین سے متعلق تھا اور جو اوپر نیچے سطح زمین پر صرف عمودی صورت میں حرکت کرسکتا تھا اور دوسرا سماوی مادہ جو اس ارضی اثر سے پاک تھا اور زمین کے گرد حرکت کامل کرسکتا تھا یعنی زمین کے گرد اپنے دوائر میں ایک مسلسل رفتار سے حرکت کرتا تھا۔ یونانی قوانین حرکت سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے سب اجرام کے لیے حرکت کی ایک ہی رفتار تسلیم کی —

نظام بطلیموسی کے خلاف کچھ رائیں بہت پرانے زمانے میں بھی موجود تھیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ممکن ہے کہ واقعات بالکل اس کے خلاف ہوں جیسا کہ اس نظام میں بتلایا جاتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ زمین تمام کائنات کا مرکز ہو ؟ ممکن ہے کہ یہ بھی حرکت کرتی ہو۔ ممکن ہے کہ اس کا مرکز حرکت کرتا ہو۔ ممکن ہے کہ زمین خود کسی دوسرے جسم کے گرد حرکت کرتی ہو۔ شاید یہ جسم سورج ہی ہو۔ مگر یہ رائیں بالکل دبی ہوی تھیں کیوں کہ قرون وسطی کے اختتام تک بطلیموسی نظام اور اس کی تشریح لوگوں کے دماغوں پر حاوی تھی اور اگر صداقت کی کوئی تلاش بھی کی جاتی تھی تو یا تو بائبل کی عبارت کے کچھ نئے تاویلی معنی پر غور کیا جاتا تھا یا ارسطو کی تصانیف کی ورق گردانی کی جاتی تھی۔ خود زمین کے گول تسلیم کرنے پر بھی عوام کی اس خلش کا کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگ اس زمین کے گولے پر اس طرح کھڑے ہوں کہ ان کے سر باہر کی جانب ہوں ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ زمین کی دوسری طرف جو لوگ ہیں وہ الٹے (بقول عوام) چل رہے ہوں۔ نہ کہ اس پر زمین کی گردش یا حرکت تسلیم کرنا گویا خود اپنے آپ کو پاگل ٹھیرانا تھا —

۱۵۴۳ ؁ء میں ایک تصنیف شائع هوی جو لوگوں کے خیال کے بالکل برعکس تهی اور اس وجہ سے اس کو مقبولیت سے تو نہیں بلکہ نفرت سے دیکھا گیا - یہ کوپرنیکس کے جدید نظائر کی بنیاد پر لکھی گئی تهی - اس کو کوپرنیکس کی خوش قسمتی کہیئے کہ وہ اس وقت زندہ نہ تها - ورنہ شاید اس کو اس نیے خیال کا کوئی خمیازہ بھگتنا پڑتا کیونکہ اس کے مخالفین کا سب سے زبردست اعتراض یہ تها کہ نظام بطلیموسی کی تصدیق خود بائبل کی عبارت سے هوتی هے؛ پهر یہ نیا خیال کیونکر صحیح هوسکتا هے - کیتهولک چرچ اس خیال کا خاص مخالف تها —

اس تصنیف میں بتایا گیا تها کہ زمین اپنے محور پر روزانہ ایک مرتبہ گهوم جاتی هے اور سورج کے گرد اپنا سفر ایک سال میں پورا کرلیتی هے - چاند اپنے محور پر بهی گردش کرتا هے اور زمین کے گرد بهی گردش کرتا هے - اسی طرح اس نے بهت مبسوط اور مشرح طریقے سے تمام مشاهدات هیئت کی تشریح کی —

اس نظام کی تشریح نے یہ تو مشرح طریقے سے بتایا کہ سیارے کس طرح حرکت کرتے هیں مگر اب سوال یہ پیدا هوا کہ سیارے کیوں حرکت کرتے هیں؟ ابهی تک قوانین حرکت کا مطالعہ کامیابی کے ساتهہ نہ هوا تها - اگرچہ گیلیلیو (Galileo) نے دریافت کر لیا تها کہ کسی شے کے گرنے کی رفتار اس کے وزن پر منحصر نہیں هے (اگر وزن اس قدر کافی هو کہ وہ مزاحمت هوائی پر غالب آسکے) - اس نے یہ بهی معلوم کرلیا کہ گرتے هوے اجسام جیسے جیسے زمین کے قریب پهونچتے هیں ان کی رفتار مسلسل بڑهتی جاتی هے - اس اسراع کا باعث زمین کی وہ کشش هے

جس سے وہ اجسام کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور جس کو ہم اقسام کا وزن کہتے ہیں۔ قوانین حرکت کے مطالعے کی یہ ابتدا تھی - پہلے خیال تھا کہ بغیر قوت کے حرکت نہیں مگر اب یہ خیال ہے کہ بغیر قوت کے حرکت کی رفتار میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ گیلیلیو نے بتلایا کہ حرکت نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی قوت اثر کر رہی ہے کہ جو جسم کی حرکت میں مانع ہے - لیکن حرکت کی تبدیلی کے بھی معنی یہی ہیں کہ کوئی قوت تبدیلی کا باعث ہے۔ ایک جسم جو بغیر کسی قوت کے زیر اثر حرکت کر رہا ہے اپنی حرکت کو ایک معینہ رفتار کے ساتھ ایک مقررہ سمت میں جاری رکھتا ہے۔ اب اگر کوئی قوت اس پر اثر کریگی تو یا تو اس کی رفتار یا سمت یا دونوں تبدیل ہو جائیں گے -

۱۶۳۷ م میں اسی نوع کے قوانین حرکت کی اشاعت نے ہیئت دانوں کی توجہ کو سیاروں کی گردش کی نوعیت دریافت کرنے پر مبذول کردیا تھا ہوک (Hooke) نے انگلینڈ میں اس مسئلے پر بہت کچھ غور کیا اور کسی حد تک کامیاب بھی رہا مگر وہ کسی نتیجے پر نہ پہونچ سکا - ایک کامیاب نتیجے پر پہونچنا اور اس مسئلے کی کما حقہ عقدہ کشائی کا سہرا نوجوان نیوٹن کے سر ہونے والا تھا —

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۶۶۶ م میں ایک دن نیوٹن اپنے باغ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے ایک سیب کو درخت سے زمین پر گرتے ہوئے دیکھا۔ اس امر نے اس کی توجہ کو جاذبیت کی طرف مبذول کیا اور اس نے اس موضوع پر سوچنا شروع کیا - اس درخت کو جس سے وہ سیب گرا تھا تاریخی اہمیت حاصل ہوگئی اور ۱۸۲۰ م تک وہ محفوظ رکھا گیا - جب کہ وہ آندھی سے گر پڑا اس کی لکڑی سے ایک کرسی بنائی گئی جو آج تک اسٹاک راک فورڈ (Stoke Rochford) میں محفوظ ہے۔ اس درخت کی نسلیں آج تک

اس باغ میں قائم ھیں۔ ان سب باتوں سے کسی قوم کی علم دوستی کا پتہ چلتا ھے*۔

عام لوگوں کا خیال ھے کہ کلیۂ تجاذب کے وجود میں آنے کا باعث یہی سیب والا مشاھدہ ھے۔ مگر یہ معلوم ھے کہ نیوٹن پہلا شخص نہیں ھے جس نے سیب کو گرتے ھوے پہلی مرتبہ دیکھا ھو یا یہ کہ اس کے گرنے کا سبب معلوم کیا ھو۔ کیوں کہ یہ بات بہت پہلے سے معلوم تھی کہ زمین میں جاذبیت موجود ھے۔ گیلیلیو نے اشیا کے گرنے اور جاذبیت کے متعلق نیوٹن کے پیدا ھونے سے پہلے قوانین مرتب کئے تھے۔ مگر نیوٹن کے دماغ میں اس واقعے سے مندرجۂ ذیل قسم کے خیالات کا تسلسل قائم ھوگیا۔

" سیارے سورج کے گرد کیوں گردش کرتے ھیں؟ وہ ایک خط مستقیم میں حرکت کیوں نہیں کرتے؟ بظاھر ایسا معلوم ھوتا ھے کہ کوئی قوت ان کو ھر لحظہ خط مستقیم میں حرکت کرنے سے روکتی ھے۔ یقیناً اس قوت کا باعث سورج ھی ھوگا۔ چاند زمین کے گرد گھومتا ھے اور ایک خط مستقیم میں حرکت نہیں کرتا۔ اس کا سبب بھی زمین ھوگی۔ ابھی ایک سیب زمین پر گراھے۔ زمین نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا ھے۔ اچھا تو یہ زمین کا اثر کتنی دور تک ھے۔ ھمیں یہ معلوم ھے کہ اس کشش کا اثر پہاڑ کی اونچی سے اونچی چوٹی پر بھی موجود ھے۔ کیا یہ ممکن ھے کہ یہی جاذبیت چاند کی اس گردش کا باعث ھو؟ "۔

" یقیناً یہ ایک نادر خیال ھے۔ کیا یہ ثابت ھوسکتا ھے؟

---

* یہ روایت محل نظر ھے۔ اس کا ماخذ بھی بتلا دیا جاتا تو مناسب تھا ایڈیٹر

کیا یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ زمین کے گرد چاند کی گردش اسی جاذبیت کے اثر کے ماتحت ہے - مگر یقیناً یہ قوت دوری کے باعث گھٹتی جاتی ہوگی - اگر یہ گھٹتی جاتی ہے تو کن قوانین کے زیر اثر گھٹتی ہے- فرض کرو کہ ایک جسم دوسرے جسم کے مقابلے میں زمین سے دوگنی مسافت پر ہے تو ان دونوں پر جاذبیت کے اثر کا کیا تناسب ہے ؟" -

یہ تھا خیالات کا وہ تسلسل جس کو اس گرتے ہوے سیب نے نیوٹن کے دماغ میں پیدا کردیا تھا - اب اس نے اس پر غور کیا کہ اس جاذبیت پر مسافت کا کیا اثر ہوتا ہے - فرض کرو کہ کسی نقطۂ (الف) سے قوت جاذبیت چاروں طرف اثر کر رہی ہے اور فرض کرو کہ دوکرات اس نقطۂ (الف) کو مرکز مان کر قائم کئے گئے ہیں اور ایک کرے کا نصف قطر دوسرے سے دونا ہے- جاذبیت کا اثر ان کی سطح پر پھیلا ہوا ہے - اب چونکہ بڑے کرے کی سطح چھوٹے سے چار گنی ہے لہذا بڑے کرے کے کسی نقطے پر اس کا اثر بمقابلہ اس نقطے کے جو چھوٹے کرے پر واقع ہے صرف چوتھائی ہوگا - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مقام پر جاذبیت کے اثر اس کے فاصلے کے مربع کی نسبت معکوس میں ہوتے ہیں-

اس وقت تک یہ دریافت ہوچکا تھا کہ چاند کا بعد بہ مقابلہ زمین کے نصف قطر کے ۶۰ گنا زیادہ ہے - لہذا اس سے نیوٹن نے یہ نتیجہ نکالا کہ جاذبیت کا اثر چاند پر بہ مقابلہ اس اثر کے جو سطح پر پایا جاتا ہے $\frac{1}{۶۰\times۶۰}$ یا $\frac{1}{۳۶۰۰}$ ہونا چاہیے اور اسی نسبت سے اسراع کی رفتار اس رفتار کا جو سطح زمین پر دریافت ہوسکتی ہے (یعنی ۳۲۰۲ فٹ فی ثانیہ فی ثانیہ) صرف $\frac{1}{۳۶۰۰}$ ہونا چاہیے یعنی $\frac{۳۲۰۲}{۳۶۰۰}$ فٹ یا ۰۰۰۸۹۵ء۰ فٹ فی ثانیہ فی ثانیہ -

مناظر

دور بین کی ایجاد اور ان تجربوں نے جو گیلیلیو نے کئے تھے مناظرا ور خصوصاً دوربین کو لوگوں کی نظروں میں خاص وقعت دے دی تھی - چنانچہ نیوٹن کی توجہ بھی اس طرف منعطف ہوی - ۱۶۶۶ ع میں اس نے مناظری تجارب کے لیے ایک منشور خریدا - ان تجارب کا یہ اثر ہوا کہ اس نے یہ بتلایا کہ اب تک دوربینوں میں جو نقص موجود ہے کہ وہ اشیا کے خیال (Image) ٹھیک نہیں دکھلاتیں بالکل کانچ کی خرابی پر منحصر نہیں ہے - بلکہ اس کا باعث نور کی نوعیت بھی ہے - نور چونکہ مختلف قسم کے رنگوں کی شعاعوں کا مجموعہ ہے اور شیشے کا عدسہ (Glass lens) یہ نہیں کر سکتا کہ تمام شعاعوں کو ایک ہی نقطے پر منعکس کرے لہذا خیال دھندلا نظر آتا ہے - بالفاظ دیگر نور کی مختلف رنگوں کی شعاعوں کا انعطاف (Refraction) مختلف ہوتا ہے - انہی تجارب کی بنا پر اس نے انعکاسی دوربین (Reflecting Telescope) بنائی جو ہمیشہ دنیاے ہئیت میں اس کے نام کو زندہ رکھے گی —

ہم جانتے ہیں کہ اگر سورج کی روشنی کسی منشور سے ہوکر گذرے تو وہ ۷ رنگوں (سرخ ' نارنجی ' پیلا ' سبز ' نیلا ' اودا ' بنفشئی) میں تحلیل ہوجاتی ہے - اور اگر منشور اچھی قسم کا ہو تو ہر رنگ جدا جدا معلوم ہوتا ہے - نیوٹن نے مختلف قسم کے منشوروں اور مختلف اشیاء کے ذریعے روشنی تحلیل کی اور یہ نتیجہ نکالا کہ طیف (Spectrum) کی نوعیت منشوروں کی اقسام یا ان کی نوعیت پر منحصر نہیں ہے - اس نے طیف میں رنگوں کی لمبائی بھی معلوم کی - اس نے یہ بھی بتلایا کہ دیگر قسم کے رنگ اصل میں انہی رنگوں کی مختلف ترکیبوں سے پیدا ہوتے ہیں - سفید رنگ سب رنگوں کا مجموعہ ہے —

رنگ کا وجود بھی مصور قدرت کے جلوۂ تخیل کا کس حد تک آئنیہ دار ہے - اگر دنیا میں رنگ کا وجود نہ ہوتا تو چشم تماشا بیں کے سامنے چمن حیات کے خوش نما پھول صرف ایک خاکے کی حیثیت اختیار کر لیتے - گیاہستانوں اور مرغزاروں میں فطرت کی تر دستیاں حرف غلط ہوجاتیں - نباتات کی دنیا میں تازگی و افسردگی کے درمیان خط تمیز مٹ جاتا - لعل و زمرد کی نظر فروز رنگینیوں کی بجاے صرف ان کا حسن تناسب رہ جاتا - شفق کی روح افزا گلفروشیاں ' قوس قزح کی مختلف اللون نظر فریبیاں ' آسمان کی ردائے نیلگوں کی آب و تاب اور تمتماتے ہوے ستاروں کے جھرمٹ میں جلوہ مہتاب دیدۂ شوق کو دعوت نظارہ نہ دے سکتے اور پھر حسن کی وہ تمام نظر نواز صورتیں جو پیکر انسانی میں اکثر یاراے ضبط کا امتحان لیتی ہیں بے کیف ہوتیں اور ایک ہمیشہ رہنے والی تاریکی میں روپوش ہو جاتیں —

یوں تو نیوٹن سے پہلے بہت سی کوششیں ہوئیں کہ ان فطری مناظر کے رنگوں کے وجود کی تعلیل کی جاسکے - مگر چونکہ رنگوں کی نوعیت کے متعلق کوئی علم نہ تھا لہذا وہ تمام کوششیں بے کار رہیں - نیوٹن نے روشنی کے خواص دریافت کرنے کے بعد اشیاء کے رنگوں کی یہ توجیہ پیش کی کہ رنگ اشیاء کا ذاتی جوہر نہیں ہے بلکہ چونکہ مختلف اشیاء میں مختلف قسم کے انعکاسی خواص ہوتے ہیں لہذا وہ مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں یا بالفاظ دیگر مختلف رنگ کی مختلف شعاعیں منعکس کرتے ہیں - مثلاً درخت کا پتہ جو دن کی سپید روشنی میں سبز نظر آتا ہے خود سبز نہیں ہے بلکہ اس میں یہ خاصیت موجود ہے کہ وہ تمام شعاعوں میں صرف سبز شعاعوں کو کثرت سے

منعکس (Reflect) کرتا ھے لہذا سبز نظر آتا ھے - اس کا ایک معمولي ثبوت یه ھے که اگر وهي پته متجانس (Homogeneous) سرخ روشني میں دیکھا جاے تو سرخ ھی نظر آے گا کیونکه اس وقت صرف سرخ روشنی ھي منعکس ھوگي - اگر یه پتا بذاته سبز ھوتا تو وہ اس سرخ روشنی میں بھی سبز ھي نظر آتا - رنگوں کے متعلق اس نے مندرجۂ ذیل قوانین مرتب کئے :-

۱ - اجسام جن میں انعطافی قوت (Refracting Power) زیادہ ھوتی ھے اپنی سطح سے زیادہ سے زیادہ روشني منعکس کرتے ھیں - اور برابر انعطافی قوت والے واسطوں (Media) کے مقام اتصال سے روشني منعکس نہیں ھوتي ھے —

۲ - ھر جسم کا چھوٹے سے چھوٹا حصه بھی کسی نه کسي حد تک ضرور شفاف (Transparent) ھوتا ھے —

۳ - کثیف (Opaque) اور رنگین اجسام کے اجزا کے درمیان بہت سے سوراخ ھوتے ھیں جو یا تو خالي ھوتے ھیں یا کسي مختلف کثافت (Density) کے دوسرے واسطه سے پر ھوتے ھیں —

۴ - اجسام کے رنگین ھونے کے لئے یه ضروري ھے که ان کے اجزا اور ان کی درمیانی خالي جگہیں ایک مقررہ مقدار سے چھوٹي نه ھوں —

۵ - اجسام کے وہ حصے جن پر ان کے رنگوں کا مدار ھے خالی جگہوں کے واسطے سے کثافت میں زیادہ ھوتے ھیں —

اگرچه اسحاق نیوٹن نے بصارت (Vision) یا آنکھه کی بناوٹ کے متعلق کوئي کتاب شائع نہیں کی مگر اس کے چند مسودات سے پته چلتا ھے که اس نے اس میدان میں بھی مفید اور دلچسپ معلومات فراھم کی

تھیں - یہ مسودات لاطینی زبان میں لکھے گئے تھے - اس نے بھیڑ کی آنکھہ پر تجربے کئے اور بصارت اور اس کے عمل کے متعلق اپنی راے ظاهر کي - آنکھہ پر تیز روشنی کا اثر معلوم کرنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو بہتر "تختۂ مشق" سمجھا اور اپنی ایک آنکھہ آنے والی نسلوں کے اضافۂ علم کے لیے وقف کر دی —

مطالعۂ کیمیا | اگرچہ نیوٹن کا نام علم کیمیا سے منسوب نہیں ھے مگر اس نے اس علم میں بھي اتنا کام کیا کہ اگر وہ سواے اس کے کچھہ اور نہ کرتا تو یقیناً اس کا نام صرف اسی کی بدولت زندہ رھتا - اس نے ترشوں کے خواص پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا اور آگ اور شعلے کے متعلق اپنے نظریات پیش کئے - اس نے اس علم میں بھی متعدد مبسوط مضامین اور کچھہ رسالے، جو اس نے اپنے جدید انکشافات کے متعلق، جو علم کیمیا سے متعلق تھیں یادگار چھوڑے —

مذھبیات | اگر نیوٹن بحیثیت ایک سائنس داں اور ماھر ریاضی کے مشہور نہ ھوتا تو وہ بہ حیثیت ایک مذھبی مصنف کے بہت شہرت حاصل کرتا - عیسائی پادریوں کو بھی سائنس دانوں کے خلاف ھمیشہ یہ شکایت رھي کہ وہ مرتد اور دھریہ ھو جاتے ھیں - مگر نیوٹن نے کبھی اپنے آپ کو اس الزام کا مورد نہ ھونے دیا - اس نے مذھب اور اعتقاد الٰہی وغیرہ کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں - بائبل سے اس کو خاصہ لگاؤ تھا —

خاتمہ ۱۷۲۷ | ایک کامیاب اور مفید زندگی کا خاتمہ قریب سے قریب تر ھوتا جاتا تھا - ایک زبردست سائنس داں اور قابل فخر اھل علم اپنے منازل حیات کو تیزی سے ختم کر رھا تھا - زندگي کے صرف

کچھہ مہینے باقی تھے - تندرستی جواب دے چکی تھی - مطالعے کا دائرہ تنگ ہوتے ہوتے صرف بائبل تک محدود ہو گیا تھا ' کہ ۲۸ فروری ۱۷۲۷ ع کو نیوٹن کو رائل سوسائٹی کی صدارت کے لیے جانا پڑا - وہاں سے بیمار آیا - یہ خاتمے کی ابتدا تھی - مثانے میں پتھری پڑ گئی ' تکلیف بڑھتی گئی - یہاں تک کہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۷۲۷ ع کو رات کے ایک اور دو بجے کے درمیان وہ اس مادی دنیا کی تمام تکالیف سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا - اس وقت اس کی عمر ۸۵ سال تھی - ویسٹ منسٹر ایبے (Westminster Abbey) میں دفن ہوا —

حیاتیات اور طب میں جدید رجحانات

از

(جناب عزیز احمد صاحب عرفانی)

علوم و فنون کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اُسی قدر یہ حقیقت زیادہ روشن ہوتی جا رہی ہے کہ کسی علمی تحقیق کے دوران میں ہم اپنی نظر خالصتاً اسی علم پر محدود نہیں رکھہ سکتے بلکہ ہمیں ہر وقت تمام دوسرے علوم کی جدید ترین تحقیقات سے باخبر رہنے اور اس سے استنباط کرنے پر تیار رہنا چاہئیے - اس میں شک نہیں کہ تحلیل و تجزیہ خصوصی مطالعے کے لئیے ضروری ہے، یہاں تک کہ خود ایک علم کے حدود میں برابر تقسیم و تدریج کرنا پڑتی ہے؛ لیکن اس قسم کا تجزیہ ہم صرف اپنی آسانی کے لئیے کرتے ہیں تاکہ تحقیقات کے مختلف پہلوؤں پر توجہ منہمک ہو سکے - مگر حق چونکہ صرف واحد غیر منقسم اور مستقل ہے اس لئیے ہر مطالعہ جزوی ہوگا اگر اس کو تالیفی اور مجموعی نظر سے نہ دیکھا جاے؛ چنانچہ جس نسبت سے کسی تحقیقات میں مشتملہ عناصر پر نظر رکھتے ہوے استدلال ہوگا اُسی قدر نتائج میں استقلال اور صحت متصور ہوگی - کسی تاریخی واقعے پر محاکمہ کرنے میں ہمیں نہ صرف تقویمی ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہئیے بلکہ وہ تمام عناصر اور

قوتیں : مثلاً عمرانی ، معاشي ، تخیلي ، موسمي وغیرہ ، جو اُس مخصوص وقت میں عمل پیرا تھیں ، مد نظر رکھنا ہوں گی کیونکہ انسانوں کے عمل اور ارادے ان تمام چیزوں کے محکوم ہوتے ہیں - ہمارا علم محض اضافی ہے اس لئے ہمارے نتائج بھی اضافی ہی ہوں گے - مگر یہ اضافت بالمدارج ہے یعني کم و بیش مشمولہ عناصر کے علم کے بموجب - پس اسی لحاظ سے نتائج کم و بیش صحیح ہوں گے - یہ امر کہ ایک نظریہ بعض حالات کے ماتحت کام دیتا رہا اور بظاہر صحیح معلوم ہوا اس کو قطعی نہیں کر دیتا - ریاضی میں سطح پر کی مساحت تین ہزار برس سے مسلّم تصور کی جا رهي تهي اس کی بنا پر فن عمارت اور ہر قسم کی انجینیری نے شاندار نتائج دکھلائے مگر جدید ترین ریاضی اور طبیعات کے انکشافات اس کے اصولی سقم کو ثابت کر رهي هیں —

زندہ اجسام کا داخلی اور خارجی عمل ، حیات کے رموز ، اشیا کا باهمی تعلق ، عمل اور رد عمل ایک بھرنا پیدا کنارہے اور انسان راستے کے ایک خم سے اتفاقاً نکل کر اس عظیم‌الشان حقیقت سے دفعتاً دوچار ہوگیا ہے - کیمیا کا آغاز جن صورتوں میں بھی ہوا ہو ، جو مقاصد بھی اُس وقت پیش نظر ہوں ، مگر في الحال یہ سائنس کا سب سے زیادہ حیرت انگیز طلسم کدہ ہے - قدرت کا تمام عمل ترکیبی ہے ؛ صورتوں میں تغیر بالکل کیمیاوی ترکیب سے ہوتا ہے - اجسام میں نشو و نما ، اشکال میں رد و بدل ، تصورات میں مد و جزر سب کیمیاوي اصول کے ماتحت اور کیمیاوی تغیرات کے ساتھہ ساتھہ ہوتے رہتے ہیں ؛ لہذا وہ اصول و قوانین جن کے بموجب زندہ اجسام نباتی ، حیوانی اور خصوصاً انسانی کیمیاوي عمل سے متغیر ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز مطالعے کا موضوع ہیں -

اِدھر کچھہ عرصے سے چونکہ کوئي ھنگامہ خیز ایجاد طبي دنیا میں رو نما نہیں ھوی ' جو نمائشی اور لوگوں کو بھوچکا کرنے والی ھو : مثلاً دق یا سرطان کا حکمی علاج ' کوئی بے ضرر مخدر تدبیر یا قطع و برید کا نیا آلہ ' اس لئے عموماً یہ گمان کیا جاتا ھے کہ طبی سائنس معرض انحطاط میں ھے یا اپنے گذشتہ سرمایے پر بسر کر رھی ھے ' چنانچہ تجارتي دوا خانوں کے مرغوب اور طویل الذیل اشتہارات ' رعایا کے محاصل سے چلنے والي آئینی جماعتوں کی سالانہ رپورٹیں' اعداد شمار اموات و پیدائش وغیرہ عوام کي توجہ منعطف کئے ھوے ھیں اور خود طبی معملوں میں محققین کا ایک گروہ صرف عارضی اور ھنگامی کمزوریوں کے سمجھنے اور ان پر قدرت حاصل کرنے کی کوشش میں لگا ھے - مخصوص امراض کی تاریخی رفتار ان کي باریکیوں پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ' ان کے انسداد کے لئے نئي تدابیر' اسی پر بے شمار روپیہ ' محنت اور وقت صرف کیا جا رھا ھے' لیکن اب اس دیرینہ روش سے بہت سے اھل فکر مطمئن نظر نہیں آتے اور خود ڈاکٹروں میں سے ایک روز افزوں طبقہ اپنے شکوک میں مزید تقویت پا رھا ھے - کتنے ھی مسلمہ اصول جن کو لوگ آنکھیں بند کرکے مانتے چلے آے ھیں معرض تغییر و تعویق میں ھیں - طب میں بھی الہیات اور مذھب کی طرح منکرین ' خواہ خطا ھی کرتے ھوں ' لیکن قدیم اصولوں اور تحقیقات کو از سر نو جانچنے کے محرک ھیں —

اس میں مطلق شبہ کي گنجائش نہیں کہ ذھانت ھوشیاری اور تخلیقي کوشش بڑي حد تک بالکل رائگاں جا رھي ھے - محض لکیر کا فقیر بننا ' روایات کی غلامی کرنا اور طب کے اصول اور فن میں بے ترتیبی برتنا ' " کوہ کندن و کاہ بر آوردن " کا مصداق ھے ' حقیقت یہ ھے کہ پیشہ ور

اور سرکاری طبیب چونکہ بیشتر افراد سے سر و کار رکھتے ھیں اس لئے انفرادی اعراض پر تمام تر توجہ مبذول کرنے پر مجبور ھیں اور عوام میں حفظان صحت کے معیار ابھی اس قدر ترقی یافتہ نہیں ھوے ھیں کہ بجاے مریض کے تندرست لوگ ان سے رجوع ھوں - کمزوریوں اور تکالیف سے خلاصی حاصل کرنے کی بجاے اپنے جسم کو ضعف و انحطاط کے خلاف حصن حصین بنائیں - اپنے دماغی اور اعصابی قواء کو خارجی عمل جراحی یا دواؤں سے کچھہ کا کچھہ کرلیں - بچوں میں خصوصی رجحانات پیدا کرنے کے لئے دماغی خلیات میں رد و بدل کرائیں - لہذا پیشہ ور ' ظاھر ھے کہ پیشے کے مقاصد سے رو گردانی نہیں کرے گا اور نسل کی خدمت محض ثانوی طور پر انجام دے گا - جس طرح پیشہ ور قانون داں معینہ اخلاقی معیاروں کے مطابق حدود سے تجاوز کرنے والوں کو مشورہ دیتا ھے یا ایسے لوگوں کو جو کوئی جماعتی کارروائی اختیار کرنا چاھتے ھیں لیکن عام اخلاقی رویے سے اعتنا کرنا اس کے میدان عمل سے خارج ھے - وہ صرف معینہ معیاروں کے مطابق جو جماعت کے روایات ' تیقنات اور تعینات پر مبنی ھیں ایک قسم کے عمل کی ھدایت کرتا ھے - عمل کا اندازہ کرنا اور معیار بنانا اس کا کام نہیں ھے یا نہیں رہ گیا ھے ' لیکن صاف ظاھر ھے کہ جماعت کا فائدہ اس میں ھے کہ نہ صرف متجاوزین بلکہ عام ارکان ایسے معیاروں پر چلیں جو نتائج کے اعتبار سے نافع اور سود مند ھوں - روزانہ زندگی کی تفصیلات میں تجاوز اور قصور کے امکانات زیادہ ھیں بہ نسبت چند معروف کار روائیوں کے ' چنانچہ جس طرح ھمارے قانون داں صرف عمل کے مروجہ اور مقامی اشکال کے پابند ھو گئے ھیں اور انھی کو مختلف طریقوں سے برتتے رھتے ھیں اسی طرح ھمارے طبیب بھی چند مانوس جسمانی تغیرات پر طبع آزمائی کرنا

اپنا حیطۂ عمل جانے ہوے ہیں —

لیکن حال ہی میں اشتراکیت اور عالم گیر پیمانے پر خدمت کے جدید نظریوں کی بنا پر حفظان صحت کے ماہرین کی توجہ خصوصی امراض کی چھان بین، اور دماغی تدابیر سے ہٹ کر جماعت کی جسمانی نگہداشت پر مرکوز ہوگئی ہے چنانچہ علمی ظن آرائی کا مرجع اب صحیح و سالم انسان کے جسمانی و ذہنی عمل کا مطالعہ ہوگیا ہے اور مریض کی بجاے تندرست اور مردے کی بجاے زندے کی تحقیق زیادہ کارآمد ثابت ہورہی ہے کیوں کہ صحت کی حالت کا دقیق اور صحیح اندازہ ہو تو ہم اُس سے خفیف انحرافات پر بھی دفاعی تدابیر اختیار کرسکیں گے —

حیات کیا ہے؟ زندہ جسمانی مشین کا پنہاں عمل جو اعتدال و توازن قائم رکھنے کے لیے ہر وقت جاری ہے۔ کس داخلی ترکیب کا نتیجہ ہے؟ تغذیہ اور انہضام کے عمل آکسیجن سے انجام پاکر کس طرح حیات کے جراثیم پیدا کرتے ہیں؟ تخیل اور مزاجی کیفیات کا اثر جسمانی مشین پر کیوں کر پڑتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے مسائل ہیں جو جدید کیمیاے حیات نے اُٹھاے ہیں اور اب اہل فکر اس کے دقیق مطالعے میں مصروف ہیں۔ ایک قسم کا ذہنی عمل جو احساس کی سطح کے نیچے نیچے ہر جاندار (نباتی و حیوانی) کے جسم میں 'سوز و ساز' پیدا کرتا رہتا ہے ماہرین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ براہ راست امراض کی تحقیق اور اُن کا چند مرکبات کے ذریعے سے اُلٹا سیدھا معالجہ ایک قصۂ ماضی ہوتا جاتا ہے اور اب دنیا زندگی کے وسیع امکانات پر غور کررہی ہے اور اس امر کی کوشش کی جارہی ہے کہ جو عمل جسم کے اندر ہوتا ہے باہر کیا جاے —

سر جارج نیومین نے اپنی سالانہ رپورٹ میں فرمایا ہے کہ طبی تعلیم کا قدیم فرسودہ طریقہ جو یونانیوں اور عربوں سے ہمیں میراثاً ملا ہے اور جو جسم، مرض، اور ادویہ پر تمام تر توجہ مبذول کرتا ہے جدید انکشافات کی روشنی میں ہدف اتلاف و تنسیخ ہوتا جاتا ہے اور بعید نہیں کہ از سر نو تعریف و ترمیم کا مورد بنے۔ اب تک زیادہ تر توجہ مردہ جسم کی ساخت اور ترتیب پر منعطف ہوتی رہی اور اطباء کا بیشتر وقت مرض کی صورتوں اور مریض اعضاء کی متغیر یا مسخ شدہ شکلوں کے سمجھنے پر صرف ہوا۔ بر خلاف اس کے زندہ اور تندرست جسموں کے عمل اور اُن کے تغیری رجحانات سے نسبتاً استغنا برتا گیا حالانکہ اگر یہ باتیں بخوبی ذہن نشین رہیں تو ضعیف سے ضعیف تغیر پر متنبہ ہوکر دفاعی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ در اصل اس زمانے میں مشترکہ پیمانے پر طبی امداد بیماروں کے بجاے تندرستوں کے لیے زیادہ ضروری اور قابل عمل معلوم ہوتی ہے تاکہ حفظ ما تقدم کی تدابیر ہو سکیں اور انفرادی و اجتماعی طور پر زندگی کے عناصر مزید تقویت حاصل کر سکیں —

اس طرح ایک جدید علم الادویہ ترتیب دیا جا رہا ہے جس کی بنیاد اُن کیمیاوی مادوں پر ہے جو جسم کے اندر تیار ہوتے ہیں۔ یعنی ان مرکبات پر جن کو طبیعت خود اعتدال اور قوت قائم رکھنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ مثلاً یہ دریافت ہوا ہے کہ بعض اعصاب کی قوی یا ضعیف تحریکوں پر جو تغیر جسم میں رونما ہوتا ہے وہ بھی جسم کے اندر اُن اعصابی مرکزوں میں کیمیاوی اجزا کی تولید و تخریج اور زیادتی یا کمی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اگر ہم خارج سے ایسے اجزا تیار کرکے مزاجی تناسب کا لحاظ کرتے ہوے ان کو مخصوص

مرکزوں میں داخل کر سکیں تو ٹھیک یہی تغیر پیدا کیا جاسکتا ہے۔ یہ حقیقت نہایت معنی خیز اور دور رس ہے - یعنی قدرت کے عمل کا بڑھانا گھٹانا اور ہموار رکھنا خارجی ذرایع سے زیادہ آسان اور یقینی ہوجاےگا —

بعض جدید انکشافات اور اُن کے مختلف فیہ اثرات مثلاً نور کی بنفشئی شعاعوں کا غیر مرئی اثر لا شعاعیں - ریڈیم کے اشعاعات اور عجیب و غریب معمے جیسے غذائی حیاتین Vitamins جذباتی تغیرات اور افرازی غدود کا باہمی تعلق ہمیں مجبوراً اس نتیجے پر لا رہے ہیں کہ ہم ضرورت سے زیادہ توجہ اتفاقی اعراض' ماحول اور جسم کے مابین عدم توازن وغیرہ پر مبذول کر رہے ہیں اور اُن کے اسباب و علل اور حفظانی تدابیر سے بے خبر ہیں —

ہر باغبان جانتا ہے کہ اگر میں اپنے پودوں کے لیے وہ صورتیں جو زمین کی قوت' موسمی شدائد سے تحفظ' اور سورج کی روشنی وغیرہ پر مشتمل ہیں مہیا نہ کروں گا' یعنی وہ چیزیں جو اُن کے لیے فرداً فرداً ضروری ہیں تو وہ یا تو کم زور پڑ جائیں گے یا بالکل مرجھا جائیں گے۔ بالفاظ سر جارج نیومین ہم زندگی کے عناصر کو مضبوط کرنے اور ترقی دینے کے بجاے صرف موت کے بھلانے میں مصروف ہیں —

گزشتہ چند برسوں سے حیرت انگیز مرکبات اور نمایشی ایجادات میں کمی ضرور ہے لیکن یہ علمی ترقی میں انحطاط کی علامت نہیں ہے۔ جس طرح معاشیات اور عمرانیات میں ہم اس وقت تک کے ذخائر ہی کو اُلٹ پلٹ کرجا و بیجا کام میں لاتے رہے اسی طرح طب میں بھی پس خوردہ حاصل سے پیٹ بھرتے رہے۔ مگر اب انقلابی اصول کی جھلک نمایاں ہو رہی ہے - علم میں ایک جدید روح پیدا ہو رہی ہے جو قدیم مسلمات

کے ماوراء دوسری بنیادوں پر قائم ہوگی۔ اس میں سائنس کی جدید نفسیاتی، طبیعی اور کیمیاوی تحقیقات کی کہا حقہ تشکیل ہوگی اور جیسے قرون اولیٰ میں مذہب و الہیات کی دریافت نے تمام نقاط نظر کو تبدیل کر دیا تھا، بعینہ اسی طرح اس وقت اشیا کی ماہیت کے متعلق ایک زبردست انقلابی تحریک کار فرما ہے —

انڈین سائنس کانگرس کا اکیسواں اجلاس

از

(جناب عزیز احمد صاحب عرفانی)

سائنس کانگرس کا اکیسواں اجلاس اس مرتبہ پونا میں منعقد ہونے والا تھا مگر پبلک کی گرم بازاری کی وجہ سے سہ بارہ بمبئی کا انتخاب ہوا - مندوبین اور انفرادی اہل علم گزشتہ سالوں کی نسبت زیادہ تعداد میں جمع ہوے اور مستقل اراکین کی تعداد بھی ایک سو سے آٹھ سو تک پہنچ گئی - شعبہ جات میں تین کا اضافہ ہوکر بجاے چھ کے نو قائم کئے گئے اور علمی مقالات مختلف شعبوں میں ملاکر تقریباً سات سو بڑھے گئے - انجینیرنگ ' سائنس ' معاشیات ' اعداد شمار اور تعلیم کے مزید شعبے قائم کرنے کی تجاویز خیز التوا میں رہیں کیونکہ دوسرے مقامات پر ان کے علحدہ علحدہ جلسے منعقد ہو چکے ہیں - سالہاے گذشتہ میں حاضرین میں ایک بڑا حصہ سرکاری صنعتی محکموں کے نمائندوں کا تھا مگر اب رفتہ رفتہ اُن کی تعداد میں کمی اور یونیورسٹی اور درسگاہوں کے اراکین میں اضافہ ہوتا جاتا ہے -

اس سال سب سے زیادہ اہم کارروائی جو عام مجلس میں ہوی یہ تھی کہ بجاے منتشر علمی مجالس کے ایک مرکزی سائنس اکاڈیمی ترتیب دی جاے جو ملک کی ہر قسم کی علمی سرگرمیوں کی قیادت کرے - یہ

گویا اُسی پیمانے پر ہوگی جس پر فرانس میں انسٹی ٹیوٹ آف پیرس اور برطانیہ میں دی برٹش ایسوسی ایشن ایک مدت سے قائم ہیں۔ ایک کمیٹی منتخب ہوں ہے جس کے معتمد پروفیسر میگناد ساھا اور پروفیسر اگھرکر ہونگے اور جو اکاڈیمی کے لیے آئین اور قواعد و ضوابط وضع کرے گی اور کانگریس کے آئندہ اجلاس کلکتہ میں پیش کرے گی علاوہ بریں رسالہ کرنٹ سائنس (Current Science) کی مجلس مدیران کا ایک جلسہ ہوا - یہ پرچہ مختلف علمی جماعتوں کی طرف سے نیچر (Nature) کے معیار پر چلایا جارہا ہے - مجلس میں اس کی آئندہ پالیسی اور توسیع پر مباحثہ ہوا پھر برطانوی انسٹی ٹیوٹ کیمیا کے ہندوستانی اراکین کا ایک جلسہ ہوا اور طے پایا کہ ایک ایسی ہی جمعیت ہندوستان میں قائم کی جاے - امید ہے کہ اس کے قیام سے اہل کیمیا کی انفرادی مساعی میں یکانگت پیدا ہو اور یہ سرکاری وغیر سرکاری صنعتوں کو مفید مشورہ دے سکے - اسی طرح ہر شعبے کے متعلق قرار دادیں پیش ہوئیں اور کم و بیش مباحثے کے بعد منظور ہوئیں —

* * * * * * * * * *

کانگریس کا افتتاح ہزا کسیلنسی لارڈ بریبون (گورنر بمبئی) نے ایک نہایت فاضلانہ خطبے کے ساتھہ کیا جس کے دوران میں آپ نے فرمایا کہ سائنس نے ان چار صدیوں میں جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اُس کا راز صرف یہ ہے کہ اہل سائنس حالات اور واقعات کی شہادت کو من وعن تسلیم کرکے فوراً کام میں مصروف ہوگئیے، برخلاف دوسرے لوگوں کے جو شہادت کی نوعیت اس کے ماخذ اور اس کے کیف وکم پر پچیس صدیوں سے بحث کر رہے ہیں - سائنس داں بلا وسوسہ

اُدھر چلاجاے گا جدھر شہادت اُسے لے جاے گی - وہ مسلمات کی پرواہ نہیں کرتا لیکن جہاں سائنس کی برکتوں کی تمہید و توصیف کی وہاں آپنے یہ بھی اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر علمی معیاروں کے دوش بدوش اخلاقی معیار بھی بلند نہ ہوے تو سائنس کے ایجادات ناسمجھہ بچوں کے ہاتھوں میں دھار دار چاقو بن جائیں گے جن سے وہ خود کو کھیل کھیل میں زخمی کر لیں گے - پھر آپ نے استعجاباً کہا کہ باوجودیکہ اهل سائنس قدرت کے رموز میں سے اتنوں سے واقف ہیں وہ دنیا کے کار و بار چلانے میں کیوں ہاتھہ نہیں بٹاتے ؟ ممکن ہے کہ علم کی خصوصی مصروفیتیں اُن کے دائرۂ عمل کو محدود کردیتی ہوں اور وہ اپنے کام کے سوا دوسرے کام سے نامانوس رہتے ہوں لیکن بذات خود هز اکسلنسی کا عقیدہ ہے کہ علمی ذوق و شوق، حقیقت کی تلاش، اور انکشاف کی وجدانی مسرت اُنہیں بازاری دلچسپیوں کی طرف جھکنے نہیں دیتی —

اس کے بعد پروفیسر میگناد ساھا (الہ آباد) صدر منتخب سائنس کانگریس نے اپنا صدارتی خطبہ پڑھا - علمی مقالے کے طور پر انھوں نے طبیعیات کی جدید تحقیقات پر نہایت دلچسپ اور بصیرت افروز تقریر کی جس میں اجرام فلکی کی طبیعیات پر بحث کی اور فرمایا کہ مادے کے مشمولات ہر جگہ وہی ہیں جن سے ہم بخوبی مانوس ہیں لیکن سطحی حرارت کے جا بجا تغیر کے باعث اُن کے الوان منعکسہ میں فرق معلوم ہوتا ہے - اس سلسلے میں انھوں نے اپنے دو نظریات Ionisation اور اقتراحی دباؤ Selective pressure کا ذکر کیا جن کی بنا پر اجرام فلکی کی طبیعی ترکیب کا پورا پورا علم ہوسکا ہے اس کے بعد انھوں نے کائنات کی کہانی زمان و مکان کی نسبت سے بیان کی اور کہا کہ میرا عقیدہ ہے کہ کائنات ان

دونوں سمتوں میں غیر محدود ہے - جدید معلومات کے سلسلے میں چند نئے ستاروں کے انکشات کا ذکر کیا جن کی حیرت انگیز خصوصیت یہ ہے کہ وہ سونے سے کئی ہزار گنا زیادہ ثقیل ہیں اور اس وقت تک صرف اس وجہ سے نظر انداز رہے کہ یہ دوسرے اجسام سے بہت چھوٹے ہیں - خطبے کے جزو ثانی میں انہوں نے سائنس کے انسانی زندگی کے ساتھہ تعلق پر تبصرہ کیا اور دوسرے اجرام سماوی میں حیات کا زبردست احتمال اور اس کے امکانات پر توجہ دلائی - دنیا کی موجودہ مشکلات کی وجہ اُن کے نزدیک یہ ہے کہ انسانی نظم و نسق کو جدید علمی تحقیقات کے ساتھہ ہم آهنگ نہیں کیا گیا - رسل و رسائل کی ترقی اور زیادہ مکمل باهمی ارتباط سے دنیا ایک معاشی و تمدنی وحدت بن گئی ہے لیکن جو لوگ حکمرانی اور عملداری کے ذمہ دار ہیں تقریباً اُن ہی اُصولوں کو برتتے جاتے ہیں جو ہومر اور ہنیپو کے عہد میں دریافت ہوے تھے - ہر جگہ آدمی اپنے وقت، اپنے مقام اپنے عہد اور اپنے ملک کی زنجیروں میں گرفتار ہے - وطنیت اور قوم پرستی اُس کا شعار ہے - غیر اقوام دشمن ہیں، غیر انسان ہیں، غیر جاندار ہیں اور صرف بحیثیت مصرف کے قابل اعتنا ہیں - آخر میں انہوں نے سائنس اکاڈیمی کی تاسیس اور ہندوستان میں سائنس کے مذاق کی ترویج پر زور دیا اور امید ظاہر کی کہ آیندہ لوگ زیادہ کثرت اور شدت سے علمی انکشافات کو زندگی کی تفصیلات میں برتیں گے —

* * * * * * * * * * * *

علاوہ طبیعیات کے خاص خاص شعبے، کیمیا، حیاتیات، ریاضیات، طب، زراعت، حیوانیات، ارضیات، فضائیات وغیرہ معینہ اوقات میں زیر بحث رہے اور مسلم ماہرین اور اہل علم کی صدارت میں اہم مقالات پڑھے گئے - ان

کے تفصیلات ہم بخوف طوالت درج نہیں کرسکتے صرف جستہ جستہ کارروائی حوالۂ قلم کی جاتی ہے تاکہ ان علمی مشاغل کی وسعت کا اندازہ ہو- پروفیسر ساھا کے بعد ڈاکٹر کو ٹھاری (الہ آباد) نے 'کائنات کی عمارت' پر ایک دلچسپ لکچر دیا اور عموماً ڈاکٹر ساھا کے نتائج کی تائید کی-

۱ - ڈاکٹر ایچ بی رٹ کلف (لاہور) صدر شعبۂ کیمیا نے اپنے خطبے میں جدید علم کیمیا کے رجحانات اور ہندوستان میں اس کی رفتار کا ذکر کیا- پروفیسر نیل رتن دھر (الہ آباد) نے کیمیاے حیات کے وسیع امکانات پر روشنی ڈالی- غذا کے اجزاے لطیف' حیاتین کے دقیق رموز بعض اجزا کی کمی تولید کے عوارض حیوانی تحلیل غذا اور لسونتی کیمیا Colloid پر اپنی اور دوسرے ہندوستانی محققین کی مساعی کا تذکرہ کیا اور عملی نتائج کا مظاہرہ کیا —

۲ - مابعد نشست میں کرنل ایس ایس سو کے ڈائرکٹر ھافکین انسٹی ٹیوٹ (بمبئی) صدر شعبۂ طب نے طبی تعلیم کی ازسر نو تنظیم و تنسیق پر زور دیا اور بعض صوبجات میں یونانی و آیورویدک تعلیم کی بشد و مد مخالفت کی- آپ نے کہا کہ طبی سائنس فی الجملہ علحدہ علحدہ مرکزوں میں تقسیم نہیں کی جا سکتی - یونانی طب اور افریقی طب اور ویدک طب وغیرہ کی تقسیم بے معنی ہے- سائنس ایک مکمل وحدت ہے اور یہ از کار رفتہ طریقے چند مرکبات اور غیر مصدقہ نسخوں کے گورکھ دھندے ہیں لہذا محصول دھندہ کے روپے کو بجز مسلمہ سائنٹفک تحقیقات اور خدمت کے صرف کرنا غلطی ہے- زیادہ سے زیادہ مقامی مجربات کا کیمیاوی معملوں میں تجربہ کیا جا سکتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی چیز مفید ثابت ہو تو

علم الادویہ میں شامل کی جا سکتی ھے —

۳ - طبیعیات کے بعض ماھرین نے نیوتران' پوزیتران اور کاسمک شعاعوں پر مقالات پڑھے —

۴ - پروفیسر بنرجی (الہ آباد) نے روز افزوں کائنات پر لکچر دیا اور کہا کہ اینسٹین کا دملی نظام Pimply universe جس میں ھر دملہ ایک کہکشانی سلسلے کے مرادت ھے اینسٹین کی مفروضہ کائنات کی تائید کرتا ھے —

۵ - ڈاکٹر آر ایس نہرو (الہ آباد) صدر شعبۂ زراعت نے نباتی نشو و نما پر بجلی کی قوت کے مفید اثرات پر بحث کی لیکن اس کے امکانات کے بارے میں اندیشہ ظاھر کیا کہ فی الحال زیادہ مصارف کی وجہ سے متوسط کاشتکار اس قوت کو استعمال میں لانے سے قاصر ھے —

۶ - نباتی تولید پر ھندوستان میں جدید تجربات اور یورپ و امریکہ کے عملی نظام پر بعض ماھرین نے دلچسپ تقریریں کیں —

۷ - پروفیسر آونی (بمبئی) صدر شعبۂ حیوانیات نے تمدن کی ترقی میں حیاتیات کے اثر پر مقالہ پیش کیا اور کہا کہ حیات کے جراثیم جو نباتات اور حیوانات میں مشترک ھیں کس قدر انسانوں کی زندگی میں دخیل ھیں۔ حیاتیات اور (Social Hygiene) نے تمدن کے نقطۂ نظر کو یکسر تبدیل کردیا ھے —

۸ - پروفیسر مترا (کلکتہ) صدر شعبۂ طبیعیات و ریاضی نے اپنے خطبے میں ریڈیو کی لہروں کا انتشار زمین کے گرد اور اس کی رفتار کی شرح پر دلچسپ حقائق بیان کیے اور اس سلسلے میں ھندوستان

میں صنعتی و تجارتی نشر صوت کے امکانات پر بحث کی - عوام کی متعدد تعلیم اختلافات کے محو کرنے کے وسائل اور سیاسی بیداری پیدا کرنے کی تجاویز حکومت اور پبلک کے سامنے پیش کیں —

۹ - شعبۂ نفسیات کے صدر پروفیسر منمتھ بنرجی (کلکتہ) نے محنت و صنعت میں نفسیاتی انتخاب اور نفسیاتی عمل پر توجہ مبذول کی اور کام کے لیے رغبت اور قابلیت پیدا کرنے کی تدابیر بیان کیں —

۱۰ - پروفیسر آر ایس دستور (بمبئی) صدر شعبۂ نباتات نے سر ایس پی رے اور پروفیسر رامن کی تحقیقات کے بعض جدید پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور نباتات کی ترجیحی افزائش کے امکانات دکھلائے —

۱۱ - زراعت کے شعبے میں بہت سے مفید اور دلچسپ مقالے مختلف ماہرین نے پیش کیے جن میں پنبے کی کاشت اور تجارت ، چاول ، نیشکر اور گندم کی کاشت وغیرہ پر بحث کی گئی —

۱۲ - ڈاکٹر سی ڈبلیو نارمنڈ ڈائرکٹر فضائیات حکومت ہند (پونا) نے موسمی تغیرات مانسون بالائی ہوا موسم وغیرہ پر دلچسپ معلومات بہم پہونچائیں اور زراعتی ترقی اور طیارہ رانی کے سلسلے میں فضائیات کے عظیم الشان مستقبل کا اعادہ کیا - ان کے علاوہ خصوصی عنوانات پر بکثرت مقالے پڑھے گئے جن سے ہندوستان کی اطمینان بخش علمی سرگرمی کا اندازہ ہوتا ہے —

دلچسپ اقتباسات

زندگی کا راز پنہاں

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ھے جس کے دل میں قدرتاً یہ سوالات نہ پیدا ھوں - (۱) مرض کیا ھے ؟ (۲) انسان بوڑھا کیوں ھوتا ھے ؟ (۳) کیوں مرتا ھے ؟ (۴) زندگی کیا ھے ؟

اور حاضر کے علما نے زندگی اور اس کی خصوصیات پر بیش از بیش توجہ مبذول کی ھے - اور تھوڑے دن سے بعض تو اس کوشش میں سرگرم ھیں کہ کیمیاوی معملوں میں زندگی، یا زندگی کا خلیہ پیدا کرنے میں کامیاب ھو جائیں - اس وقت تک کی جد و جہد کے جو نتائج حاصل ھوے ھیں ان میں امید کامیابی کی شعاعیں جھلکتی نظر آتی ھیں اور بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ھو گیا ھے کہ موت ایک بیرونی حادثہ ھے، طبیعی چیز نہیں ھے —

بعض تجربات نے یہ ثابت کر دیا ھے کہ جب انسان مرتا ھے تو اس کے جسم کے اعضا چند ساعت تک زندہ رہتے ھیں - مثلاً ھاتھ کے ناخن موت کے بعد بھی کچھہ مدت تک بڑھتے رھتے ھیں جس کا باعث یہ ھوتا ھے کہ ناخن جن خلیوں سے مرکب ھوتا ھے ان میں زندگی باقی ھوتی ھے - روس کے اخبار علمیہ سے واضح ھوا کہ وھاں کے ممتاز پروفیسر،

فشنہولیں کو ایک عجیب و غریب عمل جراحی کا اتفاق ہوا ' انہوں نے ایک کتے کا سر کاتا اور اس سر کو تین گھنٹے سے زیادہ مدت تک زندہ رکھنے میں کامیاب ہوے - اسی طرح ڈاکٹر کوبلیاکو نے انسانی دل کو جسم سے علحدہ کر کے اُسے تیس گھنٹہ تک متواتر متحرک و زندہ رکھہ کر دکھلا دیا —

جامعۂ ییل کے فاضل پروفیسر ڈاکٹر وودروف نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ " مفرد خلیوں سے ترکیب پاے ہوے حیوانات کا مرنا کوئی ضروری امر نہیں ہے اور جو خلیہ پارا میسیوم (Paramecium) کے نام سے مشہور ہے وہ بلا انقطاع پیدا ہوتا رہتا ہے " - پروفیسر موصوف نے اس کے توالد و تناسل کا مشاہدہ کیا اور ایک مدت تک مسلسل نگرانی کے بعد معلوم کیا کہ اس خلیہ نے آتھہ ہزار پانچ سو نسلیں پیدا کیں (یعنی انسانی زندگی کا ایک ربع ملین سال) یہ ایک دوسری دلیل ہے اس خلیہ کے خلود اور دوام کی —

اس کے ماسوا کئی اور علمی تجربات سے اس قول کی تائید ہوتی ہے ' جن میں سے ڈایرکٹر الکسیس کارل ڈاکٹر راک فلر اکاڈیمی نیویارک کے تجربات ہیں جو علم جراحت کے مشہور ماہر فن عالم ہیں - ان کا ایک تجربہ مرغی کے دل پر بہت اہمیت رکھتا ہے - مخفی نہ رہے کہ مرغی کی زندگی کا اوسط تقریباً ۵ سال ہے ڈاکٹر کارل نے مرغی کے جنین کے دل سے جو خلیے اخذ کئے ہیں ان کو اپنے معمل میں محفوظ رکھا ہے - یہ خلیے بیس سال سے زیادہ مدت سے زندہ ہیں —

ڈاکٹر کارل موصوف نے چوہے ' سور اور انسان کی نسیجوں کے خلیے بھی متعدد برسوں تک زندہ رکھنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے ' مگر

دماغ کے خلیوں کو زندہ رکھنے میں ناکام رہے ہیں- کیونکہ وہ زیادہ مدت تک زندہ نہ رہ سکے- اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ انسانی جسم کے زندہ خلیوں کو اگر کامل توجہ اور احتیاط کے ساتھہ جدا کر کے ان کو ان کے مناسب تربیت اشیا میں رکھا جا سکے تو یہ ممکن ہے کہ وہ ابد تک زندہ رہیں اور ان کے توالد کا سلسلہ جاري رہے- عجیب بات ہے کہ یہي خلیے جب انساني جسم کی تکوین کے لئے متحد ہوتے ہیں فوراً مر جاتے اور زیادہ نہیں جیتے —

اس خصوص میں ڈاکٹر کارل کا خیال ہے کہ علحدہ کیا ہوا خلیہ جب نیم سیال حالت میں رکھا جاتا ہے (کیونکہ اسی نیم سیال حالت یا وضع میں خلیوں کي پرورش کی جاتي ہے) تو اس کے افرازات میں ایک قسم کی سمیت ہوتی ہے جو خلیہ کی اس وضع و حالت سے متصادم ہوکر زائل ہو جاتي ہے اور خلیہ زندہ رہ جاتا ہے- مگر انسان یا اس کے سوا اور حیوانوں کے جسم میں یہي زہر جمع ہوتا رہتا ہے اور جب اس کا کوئی مصرف نہیں ملتا تو موت و فنا حادث ہوتی ہے —

اس قسم کی کارگذاریوں میں سب سے زیادہ عجیب کام ڈاکٹر کرائل نے کیا جو کلیو لینڈ (ولایات متحدہ امریکہ) کے محکمۂ بیمارستان کے ناظم ہیں انھوں نے مادے کو اس کے فنا ہونے کے بعد زندہ کردیا اور صرف یہی نہیں بلکہ بہت سے خلیے بھي ایجاد کر دکھاے جن میں بہت سے خواص زندگی کے موجود ہیں- اس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے تھوڑی ھي دیر کے ایک مقتول حیوان کے دماغی بافتوں کو لے کر برقي قوت سے راکھہ بنایا اور اس راکھہ سے بعض نمک اور عناصر حاصل کئے- ان میں قدرے پروٹین اور چند اور کیمیائی مادے اضافہ کئے تو اس میں سے ایک حیاتی

کی قسم کا مرکب پیدا ہوگیا جس میں زندہ مادے کے خواص تھے۔ یہ مادہ آکسیجن کو جذب کرتا پھر اسے کاربن ڈائی اکسائڈ کی حالت میں دفع کر دیتا تھا جیسا کہ تمام زندہ مخلوقات کا عمل ہے۔ پھر اتنا ہی نہ تھا بلکہ یہ مرکب مادہ حرکت کرتا، غذا لیتا، جسم میں بڑھتا اور نسل بڑھاتا تھا ––

ڈاکٹر کرائل کا اعتقاد ہے کہ زندگی جس چیز کو کہتے ہیں وہی کہربائیت ہے، یا کم از کم اسے کہربائیت سے بہت شدید علاقہ ہے۔ اس دعوے پر ان کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ کہربائی لمعانیت بعینہ شرارۂ حیات ہے یا کم از کم قوام حیات ہے۔ ڈاکٹر کرایل نے امیبا کی ایک پھٹکی نہایت باریک برقی آلے سے دریافت کی اور معلوم کیا کہ اس میں قوت کہربائی موجود ہے جو $\frac{1}{40}$ وولٹ کے برابر ہے جب اس پر اس قوت کی مثبت برقی رو دوڑائی جس سے برق منفی فنا ہوجائے تو یہ امیبا مرگیا اور اس میں زندگی کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ اس تجربے سے ثابت ہوا کہ امیبا صرف اسی صورت میں زندہ رہتا ہے جب اس کی قوت کہربائی بڑھی ہوئی ہو یا کم ہو، جب مساوی قوت ہوگی تو مر جائے گا ––

یہ مشاہدہ اس بات پر دلیل ہے کہ نباتات اور حیوانات کے اندر برقی رو مضمر ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جس کو علما اس قول پر محمول کر کے بیان کرتے ہیں کہ جسم کا ہر خلیہ ایک برقی مورچہ ہے۔ ہر خلیے سے پیدا ہونے والی قوت کہربائی حجم کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، یعنی بڑے خلیوں میں قوی، چھوٹوں میں ضعیف اور مردہ خلیے میں معدوم۔ اس قوت کا زوال زہر، یا مصیبت یا فنائے

تدریجی سے ہوتا ہے۔ اور ڈاکٹر کرایل کی نظر میں یہی موت کا راز ہے۔ اس لئے جب تک انسان میں برقی قوت قائم ہے زندہ ہے جب یہ معدوم ہوتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے —

(م - ز - م)

—*—

جبری تعقیم

یعنی مرد و عورت کو بانجھ بنانے کی تحریک

آج کل متمدن اقوام بالخصوص اہل امریکہ و جرمنی میں ایک نہایت اہم تحریک پورے زور و شور کے ساتھ ترقی پذیر ہے جو یہ ہے کہ ضعیف العقل اور ضعیف الجسم اشخاص کو خواہ مرد ہوں خواہ عورت توالد و تناسل کے قابل نہ رکھا جائے تاکہ ان کی کوئی اولاد باقی نہ رہے کیونکہ ایسے لوگوں کی صفات ضعف عقل و بدن ان کی نسل میں وراثتاً منتقل ہوتی ہیں جو سماج کے لئے خلقی و مادی خساروں کا باعث ہوتی ہیں اور مختلف اصلاحی اداروں' شفا خانوں اور قید خانوں کے قائم کرنے پر مجبور کرتی ہیں جن میں مریضوں اور مجرموں کو رکھا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں بہت سا وقت اور مال رائگاں جاتا ہے –

علماے علم الوراثۃ کے نزدیک ثابت ہے کہ بہت سے امراض خصوصاً عقلی امراض مثلاً خلل دماغ' حمق' دیوانگی' ضعف ادراک وراثتاً منتقل ہوتے ہیں۔ انہی امراض میں تصغر عضلاتی (Muscular Atrophy) زوال و نقص عظام (Brachydaetyly) ہڈیوں کی بھر بھراہٹ (Bone fragility) رنگ کوری (Color Blindness) کوتاہ نظری (Myopia) ہیں اور غالباً ان سب سے زیادہ

مہلک مرضیات (پیتھالوجی) کی وہ حالت ہے جو نزف الدم (Hemophilia) کے نام سے مشہور ہے جس میں جریان خون' اس مواد حیاتی میں جس سے شخص ماؤف کا خون مرکب ہوتا ہے نقصان موجود ہونے کی وجہ سے' بند ہونے سے قاصر ہوجاتا ہے - اور یہ وہ خاصیت ہے جو مذکر یا مونث مریض سے تناسلی خلیے کے واسطے سے اس کی اولاد میں وراثتاً منتقل ہوتی ہے —

یہ مرض اسپین کے خاندان بوربون کے بہت سے افراد کی تباہی کا باعث ہوا - یہ وہی خاندان ہے جس کا آخری وارث الفانسو اسپین کا معزول بادشاہ ہے - شاہ مذکور بھی اس میں مبتلا ہے اور یہ مرض اس سے منتقل ہوکر اس کے ولی عہد میں بھی موجود ہے —

اسپین کے حالیہ انقلاب کے لیڈروں نے اپنے بادشاہ کو معزول کرنے کا یہی عذر کیا ہے کہ وہ اور اس کے خاندان کے سب لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں —

انسان میں موروثی صفات کا مطالعہ اور ان پر تحقیق کرنے کے لیے اطبا اور ماہران نفسیات کا ایک گروہ بہت دن سے سر گرم عمل ہے - ان لوگوں نے قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ان امراض سے رہائی حاصل کرنا واجب و لازم ہے اور جو لوگ ان میں مبتلا ہوں تعقیم والا عمل جراحی کرکے توالد و تناسل سے روک دینا بسا ضروری ہے تاکہ ان کی علتیں اور بیماریاں انہیں کے ساتھہ ختم ہوجائیں اور انسانی جنس ان امراض کے شر سے محفوظ رہ سکے —

ولایات متحدہ امریکہ میں ۲۷ ولایتوں نے سخت قوانین بنا دئے ہیں جن کی بنا پر کم زور عقل اور کم زور جسم والے اشخاص کی تعقیم لازم قرار دی گئی ہے - جن ماہر خصوصی اطبا نے تعقیم کے چھہ سو سے

زیادہ عملیے کیلی فورنیا کے امراض عقلی کے شفاخانوں میں کئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ تمام عملیے بخیر و خوبی ہوے۔ اور ان کا انجام بخیر ہوا۔ جن مریضوں پر اس نوع کا عمل جراحی ہوا تھا ان میں سے بعض نے شادی کی اور وہ اپنی بیویوں کے ساتھہ بے غل و غش کامیاب زندگی بسر کررہے ہیں کیوں کہ اس عملیے سے جنسیت کی قوت اور امتیاز باطل نہیں ہوتا۔ یہ عملیہ خصی کردینے والے عملیے سے مختلف ہے، جو نہ صرت انسان کو ایک طبیعی خاصے سے محروم کردیتا ہے بلکہ اس کو امراض اور عقلی و جسمانی انحطاط کا ہدف بھی بنا دیتا ہے —

جبری تعقیم کی اشاعت کے لیے جو جماعتیں گزشتہ ایام میں کمر بستہ ہوئی ہیں ان کا خیر مقدم تمام ولایات امریکہ میں کیا جا رہا ہے۔ اس تحریک کو مفلس کسانوں اور مزدوروں اور ان کے مثل ایسے شخصوں میں بھی نافذ کیا جاے گا جو مادی مشکلات کی وجہ سے اپنی اولاد کی تربیت اور ان پر واجبی توجہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ خطرہ بھی سماج کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے کہ ان لوگوں کی بدولت بے ترتیب اولاد وجود میں آتی ہے اور کس مپرسی میں ہونے کی وجہ سے بری فضا اور کمینگی و رذالت کے آغوش میں جوان ہوکر قیدخانوں اور اصلاحی اداروں کو آباد کرتی ہے —

جرمنی میں ہر ہٹلر کی حکومت نے جرمن قوم کو جرم پیشگی اور بے عقل و حمق سے محفوظ رکھنے کے لیے گزشتہ جولائی میں ایک قانون نافذ کیا ہے کہ ہتک عزت کا جرم کرنے والوں کی جبری تعقیم کی جاے مگر اس کے لیے یہ شرط لگادی گئی ہے کہ جن مریضوں، احمقوں اور موروثی بیماری والوں اور دائم الخمر اشخاص کی تعقیم مطلوب ہو ان

کے متعلق طبی تجویز اور باہمی مشورہ بہت ضروری ہے' خاص محکموں
اور عدالتوں کو اختیار ہوگا کہ مجوزہ تعقیم کی رائے کو قائم رکھے یا
اس کے خلاف فیصلہ کرے —

قاعدۂ تعقیم کو خوش آمدید کہنے والے بعض ثقہ لوگوں کا بیان
ہے کہ امریکہ میں عقلی و اصلاحی امراض کے شفاخانوں میں مریضوں کی
تعداد ۷ ملین نفوس سے کم نہیں ہے۔ جو لوگ موروثی امراض میں مبتلا
اور طبعی حالت میں متعلقہ فرائض انجام دینے سے قاصر ہیں وہ اس
تعداد میں شامل نہیں ہیں' ان کی تعداد خود چھ ملین کے قریب ہے۔
گویا جن لوگوں میں اولاد صالح پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ان کی مجموعی
تعداد کل باشندگان امریکہ میں تقریباً ۱۰ فی صدی ہے۔ اگر اتنی بڑی
تعداد کو بدستور توالد و تناسل کا مجاز رکھا جائے تو ان کی اولاد
ضعیف ہوگی، یہ نتیجہ بھی ہوگا کہ اس اولاد کو خلقی اور تہذیبی
زندگی سے کوئی حصہ نہ مل سکے گا —

جبری تعقیم کے مبلغوں کے نزدیک امریکہ کے لیے اس تجویز کے سوا کوئی
مفر نہیں کیوں کہ وہاں کم عقلوں' دیوانوں اور بڑے بڑے مجرموں سے
پاگل خانے اور شفا خانے بھرے پڑے ہیں۔ جس وقت جبری تعقیم کا قانون
پوری احتیاط و توجہ کے ساتھ نافذ کردیا جائے گا تو انسانی جنس میں
غیر مرغوب عناصر کی بہت کچھ روک تھام ہو جائے گی اور ناکارہ اولاد کی
کثرت سے جو نقصان پہنچتا رہتا ہے آئندہ کے لیے اس کی کافی
ضمانت ہو سکے گی —

م - ز - م

مستقبل کا ایندھن

انسان ضروریات زندگی میں سب سے زیادہ جس مواد سے کام لیتا ہے، اس میں $\frac{3}{4}$ حصہ کوئلہ اور تیل کا ہے - اور یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ تیل کرۂ ارض میں جتنی مقدار میں موجود ہے وہ کچھ زیادہ مدت نہیں گزرے گی کہ ختم ہو جائے گا - البتہ کوئلے کی مقدار نسبتاً زیادہ ہے اور وہ مقابلتاً زیادہ دن تک چل سکے گا؛ لیکن کانوں سے کوئلے کا استخراج دشوار سے دشوار تر ہوتا جائے گا۔ اس لیے اگر ہم مشینوں اور کارخانوں کے لیے ضروری مواد کو ہمیشہ قابو میں رکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے اس کے جدید ذرائع معلوم کرنا اور ان پر بحث و تحقیق کرنا بہت ضروری ہے - کیوں کہ اگر صرف کوئلہ اور تیل پر اعتماد و اکتفا سے کام لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صدیوں کے جمع شدہ راس المال (کوئلہ اور تیل) کو جلد رائگاں کر دینا چاہتے ہیں —

اس سلسلے میں اس جانب اشارہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس قوت سے دنیا کے بہت سے کاروبار وابستہ ہیں اس کا کم از کم $\frac{1}{10}$ حصہ پانی سے حاصل کیا جاتا ہے - اگر اس مقدار میں اضافے کا امکان تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے ضروریات عالم کا بہت ہی معمولی حصہ انصرام پاتا ہے - حقیقت میں اگر بڑے بڑے آلات برقی یا برقی مشنری سے کام نہ لیا جائے تو پانی کی قوت سے فائدہ اٹھانا محال ہے- اور جس جگہ یہ قوت پیدا ہوتی ہے اس جگہ سے اسے مطلوبہ مقامات پر منتقل کرنا نا ممکن ہے - جرمنی میں اس نوع کے جو آلات ہیں ان کی قوت دو لاکھ وولٹ سے بھی زیادہ ہے - یہ عظیم الشان آلات چار سو میل

سے زیادہ مسافت تک برقی قوت کو منتقل کرتے ہیں خیال کیا جاتا ہے کہ مستقبل قریب میں ان اغراض کے لیے نصف ملین (۵ لاکھ) وولت تک کی قوت کے آلات تیار ہو سکیں گے —

مدوجزر کی حرکت بھی ان ذرائع میں شامل ہے جن سے قوت حاصل کی جاسکتی ہے - بعض مقامات میں مدکی بلندی ایک دن میں پچاس فٹ تک پہونچ جاتی ہے - مگر پانی کی یہ حرکت صرف محدود حصوں میں فائدہ پہنچا سکتی ہے —

رہی ہوا تو ہوا بھی تو قوت کا مصدر ہے مگر اس کی رفتار غیر منتظم ہے اور اس پر اعتماد کرنا ممکن نہیں - ہاں اس قسم کی ہوائی چکیوں کا قائم کرنا ضرور امکان میں ہے جو پانی کو مطلوبہ بلندی پر چڑھا کر قوت برقی پیدا کرنے کے لیے برقی کلوں کی نالیوں میں گرا سکیں، لیکن ہوا سے قوت پیدا کرنے کے لیے سب سے بہتر جگہ کھلے ہوے جوت دار جنگل ہیں —

سورج کی حرارت

بعض ماہرین فن نے کیلیفورنیا ولایات متحدہ میں سورج کی حرارت سے قوت حاصل کرنے کے لیے بعض آلات نصب کیے ہیں - اور کہا جاتا ہے کہ انہی سے ملتے جلتے آلات مصر کے مقام حلوان میں بھی نصب کئے گئے ہیں جس کی پیمائش تقریباً تین بیگھ ہے - ڈاکٹر لانگ الہانی نے ایک "خلیہ شمسیہ" ایجاد کیا ہے - اس پر جب سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو اس سے برقی موج پیدا ہوتی ہے، مگر عملی پہلو سے اس نوع کی کوشش میں کامیابی بہت دشوار معلوم ہوتی ہے —

ایک طریقہ قوت حاصل کرنے کا اور بھی دریافت کیا گیا ہے جس

میں سطح بھر اور اس کی گہرائی کی تپش میں اختلاف سے فائدہ اُٹھایا گیا ھے - امریکیوں نے اس طریقے کا تجربہ ایک ایسے مقام پر کیا تھا جو جزیرۂ کوبا سے تھوڑے فاصلے پر واقع ھے - مگر یہ تجربہ عملی حیثیت سے مفید ثابت نہ ھوا ' اگرچہ علمی حیثیت سے اس کی صحت ثابت ھوگئی -

اب اس قوت سے فائدہ اٹھانا اور باقی ھے جو جوھر فرد میں موجود ھے ؛ تو قرائن اس پر دلالت کرتے ھیں کہ قریبی زمانے میں یہ توقع پوری ھوتی نظر نہیں آتی اور جب تک ایسا نہ ھو غنیمت سمجھنا چاھیے اور دنیا کے امن و عافیت کو محفوظ خیال کرنا چاھیے - اسی لیے دنیا اس خطرناک ایجاد سے کام لینے پر آمادہ نہیں معلوم ھوتی -

مخفی نہ رھے کہ پانی کے ایک قطرے میں اتنی قوت ھے کہ اگر اسے آزاد کردیا جائے یا کام لیا جائے تو وہ سارے شہر لندن کو تباہ کرسکتی ھے - در اصل اس نوع کی قوت کا استعمال کرنا عمرانی دنیا کے لیے بہت بڑا خطرہ بلکہ لعنت ھے ' جس کی تباہ کاریوں کا علم صرف انھی لوگوں کو ھے جو جوھر فرد میں پائی جانے والی برقی قوت کی اھمیت و طاقت سے واقف ھیں —

قوت کے جن مصادر یا ذرائع کی جانب اشارہ کیا گیا ان میں سے بیشتر ایسے ھیں جو دنیا کو جلد کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے - اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ جوھر فرد والی قوت کے سوا ھم ان مصادر سے قوت حاصل کرسکیں گے تو بھی نصف سے زیادہ ضروریات زندگی پوری نہ ھوسکیں گی - پھر وہ کون سا ذریعہ ھوسکتا ھے جس پر حصول قوت کے متعلق اعتماد کیا جائے —

جیولوجی

نباتات قوت کا بہترین مصدر ہیں - سڑی گلی اور متعفن نباتی اشیا زمین کے جوف میں گذشتہ ارضیاتی عہدوں سے اب تک اس قوت کا اہم مصدر و مخزن رہی ہیں جو ہمارے کام آتی ہے اور یہی عنقریب اس قوت کا بھی مصدر ہوں گی جس کی مستقبل میں ہمیں حاجت ہوگی - کیونکہ عنقریب الکوہل کے استعمال پر مجبور ہونا پڑے گا اور الکوہل نباتات سے بڑی آسانی اور بہت کم صرفے سے حاصل ہو سکتا ہے - علاوہ ازیں الکوہل دنیا کے ایندھن بننے والی چیزوں میں سب سے بہتر چیز ہے - حال ہی میں ایک ماہر کیمیا نے ایک جدید علمی طریقہ دریافت کیا ہے - جس سے ہم مصفی الکوہل (۹۹ ۶ فیصدی) انگور کے عسل سے یا آلووں کے افشردہ سے حاصل کر سکتے ہیں - دس سال سے ہم پانی ملا ہوا الکوہل ۴ فیصدی کی نسبت سے حاصل کرنے پر قانع رہے ہیں الکوہل کی اتنی کم مقدار ایندھن کے طور پر استعمال کرنے کے لیے بہت نا کافی تھی —

اس موقع پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کل پیرس میں مساوی الوزن الکوہل اور گیسولین کے مرکبات ایندھن کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں - جرمنی ' آسٹریلیا وغیرہ ملکوں میں بھی ایسا ایندھن استعمال ہو رہا ہے جس کی ترکیب میں الکوہل شامل ہے - ان حالات کو دیکھتے ہوے اس کا بہت زیادہ احتمال ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں میں نباتات کی کاشت کرتے رہتے ہیں وہ اس سے ایندھن کے لیے الکوہل نکال کر مروجہ ایندھن کی خریداری بہت کم کر دیں - خیال ہے کہ خط استوا والے مقامات میں مستقبل قریب میں الکوہل کے بہت سیر حاصل چشمے مل سکیں گے کیونکہ وہاں ایسی نباتی

پیداوار کی بڑی کثرت ہے جس سے الکوہل پیدا ہو سکتا ہے - بلکہ آج کل بھی گرم مقامات میں ایسی نباتات بہت ہے جس کے اندر ساری دنیا کی ضرورت پوری کرنے والا الکوہل مخفی ہے - قوی توقع ہے کہ انسان عنقریب خط استوا کے پاس الکوہل حاصل کرنے کے بڑے بڑے کارخانے قائم کر دے گا اور وہاں سے دنیا کے مختلف حصوں میں پہونچایا کرے گا - اب وہ دن دور نہیں معلوم ہوتا جب الکوہل کا استعمال عام ہو جائے گا اور اس کی اشاعت اس کثرت سے ہونے لگے گی کہ ہم اس دور کا نام دور الکوہل رکھنے پر مجبور ہو جائیں گے —

(م - ز - م)

دلچسپ معلومات

مچھلیوں کی پیدائش میں کمی

محکمۂ انتظامات شکار امریکہ کے ناظم ڈاکٹر راڈ کلف کا بیان ہے کہ سمندر کی مچھلیاں کم ہونے لگی ہیں ، اگر متعلقہ حکومتوں نے ضروری تدابیر نہ کیں تو تھوڑے ہی دنوں میں اس بحری حیوان کا وجود بھی نہ رہے گا۔ اس مقصد کے لیے بعض حکومتوں میں بہت پہلے معاہدات کیے جا چکے ہیں ، لیکن ان حکومتوں کی تعداد بہت کم ہے اور وہ معاہدے کے مطابق مچھلیوں کی پوری حفاظت کرتی بھی نہیں ہیں۔ اسی لیے بحر اوقیانوس کے سواحل پر برابر مچھلیوں کا شکار ہوتا رہتا ہے جو قدیم سے جاری ہے ، گذشتہ سال صرف ایک کمپنی نے (۲۶۹) ملین مچھلیاں شکار کیں جن سے چھ لاکھ نو ہزار چھ سو ترسٹھ گیلن کاڈ لور آئل (روغن جگر ماہی) نکلا اور تین سو تیئیس ٹن گوشت —

خواب آور یا منوم مادہ

پیرس کے مشہور ڈاکٹر ہنری بیرون کا قول ہے کہ جب آدمی سونے کے لیے اپنی آنکھیں بند کرتا ہے تو ایک قسم کا دماغ میں پیدا ہونے والا مادہ اپنا عمل کرتا ہے۔ اس مادے کا نام ایپنوتاکسین ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے دماغ سے اس

مادے کو نہایت اچھوتے اور نئے اصول سے علحدہ کیا اور پچکاری (انجکشن) کے ذریعے سے بعض لوگوں پر اس کا تجربہ کیا' نتیجے میں ان لوگوں پر نیند نے فوراً غلبہ کیا اور سوگئے۔ پھر یہی تجربہ ان اشخاص پر بھی کیا جو بہت زیادہ سونے کے بعد بیدار ہوے تھے۔ یہ بھی اس کے اثر سے دوبارہ فوراً سوگئے —

تفتھیریا (خناق) کے لیے ٹیکہ اہل علم سے مخفی نہیں کہ خناق سے محفوظ رہنے کے لیے ایک خاص ٹیکہ مستعمل ہے جو تین مرتبہ لیا جاتا ہے۔ اس سے ساری عمر کے لیے ایک گونہ مناعت یا تقدم بالحفظ کا انتظام ہوجاتا ہے۔ حال میں امریکہ کے ایک سائنٹفک رسالے میں یہ خبر شائع ہوی ہے کہ ڈاکٹر لیوں ہیونس (Dr.L.C. Havens) نے جو ولایت الاباما کے محکمۂ صحت کے طبیب ہیں اس مرض سے بچنے کے لیے ایسا ٹیکہ ایجاد کیا ہے جس کا ایک ہی مرتبہ استعمال کرنا کافی ہے۔ اسی رسالے سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ نیا ٹیکہ اسی مروجہ ٹیکے سے تیار کیا گیا ہے —

ایک مخفی سیارہ آفتاب کے گرد کئی چھوٹے چھوٹے سیارے گردش کرتے رہتے ہیں اور ان کا حال سواے ماہران فلکیات کے کسی کو نہیں معلوم ہوتا۔ انہی سیاروں میں ایک چھوٹا سیارہ زرلینا نام کا ہے۔ یہ سیارہ ایک مدت سے نگاہوں سے پنہاں ہے' کسی کو اس کے مکان اور وجود کا پتہ نہیں تھا۔ ماہ نومبر میں ڈاکٹر کارپنٹر معلم فلکیات جامعہ آریزونا نے اس کا اکتشاف کیا —

دنیا کی اقتصادی مشکلات اور علم مستند اعداد شمار سے ثابت ہے کہ دنیا کی سہ سالہ عالمگیر مشکلات کا کوئی برا اثر علم پر نہیں ہوا ہے۔

بلکہ توقعات کے خلاف جملہ اطراف عالم میں متعلمین کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ سنہ ۱۹۲۹ ع میں جن لوگوں نے ڈاکٹریت (پی ایچ۔ ڈی) کی ڈگری ولایات متحدہ کے اندر مختلف علوم میں حاصل کی ان کی تعداد (۱۰۲۵) تھی اور اس سال کے موسم گرما میں (۱۲۴۳) ہوگئی —

تفصیل حسب ذیل ہے —

۴۱۷	اشخاص نے ڈاکٹریت کی ڈگری علم کیمیا میں حاصل کی				
۱۲۳	"	"	"	علم الحیوان	" "
۱۰۱	"	"	"	نفسیات	" "
۷۹	"	"	"	نباتیات	" "
۷۸	"	"	"	ریاضیات اعلیٰ	" "
۷۵	"	"	"	ہندسہ	" "

باقی اشخاص نے بھی ڈگری ارضیات، فعلیات، زراعت، مرضیات، انسانیات، فلکیات، جغرافیہ، طب و جراحت وغیرہ میں حاصل کی —

کرۂ ارض کی فضا

اگر انسان فضا کے متعلق رصدی بیانات پڑھتا اور ایک کا دوسرے سے مقابلہ کرتا رہے اور اس کا اندازہ رکھے کہ چند برسوں کے اندر کیا کیا تغیر ہوا تو یہ امر واضح ہوگا کہ یہ حالات ایک دائرے کی طرح ہیں۔ اور ایک معینہ مدت کے اندر ان کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ یہ مدت ۹۷ سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ فضائی حالات دنیا کے کسی حصے میں ہر ۹۷ سال میں اپنا اعادہ کرتے ہیں ۔ بالفاظ واضح یوں سمجھنا چاہیے کہ اگر کسی مقام پر کسی سال سردی یا گرمی کی شدت ہو تو اسی مقام پر ۹۷ سال کے بعد پھر سردی یا گرمی کی اتنی ہی شدت ہوگی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ جب کرۂ ارض آفتاب کے گرد گردش کرتا ہے تو دوران گردش میں اس پر عوامل طبیعی اپنا اثر کرتے رہتے ہیں - اس اثر کی تکمیل ۹۷ سال کی مدت میں ہوتی ہے اور کرۂ ارض کو اپنے فلک کے اندر کہر کے بادلوں سے سابقہ پڑتا ہے جو سورج کی شعاعوں کے زمین تک پہنچنے میں مانع آتے ہیں - عہد برفستانی میں بھی یہی صورت پیش آئی جو ایک مرتبہ سے زیادہ کرۂ ارض پر گزر چکا ہے - یعنی کہر کا بادل کئی ہزار سال تک حائل رہا اور سورج کی شعاعیں اس کی بدولت زمین تک نہ پہنچ سکیں - اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے حیوانی عالم تباہ ہو گئے اور ان مخلوقات کے سوا کوئی نہ بچا جس میں باقی رہنے کی صلاحیت زیادہ تھی —

دنیا میں بجلی گرنے کے حوادث

علما کا بیان ہے کہ بجلی گرنے کے ۴۴ ہزار حادثے کرۂ ارض کی فضا میں ہر چوبیس گھنٹے کے اندر پیش آتے ہیں - یہ حادثے زیادہ تر معتدل ممالک میں اور کمتر قطب شمالی و قطب جنوبی کے خطوں میں ہوتے ہیں اور کچھ حادثے استوائی ملکوں میں بھی ہو جاتے ہیں —

شکر اور حیاتین

جن امور نے علما کو حیران کر رکھا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں اب تک شکر کے اندر حیاتین کا کوئی جز نہ معلوم ہو سکا - حالانکہ یہ بات بالکل ثابت ہو چکی ہے کہ شکر جسم انسان کے لیے لازمی چیز ہے - اور یہ عقیدہ اب تک عام طور سے شائع ہے کہ شکر بہترین غذائی مادوں میں سے ہے - اسی لیے بعض لوگ جو مدتوں تک روزہ رکھتے ہیں تمام غذائی مادوں سے قطع نظر کر کے صرف پانی اور شکر پر اکتفا کرتے ہیں - اور طویل عمر پاتے ہیں —

ربر کا کانچ

مانچسٹر کے ایک کارخانے نے ایک نئی قسم کا پیالہ بنایا ہے جو ٹوٹتا نہیں ہے - تجربے کے لیے یہ پیالہ سخت زمیں پر بڑی بلندی سے پھینکا گیا تو ٹوٹنے کے بجائے ربر کی گیند کی طرح اچھل کر گر پڑا - اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا —

پھر اس کارخانے نے ایک اور تجربہ کیا یعنی اس نئے قسم کے کانچ کی ایک تختی لا کر لکڑی کے دو اونچے قطعوں پر رکھی اور اس پر ایک بھاری بھرکم وزنی آدمی کو کھڑا کیا ، تاہم یہ تختی نہ ٹوٹی ؛ صرف یہ ہوا کہ جب وہ آدمی قدم جما کر زور دیتا تھا تو اچک جاتی تھی اور پھر اپنی اصل حالت پر آجاتی تھی - بلا شبہ اس نوع کا ربر کا کانچ عنقریب گھر گھر استعمال ہونے لگے گا - اور لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے —

ماسکو میں سردی

شہر ماسکو میں تپش اتنی کم ہوگئی ہے جس کی نظیر اس ماہ میں کبھی نہ ملی تھی ' یعنی صفر درجہ مئی (سنٹی گریڈ) سے ۱۸ درجے نیچے - حرارت میں اس قدر کمی سنہ ۱۸۹۰ ع سے نہیں ہوئی تھی —

۶۱ ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز

نیویارک کی وطنی انجمن پرواز نے اعلان کیا ہے کہ جس غبارے میں سٹل و فوردنی نے فضا کے تیسرے طبقے تک پرواز کی تھی اس کی بلندی اکسٹھ ہزار دو سو سینتیس فٹ تھی جو پروفیسر پکارڈ کی پرواز سے بقدر (۸۰۰۰) فٹ زیادہ ہے کیونکہ ان کی بلندی پرواز ترپن ہزار ایک سو ترپن فٹ تھی —

موٹر لاری میں مکبرالصوت کا استعمال

باربرداری کی وزنی موٹریں اور لاریاں بعض اوقات سڑک کو غیر ارادی طور پر دوسری سواریوں کے لئے بند کر دیتی ہیں اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ سامان

کی کھڑکھڑاہٹ اور گاڑی کی آواز کی وجہ سے ڈرایور یہ معلوم کرنے سے قاصر رہتا ھے کہ اس کے پیچھے کتنی موٹریں ھیں - اس قباحت کو دور کرنے کے لئے ایک فرانسیسی موجد نے آلۂ مکبرالصوت کا ایک نیا نمونہ تیار کیا ھے جسے گاڑی کے پیچھے نصب کر دیتے ھیں - پیچھے آنے والی گاڑیوں کی آواز اس آلے اور متصلہ ٹیلیفون کے ذریعے سے ڈرایور تک پہنچ جاتی ھے اور وہ ھر وقت ھوشیار ھوکر اپنی گاڑی کو ایک طرف کر لیتا ھے —

متجسس روشنی کا استعمال نمائندے کی حیثیت سے | مقرروں اور خطیبوں کو دوران تقریر میں تختۂ سیاہ کے نشانات اور تحریر وغیرہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایک چھوٹی سی لکڑی جسے نمائندہ کہتے ھیں استعمال کرنا پڑتی ھے اور اس سے سامعین کو توجہ دلانا مقصود ھوتا ھے - چونکہ رات کے وقت اس لکڑی سے کام لینے میں فی الجملہ دقت ھوتی ھے اس لیے وسٹنگس ھاؤس کے انجینیروں نے متجسس روشنی (سوچ لائٹ) کا نمائندہ تیار کیا ھے - یہ نمائندہ فولادی ھے اور اندر سے پولا رکھا گیا ھے - اس میں بیٹری رکھدی ھے اور اس کے سرے پر بلب لگا دیا ھے ' دستے میں بٹن لگا ھوا ھے جسے دباتے ھی بلب روشن ھو جاتا ھے - کہا جاتا ھے کہ یہ روشنی مشار الیہ حصے پر آنکھوں کی روشنی کو مجتمع کرنے میں مدد دیتی ھے —

رات میں پہننے کے لیے تابناک جوتے | حال میں ایسے جوتے اور سلیپر تیار کیے گئے ھیں جو رات میں روشن ھوکر ٹھوکر لگنے اور پاؤں کو ناھموار زمین میں پڑنے سے محفوظ رکھتے ھیں - جوتے کی ایڑی میں آگے کی طرف ایک برقی روشنی کا بلب لگا ھوتا ھے ' جو ھر قدم پر روشن ھوکر راستے سے آگاہ کر دیتا ھے ' اس کی بیٹری خاص قسم کی چھوٹی سی بنائی جاتی ھے اور ایڑی میں نصب کر دی جاتی ھے - اس غرض

کے لیے جوتے بھی خاص وضع و اهتمام کے بنے هوے استعمال کیے جاتے هیں۔ جوتے کی ایڑی بناتے وقت اس کا احتیاط رکھا جاتا هے کہ ناگہانی صدمات سے بلب وغیرہ ٹوٹنے سے محفوظ رهیں —

برقی روشنی کے دو زبردست بلب

بہت دن سے امریکہ کے ایک علمی ادارے میں دو برقی بلب نہایت عظیم‌الشان اور هولناک تیار کیے جا رهے تھے۔ تھوڑے هی دن هوے جب ان کی تیاری اختتام کو پہونچی۔ یہ بلب ۸ ملین (اسی لاکھ) وولٹ طاقت کی برقی روشنی مہیا کرنے کے لیے بنائے گئے هیں اور ان کی مدد سے ذرہ اور اس کے اجزا پر تحقیقات مطلوب هے —

ترکی میں سگریٹ نوشی کا انسداد

استنبول کی خبروں سے معلوم هوا هے کہ وهاں تمباکو نوشی اور سگریٹ نوشی کے خلاف نہایت شدید جارحانہ تحریک شروع هو گئی هے۔ اس تحریک سے سگریٹ فروخت کرنے والے اداروں میں بہت زیادہ قلق و اضطراب پھیل گیا هے۔ اس کا آغاز اس طرح هوا کہ آستانے کے ایک تجارتی کالج کے پروفیسر نے تمباکو نوشی کے خلاف ایک لکچر دیا اور اس میں اس کی مضرتیں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیں۔ لکچر ختم هونے پر بہت سے طلبا اٹھے اور انہوں نے اپنی سگریٹ کی ڈبیاں اور سگریٹ کیس زمین پر پھینک مارے اور شہر کی سڑکوں میں پھر کر لوگوں کو سگریٹ نوشی سے باز آنے کی نصیحت کرنا شروع کی۔ اور جا بجا اس کے نقصانات بیان کرتے پھرے۔ اس تحریک کا شہر میں بہت اثر هوا اور طلبا کا یہ عملی اقدام اور پر زور مظاهرہ رنگ لا کر رها۔ اب ترکوں میں انسداد سگریٹ نوشی کے لیے بڑی عجلت کے ساتھ غور کیا جا رها هے۔ حالانکہ

ترک دنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ اس عادت میں مبتلا تھے اور گزشتہ چند برسوں میں ان کی عورتوں میں بھی سگریٹ پینے کا مرض بہت بڑھ گیا تھا —

بلوری سونا

دنیا میں سونے کی جتنی قسمیں ہیں ان سب سے زیادہ قیمتی اور نادر بلوری سونا ہے - اس قسم کا سونا آج کل فیلاڈلفیا کے طبیعی اکاڈمی میں موجود ہے ' جو دیکھنے والوں کے لئے نہایت سلیقے سے محفوظ کر دیا گیا ہے —

فن پرواز کی ترقی

اب اس میں کوئی شک نہیں رہا ہے کہ ہوائی جہاز مستقبل میں سیر و سفر کا سب سے بڑا ذریعہ بن جائیں گے - عالمگیر جنگ کے بعد سے ان جہازوں کی صنعت میں نمایاں ترین ترقی ہوی ہے - اب تک اس صنعت کو شروع ہوے (۱۵۰) سال گزرے ہیں اور فضا میں انسان کی سب سے پہلی پرواز سنہ ۱۷۸۳ ع میں ہوی تھی —

جنین کی جنسیت پر اختیار

چند ماہ ہوے علم الوراثت کے موضوع پر نیویارک میں ایک سرکاری کانفرس منعقد ہوی تھی جس میں ہالینڈ کے سائنسدان ڈاکٹر سانڈرس نے لکچر دیا اور اس میں ڈاکٹر اونٹر برگر الہانی کے طریقۂ تحکم جنس جنین کی توضیح کی اور بیان کیا کہ ڈاکٹر اونٹر نے حیوانات کی بڑی جماعتوں میں بالخصوص ان کی ان قسموں میں جن کا گوشت غذاً استعمال ہوتا ہے ' جو بکثرت تجربات کیے ہیں ان سے ثابت ہوا ہے کہ ان حیوانوں میں اگر کاربونیٹ آف سوڈا کے محلول کی تلقیح کی جائے تو اکثر حالات میں جنس جنین مذکر پیدا ہوتی ہے ' ترشی دار مادہ جنس

اناث پیدا کرتا ہے بر خلاف مادۂ قلویہ کے جو نسل کو جنس ذکور میں پیدا کرتا ہے —

مگر بعض امریکی علما کا دعویٰ ہے کہ جو تجربات امریکہ میں کیے گئے ہیں ان سے ڈاکٹر اونٹر برگر کے طریقے کی صحت ثابت نہیں ہوئی —

آواز پھیلانے کا نیا آلہ

خطیب یا لکچرار جب کسی بڑے جلسے میں تقریر کرتا ہے تو اس کی آواز دور تک پہنچانے کے لیے آلہ مکبرالصوت استعمال کیا جاتا ہے' یہ آلہ بہت دن سے کام میں لایا جارہا ہے لیکن اس کے استعمال میں ایک قباحت یہ تھی کہ خطیب کو اس آلے کے قریب ایک معین فاصلے اور معین مقام پر کھڑا رہ کر تقریر کرنا پڑتی تھی۔ اس طرح اس کی آزادی میں فرق آتا تھا اور خیالات پورے طور پر مجتمع نہ رہ سکتے تھے' گویا مقرر کو ایک ہی وضع کا پابند رہنا ضروری تھا۔ اس قباحت کو دور کرنے کے لیے "لاپیل میکروفون" نام کا ایک آلہ بنایا گیا ہے۔ یہ آلہ مقرر کے کپڑوں میں لگادیا جاتا ہے اور اس سے وہی مقصد حاصل ہوتا ہے جو مکبرالصوت کے مروجہ طرز سے ہوتا ہے۔ اب مقرر بالکل آزاد ہے جس طرح چاہے ہلے جلے۔ اس کی کسی حرکت یا جنبش سے کوئی حرج نہ ہوگا۔ آلے کی بناوٹ میں اس کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جسم کی حرکت یا اور دوسری غیر مطلوبہ آوازیں اس کے ذریعے سے نہ پھیلیں۔ توقع ہے کہ عنقریب تمام اجتماعی تقریبوں اور جلسوں میں اس نئے مکبرالصوت کا رواج ہو جائے گا۔

ہندوستان میں گیس منٹل کی ساخت

ہندوستان میں گیس کے لیمپوں کے جو منٹل فروخت ہوتے ہیں وہ اتنے نازک ہوتے ہیں کہ چھوتے ہی

ٹوٹ جاتے ھیں۔ اور جو ان عیبوں سے خالی ھوتے ھیں وہ بہت گراں ھوتے ھیں۔ حال ھی میں بنگلور کے ڈاکٹر کرشنا مورتی نے ایسے منقل بنائے ھیں جو جرمنی اور دوسرے بیرونی ممالک کے منقل (جالی) سے بدرجہا اچھے اور پائدار ھوتے ھیں۔ ان میں بڑی لچک ھوتی ھے۔ چھونے میں ربر کی طرح چھوٹے ھوتے ھیں۔ بنگلور کیمیکل اینڈ مینو فکچرنگ کمپنی انہیں تیار کررھی ھے۔ توقع ھے کہ اس ھندوستانی صنعت کو خاطر خواہ کامیابی ھوگی —

جذام غیر متعدی ھے

فرانس میں ایک مقام ھے تاھتی جہاں جذام کے مریض رکھے جاتے ھیں اور وھیں ان کا علاج کیا جاتا ھے۔ کچھ مدت سے موسیو جے۔ ایم۔ لی می فرانس کے ایک مشہور ڈاکٹر اسی مقام پر جذام کی تحقیقات میں مصروف ھیں۔ یہ ناک کے امراض کے معالج خصوصی ھیں۔ انہوں نے بہت دن تحقیقات کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ھے کہ جذام چھوت چھات والا مرض نہیں ھے۔ ان کی رائے میں جذام اور دق کے جراثیم ایک ھیں۔ دق کے جراثیم ایک جسم سے دوسرے جسم میں ھوا سے پہونچتے ھیں اور جذام کے جراثیم زمین سے جسم میں پھیلتے ھیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے نتائج کو مزید تقویت دینے کے لیے کئی ایسے اشخاص کی مثالیں فراھم کی ھیں جو بیس بیس برس تک جذام کے مریضوں کے ساتھ رھے اور انہیں کوئی تعدیہ نہیں ھوا۔ ان کے نزدیک جذامی کو عام آبادی سے دور رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔ تاھتی میں اب جذاموں سے کام بھی لیا جاتا ھے۔ ڈاکٹر لی می کی رائے ھے کہ ایسے مریضوں سے کام بھی لینا چاھئے اس طرح وہ اپنے مرض کو بھولے رھتے ھیں اور دوا و علاج کے کارگر ھونے کی زیادہ توقع ھوسکتی ھے۔

(م - ز - م)

شذرات

اس پرچے کے ساتھ سائنس کی عمر کا چھٹا سال ختم ہوکر ساتواں سال شروع ہوتا ہے - سال گزشتہ اس موقع پر ادارۂ انتظامیہ نے سائنس کی قیمت میں تخفیف کا اعلان کیا تھا جس سے متعدد حضرات و طلبا نے فائدہ اُٹھایا - ظاہر ہے کہ یہ قیمت اب یہی رہے گی - اُمید ہے کہ دیگر حضرات بہ تعداد کثیر اس طرف متوجہ ہوں گے —

حسب سابق ہم اپنے تمام قلمی معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہیں' جنہوں نے اپنے مضامین سے رسالے کے صفحات کو زینت بخشی - اس سلسلے میں بعض اصحاب کو یہ شکایت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے مضامین کی اشاعت میں بہت تاخیر ہو جاتی ہے - اس کے متعلق یہ عرض کر دینا کافی ہوگا کہ سائنس کے صفحات کی تعداد محدود ہوتی ہے اور مضامین اکثر اس سے بڑھ جاتے ہیں - ایسی صورت میں لامحالہ بعض مضامین کو دوسری اشاعت کے لیے ملتوی کرنا پڑتا ہے - کوشش یہی رہتی ہے کہ مضامین جلد سے جلد اشاعت پا جائیں —

۱۹۳۴ ع کے شروع ھی میں ھندوستان کا سب سے بڑا المناک حادثہ بہار کا زلزلہ ھے۔جو کسی طرح نمونۂ قیامت سے کم نہیں تھا۔جان اور مال کے نقصان کا اندازہ ابھی تک صحیح طور پر نہیں کیا جا سکا ھے۔ اتنا یقینی ھے کہ جان کا نقصان ہزاروں میں اور مال کا کروڑوں میں شمار کیا جاسکتا ھے —

یہ زلزلہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ ع کو دن کے دو بجے کے وقت آیا۔اور اس کے جھٹکے ابھی تک بند نہیں ہوے ھیں - اسی بنا پر کلکتہ کے ماھر ارضیات نے لوگوں کو مشورہ دیا ھے کہ وہ برسات تک پختہ مکانات نہ بنوائیں —

اسی ماھر کا یہ بیان بھی شائع ھوا ھے کہ اب ایک طویل عرصے تک اس خطۂ ملک کو زلزلے سے خطرہ نہیں - لیکن یہ سب باتیں ظنیات میں شمار ھیں نہ کہ یقینیات میں - حقیقت یہ ھے کہ زلزلہ ھی ایک ایسا واقعہ ھے ' جس میں انسان کو اپنی بے بسی کا پورا پورا اندازہ ھوجاتا ھے۔اور زلزلے کے "شے عظیم" ھونے میں کوئی شک بھی نہیں - ھم انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں ایک مضمون میں زلزلے کے جملہ پہلو واضح کرنے کی کوشش کریں گے —

بہت کم لوگوں کو اس کا علم ھوگا کہ جناب شاہ محمد سلیمان صاحب ' چیف جسٹس ' الہ آباد ھائی کورٹ باوجود اپنی مصروفیتوں کے ٹھوس علمی مباحث میں بھی حصہ لے سکتے ھیں - واقعہ یہ ھے کہ انھوں نے انگلستان سے جامعۂ کیمبرج سے ' ٹرائی پاس ' کا امتحان ریاضی میں کامیاب کیا - موصوف نے حال ھی میں ایک رسالہ شائع کیا ھے جس میں عالم

طبیعیات کے لئے اپنا ایک نظریہ پیش کیا ہے - ہم کو افسوس ہے کہ جگہ کی قلت کی وجہ سے اس مرتبہ اس رسالے کے اقتباسات شائع نہ کر سکے - انشاءالله آئندہ اشاعت میں اس کی تلافی ہو جائے گی —

امسال آل انڈیا سائنس کانگریس کا اکیسواں سالانہ اجلاس پونہ میں منعقد ہوا - جس کی تفصیلات اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ ملیں گی —

تبصرے

(۱) Properties of Matter از سی - جے - ایل ویگستاف ' ایم ' اے (کیمبرج) ناشرین' یونیورسٹی ٹیوٹوریل پریس لمیٹڈ ' ۲۷۹ صفحات ' ۱۹۳۳ ع - ملنے کا پتہ ' یونیورسٹی ٹیوٹوریل پریس ' لندن یا هندوستان میں اُن کے ایجنٹوں سے —

یہ اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن ھے - اس میں بالعموم ان ھی مضامین سے بحث کی گئی ھے جن پر طبیعیات کی کتابوں میں عام طور پر بحث نہیں کی جاتی - اسی لئے خواص مادہ کے تحت اس قسم کے تمام مضامین بیان کئے جاتے ھیں —

یونیورسٹی ٹیوٹوریل پریس نے اب تک جو کتابیں شائع کی ھیں وہ بہت مقبول ھوئی ھیں اور حقیقت میں ان کتابوں کی خاص خصوصیت یہ ھے کہ ھر موضوع کو نہایت واضح طور پر آسان پیرایے میں سمجھایا ھے - یہی خصوصیات اس کتاب میں بھی نظر آتی ھیں —

سابق کے ایڈیشن سے اس ایڈیشن میں اضافہ کیا گیا ھے ' چنانچہ مادے کے برقیاتی نظریہ ' اعلی تعددی طیوف ' زاوئی معیار حرکت ' کالف کے

کیلنڈ کی پرواز اور آلۂ گردش کے متعلق مزید معلومات بہم پہنچائی گئی ھیں۔

بایں ھمہ شروع کے چند بابوں میں وہ باتیں بیان کی گئی ھیں جو بالعموم طبیعیات کی دوسری کتابوں میں مل جاتی ھیں - اس لئے ھماری رائے میں اگر ان بابوں کو حذف کردیا جائے یا کم از کم مختصر کردیا جائے تو دیگر اھم مضامین ' مثلاً سادہ موسیقی حرکت ' نظریۂ تحرک یا سطحی تنش کے لئے زیادہ جگہ مل سکتی ھے —

بہرحال بہ صورت موجودہ کتاب بی اے کے متعلمین کے لئے موزوں اور اُن کے مطالعے کے قابل ھے —

---

(۲) Life & Experiences of a Bengali Chemist. از پروفلا چندر رے - ناشر ' چکرورتی ' چٹر جی اینڈ کو لمیٹڈ ' صفحات ۵۵۷ + ۲ ' ۱۹۳۲ ع ' قیمت پانچ روپے کلدار ناشرین سے مل سکتی ھے —

یہ کتاب بنگال کے مشہور و معروف کیمیا داں سر پروفلا چندر رے کی خود نوشت سوانح عمری ھے ۔ اس کتاب کو سر موصوف نے " جوانان ھندوستان " کے نام پر معنون کیا ھے بایں تمنا کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور اپنی سرگرمیوں کے لئے کوئی راہ تلاش کریں —

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ھے ۔ پہلے حصے میں اپنے خاندانی حالات تعلیم اور ملازمت کے کوائف بیان کئے ھیں اور دوسرے حصے میں تعلیمی ' صنعتی ' معاشی اور معاشرتی کوائف اور خدمات کا ذکر کیا ھے۔ کتاب کے دونوں حصے دلچسپ ھیں —

سر موصوف نے اپنی پیدائش اگست ۱۸۶۱ ع بیان کی ھے۔ پس حساب شمسی سے ان کی عمر اب ۷۳ سال کی ھوئی۔ باوجود اس پیرانہ سالی

کے جس سرگرمی اور جوش کے ساتھہ وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتے ھیں وہ بہت سبق آموز ھے ۔ سر موصوف کی زندگی بہت سادہ ھے ۔ وہ خود ھمہ وقت کھدر میں ملبوس رہتے ھیں اور اس کا پرچار بھی کرتے رہتے ھیں —

کتاب کلکتہ میں چھپی ھے ۔ اس کی ظاہری زیب و زینت قابل ستائش ھے ۔ کتاب مطالعے میں رکھنے کے قابل ھے —

---

(۳) ابتدائی سائنس ، حصہ اول ۔

از ڈاکٹر ڈی ۔ ڈی ۔ شیندار کر و جے ۔ ایم چتر ویدی مطبوعہ
شمس المطابع مشین پریس نظام شاھی روڈ ، حیدرآباد دکن
۱۳۴۲ ف م ۱۹۳۳ ع ۔ قیمت ایک روپیہ ۔ ملنے کا پتہ :
غلام دستگیر تاجر کتب چارکمان و عابد روڈ ، حیدرآباد دکن

چھوٹی تقطیع پر ۱۸۰ صفحے کی یہ کتاب ھر دو لائق مصنفین نے مدارس سرکارعالی کی جماعت پنجم کے لئے تالیف کی ھے ۔ نباتات ، حیوانات ، عضویات و حفظان صحت ، طبیعیات ، کیمیا ، اور ارضیات پر چھوٹے چھوٹے کوئی ۳۹ سبق جمع کئے ھیں ۔ سبقوں میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ھے کہ جس جماعت کے لئے وہ تیار کئے گئے ھیں اس کے طلبا ان کو بآسانی سمجھہ سکیں ، چنانچہ زبان صاف اور سادہ استعمال کی گئی ھے ۔ اور جا بجا شکلیں بھی دی گئی ھیں ، جن کا ایسی کتاب میں ھونا بہت ضروری ھے ۔ خوشی کا مقام ھے کہ شکلیں اچھی طبع ھوئی ھیں ، جس سے کتاب کی خوبی میں یقیناً اضافہ ھوا ھے ۔ ھر سبق کے آخر میں مشق کے لئے سوالات بھی دیے گئے ھیں —

کتاب کے سرورق پر ہر دو مصنفین کے ناموں کے درمیان 'اور' ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر 'از' آچکا ہے۔ ایسی صورت میں صرف 'و' کافی ہوتا اور صحیح بھی ہوتا۔ اس کا لحاظ کر لیا جاتا تو اچھا تھا —

بہرحال کتاب بہ حیثیت مجموعی مفید معلوم ہوتی ہے —

---

(۴) ابتدائی سائنس، حصہ دوم برائے جماعت ششم، قیمت ایک روپیہ

یہ بڑی چھوٹی تقطیع پر ۱۶۰ صفحے کی ایک کتاب ہے۔ جو اوپر کی کتاب کا حصۂ دوم ہے۔ ان ہی دونوں مصنفوں نے اسے بھی تصنیف کیا ہے۔ یہ کتاب چھٹی جماعت کے لئے لکھی گئی ہے۔ جو امور حصۂ اول کے لئے بیان کئے گئے ہیں وہ اس حصۂ دوم کے لئے بھی صحیح ہیں —

---

(۵) خیام

از علامہ سید سلیمان ندوی،

مطبوعۂ دارالمصنفین، اعظم گڑھ —

جیسا کہ سرورق پر تصریح ہے یہ کتاب ایک مقالے کی صورت میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس منعقدہ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ع بمقام پٹنہ پیش کی گئی تھی، لیکن اب چند اضافوں کے ساتھ کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہے —

صاحب کتاب کے نزدیک یہ کتاب خیام اور اس کے سوانح و تصانیف پر ناقدانہ تبصرہ ہے۔ درحقیقت ہے بھی ایسا ہی —

کتاب تقریباً پانسو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ شروع میں ایک مفصل فہرست دی گئی ہے گو ابواب کا شمار کہیں نہیں کیا گیا، ساتھ

هی خیام کی تصانیف کے چند خوبصورت چربے شروع میں دئیے گئے هیں - آخر میں خیام کے چند اصل رسائل بھی شامل کئے گئے هیں —

یورپ نے ' رباعیات خیام ' کی وجہ سے خیام کو بہت سراھا ' جس کا نتیجہ یہ هوا کہ وہ ایک شاعر کی حیثیت سے مشہور هوکر رہ گیا ' لیکن سید صاحب موصوف نے نہایت تحقیق و کاوش سے اس خیال کو دور کرنے کی کوشش کی هے اور اس امر کے ثابت کرنے میں اُن کو یقیناً کامیابی هوئی هے کہ خیام کی حیثیت شاعر سے کہیں زیادہ فلسفی اور ریاضی داں کی هے - اسی طرح بہت سے بے سروپا قصے جو خیام سے منسوب کردیے گئے هیں اُن کی بھی تغلیط کی هے - هم انشاءالله آئندہ اشاعت میں اس کے بعض رسائل پر تبصرہ کر سکیں گے —

کتاب کی ظاهری زیب و زینت کے لئے اتنا هی کہدینا کافی هے کہ وہ دارالمصنفین میں چھپی هے - اسی طرح معنوی خوبیوں کی ضامن بھی خود مصنف کی ذات هے —

اردو

انجمن ترقیء اُردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے - اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے —

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے- رسالے کا حجم ڈیڑہ سو صفحے ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ —
قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی [آٹھہ روپے سکۂ عثمانیہ]

المشتہر : انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد - دکن

نرخ نامۂ اجرت اشتہارات اُردو و سائنس

کالم	ایک بار کے لئے	چار بار کے لئے
دو کالم یعنے پورا ایک صفحہ	۱۰ روپے سکۂ انگریزی	۴۰ روپے سکۂ انگریزی
ایک کالم (آدھا صفحہ)	۵ روپے سکۂ انگریزی	۲۰ روپے سکۂ انگریزی
نصف کالم (چوتھائی صفحہ)	۲ روپے ۸ آنے سکۂ انگریزی	۱۰ روپے سکۂ انگریزی

رسالے کے جس صفحہ پر اشتہار شائع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونے کے لئے بھیج دیا جائے گا - پورا رسالہ لینا چاہیں تو اس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ انگریزی براے رسالۂ اُردو و رسالۂ سائنس اس کے علاوہ لی جاے گی —

المشتہر : انجمن ترقیء اُردو اورنگ آباد - دکن

سائنس

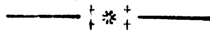
۱ - یہ رسالہ انجمن ترقی اُردو کی جانب سے جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے —

۲ - یہ رسالہ سائنس کے مضامین اور سائنس کی جدید تحقیقات کو اُردو زبان میں اہل ملک کے سامنے پیش کرتا ہے - یورپ اور امریکہ کے اکتشافی کارناموں سے اہل ہند کو آگاہ کرتا اور اِن علوم کے سیکھنے اور ان کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلاتا ہے —

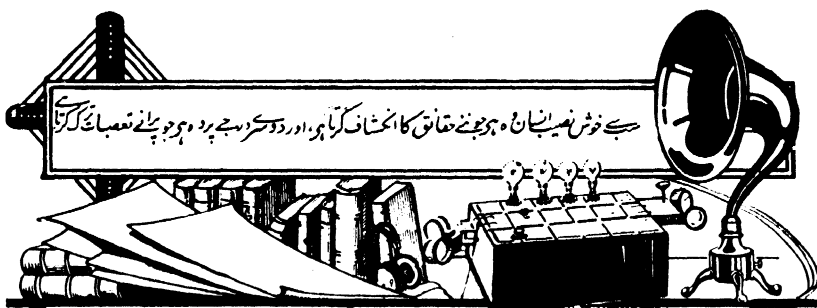
۳ - ہر رسالے کا حجم تقریباً ایک سو صفحے ہوتا ہے —

۴ - قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی ہے (آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ)

۵ - تمام خط و کتابت :- آنریری سکریٹری - انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاہیے —



(باہتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اُردو پریس اُردو باغ اورنگ آباد دکن میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سے شایع ہوا)



سائنس

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ

اطلاع

(۱) اشاعت کی غرض سے جملہ مضامین اور تبصرے بنام ایڈیٹر سائنس ۹۱۷، کلب رود، چادر گھاٹ حیدر آباد دکن روانہ کئے جانے چاہئیں —

(۲) مضمون کے ساتھ صاحب مضمون کا پورا نام مع ڈگری و عہدہ وغیرہ درج ہونا چاہیے تاکہ ان کی اشاعت کی جاسکے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ کی جائے —

(۳) مضمون صاف لکھے جائیں تاکہ ان کے کمپوز کرنے میں دقت واقع نہ ہو- دیگر یہ کہ مضمون صفحے کے ایک ہی کالم میں لکھے جائیں اور دوسرا کالم خالی چھوڑ دیا جائے - ایسی صورت میں ورق کے دونوں صفحے استعمال ہوسکتے ہیں —

(۴) شکلوں اور تصویروں کے متعلق سہولت اس میں ہوگی کہ علحدہ کاغذ پر صاف اور واضح شکلیں وغیرہ کھینچ کر اس مقام پر چسپاں کردی جائیں- ایسی صورت سے بلاک سازی میں سہولت ہوتی ہے —

(۵) مسودات کی ہر ممکن طور سے حفاظت کی جائے گی- لیکن اُن کے اتفاقیہ تلف ہوجانے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی -

(۶) جو مضامین سائنس میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوں اُمید ہے کہ ایڈیٹر کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ شائع نہ کیے جائیں گے -

(۷) کسی مضمون کو ارسال فرمانے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ صاحبان مضمون ایڈیٹر کو اپنے مضمون کے عنوان، تعداد صفحات، تعداد اشکال و تصاویر سے مطلع کر دیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کے لیے پرچے میں جگہ نکل سکے گی یا نہیں - کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مضمون پر دو اصحاب قلم اٹھاتے ہیں - اس لیے توارد سے بچنے کے لئے قبل از قبل اطلاع کردینا مناسب ہوگا -

(۸) بالعموم ۱۵ صفحے کا مضمون سائنس کی اغراض کے لئے کافی ہوگا -

(۹) مطبوعات برائے نقد و تبصرہ ایڈیٹر کے نام روانہ کی جانی چاہئیں - مطبوعات کی قیمت ضرور درج ہونی چاہئے —

(۱۰) انتظامی امور و اشتہارات وغیرہ کے متعلق جملہ مراسلت منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاہئے —

جلد ۷ سائنس اپریل سنہ ۱۹۳۴ ع نمبر ۲۶

مرتبۂ مولوی نصیر احمد صاحب عثمانی ام - اے ' بی - ایس سی - (علیگ)
معلم طبیعیات کلیۂ جامعۂ عثمانیہ ' حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

تخلیق انسان و حیات

پر

ایک مکالمہ

(۱۱)

عہد حجری میں مسکرات کا استعمال

اور

اس کی ممانعت

مسٹر ماک :- جناب ڈاکٹر وسلر صاحب، گزشتہ گفتگو میں آپ نے فرمایا تھا کہ عہد حجری جدید کے لوگوں نے فصلیں تیار کرنا شروع کردی تھیں - یعنی زراعت کوئی ۲۰،۰۰۰ برس اُدھر سے شروع ہوئی - اُن ابتدائی دنوں میں لوگ کھاتے پیتے کیا تھے؟

ڈاکٹر وسلر :- چیزیں تو وہ وہی کھاتے تھے جو آج آپ استعمال فرماتے ہیں، یعنی یہی گوشت، مچھلی، ترکاری، روٹی، دال، پھل وغیرہ، البتہ اُن کو وہ تیار اس ابتدائی طریقے سے کرتے تھے کہ آپ کا ذائقہ شاید اُسے پسند نہ کرے - لیکن ایک بات وہ ایسی کرتے تھے جو آپ نہیں کرتے اور نہ آپ سے توقع ہے کہ آپ کرتے ہوں گے - یعنی اپنے کھانے کو وہ بیر (Beer) اور ایل (Ale) اور بعد میں

شراب (Wine) کا غسل دیا کرتے تھے —

مسٹر ماک :- تو مے نوشی اتنی قدیم ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- بے شک - غلے کی فصلیں جب تیار ہونے لگیں تو اس کے ساتھ ہی بادہ خانہ ساز بھی تیار ہونے لگی - علاوہ ازیں شراب کے لئے لوگوں نے دوسرے اناج کے تیار ہونے کا انتظار نہ کیا - کسی کو کھیتی باڑی تک کا خیال نہ آیا ہو گا کہ سائبیریا کے رہنے والوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ گھوڑی کے دودھ میں خمیر اُٹھ آے تو وہ مقوی اور محرک ہو جاتا ہے - غالباً دنیا کا سب سے پہلا نشہ یہی ہے - اس کو "کومیس" کہتے ہیں - آج بھی روس کے بعض حصوں میں اس کا رواج ہے - پس منشیات کا مسئلہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود نشہ - انسانی فطرت میں بہت کم تغیر واقع ہوا ہے - ہزاروں برس سے ہر بعض قوموں نے ممانعت کے قوانین جاری کر کے نشہ بازی پر غالب آنا چاہا —

مسٹر ماک :- وہ قوانین کیا تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- ابھی عرض کروں گا ' لیکن پہلے کچھ کھیتی باڑی کے متعلق عرض کرنا ہے - اس سلسلے میں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ پہلے کاشتکار عورتیں تھیں نہ کہ مرد —

مسٹر ماک :- ایسا کیوں تھا؟

ڈاکٹر وسلر :- آپ کو یاد ہو گا کہ لوگوں میں سب سے پہلے شکار ہی کا آغاز ہوا تھا - چنانچہ جب لوگ شکار کھیلنے چلے جاتے

تو عورتیں قبیلے کی جاے قیام کے نزدیک جڑیں، گرھیں اور ترکاریاں جمع کر لیتیں - اس کے بعد جب لوگوں کو بیجوں سے پودوں کے پیدا کرنے کا حال معلوم ہو گیا تو عورتیں خانہ چمن میں ترکاریاں بولیتیں اور اپنے باغوں اور چمنوں کی نگہداشت کرتیں - اور مرد شکار مار کر گھر واپس آتے —

مسٹر ماک :- سب سے پہلے کس کو معلوم ہوا کہ بیجوں سے درخت پیدا ہو جاتے ہیں ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کے متعلق متعدد نظریے ہیں - ایک نظریہ تو یہ ہے کہ 'کاشتکاری' کو ان قوموں میں سے کسی ایک نے 'ایجاد' کیا جو اپنے مُردوں کے ساتھ غلہ وغیرہ دفن کیا کرتے تھے تاکہ آخرت میں اُن کے کام آے - جب دوسرے موسم بہار میں یہ لوگ پھر اُن قبروں کی طرف گئے تو راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ کلے پھوٹ آے ہیں - چنانچہ اُن میں سے ایک ذکی اور فہیم شخص نے ایک دن بالآخر یہ راز معلوم ہی کر لیا کہ بیجوں کو بونے سے درخت پیدا ہو سکتے ہیں —

مسٹر ماک :- کیا آپ اس پر یقین کرتے ہیں ؟

ڈاکٹر وسلر :- مجھے تو بہت کچھ شبہہ ہے - جو لوگ اس قدر ہوشیار تھے کہ ریچھ اور ہاتھی وغیرہ کو پھانس لیا کرتے تھے ان کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ وہ قبروں سے کلوں کو پھوٹتا دیکھیں ، جب یہ راز ان پر کھلے - اُن کی قوت

مشاہدہ بہت تیز تھی - وہ اپنے چاروں طرف درختوں کو اُگتے اور پھولوں کو پھلتے دیکھتے تھے - اور انہوں نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ بعض درخت ہر موسم گرما میں پیدا ہو جاتے تھے - علاوہ ازیں جو لوگ اپنے مُردوں کو جلاتے تھے وہ بھی دوسروں کی طرح کاشتکار ہو گئے -

مسٹر ماک :- شکار بازی سے کاشتکاری میں تبدیلی کا سبب کیا ہوا - پھر بجاے عورتوں کے مردوں نے فصلوں کی آبیاری کیوں شروع کر دی ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کا سبب خاص تو یہ تھا کہ لوگوں نے اپنے قرب و جوار میں شکار ضرورت سے زیادہ کھیلا ، جس کی وجہ سے جانور یا تو کمیاب ہو گئے یا پھر نایاب ہی ہو گئے - اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ تدریجی طور پر ہوا - سینکڑوں برس تک صرف عورتیں ہی کاشتکاری کرتی رہیں اور اپنے طویل تجربے کی بنا پر اس میں ہوشیار ہوگئیں - جب جانور قریب قریب نایاب ہو گئے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ فصلیں پیدا کرنا شکار کا اچھا بدل ہوگا - کیونکہ اس طریقے سے آدھی ہی محنت میں غلہ اُن کے دروازوں ہی پر پیدا ہو جاتا تھا - پس رفتہ رفتہ انہوں نے یہ کام اپنے ہی ذمے لے لیا اور اس طرح قبل تاریخی کاشتکارنوں کا خاتمہ ہو گیا - عمل ترک و اختیار سے انہوں نے بہت سے مغذی غلے دریافت کر لیے —

مسٹر ماک :- میرے خیال میں روٹی اس کے بعد ہی ایجاد ہو گئی ہو گی —

ڈاکٹر وسلر :- سو میں سے ننانوے لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں - لیکن یہ تو ایسا ہی ہے جیسے گاڑی گھوڑے کے آگے لگائی جائے - واقعہ یہ ہے کہ کاشتکاروں سے بہت پہلے طباخ اور چکی والے موجود تھے - پہلے بیجوں کے بوئے جانے سے صدیوں پہلے روٹی تیار ہوتی تھی - عہد حجری قدیم کے شکاری، جو زراعت کے متعلق اتنا ہی جانتے تھے جتنا کہ پیانو کے متعلق، روٹی پکاتے اور کھاتے تھے —

مسٹر ماک :- آپ کو معلوم کیونکر ہوا کہ وہ ایسا کرتے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ اس طرح کہ جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں ان کی قدیم گیہوں کی روٹیاں پائی گئی ہیں -

مسٹر ماک :- تو وہ تو دنیا بھر کی روٹیوں سے سخت تر ہوں گی - وہ تھیں کس چیز کی ؟

ڈاکٹر وسلر :- احتیاط کے ساتھ تحلیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ موٹے پسے ہوئے جنگلی غلے کی روٹیاں ہیں - لیکن اس سے پہلے بھی بلوط کے کوفتہ پھلوں وغیرہ سے روٹی تیار کی جاتی تھی - بحرالکاہل کے ساحلوں میں اب بھی ایسے باشندے پائے جاتے ہیں جو اس قسم کی روٹیاں کھاتے ہیں - اولاً عہد حجری کے لوگ غلہ کچا کھاتے تھے، جیسے کہ ان کے بندر نما مورث کھاتے تھے - دوسرا

قدم یہ تھا کہ ان کو پیس کر پانی میں ملایا جائے تاکہ وہ ہضم کے زیادہ قابل ہو جائیں -

مسٹر ماک :- لیکن پکانے کا خیال ان کو کیونکر پیدا ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- کسی غار باش نے تھوڑا سا یہ آمیزہ گرم پتھر پر ڈال دیا ہوگا - گرمی سے وہ پک گیا ہوگا غار باش نے چکھا ہوگا اور مزے میں اچھا پایا ہوگا - اسی شخص نے اتفاق سے نان گیر (Griddle) اور نان گندم دونوں ایجاد کر ڈالے - بعد میں لوگوں نے اس میں اصلاح کی اور نانوں کو گرم راکھہ سے ڈھکنے لگے - اسی کو طباخی کی ابتدا کہنا چاہئے - جو لوگ صرف گوشت پر زندگی بسر کرتے تھے ان کو یہ نان بہت لذیذ معلوم ہوئی ہوگی اور اس لیے بہت جلد عام پسند ہو گئی ہوگی - پس آپ نے دیکھا کہ سینڈوچ (Sandwich) کے اجزا یعنی گوشت اور روٹی دنیا کی قدیم ترین غذاؤں میں سے ہیں —

مسٹر ماک :- اولین کاشتکار کون سی چیز تیار کرتے تھے —

ڈاکٹر وسلر :- ان ۲۰٬۰۰۰ برسوں میں فصلوں میں کچھہ زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی ہے - وہ یہی غلے یعنی گیہوں ' جو اور دیو گندم (Rye) پیدا کرتے تھے - اسی طرح ہماری بہت سی ترکاریاں اور ہمارے پھل اتنے ہی قدیم ہیں - عہد حجری جدید کے لوگ شلجم' گاجر' گوبھی' سیب' ناشپاتی' آڑو اور انگور پیدا کرتے تھے —

مسٹر ماک :- حیرت اور تعجب ہے - آپ کا مطلب یہ کہ ان لوگوں کے پاس وہی پھل اور وہی ترکاریاں تھیں جو اسی شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہیں —

ڈاکٹر وسلر :- بالکل ایسا تو نہیں ہے - ان دنوں جس ابتدائی اور جنگلی حالت میں بعض چیزیں تیار کی جاتی تھیں اس کی وجہ سے آپ انہیں پہچان بھی نہ سکیں گے - مثال کے طور پر سیب لے لیجئے - اس زمانے کے سیب چھوٹے چھوٹے اور ناہموار سے ہوں گے نہ کہ اس بڑے خوشرنگ اور شاداب سیب کی طرح جو ہم تیار کرتے ہیں - بایںہمہ وہ پھل بھی یہی تھے اور وہ ترکاریاں بھی یہی تھیں —

مسٹر ماک :- تو پھر کاشتکاری کا آغاز کہاں سے ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- مجھے خوشی ہے کہ آپ نے یہ سوال کیا - کیونکہ اس سے مجھے ایک توضیح کا موقع مل گیا - جب آپ نے ابھی مجھ سے اولین کاشتکاروں کا حال پوچھا تھا تو میں نے یہی سمجھا کہ آپ کی مراد دنیاے قدیم کے کاشتکاروں سے ہے - آپ جانئے آج کل عام طور پر اسی پر یقین کیا جاتا ہے کہ کاشتکاری نے دو مقاموں پر ایک دوسرے سے علاحدہ نشو و نما پائی - یعنی ایک تو دنیاے قدیم میں اور ایک امریکہ میں —

مسٹر ماک :- اس کا سبب ؟

ڈاکٹر وسلر :- یہ امرکہ بالکل مختلف درخت پیدا کئے گئے - امریکہ میں مکا ، سفید اور میٹھے آلو ، ٹماٹر ، سیاہ مرچ ، کیلا ،

اننناس ' بڑی مولی کی طرح کی ایک جڑ ' کوکو ' تمباکو
جیسی کوئی ساتھہ چیزیں ایسی ھیں جن میں سے
ایک بھی یوروپی نہیں - اس کے برخلاف گندم ' دیو
گندم ' جو ' اور وہ پھل اور ترکاریاں جن کا میں نے
اس سے پیشتر ذکر کیا ' ان سب کو امریکہ میں کوئی
نہ جانتا تھا ' تاآنکہ سفید فاموں نے ان کو جاری کیا -
امریکہ میں کاشتکاری کی ابتدا کوئی ۱۰٬۰۰۰ برس
اُدھر مرکزی امریکہ میں ھوئی - وھاں اب بھی بعض
امریکی پودوں کے مورث اعلیٰ موجود ھیں - دنیاے
قدیم میں ۱۰٬۰۰۰ برس اور ادھر کاشتکاری کی ابتدا غالباً
بحیرۂ روم کے مشرق ساحل پر ھوئی —

مسٹر ماک :- اس کا مرز بوم آپ نے وھاں کیوں قرار دیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس لیے کہ جنگلی گیہوں کا وہ اب بھی مرز بوم ھے —

مسٹر ماک :- اور شراب کی کشید کی نسبت آپ کا کیا خیال ھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- یہ موضوع آپ کے لیے بہت دلچسپ معلوم ھوتا ھے -
روٹی کی طرح بیر (جو کی شراب) کو بھی ایک قبل
تاریخی کاشتکار نے اتفاق سے دریافت کرلیا - وہ اس
طرح کہ اس نے جو کے ملغوبے یا سانی کو یوں ھی رھنے
دیا تو اس میں تخمیر پیدا ھوگئی - باقی انسان کی
راز جوئی نے تکمیل کردی - سب سے پہلے جو اس نے
چند جام پئے ھوں گے بدقسمتی سے اس کی کوئی روئداد ھم
تک نہیں پہنچی - بہرحال شراب کی کشید بہت جلد

دور دور پھیل گئی - قدیم مصری اور دیگر قومیں جو سے بیر بناتی تھیں اور کہیں کہیں دیو گندم سے بھی اس کی کشید ہوتی تھی - بایںہمہ جیسا کہ میں شروع میں عرض کرچکا ہوں کاشتکاری کے زمانے سے بہت پہلے لوگ پانی پیتے پیتے گھبرا اٹھے تھے - اس لیے ان کو یہ دریافت ہوگیا کہ گھوڑی کے دودھ میں جب خمیر اُٹھہ آتا ہے تو اس میں ایک سرور پیدا ہوجاتا ہے نیز خمیر شدہ شہد کے شربت میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے —

مسٹر ماک :- شراب (انگوری) کی عمر کتنی ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- تقریباً ۱۵'۰۰۰ برس - قدیم مصری نقش ونکار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انگور کی بیلوں' انگور نچوڑوں' اور شراب کے جام وسبو سے واقف تھے - انجیل سے پتہ چلتا ہے کہ جس شخص نے شراب ایجاد کی وہ ایک مرتبہ بے لگام بھی ہوگیا تھا - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کے مسئلے مین کوئی نئی بات نہیں ہے —

مسٹر ماک :- کیا یہ ملک (امریکہ) قبل التاریخی زمانے میں " خشک " تھا —

ڈاکٹر وسلر :- اگر اس ملک سے آپ کی مراد شمالی امریکہ ہے تو وہ " خشک " تھا - شمالی امریکہ کے باشندے خمر سے بالکل ناواقف تھے تا آنکہ سفید فاموں نے آکر ان کو اس آب آتشین سے روشناس کرایا - البتہ مرکزی امریکہ

کی حالت مختلف تھی - وہاں کے باشندے غلہ یا کساوا (Cassava) سے چیچا (Chicha) بناتے تھے اور ایلوا کے عرق میں بھی تخمیر پیدا کرکے پلک (Pulque) بناتے تھے، جو میکسیکو میں اب بھی پیا جاتا ہے —

مسٹر ماک :- آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ قدیم زمانے کے ممانعت شراب کے قانون کے متعلق آپ کچھہ فرمائیں گے —

ڈاکٹر وسلر :- درست - چونکہ شراب کو دیوتاؤں کا عطیہ سمجھا جاتا تھا اس لیے قدیم زمانے میں لوگ اس کو تہواروں بالخصوص مذہبی رسموں پر ضرور استعمال کرتے تھے - مصریوں اور یونانیوں کے متعلق تو یہ بالکل صحیح ہے - لیکن جلد ہی اس کا رد عمل شروع ہوگیا - مذہبی مقتداؤں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے دیوتاؤں کی عزت کرنے میں لوگ بہت پیش پیش ہیں یہاں تک کہ مذہبی تعطیلوں میں بھی اسے ترک نہیں کرتے - اس لیے انہوں نے شراب کا پینا گناہ قرار دیا - ہندوستان میں برہمنوں اور بدھوں اور بعد میں مسلمانوں نے اس کی ممانعت کردی - ممانعت کا عجیب ترین قانون قدیم ازٹکوں (Aztecs) میں جاری تھا —

مسٹر ماک :- اُن کا قانون کیا تھا ؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ قانون یہ تھا کہ صرف بوڑھے مرد اور عورتیں تہواروں اور مذہبی رسموں پر شراب پی سکتے تھے، چنانچہ وہ لوگ دل کھول کر پیتے تھے - لیکن نوجوان

اور ادھیڑ عمر کے لوگوں کو اس کی سخت ممانعت
تھی چنانچہ وہ اگر پکڑے جاتے تھے تو ان کو سخت
سزا دی جاتی تھی —

مسٹر ماک :- اس کی وجہ کیا تھی ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس میں لطف یہ تھا کہ اس میں مذہبیت کا شائبہ
تک نہ تھا ، بلکہ اس کا دار و مدار عملیت پر تھا ۔
چنانچہ قدیم ازتکی مخطوطات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ
لوگ جوانوں کو مے نوشی سے اس لیے باز رکھنا
چاہتے تھے کہ اس جماعت کے کام کرنے والے بھی
نوجوان ہوتے تھے —

مسٹر ماک :- لوگوں کو برتن بناتے بناتے کتنا عرصہ گزر گیا ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کی عمر تو کوئی ۲۰،۰۰۰ برس معلوم ہوتی ہے ۔
آپ خود ہی خیال فرمائیے کہ شراب کی کشید بغیر
برتنوں کے ممکن نہ ہوسکتی تھی - رقیق چیزوں کا
لے جانا یا ان کا کسی عرصے تک رکھنا ممکن نہیں جب
تک کہ برتن نہ ہوں - بغیر ان کے کسی چیز کا پکنا
بھی آسانی سے نہیں ہو سکتا - یہ صحیح ہے کہ وہ
آگ کے اوپر گوشت کو بھون سکتے تھے اور بھونتے
تھے ، گرم پتھروں پر بھی اسے سینک لیتے تھے ، اور
گرم پتھروں پر اور گرم راکھ میں روٹیاں بھی
پکا لیتے تھے لیکن سچ پوچھئے تو وہ کسی چیز کو جوش
نہیں دے سکتے تھے - اس لیے پکانے کو ہم جس معنوں

میں لیتے هیں اس کی ابتدا کوزہ گری کی ایجاد هی سے هوئی —

مسٹر ماک :- کوزہ گری نے کہاں جنم لیا اور کس طرح ؟

ڈاکٹر وسلر :- کوئی نہیں جانتا کہ اس نے کہاں جنم لیا اور کہاں ابتدا هوئی - اور کچھہ برس ادھر تو هم یہ بھی اچھی طرح نہ جانتے تھے کہ اس کی ابتدا کیونکر هوئی - لیکن اب هم کو اس کے متعلق بہت کچھہ معلوم هو گیا هے - حال هی میں واشنگٹن کے ادارۂ کارنیجی کے ماهر آثار قدیمہ ایچ مارس نے ایسے شواهد دریافت کیے هیں جو میرے نزدیک کوزہ گری کی ابتدائی منزلوں کا پتہ دیتے هیں - جنوب مغرب میں قدیم ٹوکریاں بنانے والے باشندوں کے ملک میں ان کو دھوپ میں خشک شدہ کوزہ گروں کے چند برتن ملے هیں - مٹی میں بندش کے لیے اس میں درخت کی چھال پائی گئی هے ' جس طرح کہ قدیم مصری اس غرض کے لیے بھوسہ استعمال کرتے تھے —

مسٹر ماک :- کیا آپ کا یہ مطلب هے کہ کوزہ گری کی ایجاد اسی ملک میں هوئی ؟ —

ڈاکٹر وسلر :- هرگز نہیں - جو ظروف پائے گئے هیں وہ دوسری صدی قبل مسیح کے هیں اور دنیاے قدیم میں تو هزاروں برس پہلے یہ چیزیں موجود هوں گی - لیکن ان سے اس بات کا پتہ چلتا هے کہ کوزہ گری کی

ابتدائی کوششیں کس انداز کی تھیں - برتن اگرچہ مسامدار اور بے ڈھنگے تھے لیکن پہلے کے برتنوں سے یقیناً بہتر تھے —

مسٹر ماک :- اس سے پیشتر لوگ کیا استعمال کرتے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ پانی اور دوسری رقیق چیزوں کو چوبی بالٹیوں، چمڑے کی چھاگلوں اور گھنی بنی ہوئی ٹوکریوں میں لے جاتے تھے - بعض قبیلے ان ٹوکریوں میں گرم پتھر ڈال کر پانی کو جوش بھی دے لیتے تھے - اصلی کوزہ گری کی ایجاد اس وقت ہوئی جب کہ کسی مرد ہوشیار نے ان ٹوکریوں پر اندر کی طرف مٹی کی استرکاری کردی اور پھر ٹوکری کو جلا کر اس کو الگ کر دیا - اس طرح پہلا مٹی کا برتن تیار ہوا - اور برتن پر ٹوکری کی بناوٹ کے جو نشان بن گئے تھے ان کو برتنوں پر زیبائش اور آرائش کی ابتدا سمجھنا چاہئے —

مسٹر ماک :- یہ خیال پیدا کیسے ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- برسوں سے لوگ ایسی ٹوکریوں پر نیز چوبی ٹوکریوں یا بالٹیوں پر مٹی کی استرکاری کیا کرتے تھے اور ان کو خشک ہونے دیتے تھے تاکہ وہ آب بند ہو جائیں- اس میں اصلی انکشاف یہی تھا کہ اچھی گرم گرم آگ سے یہ عمل جلدتر اور بہتر انجام پاتا ہے —

مسٹر ماک :- ابتدائی کوزہ گری تو بالکل دستی ہوگی ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں - ہمارے یہاں کے انڈین اور افریقہ کے قدیم باشندے اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں - بایںہمہ کمہار کے چاک کی عمر کوئی ہزاروں برس کی ہے - دنیا میں قدیم ترین مشینوں میں سے ایک یہ بھی ہے - قدیم مصری بادشاہوں کی قبروں میں جو نقش و نگار ملے ہیں ان میں کمہاروں کو چاک چلاتے دکھایا ہے - جو صرف ایک چوبی قرص ہے - اس کو پہلے ہاتھ سے چلاتے تھے ' لیکن بعد میں اس میں یہ اصلاح کی کہ اس میں ایک پاؤں پہیہ اضافہ کردیا جس سے کمہار کے دونوں ہاتھ خالی ہوگئے تاکہ وہ برتنوں کو شکل دے سکے - اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ مصری ' چینی اور بعد میں یونانی اس فن کے استاد تھے - آج بھی کمہار کے چاک کو ایک پہیہ اور ایک پٹہ چلاتا ہے - لیکن اصول وہی ہے —

مسٹر ماک :- ہمارے مورث اعلیٰ پہنتے کیا تھے اور اولین پوشاک کس قسم کی تھی ؟

ڈاکٹر وسلر :- اولین پوشاک تو حضرت آدم اور حضرت حوا کی تھی ' لیکن اولین درزی البتہ اسکیمو اور چینی تھے —

مسٹر ماک :- اسکیمو اور چینی ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں - ابھی عرض کرتا ہوں - یورپ میں عہد حجری کا خوش پوش انسان پوستین اپنے بدن پر ڈال لیتا تھا - دوسرا قدم یہ اُٹھا کہ پوستین جسم پر اور پیروں

پر چڑھایا جانے لگا - پہلا کوٹ ھرن کی دو کھالوں سے بنایا گیا تھا - دونوں کھالوں کو ایک ساتھه کناروں پر باندہ دیا گیا اور دم اوپر رکھه کر پہنا گیا - پس ایک کھال سامنے سینے پر رھی اور اس کی دم گلے پر رھی اور دوسری کھال پشت پر رھی' اس کی دم گدی پر رھی - دونوں کھالوں کی ٹانگوں کو سی دینے سے دو آستینیں بن گئیں - یه وہ ابتدائی پوستین کی پوشاک ھے جو آپ کی جیکٹ کی صورت اصلی ھے -

مسٹر ماک :- ھرن کے سروں سے انھوں نے کیا کام لیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- اُن سے انھوں نے جوتے بنائے - یورپ کے بعض قدیم دلدلوں سے جو قدیم ترین پاپوش برآمد ھوئے ھیں وہ ھرن کے سروں کی کھالوں کے بنے ھوتے تھے کیونکه ھرن کے سر کچھه جوتے کے انداز پر ھوتے ھیں —

مسٹر ماک :- اب پاجامے کی کہئے ؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ تو بہت بعد میں آئے - کم سے کم یورپ میں تو ایسا ھی ھوا - ان کا نشو و نما پاپوشوں سے ھی ھوا - یا ان کھالوں سے جو سردیوں میں پنڈلیوں کے گرد لپیٹ لی جاتی تھیں - ابتدا میں لوگ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے تھے - ابتدائی لوگوں میں صرف اسکیمو ھی شمالی آب و ھوا سے مجبور ھوکر چست پوشاک پہنتے تھے - سب سے پہلے جوڑے (سوٹ) ان ھی لوگوں نے بنائے - اس میں کوٹ ھوتا تھا اور ایک پاجامه -

سنگین اوزاروں سے چمڑے کو کاٹ کر وہ کھالوں کو
پہننے والوں کے جسموں پر درست کر لیتے تھے - شمالی
سائبیریا کے میدان باشوں نے بھی یہی کیا - اس کے
بعد چینیوں کو اس کی ہوا لگ گئی - البتہ وہ
پوستین کی بجائے ریشم استعمال کرتے تھے - جب یورپ
میں پارچہ بافی کو فروغ ہوا تو چمڑے کی جگہ
کپڑے نے لے لی - لیکن اس وقت بھی کپڑے بدن کے
مطابق تراشے نہ جاتے تھے ' بلکہ جس حصۂ بدن پر ان کو
پہنا جاتا تھا اُسی شکل کے وہ بُن لیے جاتے تھے - ترشے
ہوئے اور چست کپڑے یورپ میں از منۂ وسطیٰ سے
قبل نمودار نہیں ہوئے —

مسٹر ماک :- پارچہ بافی کی ایجاد کب ہوئی ؟

ڈاکٹر وسلر :- اپنی سادہ ترین صورت میں پارچہ بافی اتنی ہی
قدیم ہے جتنی کہ خود نسل انسانی - یہ عجیب بات
ہے کہ پارچہ بافی کی ابتدا بھی وہی ٹھیرتی ہے جو
کوزہ گری کی ہے —

مسٹر ماک :- یہ کیونکر ممکن ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- آپ دیکھئے کہ ہمارے دوست کوزہ گر صاحب کو باریک
بنی ہوئی ٹوکری سے گلی ظروف کا جو خیال پیدا ہوا
تو یہیں سے پارچہ بافی کی بھی بنیاد پڑ گئی - تمام
وحشی قومیں نباتی ریشوں ' اون اور بالوں کو بٹ کر
ڈورے یا تاگے بناتے ہیں - یہ گویا کاتنے کی ابتدا

تھی - ان ھی ڈوروں کو ھڈی کی سوئیوں میں ڈال کر
وہ پوستین سیا کرتے تھے - دنیا کے مختلف حصوں میں
کھود کھود کر ایسے تکلے نکالے گئے ھیں جو گول پتھروں
کے بنے ھوئے ھیں اور ایسے معلوم ھوتے ھیں کہ بڑے
بڑے بٹن ھیں - ان کے مرکزوں میں سے ایک ڈنڈی
گزرتی ھے- اب کپڑا کیا ھے بجز اس کے کہ ڈوروں کو
ایک خاص طریقے سے بن دیا جاتا ھے - پس یہ بالکل
قدرتی بات تھی کہ ابتدائی انسان نے بننا سیکھ لیا،
جس طرح کہ نباتی ریشوں اور شاخوں کو اس نے
بننا سیکھ لیا تھا - ابتدائی کرگھہ ایک چوبی فریم
تھا - یہ بھی اتنا ھی قدیم ھے جتنی کہ کاشتکاری یعنی
کوئی ۰۰۰' ۲۰ برس اُدھر کا- اس فریم پر بہت سے
ڈورے جو تانے گئے تو یہ "تانا" کہلایا - پھر "بانا"
پہلے انگلیوں سے بنا جاتا تھا اور پھر ایک لکڑی سے
کام لینے لگے- مشجر بنانے والے اب بھی اس محنت طلب
طریقے سے کام لیتے ھیں —

مسٹر ماک :- اس میں اصلاح کس نے کی ؟

ڈاکٹر وسلر :- اسی ھوشیار قوم یعنی قدیم مصریوں نے - کم از کم
ان کی تصویروں سے ایسے کرگھوں کے وجود کا پتہ
چلتا ھے جس میں تانے کے تاگوں کو ایک ایک چھوڑ کے
آڑی پٹیوں پر چڑھا دیتے ھیں تاکہ بانے کے تاگوں
کو نال (Shuttle) کے ذریعے ایک ھی مرتبہ میں اِدھر

سے اُدھر پھینچا دیا جائے - یونانیوں اور رومیوں کے یہاں بھی اسی قسم کے کرگھے تھے - از منۂ وسطیٰ میں اور ان کے بعد بھی ان میں بہت کم تبدیلی ہوئی - پیروں سے چلنے والی نال کی عمر کوئی سو برس سے زیادہ کی نہیں ہے - ہماری بڑی بڑی کرنیوں (Mills) میں بھی وہ آج موجود ہے —

مسٹر ماک :- جن کاشتکاروں ' بافندوں اور کشیدہ کاروں کا آپ نے ذکر فرمایا وہ سب کے سب عہد حجری جدید میں رہتے تھے - یہ عہد کتنے عرصے تک رہا؟ - لوگوں نے دھاتوں کو سب سے پہلے کب استعمال کیا؟

ڈاکٹر وسلر :- کوئی ۵۰۰۰ ' ق - م - تک لوگ اپنے اوزاروں اور ہتھیاروں کے لیے لکڑی ' ہڈی اور پتھر استعمال کرتے تھے - بالفاظ دیگر عہد حجری جدید کوئی ۷۰۰۰ برس ادھر ختم ہو گیا - یہ دیکھہ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت سے اس وقت تک صرف ۲۱۰ ' نسلیں گزری ہیں —

مسٹر ماک :- تو پھر عجب نہیں جو میں اپنے عہد حجری جدید کے مورثوں کا پتہ لگا سکوں - اچھا سب سے پہلے کونسی دھات استعمال میں آئی؟ —

ڈاکٹر وسلر :- زیوروں کے لیے سونا - اوزاروں ' ہتھیاروں کے لیے تانبا —

مسٹر ماک :- تعجب ہے کہ وہ لوگ معدن سے تانبا کیوں کر برآمد کرتے تھے؟

ڈاکٹر وسلر :- ان کو معدن سے نکالنے کی ضرورت نہ تھی - بحیرۂ روم کے ساحلوں پر بہ مقدار کثیر تانبا خالص اور قابل استعمال حالت میں پایا جاتا تھا - اس کے علاوہ جزیرۂ قبرص میں، دنیائے قدیم کے دیگر مقامات میں، بحر اطلانتک کے امریکی ساحلوں پر، بالخصوص میکسیکو کی جھیل سوپیریر کے قریب اور بحر شمالی کے ساحلوں پر بھی پایا جاتا تھا - قدیم زمانے میں ایسکیمو اس کو استعمال کرتے تھے - سونے کی ڈلیوں کی طرح دھاتی تانبا بھی ٹھنڈی حالت میں کام میں لایا جا سکتا ہے —

مسٹر ماک :- عہد حجری جدید کے آدمیوں کو اس کا خیال کیونکر پیدا ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس سے پیشتر کی گفتگو میں عرض کر چکا ہوں کہ عہد حجری جدید عہد اختصاص تھا - اس زمانے کے لوگ خاص کاموں کے لیے خاص اوزار استعمال کرنے لگے تھے - فطرتاً ان کو اچھے سامان کی تلاش رہتی تھی - تانبا خالص حالت میں ہو تو پتھر سے غیر مشابہ نہیں ہوتا - اس کے دریافت کرنے والے یہ سمجھے ہوں گے کہ انہوں نے ایک تورق پذیر (Malleable) پتھر دریافت کر لیا ہے جس کو کوٹ کر وہ اوزار بنا سکتے ہیں - چنانچہ لوگ ہزار برس تک تانبے سے ہی کام لیتے رہے - اس کے بعد کانسے (Bronze) کا عہد آیا - اس

کو اب گن میٹل کہتے ھیں- یہ ۹ حصہ تانبا اور ۱ حصہ رانگ کا بھرت (Alloy) ھے- اس میں انہوں نے دو خوبیاں پائیں —

مسٹر ماک :- وہ کون کون سی ؟

ڈاکٹر وسار :- ایک تو یہ کہ وہ تانبے سے بہت زیادہ سخت ہوتا ھے - دوسرے یہ کہ ڈھالنے میں وہ آسانی سے بہتا ھے - اس وقت تک لوگوں کو تانبے کا پگھلانا اور پتھر کے سانچوں میں اس کا ڈھالنا آ گیا تھا- کام کرتے کرتے لوگوں کو معلوم ھوا کہ تانبے میں رانگ مل جائے تو وہ خالص نہیں رھتا لیکن پھر بہت آسانی سے بہتا ھے اور پھر اس سے سخت اوزار اور ھتھیار بن سکتے ھیں - تجربے سے ان کو صحیح تناسب معلوم ھوگیا - اس کے بعد وہ بالقصد رانگ کی تلاش میں سرگرم رھنے لگے - پہلے تو انہوں نے بحیرۂ روم کے شمال مشرقی ساحلوں پر بکثرت پایا - اس کے بعد انہوں نے اپنی دنیاے معلومہ کو چھان ڈالا - قدیم فنیقی (Phœnicians) رانگ حاصل کرنے کے لیے اپنے جہازوں کو اندلس تک بھیجتے تھے - روما والے اس کی خاطر انگلستان تک گئے - کانسہ بھی کوئی ہزار برس تک استعمال ھوتا رھا - پھر اس کے بعد کوئی ۳۰۰۰ ق-م سے عہد آھن شروع ھوا —

مسٹر ماک :- لوھے کا انکشاف کیونکر ھوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کے انکشاف کی ضرورت نہ تھی - وہ تو آسمان سے گر پڑا -

مسٹر ماک :- آسمان سے ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں - لوہے کا سب سے پہلا ماخذ شہابیے (Meteorites) ہی ہیں - اس میں شک نہیں کہ شہابی لوہے کی رسد بہت زیادہ نہ تھی - لیکن جتنا بھی لوہا اس طرح حاصل ہوا وہ تھا بہت عمدہ - وہ نکل دار فولاد کے بہت کچھ مشابہہ ہے ' سختی اور لچک میں بھی اسی کی ٹکر کا تھا - رہا کچدھات (Ore) سے لوہا تیار کرنا ' تو اس کا انکشاف اس وقت ہوا ہوگا جب کہ کچدھات والے کسی جنگل میں زبردست آگ لگ گئی ہوگی - کم از کم چینی مخطوطات میں تو یہ بیان ملتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہت کچھ صحیح ہے -

مسٹر ماک :- کیا سب سے پہلے آہنگر چینی ہی تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- بہت ممکن ہے - بعض سائنس داں تو یہ یقین کرتے ہیں کہ افریقہ کے حبشی اولین آہنگر تھے - اس خیال کی تائید میں دو امور ہیں - ایک تو یہ کہ افریقہ کے بعض حصوں میں لوہا ایسی خالص حالت میں پایا جاتا ہے کہ وہ نہائی پر رکھہ کر فوراً گھڑا جا سکتا ہے - سوڈان اور کانگو کے باشندے اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں - دوسرا امر یہ ہے کہ مصری آثار قدیمہ میں ایسی تصویریں ہیں جن میں افریقہ کے حبشی خراج لاتے

ہوئے دکھلائے گئے ہیں - بادشاہ کے قدموں پر جن
چیزوں کو وہ رکھتے ہیں وہ نیلی دکھائی گئی ہیں -
یہی وہ رنگ ہے جس سے مصری لوہے کو ظاہر
کیا کرتے تھے —

مسٹر ماک :- تو پہلی بھٹیاں کس قسم کی تھیں ؟

ڈاکٹر وسلر :- بس زمین میں گڑھے کھود لیے جاتے تھے —

مسٹر ماک :- دوران گفتگو میں آپ نے متعدد مرتبہ قدیم مصری
کا ذکر کیا - کیا نقاشی کے ساتھ ساتھ وہ لکھنا
بھی جانتے تھے —

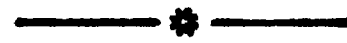
ڈاکٹر وسلر :- بے شک - ان کے پاس ایک تحریری زبان تھی لیکن فن تحریر
کا آغاز اور اس کا نشو و نما بجائے خود ایک داستان
ہیں لہذا اس کو آئندہ صحبت کے لیے اٹھا رکھئے —

طبیعی مظاہر کا ایک نیا نظریہ

از

جسٹس سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم اے -

ایل ایل ڈی ' چیف جسٹس الہ آباد



دیباچہ از سر موصوف

۱۹۰۹ع میں جب بمقام کیمبرج میں امتحان 'میتھیمیٹکل ٹرائی پاس کی تیاری کر رہا تھا ' تو میرے ذہن میں تجاذب کا ایک نیا نظریہ آیا ' جس کا انحصار بیرونی جذب پر نہ تھا ' جیسا کہ اب تک سمجھا جاتا ہے ' بلکہ مادے کے اندرونی عمل پر تھا - اس وقت میں نے اپنی بیاض میں چند باتیں لکھ لیں ' جن میں برق اور روشنی کے نئے نظریوں کے متعلق بھی چند امور تھے - وہ بیاض اب تک موجود ہے اگرچہ کیڑوں نے اُسے بہت کچھ کھا لیا ہے - لیکن بدقسمتی سے میں اپنے نئے نظریہ کی نہ تو تکمیل کر سکا اور نہ اسے شائع کر سکا - اس کے لیے میں وقت اور موقع کا منتظر تھا - لیکن چند ناگزیر امور کی بنا پر مجھے قانون پر اپنا سارا وقت صرف کرنا پڑا ' اس لیے سائنس سے بعد ہی ہوتا گیا - اس کے بعد میں یہی سوچتا رہا کہ اپنے نظریہ

کی تکمیل کر ڈالوں ' لیکن حالات نے مساعدت نہ کی - اور اب چونکہ مزاولت نہ رہی تھی ؛ اس لیے ریاضی اور طبیعیات سے برابر بعد ہوتا گیا - بنا بریں اپنے نظریہ کے شائع کرنے کی ہمت اپنے میں نہ پاتا تھا —

بایں ہمہ مجھے اس کا بھی احساس تھا کہ ممکن ہے کہ کسی بڑے ریاضی داں یا طبیعی کو توارد ہو جائے ' اور سائنس کے جدید انکشافات سے واقف ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ نظریہ کی تکمیل کر کے اپنے نتائج شائع کر دے - اس وقت کوئی تسلیم نہ کرے گا کہ یہ خیال پہلے میرے ذہن میں پیدا ہوا - اس لیے میں نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ اپنے نظریے کی اولیت کی کوئی شہادت بہم پہنچاؤں - لہذا میں نے چند نوٹس قلم بند کئے اور ان کو ایک لفافے میں سر بمہر بند کر دیا پھر بصیغۂ رجسٹری و بیمہ وہ لفافہ میں نے اپنے نام روانہ کر دیا - شہادت دینے کے لیے وہ لفافہ اب تک اسی طرح موجود ہے - موجودہ معلومات کی بنا پر ' نور کے متعلق قدیم سادہ تر خیالات میں بہت کچھ اصلاح کرنا پڑی ' جس میں مادے کے جدید مفہوم سے بھی مدد لی گئی ہے - لیکن تجاذب کی علت کیا ہے ؟ ۲۴ برس اُدھر یہ سوال جس طرح قائم تھا ' آج بھی ویسا ہی قائم ہے —

حال کے جوہری ساخت کے مفہوم سے اخذ کر کے برقی بار کے متعلق میں نے ایک نئے گو نامکمل نظریے کے پیش کرنے کی جرأت کی ہے —

مجھے اچھی طرح اس کا احساس ہے کہ منحنی فضا اور تجاذب کے متعلق آئنسٹائن کے مفہوم اور قدری نظریۂ نور و موجی میکانیات سے قبل جو نظریہ قائم کیا گیا ہو ' اُسے اکثر اصحاب '' تقویم پارینہ " خیال کریں گے - لیکن چونکہ کوئی نظریہ علی الاطلاق کامل نہیں ہے اور چونکہ طبیعی

مظاہر کے جدید مفہوم پر آخری لفظ نہیں کہا گیا ہے' اس لئے میں نے اس "تقویم پارینہ" کو شائع کرنا مناسب سمجھا' محض اس امید میں' کہ اگر ریاضی یا تجربے کی رو سے یہ نظریہ قائم نہ رہ سکے' تو اس سے کم از کم جدید انکشافات کے لیے راستہ کھل جائے گا —

(الہ آباد ۲۳ ستمبر ۱۹۳۳ع)

حصہ اول

پہلی فصل' مادے کی ساخت

علم انسانی ابھی تک عہد طفولیت میں ہے اور بہت کچھ محدود ہے - ہماری بصارت کی طرح ہمارے ادراک کے حدود بھی وسیع نہیں ہیں - ہم کائنات کو دیکھتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اس کے بعد کیا ہے - اس میں شک نہیں کہ ہماری کائناتوں کے علاوہ بھی دوسری کائناتیں ہیں' لیکن یہ ہمارا محض قیاس ہے؛ علم نہیں —

اسی طرح کائناتوں کے اندر کائناتیں ہیں' لیکن ہم نہیں جانتے کہ یہ عمل کہاں تک جاری ہے - بیرونی سعت (Range) اور اندرونی سعت ہر دو سے ہمارا ادراک محصور ہے - ہم سالموں (Molecules) کی دنیا سے واقف ہیں اور اُن کے عملوں کو جانتے ہیں - سالموں کے اندر ہم جوہروں (Atoms) سے بھی واقف ہیں - جوہر کے اندر بھی ہم ایک نئی دنیا سے واقف ہوگئے ہیں - یہ دنیا منفی باردار برقیوں (Negatively Charged Electrons) اور مثبت بار کے ایک مرکزہ (Nucleus) پر مشتمل ہے - اس مرکزے کے گرد برقیے زبردست رفتاروں سے گردش

کرتے رہتے ہیں - ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جوہر سے یہ برقیے برابر نکلتے رہتے ہیں، جس سے جوہر کا جزئی تکسر (Partial Disintegration) واقع ہوجاتا ہے - ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ مرکزے سے الفا اور بیٹا ذرے بھی نکلتے رہتے ہیں - ہمارا موجودہ علم یہیں ختم ہوجاتا ہے - ہم کو ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ برقیے کے اندر کیا ہے؟ کیا برقیہ وہی جز لایتجزیٰ ہے جس کا مفہوم قدمانے قایم کیا تھا ؟ پس جب کہ ہمارا علم اس قدر محدود ہے، اور ہرآئیندہ یہ توقع ہے کہ اس میں سریع اور وسیع توسیع ہو، تو کیا وجہ ہے کہ ہم برقیے کے اندر بھی ایک چھوٹی سی دنیا نہ تصور کریں ؟ خود برقیے کے اندر ویسی ہی ساخت کیوں نہ پائی جائے، جیسی کہ جوہر کے اندر ہے ؟ مجھے اس کا پورا یقین ہے کہ برقیہ بھی اپنے اندر ایک چھوٹی سی دنیا رکھتا ہے، جو بہ تعداد کثیر ایسے ننھے ننھے ذروں پر مشتمل ہے جو برقیائی نظام کے اندر برقیے کی رفتار سے کہیں زیادہ زبردست رفتار سے گردش کرتے ہیں - جس طرح جوہری نظام سے برقیے نکل بھاگتے ہیں، اسی طرح برقیائی نظام سے یہ ذرے بھی نکل بھاگتے ہیں - کسی بہتر نام کی عدم موجودگی میں، میں ان بے نام ذروں کو "اشعاعیہ" (Radion) کا نام دیتا ہوں - آگے چل کر معلوم ہوگا کہ یہ نام بہت موزوں ہے - حصۂ سوم میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ برقیے کی ساخت کی طرح مرکزے کی بھی ساخت ہے - اس میں صرف اشعاعیوں کی تعداد اور رفتار مختلف ہے - میں اس پر بھی یقین رکھتا ہوں کہ خود اشعاعیہ بھی اپنے اندر، اور بھی زبردست رفتار سے گردش کرنے والے چھوٹے چھوٹے ذروں کی ایک دنیا رکھتا ہے - ایسے ذرے کا نام میں "تجاذبیہ" (Graviton) رکھتا ہوں -

هر تجاذبیے کے اندر ایک اور چھوٹی دنیا هے جس میں اور بھی چھوٹے ذرے هیں - ایسے ذرے کو میں "کونیہ" (Cosmion) کا نام دیتا هوں - اس تسمیے کی توجیہ آگے چل کر کی جاے گی - اشعاعیے سے تجاذبیے نکل بھاگتے هیں اور تجاذبیے سے اسی طرح کونیے نکل بھاگتے هیں - علم انسانی کی موجودہ منزل میں یہ بتلانا مشکل هے کہ یہ تقسیم در تقسیم کہاں تک جاری هے - لیکن اتنا باور کر لینے کا تو هر طرح قرینہ هے کہ یہ تقسیم در تقسیم اشعاعیوں، تجاذبیوں اور کونیوں تک تو جاری هے —

دوسری فصل

اشعاعیے، تجاذبیے، اور کونیے

قوت تجاذب یعنی مادے کے دو ذروں کے درمیان جذب یا کشش کی توجیہ تجاذبیوں کے وجود سے بخوبی هو جاتی هے - آئنستائن نے تجاذب کو حرکت کا نتیجہ گردانا هے - اور فضا (Space) کے انحنا کی وجہ سے راستے کو منحنی مانا هے - لیکن طبیعین اب متفق هیں کہ یہ جذب ایک حقیقت هے - اس کی صحیح صحیح پیمائش کی جا سکتی هے - پس اس پر باطمینان یقین کیا جا سکتا هے کہ مادے کے دو ذرے بظاهر ایک دوسرے پر ایک قوت سے عمل کرتے هیں - لیکن اس مفہوم میں یہ مضمر هے کہ ایک مادہ دوسرے مادے کو کھینچتا هے - ایک فاصلے سے ایسی کشش اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ ایسا واسطہ (Medium) نہ هو جس میں فساد (Strain) هو اور جو ڈورے کا سا کام دے سکے - ایک جسم

دوسرے جسم کو کیونکر کھینچ سکتا ہے جب تک کہ ایسا واسطہ نہ ہو جس میں فساد ہو؟ انیسویں صدی عیسوی میں سائنس دانوں نے ایسے واسطے کو مان لیا اور اس کا نام اثیر (Ether) رکھا - لیکن کشش کی توجیہ میں مشکل پیش آتی تھی - آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اثیر کوئی مسلسل لچکدار واسطہ نہیں ہے - بلکہ وہ فضا میں مصروف پرواز کونیوں اور تجاذبیوں کا مجموعہ ہے - میرے نزدیک خارجی کشش کا مفہوم دعوی بلا دلیل ہے - معاملہ برعکس ہے - اس کی مثال ایسی بھی ہے جیسے قدما خیال کرتے تھے کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے یا جیسے روشنی آنکھوں سے نکلتی ہے - قوت جذب خارج کی کوئی کشش نہیں ہے بلکہ وہ اندر سے بظاہر ایک دھکیل ہے - مادے کا ہر ذرہ ایک خاص انداز پر عمل پیرا ہوتا ہے، جس کا سبب اس کی ترکیب اور اس کے قرب میں چیزوں کی حالت ہے، نہ کہ اس سے فاصلے پر چیزوں کی حالت - اگرچہ اس کے قرب میں چیزوں کی جو حالت ہے وہ 'اس سے فاصلہ ہر دیگر اجسام کے فیوض (Emanations) کا ایک حد تک نتیجہ ہے - مجھے یقین ہے کہ اندرونی عمل کے نتیجے کے طور پر تجاذب کا مفہوم نیا ہے - اور یہ اس مفہوم کی ضد ہے کہ وہ بیرونی قوت کا نتیجہ ہے - آئنسٹائن کا یہ مفہوم کہ مادے کی موجودگی فضا میں انحنا پیدا کر دیتی ہے، قدیم متموج اثیر کی بجائے ایسے مادے کے وجود کو تسلیم کرتا ہے جس میں خمیدہ ہونے کی صلاحیت موجود ہو - بلا شبہ تجاذب حرکت کا نتیجہ ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ حرکت کا سبب کیا ہے؟

برقیے کے قوام اور اس کے اندر اشعاعیوں کی ترکیب پر بعد میں بحث کی جائے گی - پہلے ہمیں اشعاعیہ کے قوام (Composition) پر بحث

کرنی چاہئے- میرے نزدیک اشعاعیہ خود ایک چھوٹی سی دنیا ہے - اس کے اندر تجاذبیوں کی ایک کثیر تعداد ایک محدود فضا میں گردش کرتی رہتی ہے - فضا کروی ' ناقص نمائی (Ellipsoidal) یا اسی طرح کی کسی اور شکل کی ہو سکتی ہے- مجھے یقین ہے کہ فضا کی شکل اور اس کے حدود بدلتے رہتے ہیں - یہ تغیرات دوری ہوتے ہیں اور تجاذبیوں کے ایک دوسرے سے تصادم کا نتیجہ ہوتے ہیں- یہ تجاذبیے تمام ممکنہ سمتوں میں گردش کرتے ہیں - فضاوں کو ناقص نما مانا جاے تو تجاذبیوں کے راستے ایسے ہی سطحوں پر ہوں گے اور وہ متحرک ماسکوں [Focii] کے گرد گردش کریں گے - ماسکہ کا انحصار اس وقت جملہ تجاذبیوں کے محل پر ہوتا ہے - لیکن ناقصوں [Ellipses] کے محور کبیر [Major Axes] مساوی نہیں ہیں - بعض تجاذبیے چھوٹے مداروں میں حرکت کرتے ہیں اور بعض بڑے مداروں میں ' اور حرکت سب کی ہر جہت میں ہوتی ہے - بعد میں اس امر کی توجیہ کی جاے گی کہ تجاذبیے کا اخراج اس وقت عمل میں آتا ہے جب کہ مدار اپنی انتہا کو پہنچ جاے ' یعنی وہ قریب بہ دائرہ ہوجاے - لیکن وہ سب کے سب یک محدود فضا میں محصور ہیں جو اشعاعیے کی دنیا ہے - اس کو میں نظام اشعاعیہ کہتا ہوں - یہ کرہ منقبض یا متسع ہو سکتا ہے ' جیسا کہ وہ ہوتا ہے ' لیکن یہاں بھی تغیر دوری ہوتا ہے اور دو حدود کے اندر - اگر ان حدود سے تجاوز واقع ہو تو اشعاعیے کی ترکیب باقی نہ رہے گی - جب حدود کو حد ادنی سے بھی ادنی کیا جاے گا تو اشعاعیوں سے کونیوں کے اخراج کی وجہ سے دفع کی قوت اتنی زبردست ہوجاے گی کہ وہ جذب کی تعدیل کردے گی

اور اس لئے مدار میں مزید انقباض واقع نہیں ہوسکے گا - کونیوں
کا اخراج مستلزم دفع ہے، جس طرح کہ سورج کی روشنی قریب
کے دمدار ستارے کو دفع کرتی ہے - برقیے کی بحث میں اس کی
تفصیل آئے گی - جب حد اعلیٰ متجاوز ہو جائے تو ایک تجاذبیہ
نکل بھاگتا ہے اور اشعاعیہ کا جزئی تکسر واقع ہوتا ہے، جس طرح
کہ برقیے کے نکلنے سے جوہر کا تکسر ہوتا ہے - اشعاعیے کی حالت غیر
قائم (Unstable) ہوتی ہے - جب تجاذبیہ گردش کرتے کرتے اپنی اعظم
انتہا کو پہنچ جاتا ہے، یعنی اس کا مدار اپنی حد اعظم تک ممتد
ہوجاتا ہے تو وہ نکل بھاگتا ہے - اس وقت اشعاعیے کو روکنے کے لئے
اس نظام کی قوت کافی نہیں ہوتی - ایک دوسرے کے گرد تجاذبیوں کی
گردش کی بھی توجیہ اسی طرح کی جاسکتی ہے - اسی طرح ظاہری قوت
تجاذبیوں سے کونیوں کے نکلنے کا نتیجہ ہے —

فی الحال ہم کو صرف اشعاعیے کی دنیا سے بحث ہے، جس میں
کثیرالتعداد تجاذبیے ہر شش جہات میں گردش کرتے رہتے ہیں - لیکن
بالآخر جب ان کے مدار اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو ان سب کی
رفتار ایک ہی ہوجاتی ہے - یہ رفتار بعید ترین مدار میں تجاذبیے
کی رفتار ہے، اور یہی وہ رفتار ہے جس سے تجاذبیے خارج ہوتے ہیں -
یہ ایک مستقل رفتار ہے - فرض کرو کہ یہ 'د' ہے —

چونکہ ہمارا ادراک اشعاعیوں کے ماورا نہیں ہے اس لئے اشعاعیے
کی رفتار انتہائی معلومہ رفتار ہے - وہ مستقل پائی گئی ہے - یہی
مشہور و معروف مستقل 'م' ہے - اس سے سریع تر رفتار کا ادراک
ہم کو نہیں - اس لئے 'م' کو انتہائی ممکنہ رفتار سمجھا جاتا ہے - لیکن

اگر بدویہ (Proton) کے اندر اشعاعیے کی رفتار کا ہم مشاہدہ کرسکیں تو اس کو سریع تر پاوٗیں گے - آئیندہ جب ہم کسی تجاذبیے کا ادراک کرسکیں گے تو مجھے یقین ہے کہ تجاذبیے کی رفتار بالکل ایک جدا گانہ مستقل ہوگی ' اور اس سے کہیں بڑہ کر ہوگی ' جس کو ہم نے ' د ' کہا ہے - لیکن اب تک ہمارے پاس جتنے بھی سائنس کے آلات ہیں وہ ' د ' کی پیمائش تو کیا ' اُسے شناخت بھی نہیں کرسکتے - جب علم انسانی اتنی ترقی پاجائے گا کہ ہم نہ صرف تجاذبیے کا ادراک کرسکیں گے ' بلکہ کونیہ بھی ہمارے حیطۂ ادراک میں آجائے گا تو مجھے یقین ہے کہ ہم کونیے کی رفتار ایک اور عظیم تر مستقل ' ي ' پائیں گے - اشعاعیہ بظاہر ہماري کائنات میں رہتے ہیں اس لئے ' م ' انتہائی ادراک پذیر رفتار ہے - لیکن اگر تجاذبیے اور کونیے ہماری کائنات سے نکل کر دوسري کائناتوں میں چلے جائیں ' تو اس کائنات سے باہر اُن کی رفتاریں علی الترتیب ' د ' اور ' ي ' ہوں گی - جب ایک کونیہ تجاذبیے سے نکل سکتا ہے اور ہماری کائنات سے گزر کر دوسری کائنات میں جاسکتا ہے ' تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ہماری کائنات میں بھی آزاد کونیوں کا وجود ہونا چاہئے ' کیونکہ تجاذبیے کے تکسر سے کونیے آزاد ہوں گے جن کو اس کائنات سے نکل جانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس میں سے گزریں - اس کا مطلب یہ کہ اس کائنات میں بھی رفتار ' د ' کا وجود ہونا چاہئے - لیکن فی الحال ہمارے پاس اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں —

تیسری فصل

اندرونی تجاذب کا نظریہ

چونکہ تجاذبیے ہر ممکنہ سمت میں گردش کرتے ہیں اس لیے ہر ممکنہ سمت میں ان کو فرار بھی ہونا چاہئے - چنانچہ اشعاعیے سے تجاذبیے ہر سمت میں خارج ہوں گے یہ ویسی ہی کیفیت ہوگی جیسی کہ ایک نقطے کی ہوتی ہے جس سے کروی موجیں خارج ہو رہی ہوں، جو نصف قطر کے بڑھنے کے ساتھہ ساتھہ کروی شکلوں میں پھیلتی جاتی ہیں - تجاذبیوں کی حدت (جو سطحی کثافت کے متناسب ہے) ایسی صورت میں مرکز سے فاصلے کے بالعکس متناسب ہوگی - رفع التباس کی غرض سے میں یہاں ایک نیا لفظ وضع کرنا چاہتا ہوں یعنی ''اجذاب'' (Graviation) جس کے معنے ہیں اشعاعیے سے تجاذبیوں کا اخراج - عام لفظ ''اشعاع'' کو میں بر قیے سے اشعاعیوں کے اخراج کے لیے مختص کرنا چاہتا ہوں - یہ واضح ہے کہ کثافت اجذابی مرکز کی طاقت کے متناسب ہوگی، یعنی مرکز پر مادے کی کمیت کے متناسب - بنا بریں کسی کمیت 'ک' سے فاصلے 'ت' پر حدت اجذاب $\frac{\text{جا} \times \text{ک}}{\text{ت}^{2}}$ کے متناسب ہوگی، جہاں 'جا' ایک مستقل ہے - سادگی کے خیال سے یہاں آئنستائن کے نظریۂ اضافیت و زمان بہ حیثیت جز زائد کو نظر انداز کردیا گیا ہے —

جب کوئی تجاذبیے کسی غیر قائم اشعاعیائی دنیا (Unstable Radionic World) سے فرار ہو جاتا ہے، تو اس دنیا کی وضع میں دفعتاً

ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے، کیونکہ اس کا ایک رکن جو دوسرے ارکین پر اپنا اثر ڈال رہا تھا یکایک اس دنیا سے روپوش ہو گیا ہے، اور اب اس کا کوئی اثر باقی نہیں۔ اس دنیا کے لیے وہ رکن گویا کہ فنا ہو گیا۔ خارج ہونے والا تجاذبیہ اپنے ساتھ اپنا معیار حرکت (Momentum) بھی لیتا گیا ہے۔ معیار حرکت کا نقصان اندرونی حرکت پیدا کر دیتا ہے اس کی وجہ سے نظام میں ایک تغیر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی مہاس کی سمت میں کسی تجاذبیہ کا خروج عمل معکوس پیدا کر دیتا ہے، یعنی نظام میں رد عمل۔ یہ ایک سمت میں استمرار معیار حرکت (Conservation of momentum) کا مشہور ومعروف اصول ہے۔ ہر وہ ذرہ جو فرار ہوتا ہے اپنے ساتھ معیار حرکت کا ایک جز لیتا جاتا ہے۔ چنانچہ مجموعی معیار حرکت (ک ر - ک$_{۱}$ ر$_{۱}$) ہوگا —

[ک = نظام کی مجموعی کمیت، ر = نظام کی رفتار، ک$_{۱}$ = کمیت جو خارج ہوگئی، ر$_{۱}$ = خارج ہونے والی کمیت کی رفتار]

معیار حرکت کی تبدیلی کی شرح حرکت کا سبب ہوتی ہے، اسی کی تعبیر سمت مخالف میں عمل کرنے والی قوت سے کی جاتی ہے۔ عرف عام میں اسی کو رد عمل کہتے ہیں، جو سمت مخالف میں مساوی قوت ہے۔ کسی اشعاعیہ سے تجاذبیہ کا نکل بھاگنا، اشعاعیہ کے اندر ایک چھوٹے سے دھماکے کی طرح ہے۔ تجاذبیہ اپنی رفتار 'د' سے نکلتا ہے، اس کی وجہ سے اشعاعیائی نظام میں معیار حرکت کا نقصان ہوتا ہے۔ اگر تجاذبیہ کی کمیت ک$_{۱}$ مانی جائے تو معیار حرکت (ک$_{۱}$ × د) ہوگا۔ ہر خارج ہونے والے تجاذبیہ کے لیے معیار حرکت کی تبدیلی کی شرح

کے معنے پیچھے کی طرف حرکت کے ہیں ، یعنی بہ ظاہر پیچھے کی طرف ایک دھکا - جملہ اشعاعیوں کے حرکتی معیاروں [Momenta] کے حاصل کو کسی سمت میں تحویل کیا جائے تو وہ سمت مخالف میں مجموعی قوت کے متناظر ہوگا —

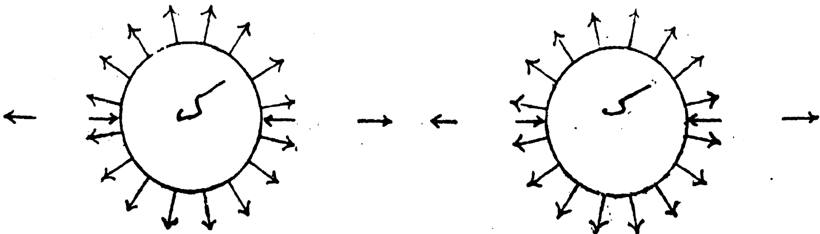
اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جب کوئی تجاذبیہ اشعاعیائی دنیا کو چھوڑتا ہے ، تو سمت مخالف میں معیار (ک × د) کا ایک صدمہ (Impulse) پیدا ہوتا ہے - اگر صرف اشعاعیہ ہی ذرہ زیر غور ہوتا ، تو تمام سمتوں میں تجاذبیے نکل بھاگتے ، اندرونی دھکے ایک دوسرے کی تعدیل کر دیتے ، اور اشعاعیہ کائنات میں آویزاں رہتا —

اب یہ دیکھئے کہ مادے کا ایک ذرہ اجتماع ہے اشعاعیوں کا اور اس لیے تجاذبیوں کا - جب مادے کے دو ذروں کے درمیان معتد بہ مسافت ہوتی ہے ، تو ایک دوسرے پر ان کا عمل ، ہر ایک میں تجاذبیوں کے اجتماعوں کا مجموعی اثر ہوتا ہے - بنابریں مادے کے دو ذروں کا برتاؤ گویا ایک دوسرے کے ساتھ تجاذبیوں کے دو گروہوں کا برتاؤ ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گویا دونوں گروہ ہر سمت میں تجاذبیے خارج کر رہے ہیں اور دونوں بہ ظاہر اندرونی دھکیل (Push) محسوس کرتے ہیں - اگر قرب وجوار میں دوسرے مادے کی موجودگی شرح اخراج پر اثر نہ ڈالتی ہوتی تو مادے کے دونوں ذرے ایک دوسرے پر کسی طرح کا کوئی اثر نہ پیدا کرتے اور کوئی جذبی قوت مشاہدے میں نہ آتی - لیکن مادہ فضا میں کمیت کا ارتکاز ہے ، یعنی تجاذبیوں کا ارتکاز ہے - وہ گویا اعلی مادی ارتکاز کا نقطہ ہے - اگر مادے کا ایک ذرہ خلا میں قائم ہوتا تو وہ تمام سمتوں

میں مساوی شرحوں سے تجاذبیے خارج کرتا - پس تجاذبیے اعلی مادی ارتکاز کے مقام سے چاروں طرف پست مادی ارتکاز کے مقام کی طرف چلتے ہیں - بالفاظ دیگر مادہ اس نقطه سے جہاں وہ مرتکز ہے ' ان نقطوں کی طرف چلتا ہے جہاں وہ اتنا مرتکز نہیں - اس کی کیفیت بالکل ویسی ہی ہے جیسے کسی گیس بھرے کمرے کے ایک سوراخ سے گیس خلا میں خارج ہو رہی ہو - فضا میں ایک نقطه پر ارتکاز غیر قائم ہوتا ہے - تجاذبیوں کی اندرونی حرکت سے ایک ایسا غیر قائم تجاذبیه پیدا ہوجاتا ہے ' جو نکل بھاگنے کے لیے اپنے انتہائی مدار تک پہنچ جاتا ہے - توضیحاً ہم یه کہه سکتے ہیں که جب ایک نقطه پر دباؤ کی زیادتی ہوتی ہے تو اس کا دفعیه اس طرح ہوتا ہے که دوسرے نقطوں پر دباؤ منتقل ہوجاتا ہے ' گویا که ایک اثیر ہے جو دباؤ کو منتقل کرتا ہے اور اس میں اعتدال پیدا کرتا رہتا ہے - لیکن منتقلی کے لیے جس مقدار کی ضرورت ہوگی اس کا انحصار دونوں ارتکازوں کے فرق پر ہے - بظاہر اگر فرق میں کمی ہوجائے تو بہاؤ بھی کم ہوجائے گا - مادی ارتکاز موجود تجاذبیوں کی تعداد کا نتیجه ہوتا ہے - لہذا اگر سمت مخالف سے تجاذبیوں سے ایک دوسرا دھارا آتا ہو تو ''اجذاب' کی مقدار میں فرق ہوجائے گا - یه ایسا ہی ہے جیسے که اندر آنے والے تجاذبیے خارج ہونے والے تجاذبیوں سے متصادم ہوکر بعض تجاذبیوں کو دبا دیتے ہیں یا اُن کے آزاد ہونے میں مانع ہوتے ہیں - میرے نزدیک سمت مخالف سے آنے والے تجاذبیوں کا تصادم ' اور اشعاعیه کے قرب میں اُن کی موجودگی اشعاعیه سے تجاذبیوں کے خروج میں ابطا پیدا کردیتا ہے - اُن کی موجودگی سے مادی

ارتکاز بڑہ جاتا ہے اور مساوات قائم ہونے کے لیے وہی سہولت نہیں رہتی - باغراض عملی یہ مخالف تجاذبیے اشعاعیے پر متصادم نہیں ہوتے' کیونکہ وہ اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور اس میں سے گزرتے ہیں - لیکن وہ ان تجاذبیوں سے ٹکراتے ہیں جو ان سے پہلے چھوڑ چکے ہیں - تجاذبیے نسبتاً زیادہ لچکدار ہیں اور اس لیے تصادم کے بعد وہ توانائی کے بڑے نقصان کے بغیر بازگشت کرتے ہیں - اشعاعیے کی سطح پر جو تجاذبیے پہنچتے ہیں وہ اشعاعیے سے دوسرے تجاذبیوں کے اخراج کو روکتے ہیں - اس سے مزید تجاذبیوں کے اخراج میں ابطا پیدا ہو جاتا ہے —

میرے نزدیک مخالف تجاذبیوں کا ورود اور ان کا حائل ہونا ایسے اخراج پر براہ راست اثر ڈالتا ہے - اسی اخراج کو میں نے "اجذاب" کا نام دیا ہے - ایک طرف جس طرف کہ دوسرا مادہ تجاذبیے بھیج رہا ہو' اجذاب نسبتاً گھٹ جاتا ہے' لیکن سمت مخالف کا اجذاب غیر متاثر رہے گا —



شکل نمبر ۱

اگر الف اور ب مادے کے دو ذرے ہوں (شکل نمبر ۱) اور ان

کی کمیتیں فرض کرو کہ کَ اور ک ہیں - ان کمیتوں سے فی الحقیقت ہر ایک میں اشعاعیوں کی مجموعی تعداد مراد ہے - سمتوں ب —> الف اور الف —> ب میں الف اور ب سے اجذاب غیر متاثر رہتے ہیں - سمت الف —> ب میں ان کی وجہ سے معیار حرکت کا نقصان الف پر = ن × ک × د

جہاں ن = فی اکائی مدت فی اشعاعیہ چھوڑنے والوں تجاذبیوں کی تعداد تحلیل بہ سمت ب —> الف

اور ب پر معیار حرکت کا نقصان = نَ × کَ × د بہ سمت ب —> الف جہاں ن = ب کو چھوڑنے والے تجاذبیوں کی تعداد تحلیل بہ سمت الف —> لیکن الف اور ب کی درمیانی فضا میں تجاذبیوں کی موجودگی کی وجہ سے وہاں ارتکاز بڑھ جاتا ہے اور اجذاب گھٹ جاتا ہے- اور سمت الف —> ب اور ب —> الف میں علی الترتیب الف اور ب سے تجاذبیوں کا اخراج یا بروز کمتر ہوجاتا ہے - اس لیے الف پر نقصان معیار حرکت = $ن_۱$ × ک × د بہ سمت ب —> الف اور ب پر نقصان معیار حرکت = $ن_۲$ × ک × د بہ سمت الف —> ب جہاں $ن_۱$ ، $ن_۲$ = فی اشعاعیہ فی اکائی مدت علی الترتیب الف اور ب سے نکلنے والے تجاذبیوں کی تعداد - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ الف پر حاصل دھکیل = (ن - $ن_۱$) × کَ × د بہ سمت الف —> ب اور ب پر حاصل دھکیل = (نَ - $ن_۲$) × کَ × د بہ سمت ب —> الف

لیکن (ن - $ن_۱$) ظاہر ہے کہ ب کے اجذاب کی وجہ سے الف کے اجذاب کی کمی ہے ، جو ب کے اجذاب کی اس حد تک یعنی کَ کے متناسب ہے - اسی طرح (نَ - $ن_۲$) متناسب ہے ک کے - پس الف اور ب دونوں ایک دوسرے کی طرف دھکیل بہ تناسب (ک × کَ) محسوس کریں گے - یہ وہ قوت جذب ہے جو دونوں جسموں پر عمل کرتی ہے ، جب کہ ایک دوسرے کے قریب دو پہلوؤں پر اجذاب میں کمی ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے

سے دور پہلوؤں پر اجذاب برقرار رہتا ہے -اس اندرونی دھکیل کو جو دونوں جسم محسوس کرتے ہیں غلطی سے بیرونی قوت سمجھا گیا جس سے ایک جسم دوسرے پر عمل کرتا ہے - درحقیقت ہر ایک میں حرکت آجاتی ہے ' جس کا سبب ہرایک کے دونوں پہلوؤں سے خارج ہونے والے تجاذبیوں کی تعداد میں فرق اور بنابریں حاصل معیار حرکت کا تغیر ہے - یہ اندرونی عمل اندرونی قوتیں پیدا کردیتی ہیں جن کا اقتضا ایک کو دوسرے کی سمت میں حرکت دینا ہوتا ہے - اسی کو اب تک قوت جذب مانا گیا ہے - درحقیقت بیرونی قوت جذب کوئی چیز نہیں ' جو کچھ ہے وہ حرکت ہے - اور چونکہ ریاضی میں حرکت کو قوت کا نتیجۂ صریح مانا جاتا ہے ' اس لئے مانا جاتا ہے کہ قوت موجود ہے - آئنسٹائن نے بھی یہی مفہوم لیا ہے کہ حقیقت میں صرف حرکت ہے اور قوت جذب کوئی چیز نہیں - جب جسم حرکت میں ہوتے ہیں تو ریاضی میں اُن کے راستوں کی تفہیم کے لئے ایک عاملہ قوت کا مفہوم مقرر کیا گیا - جسموں کی حرکتیں مزاحمت کے قلیل ترین خطوط کی سمت میں ہوتی ہیں اور ان حرکتوں کی مساواتیں نام نہاد قوت کی رقموں میں لکھی جا سکتی ہیں - کائنات میں صرف حرکتیں ہیں نہ کہ جذبی قوتیں - اسی طرح 'قوہ' ایک خیالی ریاضیاتي مفہوم ہے —

عرف عام کی رعایت سے میں نے " دھکیل " کا لفظ استعمال کیا ہے- لیکن درحقیقت دھکیل کا وجود نہیں - جب کسی اشعاعیائی نظام سے کوئی تجاذبیہ چھوٹتا ہے تو اس سے معیار حرکت میں نقصان واقع ہوتا ہے - اس کے معنے حرکت کے ہیں - اس طرح بقیہ اشعاعیہ بھی دوبارہ ترتیب میں آتے ہیں ' جس کے معنے نئی حرکت کے ہیں - تجاذبیہ کا چھوٹنا اشعاعیہ کے اندر اندروني حرکت کی صورت میں ایک ردعمل پیدا کردیتا ہے -

چوتھی فصل

کلیۂ قوت

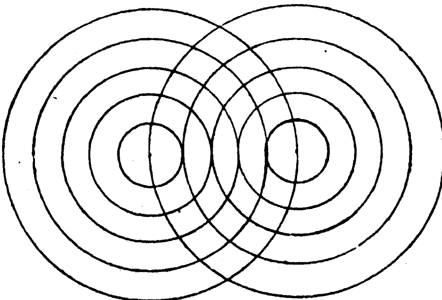
اب ہم اس نام نہاد قوت تجاذب کی پیمائش کرنا چاہتے ہیں میرے نظریہ کے بموجب مادے کی ایک کمیت میں ہر اشعاعیہ تجاذبیہ خارج کرتا ہے، خواہ مادہ کہیں بھی ہو - بنابریں فی اکائی مدت خارج شدہ تجاذبیوں کی تعداد مادے میں اشعاعیوں کی جملہ تعداد یعنی کمیت کے متناسب ہے - یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ انجذاب مادے کی سطح کے تابع نہیں - اس لئیے انجذاب کی طاقت کمیت کا ضعف ہے - چونکہ انجذاب کو باہر کی طرف پھیلنا ہوتا ہے اس لئیے یہ پھیلاؤ کروی سطحوں کی صورت میں ہونا چاہئیے - یہ اس مفروضہ کا لازمی نتیجہ ہے جس کے بموجب ہر اشعاعیہ خواہ کہیں کیوں نہ ہو تمام سمتوں میں تجاذبیے خارج کرتا ہے - فی اکائی وقت اشعاعیوں کی تعداد ایک ہی ہوتی ہے لیکن جس سطح پر وہ پھیلے ہوتے ہیں وہ 4π ص۲ کی نسبت میں بڑھ جاتی ہے - بنابریں انجذاب کی حدت یعنی فی اکائی سطح تجاذبیوں کی تعداد $\frac{1}{ص^2}$ کے متناسب ہونی چاہئیے - اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ابتدائی انجذاب جو ک کے متناسب تھا وہ $\frac{1}{ص^2}$ کے بھی متناسب ہے یعنی وہ $\frac{ک}{ص^2}$ کے متناسب ہے -

اب الف پر واقع مادے سے $\frac{ک}{ص^2}$ - کے تناسب میں تجاذبیوں کے اخراج کا اثر فصل ص سے ایک نقطہ ب پر واقع مادے کے دوسرے ذرے پر یہ ہوتا ہے

که ذرے ب کے اشعاعیوں سے خارج ہونے والے تجاذبیوں سے تصادم ہو - اس طرح تجاذبیوں کی جس تعداد سے تصادم ہوگا وہ بہ ظاہر اس تعداد کے متناسب ہوگی جو ب سے کسی معین وقت پر خارج ہونے کی کوشاں ہو۔ اس تعداد کو خود ب پر اشعاعیوں کی مجموعی تعداد کے متناسب ہونا چاہئے - بالفاظ دیگر ب پر کمیت کے متناسب ہونا چاہئے - اس لئے ظاہری تجاذبی قوت = جا $\frac{\text{ک ک}'}{\text{س}^2}$ جہاں جا کو مستقل مانا جا سکتا ہے - دو جسموں کے ایک دوسرے سے فصل پر ہونے کا یہی نتیجہ ہے —

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اجذاب کروی سطحوں کی صورت میں پھیلتے ہیں - ان کی کثافت $\frac{\text{ک}}{\text{س}^2}$ کے متناسب ہوتی ہے - یہ کثافت کمیت کے تناسب سے بڑھتی ہے اور فاصلے کے مربع کے تناسب سے گھٹتی ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ دوسری کمیت کے موجود ہونے کی وجہ سے اجذاب کو اسی تناسب سے گھٹنا چاہئے - نیز یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرے مادے کی کمیت کے تناسب سے اثر بڑھ جائے گا - پس دونوں کے درمیان ظاہری قوت جذب جا $\frac{\text{ک ک}'}{\text{س}^2}$ ہوگی - دو مبادی سے اجذاب کے یکساں کروی پھیلاؤ کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے - نسبت کے $\frac{1}{\text{س}^2}$ ہونے کا سبب یہ ہے کہ پھیلاؤ کا ممکنہ طریقہ کروی ہے - اگر ہر اشعاعیہ تجاذبیے خارج کرے تو ہونا بھی ایسا ہی چاہئے - (دیکھو شکل نمبر ۲) - اسی وجہ سے تجاذب دونوں کمیتوں کے متناسب ہے - یعنی اُن کے حاصل ضرب کے - جب کسی تجاذبیے کی رفتار مستقل د ہے تو تمام تجاذبیوں کو اسی رفتار سے مصروف

شکل نمبر ۳



سیر ہونا چاہئے - اس لئے جب وہ فضا میں پھیلتے ہیں ' تو اثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا وہ کروی موجوں میں پھیل رہے ہیں ' اور طے کردہ مسافت کے مربع کے تناسب میں ان کی کثافت گھٹتی جاتی ہے - شمار کنندہ دونوں کمیتوں کا حاصل ضرب ہوتا ہے ' کیونکہ اجذاب کی حدت ارتکاز کے متناسب ہونا چاہئے - لہذا اجذاب جا $\frac{ک\,کَ}{ص^{2}}$ کے تناسب میں گھٹجاتے ہیں - اسی نسبت سے بہ ظاہر تجاذب واقع ہوتا ہے - لیکن حقیقت میں یہ التباس ایک دوسرے کی طرف دونوں کمیتوں کی حاصل حرکت کا نتیجہ ہے —

چونکہ ہر اشعاعیے سے خواہ وہ کہیں بھی ہو تجاذبیے نکلتے ہیں اس لئے ریاضی کی رو سے یہ ایسا ہی ہے جیسے جملہ اشعاعیے مرکز جاذبہ پر مرتکز ہوں - بالفاظ دیگر جملہ کمیت مرکز پر محض ایک نقطہ ہو —

ہم نے اس نسبت میں جا کو مستقل لیا ہے - یہی تجاذب کی اکائی قوت ہے - لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ذروں کی اضافی رفتار کے ساتھ جا بدلتا رہتا ہے - جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ وقت کا تفاعل (Function) ہو - قیاس ہے کہ آئندہ مشاہدے یہ ظاہر کرسکیں گے کہ دو ذروں پر اضافی رفتار کا اثر دونوں کے مداروں میں بتدریج تبدیلی پیدا کردیتا ہے - چونکہ دونوں ذروں کی کمیتوں میں برابر نقصان ہورہا ہے اس لئے مرور زمانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں میں بعد ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہ جدا ہوجائیں گے - اگر بیرونی قوت عمل کرے تو وہ ایک دوسرے کے قریب لائے جاسکتے ہیں تاکہ وہ ضم ہوجائیں یہاں تک کہ از سر نو انشقاق واقع ہو —

جلد دوم میں اس امر کی تصریح کی جائے گی کہ بغیر بیرونی قوت کے چاند کسی سیارے میں ضم ہوکر اس کا جز نہیں بن سکتا۔ بلکہ بتدریج اس کا مدار عظیم تر ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہ سیارے کو چھوڑ دے اور خود نظام شمسی میں ایک آوارہ دمدار ستارہ بن جائے۔ اسی قیاس پر ہوسکتا ہے کہ سیارے بالآخر سورج کو چھوڑ دیں اور خود نظام شمسی اس کائنات کو چھوڑ کر دوسری کائنات میں چلا جائے۔ تجاذبیوں کی اضاعت کی وجہ سے کمیت کے مسلسل نقصان کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے، بشرطیکہ سیارہ، سورج، نظام شمسی، یا کائنات کی آخری رفتار علی الترتیب چاند، سیارہ، سورج، یا نظام شمسی کی رفتار سے کسی طرح کم ہو جائے —

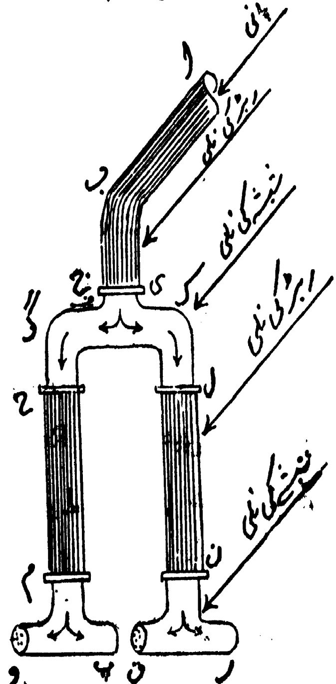
لیکن جس طرح کسی خارج ہونے والے تجاذبیے کی رفتار 'د' کسی کونیے کی رفتار 'ی' سے بہت کم ہے - اور ایک خارج ہونے والے اشعاعیے کی رفتار م خود د سے بہت چھوٹی ہوتی ہے - پس خارج ہونے والے برقیے کی رفتار اشعاعیہ کی رفتار م سے بہت چھوٹی ہوتی ہے - اسی طرح جوہر کی رفتار برقیے کی رفتار سے کم ہوئی اور سالمے کی رفتار جوہر کی رفتار سے کم ہوئی - بنا بریں کمیت کے بڑھنے سے رفتار گھٹتی جاتی ہے - اگر سلسلہ سالمہ، جوہر، برقیہ، اشعاعیہ، تجاذبیہ، کونیہ ہو تو رفتاریں بڑھتی جاتی ہیں - حصۂ سوم میں یہ دکھلایا جائے گا کہ جب خود کمیت گھٹتی ہے تو مدار بڑھ جاتے ہیں، رفتاریں گھٹ جاتی ہیں اور اوقات دوران (Periodic Time) بڑھ جاتے ہیں —

پانچویں فصل

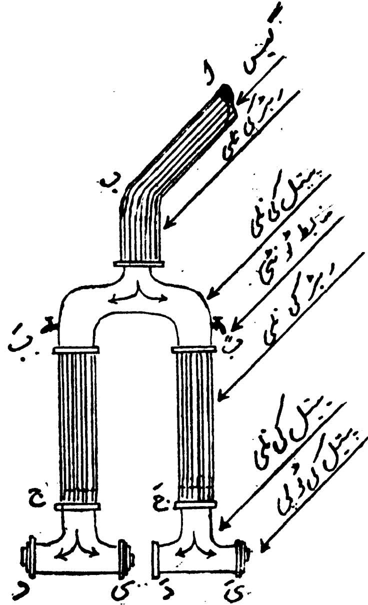
تجرباتی ثبوت

ہر دو جانب مساوی قوت سے ذرے خارج کر لے والے جسم قریب لانے پر ایک دوسرے کو جذب کرتے ہیں یا نہیں، اس کی تصدیق آسانی سے ہو سکتی ہے —

(الف) پانی کے ایک نل سے ربڑ کی نلی الف ب ج کے ذریعہ پانی لایا جاتا ہے۔ (شکل نمبر ۳) ربڑ کی نلی میں ایک نلی شیشہ کی ی ت ک ح ل ک لگی ہوئی ہے۔ ان سے طویل تر ربڑ کی نلیاں ح م، ل ن آویزاں ہیں۔ ان میں شیشہ کی نلیاں م و پ، ن ق ر لگی ہوئی ہیں۔ شیشہ کی ان نلیوں کے اخیر پر سوراخ ہیں (اس کی بجاے سوراخدار ٹین کی نلکیاں کام میں لائی جا سکتی ہیں)۔ سب سے پہلے ہر نلی کو علحدہ علحدہ آزمایا جاتا ہے تا کہ دونوں سروں پر بہاؤ مساوی ہوں۔ اگر مساوی نہ ہوں تو ایک سرے پر سوراخ بڑھا دیے جاتے ہیں۔ پھر ان کو بالمقابل رکھا جاتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ وہ جذب کرتے ہیں یا نہیں



(۲) ب پر ثابت ایک ربڑ کی نلی الف ب کے ذریعہ گیس نلی ب بَ بَ تک لائی جاتی ہے - ج د پ پیتل کی ایک نلی ہے جس کے دونوں



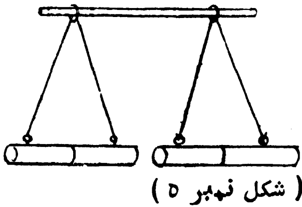
شکل نمبر ۴

سروں پر ضابط ٹونٹیاں (Regulating Taps) لگی ہیں - پیچدار ٹونٹیوں کی وجہ سے سوراخ زیادہ بھی کھولے جا سکتے ہیں - جَ دَ یَ بھی اسی طرح کی ایک نلی ہے —

پہلے ہر نلی کو علحدہ علحدہ ضبط میں لایا جاتا ہے اور پیچوں کے ذریعے دونوں سروں پر گیس کا بہاؤ مساوی ہوتا ہے جس سے پیتل کی نالیاں انتصاباً آویزاں رہتی ہیں - پھر دونوں کو بالمقابل لایا

جاتا ہے تاکہ دیکھا جائے کہ وہ جذب کرتی ہیں یا نہیں - شکل نمبر ۴

(۳) اسطوانہ نما دو پٹاخوں (Fireworks) میں دونوں سروں پر چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں وہ ڈوروں کے ذریعہ آویزاں ہیں جو ایک افقی سلاخ کے برنجی حلقوں میں لگے ہوئے ہیں- پہلے وہ اس طرح نصب کیے جاتے ہیں کہ دونوں سروں پر اخراج مساوی ہو- پھر پردہ ہٹا دیا جاتا ہے —



(شکل نمبر ۵)

نتائج

شکل (۳) میں پانی شیشے کی نلیوں سے قوت کے ساتھ چاروں طرف سے نکلتا ہے اور شیشے کی نلیاں نزدیک تر ہو جاتی ہیں-

(الف) قوت جذب دکھلائی دیتی ہے - فی الحقیقت جب وہ ایک دوسرے سے بالکل قریب ہوتی ہیں تو نلیاں ایک دوسرے کی طرف حرکت کرتی معلوم ہوتی ہیں - لیکن درمیان میں جب پانی مخالف سروں پر متصادم ہوتا ہے تو دفع جذب سے بڑھ جاتا ہے —

(ب) جب نلیاں ایک دوسرے سے مس کریں اور حرکت کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دی جائیں تو قوت جذب اُن کو علحدہ ہونے نہیں دیتی - چونکہ بیرونی جانب معیار حرکت کا نقصان ہوتا ہے اس لیے اگر ایک سرا بند کیا جاتا ہے تو دوسرا بند رہتا ہے - اگر ایک نلی کو آہستہ سے کھینچا جائے تو دوسری نلی بھی کھنچ آتی ہے —

اوپر کے تجربے زیادہ قابل اطمینان نہیں ہیں، کیونکہ بہاؤ کے

سطحی ہونے کی وجہ سے دباؤ جذب کے مقابل میں بہت بڑا ہوگا —

اگر تمام سروں کے کھلے ہونے کی بجاے ہم وہاں گھنڈیاں لگا دیں جس میں سوراخ ہوں جس سے چاروں طرف پانی کی پھوہاریں نکلیں تو اندرونی گھنڈیوں پر دباؤ اقل ہو جائیگا - اس وقت جب کہ شیشے کی نلیاں نزدیک تر لائی جاتی ہیں تو جذب کا مشاہدہ بہتر ہوتا ہے - (دیکھو شکل نمبر ۱۹)

شکل نمبر ۴ اور شکل نمبر ۵ کے تجربے آزمائے نہیں گئے ہیں -

(باقی)

کنی زارو

از

جناب رفعت حسین صدیقی صاحب ایم ایس سی (علیگ) ریسرچ
انسٹی ٹیوٹ - طبیہ کالج - دہلی -

قبل اس کے کہ ہم کنی زارو کے حالات زندگی قلمبند کریں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس انقلابی دور کا کچھ ذکر کردیں ' جس میں کہ اس کی نشو و نما ہوئی - صقلیتین (Two Sicilies) کی قلمرو میں بوربنی عہد حکومت میں پیدا ہوکر وہ ان سب واقعات و سیاسی شورشوں کا عینی شاہد ہے جس میں کہ اس نے خود بھی سپاہی اور سنیاتی (Senator) کی حیثیت سے اطالوی قومی اتحاد پیدا کرنے میں حصہ لیا اور بعد ازاں اس آزادی میں انفاس زندگی گزارے جو متحدہ اقوام کو آئینی حکومت میں نصیب ہوتی ہے —

اس زمانے میں یورپ آپس کی خانہ جنگیوں میں گرفتار تھا - کسی ایک کو بھی دوسرے کا اقتدار گوارا نہ تھا - نپولین کی سیاسی چالوں نے فرانس و انگلستان کے درمیان قلبی کشیدگی پیدا کردی تھی - روس کے ساتھ فرانس کی عشوہ نمائیاں بر سر پیکار تھیں - آسٹریا و پرشیا آپس میں خار کھائے بیٹھے صرف موقع کے منتظر تھے - آسٹریا ہر طرف سے بے اعتبار گردانا جاتا تھا - مگر انگلستان کی رفاقت میں صف آرا تھا ' جو فتنہ انگیز

سیاسی سازشوں کی ترقی کا نہایت اطمینان و دلجمعی سے نظارہ کر رہا تھا - ادھر اطالیہ میں کوئی سرکزی حکومت نہ تھی اور جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں ان میں نظم و نسق کی انتہائی خرابیاں تھیں - پاپائی جاگیروں کی حالت بھی دن بدن ابتر ہو رہی تھی - جور و ظلم ' جبر و تشدد روا رکھا جاتا تھا - نیپلز و صقلیہ کا بادشاہ بھی نہایت ضعیف و کمزور حکمراں تھا صرف سارڈینیا کی حکومت ضرور ایسی تھی جو چارلس البرٹ کے زیر حکومت خوش حال و فارغ البال تھی - - اطالیہ کے شمالی و مشرقی حصص لمبارڈی و وینس آسٹریا کے قبضہ و تصرف میں تھے اور وہاں کی اطالوی رعایا آزاد ہونا چاہتی تھی - ان کی خوش قسمتی سے فرانس میں انقلاب بپا ہوا - اور لوئی نپولین جس نے بعد ازاں شہنشاہ نپولین سویم کا لقب اختیار کیا منتخب رئیس قرار دیا گیا - اس انقلاب نے آسٹریا اور پرشیا کے پایہ تخت و آئنا اور برلن میں انقلابات کی خاص اہمیت پیدا کردی کیونکہ دونوں شہروں کی تحریکات کی وجہ سے مطلق العنانی کا خاتمہ ہوکر اس کے بجاے آئینی حکومت قائم ہوئی - اس انقلاب کی خبر مشتہر ہوتے ہی اطالیہ میں صقلیہ سے الپس تک سیاسی تحریک پیدا ہوگئی اور اس انقلابی جوش کو جو روما ' صقلیہ ' تسکنی اور دیگر ریاستوں میں پیدا ہوا تھا دو بالا کردیا - لمبارڈی و وینس نے نعرۂ آزادی بلند کیا اور آسٹروی افواج کو نکال باہر کیا - اس طرح اطالیہ اور آسٹریا میں جنگ چھڑ گئی - تمام اطالوی اقوام متحد ہوکر آسٹریا کے خلاف چارلس البرٹ کے زیر کمان لڑیں مگر پوپ نے مدد سے انکار کردیا - شورش انگیزوں نے مزینی کی سرگروہی میں روما پر قبضہ کرلیا - پوپ نیپلز میں پناہ گزیں ہوا - اُدھر آسٹریا

نے اطالیہ کو نووارہ کے مقام پر شکست دی اور لمبارڈی و وینس پھر اس کے قبضے میں آگئے - اس شکست سے متاثر ہوکر چارلس البرٹ اپنی حکومت سے دست بردار ہوگیا اور اس کا بیٹا وکٹر امانیول جانشین مقرر ہوا اور اس نے آسٹریا سے صلح کرلی - ادھر لوئی نپولین نے اپنے رومن کیتھولک پادریوں اور فرانسیسی کسانوں کو خوش کرنے کے لیے پوپ پائس نہم کو بحال کرنے کے واسطے روما کو ایک فوج روانہ کی جس نے پوپ کو پھر بحال کردیا - مگر اطالیہ میں اتحاد کی روح پھیل چکی تھی - ان کی ہر دم یہ کوشش تھی کہ اطالیہ کی تمام ریاستیں متحد ہوکر ایک ہی تاج ونگیں کے ماتحت آجائیں اور لمبارڈی و وینس آزاد ہوکر پھر شامل ہوجائیں - خوش قسمتی سے وکٹر امانیول کو لائق فائق مشیر کووی ملا - وہ انقلابی سرگرمیوں کے خطرات سے ناآشنا نہ تھا - اطالوی معاملات اور یورپ کے اندرونی تعلقات کا اندازہ کرکے وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہ انقلابی آلہ ہی اس کی فتح ونصرت کا باعث ہوگا - اس نے لوئی نپولین سے دوستانہ تعلقات قائم کئے - نتیجہ یہ ہوا کہ جب اطالیہ وآسٹریا میں جنگ کا اعلان ہوا تو اطالیہ کو فرانس کی مدد حاصل ہوئی جس میں آسٹریا کو شکست ہوئی اور بعد صلح لمبارڈی قلمرو اطالیہ یا سارڈینیا میں شامل ہوگیا - چونکہ اطالیہ میں انقلابی قدم ترقی پذیر تھا - وکٹر امانیول اور کووی نے جنرل گریبالڈی کو خفیہ طور پر اجازت دیدی تھی کہ وہ سلطنت نیپلز کو ختم کردے - صقلیہ میں بغاوت پھیلی اور سنہ ۱۸۶۱ ع میں گریبالڈی صرف هزار سرخ پوشوں کے دستے کی مدد سے چالیس ہزار سپاہ کو شکست دینے میں کامیاب ہوا - صقلیہ کے فتح ہوتے ہی نیپلز کے بوربون

بادشاہ فرانسس دوم کی شامت آگئی اور اس کو دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگنا پڑا - اس کی تمام قلمرو بھی سارڈینیا میں شامل کرلی گئی - اطالیہ کی اب تکمیل ہوچکی تھی صرف وینس آسٹریوں کے قبضے میں تھا اور پوپ فرانسیسیوں کی مدد سے روما پر قابض تھا - سنہ ۱۸۶۶ ع میں آسٹریا اور پرشیا کے درمیان جنگ چھڑی - اطالیہ نے پرشیا کی مدد کی - آسٹریا کو شکست ہوئی اور متحدین کے شرائط قبول کرنا پڑے جس کی بنا پر وینس بھی اطالوی حکومت میں شامل ہوگیا - اب صرف روم رہ گیا تھا - سنہ ۱۸۷۰ ع میں فرانس و جرمنی میں لڑائی شروع ہوگئی - فرانسیسی سپاہ روم سے واپس بلالی گئی - اطالویوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور شہر پر قبضہ کرکے پوپ کو محل پاپائی میں نظر بند کردیا - تمام متحدہ اطالیہ کا روما دارالخلافہ قرار دیا گیا - یہ وہ دور تھا جس میں کنی زارو کی پرورش ہوئی اور جس میں اس نے خود بھی مختلف مواقع پر حصہ لیا —

سائنس داں کی حیثیت سے بھی اس کے تجربات کچھ کم اہم نہ تھے - اس راہ میں جب اس نے قدم رکھا تو موجودہ کیمیا عالم وجود میں آچکی تھی ، جس کی تعمیر میں اس نے بھی مدد کی تھی - جب اس کی عمر بیس سال کی ہوئی تو لیبگ جرمنی ، میں ڈوما فرانس میں اپنی شہرت وکمال کے اوج پر تھے - انگلستان میں ولیمسن کے خیالات پر کافی غور و خوض کیا جارہا تھا لیکن روز افزوں واقعات کو کسی معقول تنظیم میں لانے کے واسطے ایک مدت درکار تھی —

اطالوی کیمیاداں استانسلاؤ کنی زارو (Stanislao Cannizzaro) ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۲۶ ع کو پالرمو میں پیدا ہوا - وطن آبائی مسینا

تھا - اس کے خاندان کے ارکان وھاں اور دیگر شہروں میں ممتاز عہدوں پر فائق و فائز رہ چکے تھے - استانسلاؤ کا باپ سریانو کنی زارو مسینا میں پیدا ھوا تھا لیکن پالرمو میں وہ وزیرپولس اور مجسٹریٹ مقرر ھوا - اور بعد ازاں صوبے کی عدالت مرافعہ (Gran Corte dei Conti) کا صدر مقرر ھوا - ماں کا نام انادی بینی دیتو (Anna di Benedetto) تھا جو صقلیہ کے شرفا میں سے تھی - استانسلاؤ کے بہت سے بہن بھائی تھے مگر وہ سب سے چھوٹا تھا - اس کی کچھہ تعلیم کیلا سانسیو کے رائل کالج (Reale Collegio Calasanzio) میں ھوئی جہاں اس نے بہت سے انعامات حاصل کئے اور ریاضی میں ممتاز درجہ پایا - صقلیہ اور تمام جنوبی اطالیہ کا نصاب تعلیم پادریوں کی زیر نگرانی تھا - علوم و فنون کے وہ سخت مخالف تھے - ان کا خیال تھا کہ تعلیم ملک میں شورش بپا کرنے کے لئے حامیان آزادی اور انقلاب پسندوں کی ایک ترکیب ھے اور ھر طریقے سے اس کو پامال کیا جاتا تھا - اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ سنہ ۱۸۳۷ ع میں جب حساب لگایا گیا تو معلوم ھوا کہ صرف ۲ فیصدی کسان پڑھ سکتے تھے - شہر کے رھنے والوں کی تعداد بھی اس سے بہت زیادہ نہ تھی * - نصاب میں یونانی اور روسی زبانوں کا درس شامل تھا - قواعد ادب ، بلاغت اور کچھہ تھوڑی سی ریاضی کی بھی تعلیم دی جاتی تھی —

سنہ ۱۸۴۱ ع میں پندرہ سال کی عمر میں کنی زارو نے جامعہ

---

* از کتاب Trevelyan's Garibaldi and the Defence of the Roman Republic (صفحہ ۵۵) —

پالرمو میں طب اور بالخصوص فعلیات کادرس پروفیسر فودرا (Fodera)
سے لینا شروع کیا - اس وقت جامعہ بہت ھی نامکمل حالت میں تھی -
اسناد صرف طب ' قانون اور دینیات میں دی جاتی تھیں - کنی زارو
نے کوئی سند حاصل نہیں کی - سنہ ۱۸۴۵ ع میں نیپلز کو روانہ ہوا
جہاں اس کی بہن انثریلینا نے مارکوئس روفو سے شادی کرلی تھی
جو بادشاہ فرڈینانڈ کے وزیر اعظم کا بیٹا تھا - وھاں سائنس کانگریس
کے فعلیاتی شعبے میں اس نے شرکت کی - مشہور طبیعات داں میلونی
(Melloni) سے بھی اس کی ملاقات ہوئی - کچھہ دنوں تک میلونی کے
معمل میں کام کرنے کے بعد اس کا ایک عمدہ سفارشی خط لے کر پروفیسر
پیریا (Piria) کے پاس پیسا پہنچا - پیریا کا اثر اس پر ایسا ہوا کہ اس
نے کیمیا کو مستقل طریقے سے پڑھنے کا ارادہ کرلیا - اس وقت پیریا شہرت
و کمال کے اوج پر تھا - اسی زمانے میں اس نے سلیسین (Salicin) کی
ساخت کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا - چونکہ نامیاتی کیمیا اپنے گہوارے
میں تھی سلیسین کی ساخت کا انکشاف کارنمایاں تصور کیا جاتا تھا —

کنی زارو اگرچہ بہت ھی محنتی اور پرجوش طالب علم تھا لیکن
اس سیاسی شورش کے تاثرات سے خاموش نہ رہ سکا جن کا ذکر کیا
جاچکا ہے اور جس میں اس کے ہم وطن گرفتار تھے - ملک کی تاریخ میں وہ ایک
تاریک زمانہ تھا - شاہ فردینانڈ نے ظلموں کا طوفان مچا رکھا تھا جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ صقلیوں میں آزادی کی تحریک شروع ہوگئی - مزید براں شمال
میں آسٹریا کی فوجیں بر سر پیکار تھیں - پاپائی ریاستوں میں ضرورت سے
زیادہ بد نظمی تھی اور تمام یورپ میں انقلاب ھی انقلاب کے نعرے سنائی
دیتے تھے - کنی زارو حب وطنی کے جوش و خروش سے متاثر ہو کر صقلیہ

کی قبل از وقت اور بے موقع بغاوت میں شریک ہو گیا - پیسا سے اپنے آبائی وطن کو واپس آ کر سنہ ۱۸۴۷ ع میں صقلیوں کے توپخانے میں شامل ہوا اور مسینا میں ایک توپ خانے کی کمان اسی کے سپرد ہوئی - مسینا کی شکست کے بعد سرکاری حکم سے وہ تورمینا بھیجا گیا تاکہ نپولینی افواج کی پیش قدمی کو روک سکے' جو جنرل فلنگیری کے زیر کمان تھی - لیکن مارچ سنہ ۱۸۴۹ ع میں نووارہ کی شکست اور چارلس البرٹ کے تخت سے اترنے کے بعد صقلیوں کو پالرمو کی طرف پسپا ہونا پڑا - کنی زارو ہی آخری شخص تھا جو نپولینی فوج کی پیش قدمی میں مزاحم ہوا - صقلی حکومت کے ختم ہونے پر وہ کچھ اور لوگوں کے ساتھ انڈیپنڈنٹ نامی جنگی جہاز پر روانہ ہوا - خوش قسمتی سے نپولینی بیڑے سے بچ کر مارسیلز پہنچا - کچھ مہینوں بعد کنی‌زارو پیرس روانہ ہوا - پیریا کی سفارش سے شیوریل (Chevreul) کے معمل میں داخل ہوا - اور کیمیاوی سیانوجن کلورائڈ (Cyanogen chloride) اور سیانا مائڈ کی تیاری پر کام شروع کیا - جس کے نتائج سنہ ۱۸۵۱ ع میں شائع ہوے - کیمیاوی تحقیقات کے سلسلے میں کنی‌زارو کا یہی پہلا کام تھا —

سنہ ۱۸۵۱ ع کے اختتام پر الیسانڈریا (Alessandria) کے قومی اسکول میں پروفیسر مقرر ہو کر وہ اطالیہ واپس آیا - مدرسے میں اس کو ایک چھوٹا سا معمل اور ایک نائب بھی ملا جس کے متعلق اس نے بیرتانینی (Bertagnini) کو خط میں لکھا کہ وہ " ایک نو عمر و ذکی دوا ساز ہے " - یہاں وہ درس و تدریس میں اس قدر منہمک ہوا کہ اس کو اپنے سروپا کا بھی ہوش نہ رہا چنانچہ اپنے دوست بیرتانینی کو لکھا کہ اپنے کام کرنے کو قطعاً وقت نہیں ملتا ہے - مگر باوجود اس کے سنہ ۱۸۵۳ ع

میں اس نے بنزؤک ترشہ (Benzoic Acid) کے جماعت کی ایلکوحل معلوم کی جس کو کہ اس نے بنزالڈی ھائڈ پر کاوی پوٹاش کے عمل سے حاصل کیا - اس کام کو اس نے کئی سال تک جاری رکھا —

سنہ ۱۸۵۲ع کی موسم گرما کی تعطیلات اس نے بیرتانینی کے ساتھہ گزاریں جس کا مانتی نیوزو (Montignoso) میں ایک ذاتی معمل بھی تھا - دونوں نے اس میں انیسک ایلکوحل (Anisic Alcohol) پر کام شروع کیا - لیکن نتائج سنہ ۱۸۵٦ ع سے قبل شائع نہیں ھو سکے - سنہ ۱۸۵۴ ع میں پیریا اور ماتےاوچی (Matteucci) نے رسالہ نو ؤ چیمنتو (Il Nuovo Cimento) کا پہلا نمبر شائع کیا جو مدرسۂ پیساں (Pisan) کا آرگن قرار دیا گیا - اس رسالے کی دوسری جلد میں کنی زارو نے اپنے مذکورۂ بالا کام کے نتائج کو شایع کیا - اس رسالے کے اجرا پر بھی چانسلر اسقف (Chancellor Cardinal Archbishop) کو بہت سے شکوک و شبہات پیدا ھوے کیونکہ ان کے نزدیک طبعیات و کیمیا ایسے علم ھیں جو انسان کو راسخ الاعتقاد نہیں رھنے دیتے -

سنہ ۱۸۵۵ع میں کنی زارو نے جامعۂ جینوا میں پروفیسری کی دعوت کو قبول کیا - اسی دوران میں پیریا کا تبادلہ تیورن ھوا * - پیسا میں اس کی جگہ پر بیرتانینی کا تقرر ھوا —

ابتداءً جنیوا میں کوئي معمل نہ تھا لیکن تقرری کے ایک سال بعد

---

* پیریا اطالیہ کے کیمیاوی مدرسے کا بانی تھا - اس کی تصدیق لیبگ نے بھی کی ھے - پیریا ، کنی زارو کے ساتھہ شفقت سے پیش آتا تھا اور کنی زارو بھی اس کی بہت تعظیم کرتا تھا جس کا اظہار کنی زارو نے سنہ ۱۸۸۳ع میں کتاب موسومہ ''پیریا کی حیات اور کام '' میں کیا ھے (Vita e opere di R. Piria, 1883)

تحقیقاتی کام کرنے کے واسطے اس کو چند کمرے مل گئے ھ

اس زمانے میں یا اس سے کچھہ پیشتر اس نے کیمیا کے بعض اصولی سوالات پر غور کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اس کے مشہور فلاسفیکل کیمیا کے کورس کے اسکیچ میں اور درس و تدریس میں اطالیہ کی سیاسی شورشیں اور انقلابی واقعات ' جو تیزی سے مائل بہ ترقی تھے ' ایک مرتبہ پھر رخنہ انداز ھوے - سنہ ۱۸۶۰ ع کے موسم بہار میں ان جھگڑوں کی وجہ سے جو شمال میں ھو رھے تھے ' جنوبی اطالیہ میں ایک سنسنی پیدا ھوئی ' جو کچھہ دنوں بعد اسی سال اپریل میں ایک بغاوت کی شکل میں نمودار ھوئی - اگرچہ نیپولینی شاھی فوج نے اس کو فوراً ھی فرو کر دیا تاھم گریبالڈی اپنے ھزار سرخ پوشوں کے دستے کی مدد سے ۱۱ مئی کو صقلیہ میں مارسالا پہنچنے میں کامیاب ھوا - بالآخر وہ پالرمو کی طرف روانہ ھوا - اس قصے کو بہت سے لوگوں نے قلمبند کیا ھے جو تعجب خیز حالات سے پر ھے * - جیسے ھی گریبالڈی پالرمو میں داخل ھوا کنی زارو بھی دوسرے دستے کے ساتھہ جو جرنل مدیچی (Medici) کے زیر کمان تھا صقلیہ کو روانہ ھوا - مگر اس نے لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا - پالرمو میں وہ صقلیہ کی مجلس غیر معمولی کا رکن مقرر ھوا -

اکتوبر سنہ ۱۸۶۱ ع میں وہ جینوا سے اپنے آبائی شہر کو بلا یا گیا جامعۂ پالرمو میں کیمیا کی پروفیسری پر اس کا تقرر ھوا - وھاں عملی کام کے واسطے کوئی معمل نہ تھا مگر سنہ ۱۸۶۳ ع میں اس کا انتظام ھو گیا - پروفیسری کے فرائض کے علاوہ اس کو اور کام بھی کرنا پڑتے تھے

---

* ملاحظہ فرمائیے Trevelyan's Garibaldi and the Thousand

اس لئے کہ مجلس بلدیہ میں وہ کسی منصب پر فائز تھا اور ان جگہوں میں مدرسہ قائم کرنے کی انتہائی کوشش کی جہاں کہ بالکل نہ تھے - نیز عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے واسطے بھی انتظام کیا * - بعد ازاں جامعہ کا وہ ریکٹر (Rector) مقرر ہوا - سنہ ۱۸۶۷ ع میں سخت ہیضہ پھیلا جس میں اس کی ایک بہن بھی نذر اجل ہوئی - اس وبا کے دوران میں صحت عامہ کی کمشنری کے فرائض کی انجام دہی اس کے سپرد ہوئی —

کنی زارو پالرمو میں تقریباً دس سال رہا - اس زمانے میں جو کیمیائی کام اس نے درجۂ تکمیل کو پہنچایا وہ بنزائلک ایلکوھل (Benzylic Alcohol) اور دوسری ایروميٹک (Aromatic) اشیا کے حاصلات کے متعلق تھا - اس سلسلے میں اس امر کا بیان کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ جو نو عمر طلبا اس کے زیر اثر تھے ان میں وہ شخص بھی تھا جس نے چند ھی سال بعد تمام کیمیائی دنیا میں سنہ ۱۸۷۴ ع کے مقالے (Memoir) کی بنا پر شہرت حاصل کی - اس مقالے میں ایرومیٹک اشیا کے حاصلات کے (Orientation) کے اصول کو ثابت کیا تھا - کوئرنر (Körner) کے قاعدے سے نامیاتی کیمیا کا ھر ایک طالب علم بخوبی واقف ھے —

سنہ ۱۸۷۱ ع میں وہ روم کی نئی یونیورسٹی میں کیمیا کا پروفیسر مقرر ہوا اور اس وقت تک اس عہدے پر رہا جب تک کہ قضا کو اس نے لبیک نہ کہا - اس جامعہ میں بھی کوئی معمل نہ تھا - مجبوراً اس کو اپنا تحقیقاتی کام بند کرنا پڑا - کیمیائی درس کاہ کوچۂ پانے سپرنا

---

* نووا اینٹولوژیا (جون سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۴۹۲) میں ان تمام کوششوں کی تفصیل موجود ھے جو اس نے اس سلسلے میں و نیز دیگر مواقعات پر کیں-

(Via Panisperna) کی خانقاهی عمارتوں میں نہایت محنت و جانفشانی سے قائم کی - یہاں اس نے بالآخر ایک اسکول قائم کیا - باوجودیکہ اس کے عہدے کے فرائض بہت زیادہ تھے اس نے سینتونن (Santonin) جیسے پیچیدہ مگر دلچسپ مرکب پر ' اپنے شاگردوں اور نائبوں مثلاً اما تو (Amato) کارنے لوتی (Carnelutti) گوچی (Gucci) سیستنی (Sestini) والینتے (Valente) وغیرہ کی مدد سے کئی سال تک کام کرنے کے بعد اس کے ساخت کے مسئلے کو حل کیا —

اسی زمانے میں جامعہ میں اسے ایک دعوت نامہ موصول ہوا - اس کو سیناتی (Senator) بنایا گیا تھا - اعتدال پسند کی حیثیت سے دستور کو خاص شکل میں لانے اور متعدد اطالیہ کے امور میں اصلاح دینے میں اس نے اپنا حق ادا کیا - دوسرے فرائض جو اس کو انجام دینا پڑے وہ معمل کروڑگیری (Customs Laboratory) کے متعلق تھے - اور تمباکو کا انتظام بھی اس سے متعلق تھا - وہ تعلیم عامہ کی مجلس اعلیٰ کا بھی ممبر تھا - کچھ عرصے تک اس کا صدر بھی رہا - پبلک کی معلومات کے واسطے اس نے زراعت کی تعلیم کا انتظام کیا - اور بالخصوص سائنس کو ترقی اور آزاد پیشوں کو فروغ دینے میں اس نے بہت مدد کی - سنہ ۱۹۰۶ع میں روما میں اطلاقی کیمیا (Applied chemistry) کی کانگریس منعقد ہوئی - آنریری صدر کنی زارو ھی تھا - اس کی عمر اسی سال تھی - دوسرے ممالک کے اراکین اس ضعیف العمر شخص کی تیزی و چستی ' عزم و ھمت ' بشاشی و زندہ دلی سے بہت خوش ہوئے - کیونکہ اس نے کانگریس میں پورا پورا حصہ لیا - اس کے درس و تدریس کا سلسلہ اب بھی جاری تھا - بعض اراکین کو کیمیاوی درس گاہ میں لیکچر سننے کا فخر

حاصل هوا جو اس نے اپنے طالب علموں کو دیے۔ یه وهی کمرہ تھا جہاں سے چار سال بعد طلبا کی ایک جماعت اس کو آرامگاہ ابدی تک پہنچا آئی۔ اس نے درس دینا اس سال بند کیا جب اس نے محسوس کیا کہ وہ اب درس دینے کے قابل نہیں رہا۔ اس کی تکالیف میں اضافه ہونا شروع هوگیا اور کچھه دنوں بعد وقت آخری بھی آگیا۔ ۱۰ مئی سنه ۱۹۱۰ع کو اس کا انتقال هوا —

فلورینس میں سنه ۱۸۵۶ یا ۱۸۵۷ میں کنی زارو نے هینریتا ودرس (Henrietta Withers) بنت ایڈورڈ ودرس ایک انگریز خاتون سے شادی کی۔

قلمرو نامیاتی کیمیا میں وہ بہت هی پر جوش محقق تھا۔ اس کے ساتھه اس کے همعصروں کی عقیدتمندی اور جدید کیمیا کی تاریخ میں اس کا اعلیٰ مرتبه اس باقاعدہ علمی درس کی وجه سے هے جس کو سنه ۱۸۵۸ع میں اس نے قلمبند کیا —

کیمیا کی ترقی پر کنی زارو کے مشہور مقالے کا صحیح اثر معلوم کرنے سے قبل مختصراً اس تنقیدی معلومات کا جاننا اور اس رائے کا معلوم کرنا ضروری هے جو سنه ۱۸۵۸ع میں کیمیائی دنیا میں مروج تھی —

ڈالٹن کے نظریۂ جواهر کو قائم هوے پچاس سال گذر چکے تھے۔ اور وہ کیمیاوی لٹریچر میں کافی مقبول عام بھی هو چکا تھا مگر پھر بھی بہت سے اشخاص ایسے تھے جو اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے جس کی شہادت ولیمسن کے سنه ۱۸۶۹ع کے لیکچر سے ملتی هے * اور بالخصوص اس مباحثے سے جو اس کے بعد شروع هوا۔ بعض جواهرات کا طبعی

---

* رسالہ کیمکل سوسائٹی سنه ۱۸۶۹ جلد ۲۲ صفحه ۳۲۸۔

اور کیمیاوی فرق و امتیاز محسوس کرنے لگے تھے - ڈالٹن کے اصول کے مطابق ہر ایک جوہر ایک کرہ ہے جس کا وجود تنہا یا دوسرے جواہر کے قریبی اتصال کی وجہ سے قائم ہے - اور جن کی ایک دوسرے سے علحدگی حرارت کی وجہ سے ہوسکتی ہے - اس وقت طلبا لفظ سالمہ * سے ناواقف تھے - کیمیاداں نہایت اطمینان سے پانی کا ایک جوہر اسی طریقے سے بیان کرتے تھے جیسے آکسیجن کا ایک جوہر - گویا کہ دونوں میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہ تھا - وہ ایووگیدرو کے نام سے قطعاً ناواقف تھے - جن چیزوں کو اس وقت غلط طریقے سے اوزان جواہر کہا جاتا تھا ان کو صحیح طور پر معلوم کرنے کے واسطے بہت سے اشخاص نے کوششیں کیں - اس سلسلے میں برزیلیس' ڈوما' پلوزے (Plouze) میریگنیا (Marignae) اور شٹا (Stas) کے نام قابل ذکر ہیں - اعداد جو اس طریقے پر تجربے سے حاصل ہوئے وہ صرف معادل (Equivalents) تھے - جن کو کسی معیار کی بنا پر صحیح نہیں کیا گیا تھا' جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک کوئی معیار مقرر ہی نہیں ہوا تھا - بلکہ اصطلاح معادل بہت پریشان کن تھی جس کی شہادت اس زمانے کی ایک مقبول عام کتاب سے (سنہ ۱۸۵۶ مصنفہ فاونز (Fownes) ملتی ہے کہ اعداد جن کو معادل کہا جاتا ہے وہ ان کمیتوں یا مقداروں کو ظاہر کرتے ہیں جو کسی ترکیب میں ایک دوسرے کو ہٹاتے ہیں -

---

* لفظ مالیکیول کا استعمال ڈالٹن نے اکثر کیا ہے (کیمیکل فلاسفی جلد ۱ صفحہ ۷۰) اور ایٹم کے معنی میں امپیرے نے (انالن کیمسٹری وفزکس سنہ ۱۸۱۴ جلد ۹۰ صفحہ ۴۳) —

مذکورۂ بالا اعداد کی فہرست میں جن میں نائٹروجن '۱۴' - کاربن '۶' اور ھائڈروجن '۱' تھی ان سب کو آکسیجن کا معادل کہا جاتا تھا جب کہ آکسیجن '۸' تھی —

اس زمانے میں بلکہ اور زیادہ عرصے تک معادلوں کو ایک ھی حجم پر لانے کا بہت سے استادوں کو خیال تک نہ آیا - حالانکہ بخاری کثافت (Vapour density) بارھا معلوم کی گئی - اس کے نتائج صرف امتحانی ضابطے کی جانچ کے واسطے کام میں لائے جاتے تھے جو اشیا کی تشریح سے حاصل ھوتا تھا - بہت کم لوگوں نے حجم کا کوئی معیار مقرر کرنے کے واسطے غور کیا تاکہ امتحانی ضابطے کی اس سے تصدیق کی جاسکے - مثلاً اگر ایسیٹون کی بخاری کثافت معلوم کی گئی تو اس سے ضابطے کی مطابقت ضرور طے ھوسکتی ھے جو کہ تشریح کے بعد قائم کیا گیا ھے مثلاً C_3H_3O (کاربن = ۶ - آکسیجن = ۸) لیکن اس سے کوئی ضابطہ قطعی (Rational formula) آیا کہ وہ C_3H_3O ھے یا $C_6H_6O_2$ یا $C_9H_9O_3$ ھے بخاری کثافت سے طے نہیں کیا جاسکتا (گیلو ویز سیکنڈ اسٹیپ سنہ ۱۸۶۴ صفحہ ۶۸) —

ان واقعات کو مدنظر رکھتے ھوے یہ تعجب خیز معلوم ھوتا ھے کہ سنہ ۱۸۲۶ ع میں دوما اپنے مضمون میں جس میں کہ اس نے بخاری کثافت * کے طریقے کو بیان کیا ھے اس امر کا حوالہ دیتا ھے کہ طبعیات داں اس پر متفق ھیں کہ تمام لچکدار سیالوں میں ایک ھی حالت میں

---

* نظریۂ جواھر کے بعض نکات کے متعلق (Sur quelques points de la Theorie Atomistique) انالن کیمسٹری و فزکس سنہ ۱۸۲۶ جلد ۳۳ صفحہ ۳۳۷

سالمات کے درمیان فاصلہ برابر ہوتا ہے یا ایک ہی حجم پیران کے اعداد بھی برابر ہوتے ہیں —

اس وقت یہ تصور کہ عناصر کے آخری (Ultimate) ذرات میں ایک سے زائد جوہر ہوتے ہیں عام طور سے تسلیم نہیں کیا گیا تھا - یہ یقین کیا جاتا تھا کہ صرف متضاد کیمیاوی یا برقی کیمیاوی اشیا ترکیب یافتہ ہو سکتی ہیں جیسے ہائڈروجن آکسیجن سے، لیکن یہ کہ ہائڈروجن ہائڈروجن سے یا آکسیجن آکسیجن سے بھی متحد ہو سکتی ہے تسلیم نہیں کیا جاتا تھا —

یہ اس امر کی کافی شہادت ہے کہ ایووگیدرو کا سنہ ۱۸۱۱ ع کا مضمون طاق نسیاں کے سپرد تھا اور یہی وجہ ہے کہ عنصری سالمات کی گیسی حالت میں ساخت کے مسئلے سے یا تو کیمیادان واقف نہ تھے اور یا فراموش کر چکے تھے - اپنے مضمون کے دوسرے حصے میں اس نے عنصری سالمات پر بحث کی ہے- پانی کی مثال کو لیا ہے جس سے اس کا مطلب صاف ہو جاتا ہے- وہ بیان کرتا ہے "پس پانی کا سالمہ آکسیجن کے نصف سالمے اور ہائڈروجن کے ایک سالمے سے مل کر بنا ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہائڈروجن کے دو نصف سالموں سے" —

سنہ ۱۸۴۳ ع میں گرہرت (Gerhardt) نے عنصری ہائڈروجن کو ہائڈروجن ہائڈرائڈ (HH) سے اور گیسی کلورین کو کلورین کلورائڈ (clcl) سے ظاہر کیا - لیکن عناصری سالمات کی ساخت کے اس طریقے کے متعلق ایووگیدرو یا امپیرے کے ناموں کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے —

گرہرت کے ضوابط اس کے اپنے خیالات کے مطابق تھے کہ ہر کیمیاوی تبدیلی دوہرے تجزیے کی طرح ہے اور کیمیاوی تعاملات میں خواہ وہ ترکیبی ہوں یا تخریبی پانی یا کاربونک ایسڈ کا تناسب اس سے کم کبھی نہیں ہوتا ہے جو

H_2O اور CO_2 کے ضابطوں سے ظاہر ھے جن میں ھائڈروجن ۱ - آکسیجن ۱۶
اور کاربن ۱۲ ھے - اسی طریقے پر آزاد آکسیجن اور ھائڈروجن کی مقدار
اس سے کم نہیں ھوتی ھے جو H_2 اور O_2 کے ضابطے ظاہر کرتے ھیں —

اس دور میں ایووگیدرو کا نام قطعاً فراموش رھا - ایک صدی
بعد اس کو وجود میں لایا گیا اور اس وجہ سے اس کا صلہ جو اس
کو ملنا چاھئے تھا نہ ملا - اس سلسلے میں امپیرے کی اس مضمون کی
وجہ سے قدرے شہرت (انالن کیمسٹری و فزکس سنہ ۱۸۱۴ جلد ۹۰ صفحہ
۴۳) ھوئی جس کا وہ جائز طریقے سے مستحق نہ تھا - اس کا مضمون
ایووگیدرو کے مضمون سے تین سال بعد شائع ھوا تھا اور اس میں اس
نے اس مسئلے کے متعلق ' کہ مختلف گیسوں کے مساوی حجموں میں
مساوی ذرات ھوتے ھیں ' بشرطیکہ حالات ایک ھی ھوں اس قدر
اھمیت نہیں دی ھے جس قدر کہ ایووگیدرو نے - امپیرے کے مضمون
میں قامی اشیا کے ذرات کی شکل کے متعلق زیادہ تر توجہ مبذول
کی گئی ھے —

ان کیمیا دانوں نے بھی جنھوں نے ایووگیدرو کے خیالات سے فائدہ
اُٹھایا اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ھے - مثلاً لیجیئے گرھرت نے اطالوی
کیمیاداں کا کوئی ذکر نہیں کیا ھے - ڈوما نے اپنے بخاری کثافت کے
مضمون میں جس کا ذکر کیا جا چکا ھے صرف اپنی فوقیت دکھائی ھے
جیسا کہ ذیل کی سطور سے ظاہر ھے " باوجود بہت سے فوائد کے جو
کہ نیچرل فلسفہ کو گے لوسے (Gay Lussac) برزیلیس - ڈولاں (Dulong)
پیٹی (Petit) متشرلش (Mitscherlich) کے کام سے اور امپیرے اور
ایووگیدرو کے عامی خیالات سے حاصل ھوئے ھیں لیکن اب بھی ھم اس

دور سے بہت فاصلے پر ہیں جب کہ سالمی کیمیا پر مقررہ قواعد کی فرماں روائی ہوگی - لیکن برزیلیس کے بے مثال جوش اور جرمن کیمیا دانوں کی فہم و ادراک سے اس مسئلے کے اختتام کی توقع ہو سکتی ہے"—

تیس سال بعد یہ انقلاب ختم ہوا - اس کا مصنف شمالی مدرسے کا کوئی کیمیا داں نہ تھا - اس لحاظ سے تاریخ کیمیا میں سنہ ۱۸۵۸ ع ہمیشہ یادگار رہے گا کیونکہ کنی زارو نے ان سب کی رہنمائی کی جو تاریکی میں غلطاں و پیچاں تھے اور ایووگیدرو کی فضیلت کو کیمیاوی دنیا میں تسلیم کرا دیا —

اس تمہید کے بعد بہت آسانی سے اس انکشاف کی نوعیت، جو کنی زارو نے کیمیا کے طلبا کے سامنے پیش کی سمجھہ میں آجاتی ہے - اب سوال یہ رہتا ہے کہ اس قدر عرصے تک وہ تاریکی میں کیوں رہا - اس کی ایک وجہ اس زبان سے ناواقفیت بھی قرار دی جاسکتی ہے جس میں کہ مضمون شائع ہوا لیکن ۱۸۶۰ ع کے کیمیا دانوں کے واسطے یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اسی سال ستمبر میں کارلسرو ہے (Carlsruhe) میں کانگریس منعقد ہوئی جس میں کنی زارو شریک تھا اور اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے ان بنیادی اصولوں کو جو ہم کو ناقابل گرفت معلوم ہوتے ہیں عوام کو بغیر تسلیم کرائے ہوئے ختم کردیا - اس کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں مرکبات کے افتراق کی دشواریوں کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا؛ مثلاً جب نوشادر اور گندھک کے ترشے کی حرارت سے تصعید کی جاتی ہے تو ان سے خلاف قاعدہ بخاری کثافتیں حاصل ہوتی ہیں -

بعض مباحثوں میں ' جیسا کہ مقرروں نے بیان کیا ھے ' یہ اصول کہ ان معاملات کا انحصار راے پر ھے اور اپنے خیالات پر قائم رھنے کے واسطے ھر سائنسداں کو قطعی آزادی حاصل ھے ' درست نہیں - فنون میں جہاں کہ خیال و جذبہ اور انفرادی مذاق کا دخل ھے قطعی آزادی ضروری ھے لیکن سائنس میں جہاں کہ ان واقعات میں جو درجۂ تکمیل کو پہنچ گئے ھیں اور قیاسی اصولوں میں کوئی فرق نہیں ھے تو ایسے موقع پر صرف عقل ھی بہتر رھنما ھو سکتی ھے - بدقسمتی سے ھمیشہ اس پر عمل نہیں ھوا ھے —

ان کیمیا دانوں میں جو سنه ۱۸۶۰ع کی کانگریس منعقدہ کارلسروھے میں موجود تھے کم از کم ایک ضرور اس کا قائل ھو کر آیا - جرمن اشاعت کے سبب تالیف میں کنی زارو کے خاکے کے متعلق پروفیسر لوتھر میر (Lothar Meyer) بیان کرتا ھے کہ جاسے کے وقت اس کو مضمون کی ایک نقل ملی جس کو اس نے تعجب سے پڑھا مگر اس مضمون نے تمام مشکلوں کا خاتمہ کر دیا - وہ بیان کرتا ھے " ایسا معلوم ھوتا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے سے پردے ھٹ گئے ' شکوک رفع ھو گئے اور ان کی جگہ صلح و آشتی کا اطمینان قلبی نصیب ھوا " - سنه ۱۸۶۴ ع میں لوتھر میر نے اپنی مشہور کتاب ' ماڈرن تھوریز آف کیمسٹری ' شائع کی جس میں کنی زارو کے خیالات پر تفصیلی بحث کی ھے —

ان لوگوں کو جنھوں نے کنی زارو کے کیمیاوی فلسفے کے کورس کا خاکہ پڑھا ھے جس کا فرانسیسی ترجمہ المبک کلب (Alembic Club) میں شائع ھوا - یہ تعجب خیز معلوم ھوگا کہ بہت سے واقعات و دلائل جو بیان کئے گئے ھیں وہ اس وقت کے ھیجان و پریشانی فوراً دور کرنے کے واسطے

کافی نہیں تھے - معمولی اور غیر اہم تبدیلیوں کے بعد وہ نصاب جس میں کیمیائی دنیا کے مسلمہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اس کا مطالعہ بہت سے استادوں کے واسطے اب بھی بیحد مفید ہے —

کنی زارو کا خاکہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے " مجھے کامل یقین ہے کہ دس سال میں جو سائنس میں ترقی ہوئی ہے اس سے ایووگیدرو' امپیرے ' ڈوما کا کلیہ جو اشیا کی گیسی حالت میں یکساں ساخت کے متعلق ہے پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا یعنی یہ کہ ان اشیا کے مساوی حجموں میں خواہ وہ سادہ ہوں یا مرکب سالمات کی تعداد بھی برابر ہوتی ہے - جواہر کی تعداد برابر نہیں ہوتی کیونکہ سالمات میں مختلف حالتوں میں جواہر کی تعداد مختلف ہوسکتی ہے خواہ وہ ایک ہی ہوں یا مختلف النوع " —

اس کے بعد مصنف نے اس خیال کے تاریخی نشو و نما کو ' کیمیائی نظریے کے اثرات کو ' ان اسباب کو جن کی وجہ سے کلیے کے تسلیم ہونے میں رخنہ اندازی ہوئی اور اس ہیجان و پریشانی کو جو سالمہ و جوہر کے امتیاز کی بنا پر پیدا ہوئی بیان کیا ہے - کیمیا کی مختلف شاخوں میں توازن قائم رکھنے کی غرض سے وہ ایووگیدرو کے کلیے کی مدد سے ثابت کرتا ہے کہ ترکیب معلوم ہونے سے قبل سالمی وزن معلوم کئے جاسکتے ہیں اور اس کے لئے ترکیب کا جاننا بھی ضروری نہیں - جن اشیا میں کوئی شے مشترک ہوتی ہے ان کی جماعتوں کے سالمی اوزان طے کرنے کے بعد اس انکشاف کو بیان کرتا ہے کہ ایک ہی عنصر کی مختلف کمیتیں جو مختلف سالمات میں ہوتی ہیں وہ صرف ایک ہی کمیت کا ضعف ہوتی ہیں' جس کو وزن جوہر سے تعبیر کرتے ہیں -

متعدد تصعیدی کلورائڈ ' بروماڈ اور آیوڈائڈ کی ساخت کے بعد مرکیورس و مرکیورک مرکبات کی ساخت کا مسئلہ آتا ہے اور مصنف ثابت کرتا ہے کہ پارے کا چھوٹے سے چھوٹا تناسب ' جو کسی سالمے میں جس میں کہ وہ عنصر ہو ' ۲۰۰ ہوتا ہے لہذا یہ دھات کا وزن جوہر ہے - بعدازاں اس عدد کی صداقت کو حرارت نوعی (Specific heat) کے قانون سے ثابت کرتا ہے - تانبے اور پارے کے کلورائڈ کی باہمی مناسبت کی بنا پر وہ ان مرکبات کا امتحان کرتا ہے - چونکہ ان نمکوں کی بخاری کثافتیں معلوم نہیں ہیں ' تانبے اور اس کے مرکبات کی حرارت نوعی کی مدد سے وہ تانبے کا وزن جوہر ۶۳ قائم کرتا ہے - غیر ترکیب یافتہ دھات کا اگر یہ وزن سالمہ قرار دیا جائے تو اس کی جانچ کے واسطے کوئی طریقہ نہیں ہے جب تک کہ اس کی بخاری کثافت نہ معلوم ہو سکے - اس کے بعد دوسری دھاتوں کی بحث شروع ہوتی ہے اور مصنف بیان کرتا ہے کہ ایسی مثالوں میں جیسے رانگہ (Tin) جن کے ایسے مرکبات بنتے ہیں جن کی تصعید بغیر تجزیے کے ہوتی ہے اور جن کے سالمی اوزان معلوم کئے جاسکتے ہیں ' ان کا وزن جوہر جو حرارت نوعی کی بنا پر اخذ کیا جاتا ہے - لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے " کیا ان سب دھاتوں کے جواہر ان کے سالمات کے برابر ہیں یا وہ ان کے معمولی کسر (Submultiple) ہیں ؟ - اس کے بعد وہ بیان کرتا ہے " میں تمہارے سامنے وہ دلائل پیش کر چکا ہوں جن کی بنا پر میں نے خیال کیا کہ ان دھاتوں کے سالمات بھی پارے کی طرح ہیں لیکن اس کے متعلق میں تم کو متنبہ کرتا ہوں کہ مجھے اپنے وجوہات پر اس قدر وثوق نہیں ہے جس سے وہ اطمینان حاصل ہو جو ان کی بخاری کثافتوں کے معلوم ہونے کے بعد حاصل ہوگا "

وہ گرھرت سے اختلاف کرتا ھے جس نے دھاتوں کے جواھر کو ان کے سالموں کی کسروں سے ظاھر کیا ھے جیسا کہ ھائڈروجن کی مثال سے ظاھر ھے —

کنی زارو گرفت کے موجودہ قواعد کے بھی بالکل قریب تر معلوم ھوتا ھے جب کہ وہ مختلف جواھر کی قابلیت سیری (Capacity of Saturation) پر بحث کرتا ھے - "دو جوھری اصلیوں کا ، جو قابل تقسیم نہیں ھیں ، تذکرہ کرتے ھوئے بیان کرتا ھے کہ وہ دو ھائڈروجن یا دو کلورین کے برابر ھیں - کیکو ڈائل (C_2H_6As) ، میتھل (CH_3) ، ایتھل (C_2H_5) اور دوسرے (homologous) اور (Isologous) اصلیے ھائڈروجن کے جوھر کی طرح یک جوھری ھیں اور اُن کی طرح تنہا سالمہ نہیں بنا سکتے بلکہ دوسرے یک جوھری اصلیے سے خواہ وہ سادہ ھوں یا مرکب ، ایک ھی قسم کے ھوں یا مختلف اقسام کے ، ان کا ملنا ضروری ھے - ایتھیلین (C_2H_4) پروپلین (C_3H_6) دو جوھری اصلیے ھیں اور مرکیورک اور کیوپیرک ، جست ، سیسہ ، کیلسیم ، میگنیسیم کے نمکوں کے اصلیوں کے مشابہ ھیں اور یہ اصلیے پارے کے جوھر کی طرح خود بھی سالمہ بنا سکتے ھیں - مرکیورک نمکوں اور ایتھیلن اور پروپلین میں جو مشابہت ھے ، جہاں تک میرا خیال ھے ، کسی کیمیاداں نے بیان نہیں کی ھے" —

خاکے میں بہت سی اھم باتیں موجود ھیں جو مصنف نے اپنے خیالات کے ثبوت میں پیش کی ھیں لیکن اقتباسات جو یہاں دئے گئے ھیں ان سے اس امر کا پتا چلتا ھے کہ وہ شخص کیسا روشن دماغ ، کیسا منظّم اور کیسا منطقی ھے جس نے ان الجھے ھوئے واقعات سے جو اس کے زمانے میں کیمیائی نظریے کے حامل تھے ، ایسا مواد جس سے سائنٹفک کیمیا کے مستحکم ،

باترتیب اور معنی خیز نظام کی بنا پڑی، منتخب کیا —

کنی زارو نے جو احسان کیمیا پر کیا اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے —

اول یہ کہ اس نے دو اصولی طریقے بیان کئے جن سے کہ اوزان جواہر معلوم کئے جاسکتے ہیں - پہلا و ۲ ہے جس میں و ۲ سالمی اوزان کے حوالے سے جو ایووگیدرو کے کلیے کی مدد سے حاصل ہوتے ہیں، اخذ کئے جاتے ہیں اور دوسرا اس طریقے کی بنا پر ہے جو ابتداءً دولاں اور پیتی نے معلوم کیا تھا جس سے جامد اشیا کے وزن جوہر اور حرارت نوعی کا عام رشتہ معلوم ہوتا ہے - اس نے ثابت کیا کہ جب کسی شے کا وزن جوہر ان دو طریقوں سے معلوم کیا جاتا ہے تو نتائج میں کوئی فرق نہیں آتا —

دوسرے اس نے غیر نامیاتی کیمیا میں ایک نئی روح پھونک دی - غیر نامیاتی مرکبات پر بھی انہی اصولوں کو برتا جن کا اطلاق نامیاتی مرکبات پر ہوتا تھا اور اس طریقے پر اس وہم کا خاتمہ کردیا جو کیمیا دانوں کے دماغوں میں ایک عرصے سے منڈلا رہا تھا کہ نامیاتی کیمیا کے اصول ان سے بالکل جداگانہ ہیں جو معدنی اشیا میں برتے جاتے ہیں —

حقیقتاً کیمیا کی ساری سائنس ایک ہی ہے اور اوزان جواہر بھی ایک ہی ہیں —

یہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا اگر ان تاثرات کو بیان کیا جائے جو کنی زارو کے اصول تسلیم کرنے کے بعد رونما ہوئے - اگرچہ ان کو نہایت سرد مہری سے قبول کیا گیا تھا، کیمیا دانوں میں چالیس سال

یا کچھہ زیادہ عرصہ سے جو اتحاد قائم ہے وہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ جن اساسی اصولوں کی تعلیم کنی زارو نے دی تھی وہ بہت مناسب و معقول ہی نہیں ہیں بلکہ قابل عمل بھی ہیں - اب اوزان جواہر کے متعلق باہمی مناقشہ و جھگڑا باقی نہیں ہے اور نہ جماعت بندیاں ہیں اگرچہ یہ ضرور ہے کہ بعض اب بھی ہائڈروجن کی اکائی تسلیم کرتے ہیں اور دوسرے آکسیجن کی اکائی بہتر سمجھتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں مگر یہ بات ایسی نہیں ہے کہ جس سے کیمیا کی عام زبان یا خیالات میں کسی قسم کا فرق پڑ سکے - اوزان جواہر کے واسطے یکساں معیار مقرر ہو جانے کی وجہ سے معلوم شدہ عناصر کا معہ ان کے تمام تعاملات کے کلیہ ادوار کی شکل میں ایک مکمل جماعت بندی کا نظام قائم ہو گیا - جس کو پھر بیان کیا جائے گا - نظر ثانی کے بعد تصحیح شدہ جو نظام اوزان جواہر کا قائم ہوا ہے اس سے ساخت کے ضوابط کا جو نظام ظہور میں آیا اس کو عام طور سے تسلیم کر لیا گیا جس کا دارومدار گرفت پر ہے جس کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ترکیب و اجتماع (Combination) کے باوجود کیمیائی اُلف (Affinity) کی نوعیت یا اس کے سبب کے متعلق بغیر کسی قسم کا دعویٰ قائم کیے ہوئے ' وہ ایک خاصیت ہے جو عناصری جواہر میں پوشیدہ ہے اور تعاملات میں آشکارہ ہوتی ہے- تسطیحی کیمیا (Stereo chemistry) کے شعبے میں جو عجیب و غریب انکشافات ظہور میں آئے ہیں ان سے جوہری عمارت یا ڈھانچے کے متعلق ایسا ثبوت ملتا ہے جو کبھی باطل نہیں گردانا جاسکتا اور اب وہ زمانہ گذر چکا ہے کہ جوہری کلیے کے کسی جز کے خلاف بھی کوئی سنجیدہ شہادت پیش کی جا سکے - اس لیے کہ ہم واقف ہو چکے ہیں کہ تنہا و منفرد جوہر کس طریقے سے معلوم

اور شمار کیے جا سکتے ہیں —

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام موجودہ معلومات و انکشافات جلد یا دیر سے انسان کے قبضے میں آ ہی جاتے - لیکن موجودہ نسل ' کیمیا کے تجربوں سے جو مستفید و مستفیض ہے وہ کنی زارو ہی کی وجہ سے ہے - ساٹھہ سال ادھر اس کے کلیے نے کیمیائی نظریے کے تاریک مقامات کو جس طرح روشن کردیا ' اس کے بغیر کیمیا غیر منضبط ' بے ربط اور پریشان کن واقعات کا مجموعہ ہوتی —

اسی وجہ سے اس زمانے کے کیمیا دانوں پر اس کی تعظیم و تکریم اوراس کی یادگار کو قائم رکھنا فرض ہے - انگریزی انجمنوں اور اداروں نے کنی زارو کی ان خدمات کے سلسلے میں جو اس نے سائنس کے متعلق کیں کوئی تعصب نہیں برتا کیونکہ کیمکل سوسائٹی کے اعزازی اراکین کی محدود فہرست میں سنہ ۱۸۶۲ ع میں اس کا نام شامل کیا گیا - دس سال بعد اس کو دوسرا فیریڈے لکچر دینے کے واسطے مدعو کیا گیا اور پھر سنہ ۱۸۹۶ ع میں اس کی ستر سالہ سالگرہ کی خوشی میں کیمکل سوسائٹی کی طرف سے اس کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا جس میں سوسائٹی کے تمام رفقا کی طرف سے تعریم و تکریم ' خلوص اور عقیدتمندی کا اظہار کیا گیا تھا —

سنہ ۱۸۹۱ ع میں رائل سوسائٹی نے اس کو کوپلے میڈل (Copley medal) سے سر فراز کیا - یہ انتہائی اعزاز ہے جو سوسائٹی کے قبضۂ قدرت میں ہے —

ایووگیدرو اور کنی زارو کے حالات سے ظاہر ہے کہ تمام دنیا میں سائنٹفک خیالات کے اتحاد کی یادگار میں ایسا انتظام ہونا چاہئے

اور ایسی روح رواں ہونی چاہئیے جس سے سائنٹفک امور میں صرف انفرادی انصات ہی نہیں بلکہ مکمل بین الاقوامی انصات قائم ہو سکے -

اطالوی سائنس خرافات نہیں ہے - رائل سوسائٹی جب کہ قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے قائم ہونے کا خیال تک نہ آیا تھا فرانس کی سائنس کی اکیڈمی وجود میں آچکی تھی' گیلیلو اور طریسلی (Torricelli) دنیا کو حیرت میں ڈالنے والے انکشافات کر رہے تھے - اس زمانے میں قدرتی مظاهر کے مشاهدے کرنے کا تو کیا ذکر ہے صرف اپنے ماحول کے متعلق غیر مقبول نرالے لہذا خارجی یا بدعتی خیالات هی پر غریب فلسفی پر سیاسی اور مذہبی جہالت و تعصب کا فتوی لگا دیا جاتا تھا - اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ لوگ جن کی دلچسپی علم کی نئی روشنی کی وجہ سے زیادہ ہو جاتی تھی وہ اپنے مباحثوں اور جلسے کے مقاموں کو ہر قسم کے خیالی اور مضحکہ آمیز پردوں سے پوشیدہ رکھتے تھے - اور حصول مقصد کے لیے مکر و فریب اور حیلہ و بہانے سے کام لیتے تھے *—

خوش قسمتی سے ایسا تعصب بارہا برتا گیا ہے جیسا رسالہ نوو و چیمنتو (Il Nuovo Cimento) کی اشاعت سے ظہور میں آیا لیکن اب وہ بے بنیاد ہے - ایووگیدرو کے دعوے کے متعلق لاپرواهی مذہبی پیشواؤں کا اثر قرار نہیں دی جاسکتی - گمنامی جو اس کے تسلیم نہ ہونے دینے میں حائل ہوئی وہ خود کیمیا کی وجہ سے پیدا ہوئی بلکہ

---

* دیکھو دسرائلی کا " کیوریا سیٹیز آف لٹریچر " جس میں اطالوی اداروں کے مضحکہ آمیز عنوانات رکھنے کے متعلق بیان کیا گیا ہے —

تحقیقاتی کام ھی کچھہ عرصے تک نئے اور غیر منضبط واقعات کی بھر مار کی وجہ سے پریشانی میں اور زیادہ اضافہ کرتا ہوا معلوم ہوا - حقیقتاً سائنس کو اتی ودق صحرا یا سنسان ویرانے میں اس وقت تک چلنا پڑا جب تک کہ وہ زبردست رھنما اس کی رھنمائی کو نہ آیا - یہ واقعی عجیب بات ھے کہ ایووگیدرو اس سے صرف دو سال قبل داعی اجل کو لبیک کہہ چکا تھا جب کہ کیمیا دانوں کی کانگریس میں اس کے دعوے اور اس کے کلیے کے اطلاق کا باقاعدہ اعلان ہوا - اگر وہ کچھہ دن اور زندہ رھا ھوتا تو اس کو مزید اطمینان اس امر کا ھوتا کہ اس کا کلیہ اس کے ہم وطن ھی کی وجہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچا —

آلۂ آب شناسی

از

جناب سید اسرار حسین صاحب ترمذی حیدرآباد دکن

سنہ ۱۹۰۴ ع میں اسمتھہ انجینیرنگ کمپنی لندن اور بعد ازاں میںسفیلڈ کمپنی برکنہڈ کی جانب سے ایک ایسے آلہ کی ایجاد کا اعلان کیا گیا جس کی بدولت زیر زمین پانی کے جھروں کی دریافت ہو سکتی ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لیے سنہ ۱۹۰۹ ع میں سر رشتہ زراعت احاطہ بمبئی نے میںسفیلڈ کا ایک آب شناس (Water finder) طلب کر کے عرصۂ دراز تک اس کی مدد سے زیر زمین پانی کے جھروں کے دریافت کا کام بطور آزمائش جاری رکھا - جب تجربہ سے یہ مشین Trap رقبہ کے لیے سود مند ثابت ہوئی تو پبلک کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دیا گیا - اور سنہ ۱۳۲۶ ف میں جب بورنگ کا کام ملک سرکار عالی میں آغاز ہوا تو ایک آلۂ آب شناسی طلب کیا گیا- مگر کوئی ایسا مواد دستیاب نہ ہو سکا جس سے معلوم ہوتا کہ کس حصۂ ملک میں اس آلہ کی آزمائش کی گئی تھی اور اُس سے کیا نتایج بر آمد ہوے تھے ــ

اس آلہ میں کچھہ نقص آجانے کی وجہ سے دوسرا آلہ سمتھہ واٹر فایںڈر سنہ ۱۳۳۷ ف میں سررشتہ زراعت سرکار عالی کی جانب سے خریدا گیا اور ملک سرکار عالی کے حالات اراضی کے لحاظ سے حوالیء بلدہ و اطراف بلدہ کے سنگ خارا (Granite) ، نیس (Gneiss) سرھنتوارہ کے ٹریپ اور وقار آباد

کے لیٹرائٹ (Laterite) رقبوں میں بطور تجربہ آلہ مذکورہ کا کام انجام دیا گیا - جس کا نتیجہ یہ رہا کہ ٹریپ لیٹرائٹ رقبوں میں یہ آلہ بہت مفید ثابت ہوا - علاقۂ تلنگانہ میں بھی اس کے سود مند ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے —

یہ آلہ ایک چوبی صندوق پر مشتمل ہوتا ہے جس کے اوپر نیچے دو خانے ہوتے ہیں - نیچے کے خانہ میں آلہ کے اصلی اجزا محفوظ کئے گئے ہیں - اوپر کے خانہ میں ایک بلوری پلیٹ نصب کی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کا بالائی حصہ ایک دوسرا خانہ بن گیا ہے - اس خانہ کے عین وسط میں ایک کیل موجود ہے جو آلہ کے اصلی اجزا سے ملحق رہتی ہے - آب شناسی کے وقت اس کیل پر ایک ہلکی سی مقناطیسی سوئی بٹھا دی جاتی ہے - اس سوئی کے نکالنے اور بٹھانے کے لیے اوپر کے خانہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ بھی لگا ہوا ہے - سوئی کی حرکت کا اندازہ کرنے کے لئے بلوری پلیٹ پر ایک پیمانہ دیا گیا ہے جس پر درجہ اور ثانیہ موجود ہیں - آلہ کے ہمراہ ایک تپائی بھی رہتی ہے جس پر ایک افق نما (Spirit level) بھی نصب کیا جاتا ہے جس کی مدد سے تپائی کو بالکل مسطح طور پر زمین پر قائم کیا جا سکتا ہے - تپائی کے وسط میں جو خط مستقیم کھنچا ہوتا ہے اس کا رخ قطب نما کی مدد سے شمال کی طرف رکھا جاتا ہے - جس مقام پر اس آلہ کے ذریعہ امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے - وہاں تپائی کو مذکورۂ بالا طریقہ پر قائم کر کے آلۂ آب شناسی اُس پر رکھ دیا جاتا ہے اس طرح کہ پیمانہ کا ۹۰ کا نشان شمال کی طرف رہے - اِس کے بعد آلہ کا در کھول کر کیل پر مقناطیسی سوئی نصب کر دی جاتی ہے -

اور دروازہ بند کر دیا جاتا ہے - تھوڑی سی دیر میں آلہ کے اوپر کے خانہ میں ہوا کا زور اسقدر کم ہوجاتا ہے کہ سوئی ۹۰ پر یا اسکے قریب ساکن ہوجاتی ہے - جب آلہ ایسے مقام پر ہوتا ہے جس کی سطح کے نیچے پانی کے جھرے موجود رہتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ دس منٹ کے اندر سوئی پھر پیمانے پر حرکت کرنے لگتی ہے - اس حرکت پر نظر رکھنے کے لئے آلہ کے اوپر اور ایک بازو میں آئینے جڑے ہوتے ہیں —

کسی حصۂ ارضی پر آب شناس سے آزمائش کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً زمین کے قدرتی نشیب وفراز کا لحاظ کرکے بادی النظر میں جو مقامات اُمید افزا نظر آئیں وہاں اس آلہ کی مدد سے دو تین دفعہ امتحان کرنے کے بعد جہاں سوئی کی حرکت زیادہ رہتی ہے اُس مقام کو منتخب کر لیا جاتا ہے - اگر یہ صورت ممکن نہیں ہوتی تو اُس خطۂ زمین کا خط وتر نظر میں رکھکر اندازاً ہر پچیس یا تیس فٹ کے فاصلہ پر آلۂ مذکور کے ذریعہ امتحان کیا جاتا ہے - جہاں سوئی کی حرکت زیادہ اطمینان بخش ہوتی ہے اس کے اطراف چند اور نقطوں پر بھی امتحان کیا جاتا ہے اور سب سے زیادہ اُمید افزا مقام منتخب کر لیا جاتا ہے - عموماً زیر زمین پانی کی تعداد کے لحاظ سے سوئی کی حرکت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے یعنی کبھی ۹۰° اور ۹۵° کے درمیان کبھی ۸۵° اور ۹۵° کے درمیان وعلیٰ ہذا - لیکن سوئی کی حرکت میں زیادتی ہمیشہ پانی کی کثیر مقدار دستیاب ہونے کی ضامن نہیں ہوتی -

جن اصول پر یہ آلہ زیر زمین پانی کے جھروں سے متاثر ہوتا ہے افسوس ہے کہ اسکو تجارتی راز کے طور پر پوشیدہ رکھا گیا ہے - موجد کا

بیان ہے کہ زمین کے زیرین طبقوں میں عمودی ہوائی لہریں پائی جاتی ہیں اور چونکہ اُن مقامات پر جہاں زیر زمین پانی کے جھرے موجود ہوں ایسی ہوائی لہروں کی افزائش ہوتی رہتی ہے اس لئے سوئی میں حرکت ہوتی رہتی ہے۔

اگریکلچر کیمسٹ بمبئی کا خیال ہے کہ یہ آلہ ایک طرح کی برقی رو سے جو شاید زیر زمین نالہائے آب کے زور کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے متاثر ہوکر حرکت کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اس قسم کی برقی قوت کا وجود پایا جاتا ہے یا ہوائی لہریں زمین سے اٹھتی ہیں تو قریب کے طبقات ارضی کے شگافوں اور درازوں میں یہ عمل زیادہ ہونا چاہیے —

اس بنا پر یہ امر نظر انداز نہ کرنا چاہئیے کہ ایک ہی مقام پر جہاں زیر زمین خزانہائے آب موجود ہوں سوئی کی حرکت یکساں نہیں رہے گی۔ اور اوقات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ حرکت میں بھی اختلات پایا جائے گا۔ کیونکہ تعداد آب میں کمی یا بیشی کی وجہ سے قوت برقی میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ہوائی لہروں میں بھی کمی و بیشی واقع ہوتی رہتی ہے —

خزانہائے آب جو بصورت تالاب یا حوض وغیرہ زیر سماں موجود رہتے ہیں آلہ پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر پانی صرف معمولی (رستے سے) جمع ہو جائے تو بھی آلہ کی سوئی میں حرکت نہیں ہوتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف پانی کے مستقل جھرے ہی آلہ کی سوئی کو متاثر کرسکتے ہیں —

آلہ کا استعمال طلوع آفتاب کے بعد سے $9\frac{1}{2}$ بجے تک کیا جا سکتا ہے۔

اُس کے بعد تمازت آفتاب سے آله کے گرم ہو جانے کا اندیشه رهتا هے۔ جس کی وجه سے بعض دفعه غیر معمولی طور پر سوئی کی حرکت زیادہ ہو جاتی هے۔ سه پهر میں بهی غروب آفتاب تک اس آله سے کام لیا جاسکتا هے۔ مگر اُس وقت سوی کی حرکت عموماً کم رهتی هے۔ اس بنا پر کسی منتخبه مقام پر زیر زمین آب کی موجودگی کی نسبت راے قایم کرنے سے قبل مختلف اوقات میں امتحان کیا جاتا هے —

یه انتظام بهی کیا جاتا هے که آله پر آفتاب کی شعاعیں راست نه پڑیں - اس کے لیے بوقت امتحان ایک چهتری کی مدد سے سایه کیا جاتا هے —

آله سے تجربه کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکها جاتا هے که مطلع بالکل صاف ہو - کیوں که آسمان بالکل ابر آلود ہو یا جزی طور پر هر صورت میں سوی کی حرکت میں غیر معمولی طور سے زیادتی ہو جاتی هے یا مطلق حرکت نہیں ہوتی - اور کوئی راے قایم کرنا دشوار ہو جاتا هے —

موسم بارش میں چوں که زمین بارش سے سیراب رهتی هے اور عارضی جهرے جاری ہو جاتے هیں اس لیے آلۂ آب شناس کا استعمال اس زمانه میں کسی طرح مناسب تصور نہیں کیا جاتا هے —

یه بات بڑی نظر انداز نه ہونی چاهیے که آلۂ آب شناس کا استعمال کسی عمارت یا لوهے کی قربت میں نہیں کیا جاسکتا کیوں که ان اسباب کی موجودگی میں مقناطیسی سوئی پر اثر پڑنے کا احتمال رهتا هے - اسی طرح درختوں کے زیر سایه بهی امتحان مناسب نہیں ہوتا - اس آله سے زیر زمین پانی کی گہرائی اور مقدار کا صحیح اندازہ قایم کرنا

تا وقتیکہ اطراف واکناف کی باؤلیوں اور مقامی حالات ارضی سے واقفیت نہ هو دشوار طلب هے - کیوں کہ دو مختلف مقام پر سوئی کی حرکت یکساں اور اُمید افزا هو تو بادی النظر میں اس کے دو معنی مراد لیے جاسکتے هیں اول تو یہ کہ پانی زیادہ مقدار میں موجود هے مگر ساتھہ هی ساتھہ پانی کا عمق زیادہ هے - ثانیاً پانی کی مقدار تو زیادہ نهیں مگر ماخذ بالکل قریب هے - اس بنا پر آب شناس سے امتحان کے بعد تھیک نتیجہ اخذ کرنے کے لیے نہ صرف اطراف واکناف کی باولیوں کے عمق اور مقدار آب کا اندازہ زیر نظر رهنا ضروری هوتا هے بلکہ بعض قریب تریں باولیوں کا بطور آزمایش امتحان کیاجاتا هے - ان حالات کی عدم موجودگی میں جو رائے پانی کی مقدار اور گهرائی کی نسبت قایم کی جائے گی وہ تجربہ اور قیاس پر مبنی هوگی —

ملک سرکار عالي کے ٹریپین (Trapean) رقبہ میں آلۂ آب شناسی کا کام باقاعدہ طور پر سنہ ۱۳۳۸ ف میں آغاز کیا گیا - نتیجہ عام طور پر یہی رها کہ جاری باولیوں کے قرب میں سوئی کی حرکت بہت اطیمنان بخش رهی اور خشک باولیوں کی قرب مین سوئی ساکن رهی - اضلاع مرهٹواڑہ میں بعض مقامات پر (Basalt) بیسلت کی چٹانیں بوسیدہ هو کر گویا مورم کی صورت اخیتار کر لیتي هیں بعض جگہ نرم قسم کا ٹریپ (Amygbaloid trap) پایا جاتا هے اور جهاں یہ حالات رونما هوں وهاں پانی بہ آسانی دستیاب هو جاتا هے • مگر یہ خاص صورتیں هیں ورنہ مرهٹواڑہ میں هر مقام پر نا معلوم عمق تک ٹریپ پتھر کي افقي چٹانیں پهیلی هوئی هیں - اور چندفٹ متی اور مورم کے بعد غیر مسام دار پتھر هی پتھر پایا جا تا هے - جس

کی بنا پر باولی کھدوانے کے بعد پانی کا ملنا ایک ضروری امر نہیں ہے - اور فی صد تیس چالیس باولیاں ناکام رہتی ہیں کیونکہ بیسلت(Basalt) کی چٹان اور شگافوں کے بر آمد ہونے پر پانی ملنے کی توقع رہتی ہے - اس لحاظ سے یہ آلہ دریافت آب میں قابل لحاظ طور پر سہولت بہم پہنچاتا ہے - اضلاع تلنگانہ میں حالات ارضی جن کا بڑا حصہ خارا اور نیس کے طبقات پر مشتمل ہے مرھتواڑہ سے بالکل مختلف ہیں - یہاں ہر جگہ کافی عمق تک پتھر اور چٹانیں مقشر ہو کر بوسیدہ ہوگئی ہیں جس کی وجہ سے بارش کا پانی آسانی کے ساتھہ زمین کے اندر سرایت کرتا رہتا ہے - مگر یہ بات نظر انداز نہ ہونا چاہئیے کہ جہاں سطح زمین پر پتھر موجود ہے تو پھر یہ ایسا سخت ہوتا ہے کہ وہاں باولی کھدوانے یا پانی ملنے کی توقع بہت کم رہتی ہے - مگر بعض جگہ زیر زمین حائل شدہ پتھر گنبد کی شکل میں موجود ہوتا ہے اور جب اس کو توڑا جاتا ہے تو اس کے نیچے پانی بر آمد ہو جاتا ہے - اضلاع تلنگانہ میں اکثر مقامات پر اس آلہ سے زیر زمین پانی کی تلاش کا کام عمل میں لایا گیا - جو نتائج برآمد ہوے ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایک بڑی حد تک یہ آلہ سودمند تصور کیا جا سکتا ہے - حال ہی میں یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ جرمنی میں ایک جدید آلہ کی ایجاد عمل میں آئی ہے جو پانی کی مقدار اور اس کے عمق کو راست بتلاتا ہے —

بالا کرۂ ہوائی میں پرواز

از

جناب ابوالمکارم فیض محمد صاحب صدیقی، بی اے،
ڈپ، ایڈ (عثمانیہ) حیدر آباد دکن

پرواز نے گذشتہ بیس پچیس سال کے دوران میں بہت ہی مہتم بالشان ترقی کرلی ہے اور آج کل ماہرین فن پرواز کے سامنے بہت سے محیر العقل مسئلے پیش ہیں جو اگر حل ہو جائیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری موجودہ معاشرت کا رنگ بہت کچھ بدل جائے گا اور ایسی چیزیں جو اس وقت ناممکن سی معلوم ہوتی ہیں ممکن ہوجائیں گی - ان مسائل میں جن کے حل کے لئے آج یورپ اور امریکہ کے نکتہ رس دماغ اپنی پوری توانائی صرف کر رہے ہیں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہت ہی بلندی پر یعنی ہوا کے اس خطہ میں جس کو بالا کرۂ ہوائی (Stratosphere) کہتے ہیں پرواز کس طرح کی جائے ؟ اس سلسلہ میں جرمنی اور فرانس کے ماہرین فن پرواز نے بہت کچھ نمایاں کام انجام دیا ہے اور دے رہے ہیں - بالخصوص پروفیسر پیکارڈ Picard اور ان کے ساتھیوں نے غباروں میں پرواز کر کے ایسے دلچسپ و درخشاں نتائج اور مفید معلومات حاصل کی ہیں کہ آئندہ ترقیات کا تخیل ہمارے لیے بہت ہمت افزا بن گیا ہے اور یہ مسئلہ بہت بڑی حد تک علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے دلچسپ ہوگیا ہے —

پرواز کی موجودہ صورت خود بہت کچھہ اطمینان بخش ہے تاہم اس میں اب بھی ایسی خامیاں اور دشواریاں پائی جاتی ہیں کہ جب تک ہم ان پر پوری طرح سے قابو نہ پالیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے پرواز پر کچھہ دسترس حاصل کیا ہے - فضائی خلل ' طویل مسافت اور بے روک پرواز' پرواز کی راہ میں ایسے روڑے ہیں کہ جب تک اُن کو ہٹا نہ دیا جائے پرواز کا حقیقی لطف نہیں آسکتا - یہی وجہ ہے کہ پرواز کا مسئلہ زمانۂ حال کے محققین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور اگر ان کی کوششیں بارور ہوئیں تو معاشی اور تجارتی نقطۂ نظر سے بلند پروازی بہت ہی کامیاب اور مفید ثابت ہوگی —

اگر اس زمانے میں بے قیام پرواز (Non-stop flight) منظور ہو تو اس کے لیے کافی سے زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے - ہر طیارے میں مخصوص وزن کو لیجانے کی اہلیت ہوتی ہے اور مخصوص وزن میں خود طیارے کے ڈھانچے کا وزن ' مسافر' تیل ' دیگر سوختنی اشیا اور سامان کا وزن شامل ہے - اگر بے قیام پرواز منظور ہو تو ہمیں تیل' سوختنی اشیا اور سامان کو ایسی نسبت سے گھٹانا پڑے گا کہ وزن میں تعادل قائم رہ سکے - اب چونکہ یکسان طویل مسافت کے لیے تیل اور سوختنی اشیا کی کافی مقدار میں ضرورت پڑتی ہے اس لیے سامان کے وزن اور مسافروں کی تعداد کو معتدبہ گھٹانا پڑتا ہے - یہاں تک کہ اگر ۱۲۵۰ میل کی پرواز ہو تو اس میں تگنے اخراجات بیٹھتے ہیں یعنی تین آدمیوں کا خرچ ایک آدمی پر پڑتا ہے - اگر بجائے اس کے ہر ۵۰۰ میل پر ٹھہرتے جائیں تو اس کے لیے اتنے ہی اخراجات ہوتے ہیں جتنے کہ ایک آدمی کے مسلسل ۱۲۵۰ میل طے کرنے میں

ہوتے - اسی باعث اس زمانے میں بے قیام پرواز ایک مشکل امر ہے - ہر ۵۰۰ میل یا اس سے کم فاصلے پر ٹھیر کر تیل ' پٹرول وغیرہ لینا پڑتا ہے - خشکی کی حد تک تو یہ چیز آسان ہے لیکن اگر دو ملکوں کے درمیان عظیم الشان سمندر حائل ہو تو بڑی دشواری ہوتی ہے - اس لیے اس مقصد کے واسطے عارضی طیارہ گھر بنائے جاتے ہیں جو فی الواقعی بہت قیمتی ہوتے ہیں —

موجودہ حالت میں اگر معاشی نقطۂ نظر سے پرواز سے تجارت میں مدد لینا چاہیں تو اس کے لیے بس یہی کیا جاسکتا ہے کہ طیارے کی رفتار بڑھا دی جائے - اگر بغیر اضافۂ طاقت کے رفتار کو دوگنا کیا جاسکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سامان اور مسافروں کا کرایہ بالکل نصف ہو جائے گا - لیکن ایسی صورت اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ بلند ارتفاعی پرواز (High Altitude flying) کا مسئلہ حل نہ ہو جائے کیونکہ اس صورت میں بغیر اضافۂ طاقت کے رفتار کو بڑھایا جا سکے گا - موجودہ صورت میں بہت دقت ہے - ایک تو اس لحاظ سے کہ رفتار بڑھانے کے لیے طاقت کو بڑھانا پڑے گا اور طاقت کو بڑھانے کے لیے صرفہ زیادہ ہوگا - دوسری چیز یہ کہ موجودہ صورت میں رفتار کا زیادہ کرنا مسافروں کے لیے خطرناک ہے اس لئے طیارچی اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتے کہ طیارے کی رفتار بڑھائی جاے —

طیاروں کی رفتار اور ان سے متعلق مختلف امور پر بحث وتمحیص کرنے سے قبل بہتر ہوگا کہ پرواز کے ابتدائی اصولوں کے متعلق کچھ تحریر کیا جائے - ہم ہوا کو ایک سیال تصور کرسکتے ہیں جس کا جسم اور وزن دونوں ہیں لیکن وہ پانی کے

مقابلے میں $\frac{1}{810}$ حصہ لطیف ہے۔ اس کے علاوہ تغلیظ (Compression) کے لحاظ سے بھی ہوا پانی سے مختلف ہے یعنی ہوا میں بہ نسبت پانی کے تغلیظ (Compression) زیادہ ہے - اگر ہم ایک پچکاری میں پانی بھر کر اس کا منہ بند کردیں اور فشارہ (piston) کو ڈھکیلیں تو ہمیں پانی کو دبانے یا پچکا نے کے لئے بہت زیادہ قوت لگانی پڑے گی اور پچکاو بہت کم ہوگا - برخلاف اس کے اگر پانی کی بجائے ہوا ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہوا کا حجم بہت آسانی سے گھٹ جاتا ہے اور وزن وہی رہتا ہے جو پہلے تھا —

تجربات سے ظاہر ہے کہ ہوا میں تغلیظ (Compression) کی قابلیت موجود ہے اور یہی اس امر کی توجیہہ ہے کہ جتنا ارتفاع زیادہ ہوتا جاتا ہے ہوا کا وزن اور کثافت دونوں گھٹتے جاتے ہیں - بنا بریں ایک طیارہ سطح زمین سے کافی بلندی پر جہاں ہوا نسبتاً لطیف ہوتی ہے اور مزاحمت کم، مستقل طاقت کے تحت زیادہ رفتار حاصل کرسکتا ہے - برخلاف اس کے ایک آبدوز کشتی کو لیجئیے اس کی رفتار ہر گہرائی پر ایک خاص طاقت کے تحت مستقل رہتی ہے کیونکہ پانی میں ہر مقام پر تغلیظ ایک ہی ہوتی ہے اور کشتی کے آگے ایک ہی قسم کی مزاحمت رہتی ہے —

ہم اپنے کرۂ ہوائی کو ایک وسیع سمندر کے مماثل تصور کرسکتے ہیں جو ہماری زمین پر محیط ہے اور جس کی تہا٭ فرش زمین ہے، اور جس کی گہرائی کئی ہزار فٹ ہے - تغلیظ کے باعث سطح سمندر پر ہوا کا وزن اور کثافت اعظم ترین ہیں - ارتفاع کے ساتھ ساتھ کثافت بھی ایک کلیہ کے تحت بدلتی جاتی ہے جس کی مدد سے ہم بتلا سکتے ہیں کہ خاص بلندی پر ہوا کی کثافت کیا ہوگی ۔ اور خاص

کثافت پر ارتفاع کیا ہوگا - سطح سمندر پر ۱۳ مکعب فٹ ہوا کا وزن ایک پونڈ ہوتا ہے اور ۵۰۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ۸۶ مکعب فٹ ہوا کا وزن ایک پونڈ ہوتا ہے کیونکہ اس بلندی پر کی ہوا سطح سمندر کے مقابلہ میں $\frac{1}{6}$ گنا لطیف ہوتی ہے - اب جیسے جیسے ہوا لطیف ہوتی جائے گی طیارے، ہوائی جہاز اور گولوں (Shells) وغیرہ کے لیے بھی مزاحمت اس نسبت سے گھٹتی جائے گی - یہی وجہ ہے جو آج ہم ہوائی انجینیر اور بڑے بڑے سائنس دانوں کو بالائی ہوا میں پرواز کے لیے آن تھک کوششوں میں مشغول دیکھتے ہیں تاکہ رفتار اور طویل یکساں پرواز کے مسائل حل ہو سکیں —

آج کل بالائی ہوا میں پرواز کے لیے طیارے تیار کئے جارہے ہیں اور قیاس کہتا ہے کہ ایسے طیارے دس سال کے اندر اندر پرواز کرنے لگیں گے - ایسے انجن چالیس ہزار اور پچپن ہزار فٹ کی بلندی کے درمیان پرواز کریں گے - یہ اندازہ موجودہ ساز و سامان کے حدود کے لحاظ سے کیا گیا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ بلندی اور تیز رفتاری کے لیے ہمیں راکٹ پروپلڈ طیارے (Rocket propelled planes) کا انتظار کرنا پڑے گا - یہ انجن ایک لاکھ فٹ کی بلندی پر پرواز کریں گے جہاں کی ہوا سطح سمندر کی ہوا کے مقابلے میں سو گنا لطیف ہے - یہاں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس قدر بلندی پر ہم چڑھتے جائیں گے ہوا لطیف تر ہوتی جائے گی اور پرواز کی رفتار تیز ہوگی اور مصارت کم لگیں گے - یہ درست ہے لیکن ایک حد تک - اس حد تک جہاں تک کہ ہوا موجود ہے کیونکہ اگر ہوا موجود نہ ہو تو پھر ہمیں اچھال کی قوت کہاں سے نصیب ہوگی؟ یہ اور اس سے بڑھ کر چند اور ایسے مسائل ہیں

کہ جب تک وہ پوری طرح حل نہ ہو جائیں بلند پروازی کا مسئلہ محض نظری ہی رہے گا —

انسان ہزارہا سال سے سطح زمین پر بود و باش کرتا چلا آرہا ہے جس کے باعث موجودہ ماحول سے اس کا عضویاتی نظام مطابقت و مناسبت رکھتا ہے - یہاں ہمارے جسم اور زندہ عضویات کو ایک مناسب دباؤ میسر آتا ہے جس کے تحت اعضا کا فعل ایک خاص طریقے پر عمل میں آتا ہے - اور اس دباؤ کے تحت ہمارے پھیپھڑے ہوا کی ایک خاص مقدار اندر لے سکتے ہیں تاکہ خون کے لیے آکسیجن کی ایک مقررہ مقدار بہم پہونچا سکیں - اب اگر اس میں کچھہ تبدیلی ہو تو عضلی اور عصبی نظام کے فعل میں بھی تغیر ہوگا کیونکہ جس طرح سمندر کی تہہ میں رہنے والی مچھلی سطح سمندر کے قریب آکر مر جاتی ہے اسی طرح سے انسان اور ہر ذی حیات بڑی بلندیوں پر زندہ نہیں رہ سکتے - اس خصوص میں بہت سے تجربے کئے گئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی حیات کو برقرار رکھنے کے لیے ایک خاص دباؤ اور خاص تپش کی ضرورت ہے —

تجربات سے یہ بات بھی معلوم ہوی ہے کہ ارتفاعی بیماریوں (Altitude sickness) کی ابتدا زکام ' سردی اور دل کی کمزوری سے شروع ہوتی ہے اور بالآخر ذہنی ادراک سرے سے مفقود ہو جاتا ہے - معدہ اور آنتوں میں کچھہ ہوا ہوتی ہے اور باہر کی ہوا کے دباؤ کے تحت وہ ایک خاص حالت میں رہتے ہیں لیکن جب بیرونی دباؤ گھٹ جاتا ہے تو وہ پھول جاتے ہیں اور معدے کی جھلی پھولنے سے دل کے فعل میں مزاحمت واقع ہوتی ہے - خون کی نالیاں پھٹ جاتی ہیں جس سے حس لامسہ اور توازن کی قابلیت پر مضر اثر پڑتا ہے -

اس کی ابتدا سر کے شدید درد سے ہوتی ہے - نیز یہ بھی معلوم کیا گیا ہے کہ ضبط نفس ' مشاہدہ ' استدلال اور فیصلے کی اہلیت بھی گھٹنے لگتی ہے - اور انتہائی صورتوں میں تشنج ہو کر مکمل غیر شعوری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے —

تپش کا بھی اس معاملے میں خاص حصہ ہے کیونکہ سطح سمندر پر کی تپش اور ۵۰۰۰۰ فٹ کے ارتفاع پر کی تپش میں ۱۳۰ درجہ فارن ہیٹ کا فرق آتا ہے - لیکن یہ مشکل ایک حد تک دور ہو سکتی ہے اگر لباس میں کافی احتیاط برتی جائے - موٹے کپڑے ' بالوں دار پروازی سوٹ موزے اور ٹوپیاں ' چمڑے کے نقاب بہت ضروری اشیا ہیں - یہ سامان بڑی بلندیوں پر گرما کے زمانے میں بھی ضروری ہے - اس کے علاوہ اکثر دفعہ برقی طور پر گرم کئے ہوئے لباس اور دستانے استعمال کرنے پڑتے ہیں -

بلندیوں پر جب پرواز کی جاتی ہے تو طیاروں میں تنفس کے لئے آکسیجن رکھی جاتی ہے - لیکن باوجود اس کے ایک معمولی دل ودماغ کے طیارچی اور مسافر کے لئے یہ طریقہ بھی سود مند ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ۴۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی پر صرف وہی لوگ اچھے رہ سکتے ہیں جن کے قویٰ اچھے ہیں اور جن کے دل اور پھیپھڑے مضبوط اور توانا ہیں - ۵۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی وہ اعظم بلندی ہے جس پر خاص خاص احتیاطوں کے بعد حیات انسانی برقرار رہ سکتی ہے لیکن اس سے اوپر خواہ دل ودماغ اور پھیپھڑے کسی قدر ہی مضبوط وتوانا کیوں نہ ہوں ' زندہ رہنا مشکل ہے -

یہ تفصیل تو حیات انسانی سے متعلق تھی لیکن بڑی بلندیوں پر حیات انسانی کے علاوہ خود طیاروں کی پرواز کا مسئلہ معرض خطر میں آجاتا ہے - جس طرح سے انسان کو سانس لینے کے لئے ہوا کی ضرورت

ہے، طیارے کے انجن کے لئے بھی ہوا درکار ہے تاکہ ہوائی آکسیجن احتراق میں مدد دے سکے - انجن کا پھیپھڑا کاربوریٹر (Carburreter) ہے جہاں سوختنی شے (fuel) اور ہوا اسطوانے میں داخل ہونے سے پہلے ملتے ہیں - ہر انجن میں جتنی سوختنی شے جلتی ہے اسی مناسبت سے ہوا کی مقدار درکار ہوتی ہے - ایک گیلن گیسولین (Gasoline) کے لیے ۱۰۲ پونڈ ہوا یا سطح سمندر پر کی کثافت کے لحاظ سے ۱۳۵۰ مکعب فٹ ہوا درکار ہے - ارتفاع کے بڑھنے اور کثافت کے گھٹنے کے باعث ہوا کا وزن اور اس کے متناظر انجن میں جو آکسیجن داخل ہوتی ہے اس کی مقدار گھٹتی جاتی ہے حالانکہ اسطوانے کے نقل مقام سے جو حجم خالی ہوتا ہے وہ مستقل رہتا ہے - تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ ان حالات کے تحت طاقت بہت زیادہ گھٹ جاتی ہے چنانچہ ایک اسپی طاقت کا انجن ۱۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر صرف ۵۷ء اسپی طاقت دےگا اور ۳۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ۳۱ء اسپی طاقت - علاوہ ازیں ہوا کی کثافت اور وزن اگر سطح سمندر پر ایک ہو تو وہ علی الترتیب ۶۳ء اور ۳۷۴ء تک گھٹ جاتے ہیں —

بلند ارتفاع پر طاقت کو مستقل رکھنے کے لیے سوپر چارجر (Super chargers) استعمال کرنے پڑتے ہیں لیکن سطح سمندر پر کی اسپی طاقت صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب کہ سوپر چارجر کی جسامت اور قابلیت موزوں و متناسب ہو - اگر ہم بہت ہی زیادہ بلندی پر جائیں تو طاقت گھٹنے لگے گی - پس ان وجوہات کی بنا پر ہر بلندی پر انجن کی طاقت اور بالا کرۂ ہوائی کی لطیف ہوا میں چال کو مستقل رکھنا ہی بجائے خود بلند ارتفاعی پرواز کا ایک

اھم اور دلچسپ مسئلہ ھے —

باوجود ان تمام مشکلات کے ماھرین فن ان مسائل کو حل کرنے کے پیچھے لگے ھوئے ھیں کیونکہ بلند ارتفاعی پرواز میں بہت سی خوبیاں مُضمر ھیں- چنانچہ ایک خوبی یہ بھی ھے کہ سطح سمندر پر کے ناخوشگوار موسمی حالات سے ھم بالکل بے نیاز ھو جائیں گے جن سے طیارچی اور مسافر ھمیشہ پریشان حال اور غیر مطمئن رھا کرتے ھیں - طویل پرواز میں کرۂ ھوائی کے اختلافات ھمیشہ مزاحم ھوا کرتے ھیں مثلاً یورپ اور امریکہ میں کہر' ابر اور بادل کی گرج ھمیشہ پرواز کے التوا کا باعث ھوتی ھے - موسمی حالات کی ایسی ابتری زیادہ تر منطقوں اور قطبی خطوں میں ھوتی ھے - اس سے ظاھر ھوتا ھے کہ موسمی حالات کا تغیر اور خرابی پرواز کو معاشی اور کاروباری نقطۂ نظر سے کس قدر نقصان پہونچاتی ھے - کرۂ ھوا میں اس قسم کا خلل زمین کی حرارت کے اثرات کی وجہ سے ھوتا ھے اور ان حصوں میں زیادہ ھوتا ھے جو زمین سے قریب ھیں - اس لیے پرواز کے لیے بالا کرۂ ھوائی بہت ھی مناسب تصور کیا گیا ھے - یہاں نہ تو ابر ھوتا ھے اور نہ بادل کی گرج - موسمی اختلافات سرے سے مفقود ھوتے ھیں ' آسمان ھمیشہ صاف رھتا ھے اور سورج اور ستاروں کی مدد سے پرواز میں بڑی مدد ملتی ھے - یہاں ھوائی طوفان بھی نہیں ھوتے جو مسافروں کی " ھوائی بیماری " کا باعث ھوتے ھیں- کہر ' ابر' بارش ' اولے اور گرج پہلے تو مزاحم نہیں ھوتے اور اگر ھوتے بھی ھیں تو کچھہ عرصے کے لیے یعنی ختم پرواز پر اترتے وقت —

بالا کرۂ ھوائی کی ھوا اگرچہ بہت صاف اور لطیف ھے لیکن

اس میں حرکت ضرور ہے اور وہ یکساں رفتار کے ساتھ افقی سمت میں چلتی ہے' آندھی اور طوفان نہیں ہوتے -- مشاہدات اور پیمائشوں کے ذریعے یہ معلوم کیا گیا ہے کہ ۴۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ہوا کے بہاؤ کی رفتار ۶۰ میل فی گھنٹہ ہے لیکن ۵۰,۰۰۰ فٹ پر رفتار ۳۵ میل تک گھٹ جاتی ہے - ہر بلندی پر ہوا کے بہاؤ کی سمت خاص ہوتی ہے جس سے پروازی راہ قائم کرنے میں سہولت ہوتی ہے- بایں ہمہ ابھی رفتاروں اور سمتوں کے متعلق چند امور غیر یقینی ہیں جو بالاکرہ ہوائی میں پرواز شروع ہونے کے بعد صاف ہو جائیں گے —

—۲—

بالاکرہ ہوائی میں طیاروں کی رفتار کے متعلق عجیب و دلچسپ اعداد پیش کیے گئے ہیں اور یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ رفتار ۵۰۰ سے ۱۲۰۰ میل فی گھنٹہ تک ہوگی - لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا موجودہ حالات اور طیاروں کی موجودہ صورت حال کی بنا پر ہم ایسی توقعات رکھہ بھی سکتے ہیں یا نہیں !

ہم نے اوپر بتلا دیا ہے کہ بلند پروازی میں تنفس کے لئے آکسیجن کی کافی مقدار درکار ہے نیز طیارچی اور مسافروں کے جسم کو سطح سمندر پر کے دباؤ کے تحت رکھنے اور انجن کی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے آکسیجن کی کافی مقدار ضروری ہے - اب ہم دیکھیں گے کہ آیا ہمیں ایسی سہولتیں بہم پہنچ سکتی ہیں یا نہیں —

سطح سمندر پر ہوا میں نائٹروجن تقریباً ۷۹ فیصدی اور آکسیجن ۲۱ فیصدی موجود ہے - جیسے جیسے بلندی بڑھتی ہے آکسیجن کی مقدار میں گھٹاؤ پیدا ہوتا ہے - لیکن ۵۰,۰۰۰ فٹ میں ۶۵ فیصدی کا فرق ہوتا

ہے جو قابل نظر انداز ہے - فطرت اس معاملے میں تو طیارہ سازوں کی امداد کرتی ہے - اب رہا یہ سوال کہ پھیپھڑوں کے لئے کافی آکسیجن مہیا کی جاے تو اس کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لطیف ہوا کو اس قدر پچکایا جاے کہ وہ سطح سمندر کی کثافت پر آجاے - اگر طیارے ہی میں ہوا کو پچکانے کا انتظام کر لیا جاے تو پھر خالص آکسیجن کی وزنی فولادی بوتلوں کی ضرورت بڑی باقی نہیں رہتی گویا بہ ایک کرشمہ دوکار - اس سے دو سوالات خود بہ خود حل ہو جاتے ہیں —

اسی سلسلے میں ایک دوسری چیز یہ ہے کہ ۵۰،۰۰۰ فٹ سے زیادہ بلندی پر آکسیجن کی جو مقدار گھٹتی ہے اس کی جگہ ہائیڈروجن لیتی ہے - اس سے ۱۰۰،۰۰۰ فٹ یا اس سے زیادہ بلندی پر راکٹ طیاروں کی پرواز کا سوال بھی حل ہو جاتا ہے —

بلند پروازی کے مسئلہ کا سادہ ترین حل یہ ہو سکتا ہے کہ طیارچی اور مسافروں کے لئے ایک ایسا ہوا بند لبادہ اور ٹوپی (جیسا کہ غوطہ زن پہنا کرتے ہیں) مہیا کردی جاے جس میں نلیاں لگی ہوں تاکہ ہوا اور دباو کی رسد کا کافی انتظام ہو سکے - لیکن اس میں بھی ایک ستم یہ ہے کہ اس قسم کے لبادے بیرونی دباؤ کے کم ہونے کی وجہ سے پھول جائیں گے - جس سے حرکت میں دقت ہو گی - گویا ایسا لباس عملی طور سے غیر مفید ہے - اس لیے یہ تجویز مناسب ہو گی کہ طیاروں کو "الٹی" ابدوز کشتی کے اصول پر تیار کیا جاے یعنی مسافروں کے رہنے کے کمروں کو چاروں طرف سے بالکل بند کر دیا جاے تاکہ دبی ہوئی ہوا اندر بند رہ سکے - اس طرح سے مسافر بیرونی خوفناک عناصر سے محفوظ رہ سکیں گے - اسی بنا پر آج کل بلند پروازی کے لئے جو طیارے تیار کئے

جا رہے ہیں ان میں اس امر کا انتظام کیا جا رہا ہے کہ کمرے کے اندر کی ہوا کی تپش کو معمولی کمرے کی تپش پر اور ہوا کو سطح سمندر پر کی ہوا کے مماثل رکھا جائے۔ اس مقصد کے لئے پھکی ہوی ہوا کو اندر داخل کیا جاتا ہے جو ایک خود کار صمام (automatic valve) کے ذریعے جاتی اور آتی رہتی ہے اور ہوا کی آمد و رفت کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہوا پھکاؤ کے آلہ کی مدد سے اس شرح سے داخل ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف تنفس ہی کے لئے کافی ہوتی ہے بلکہ ہوا کی رطوبت کو بھی ہمیشہ ۷۰ فیصدی سے نیچے ہی رکھتی ہے —

امریکی ڈیزائن کے طیاروں میں طیارچی کی نشست کیبن کے سامنے ذرا بلند مقام پر رکھی گئی ہے۔ اس کے سامنے مشاہدے کا گنبد ہوتا ہے جس سے اترتے اور پرواز کرتے وقت بڑی سہولت ہوتی ہے۔ جب طیارہ موسم اور بادلوں کی سرحد سے گذر جاتا ہے تو پھر اسے کسی بات کا خوف نہیں رہتا۔ اور نہ اسے طیارے کے توازن کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہی باقی رہتی کیونکہ ہوا کے بگولوں کے نہ ہونے کی وجہ سے توازن میں کسی قسم کا خلل پیدا نہیں ہوتا۔ اب طیارچی کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ آلات پر نظر رکھے اور ریڈیو کے ذریعہ ارضی اسٹیشنوں یا جہازوں سے موسمی حالات معلوم کرتا رہے تاکہ وقت ضرورت اترنے میں سہولت ہو —

ہم نے جس طرح اوپر بتلایا ہے کہ بلند ارتفاعی پرواز میں کیبن میں ہوا کے دباؤ اور آکسیجن کی مقدار کو برقرار رکھنا پڑتا ہے اسی طرح انجن کے لیے آکسیجن کی رسد ضروری ہے۔ موجودہ انجن سطح زمین کی کثیف ہوا میں پرواز کرنے کے لائق ہیں۔ ایک گیلن گیسولین جس کا وزن تقریباً

۶ پونڈ ہوتا ہے اس کے لئے کاربوریٹر میں ۱۰۲ پونڈ ہوا کی ضرورت ہے تا کہ احتراق اچھا ہو سکے اور طاقت معتد بہ حاصل ہو - سطح سمندر پر اتنی ہوا کی مقدار ۱۳۵۰ مکعب فٹ کے مماثل ہے - لیکن دس میل کی بلندی پر اسی احتراق اور طاقت کے لئے ۸۸۰۰ مکعب فٹ ہوا کی ضرورت ہے -(۴۰۰) اسپی طاقت کے انجن کے لیے فی گھنٹہ ۳۸ گیلن گیاسو لین درکار ہے -اس کے لئے سطح سمندر پر ۳۸۷۶ پونڈ یا ۵۸۸۰۰ مکعب فٹ ہوا کی ضرورت ہے - ۵۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی پر اسی اسپی طاقت کو حاصل کرنے کے لیے تیل ' پٹرول اور ہوا کی مقدار (بلحاظ وزن) اتنی ہی درکار ہے - لیکن ہوا کا حجم اس صورت میں ۳۳۴,۰۰۰ مکعب فٹ ہوجاتا ہے- کاربوریٹر میں ہوا پہنچانے کے لئے ایک ہوا پمپ کی ضرورت ہے جو ۶ $\frac{1}{2}$ مکعب فٹ ہوا کو ایک مکعب فٹ میں پچکا دے - یہ کچھ ایسا زیادہ مشکل کام نہیں کیونکہ سنہ ۱۹۱۷ع ہی سے انجن سے چلنے والے پمپ استعمال میں آرہے ہیں - لیکن ۳۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی کے اوپر یہ مسئلہ ذرا پیچیدہ اور قابل اعتراض ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں حاصل شدہ طاقت اور مطلوبہ طاقت دونوں تقریباً مساوی ہو جاتے ہیں ' نیز ۵۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی پر انجن کی ۳۰ فی صدی طاقت پچکاؤ کے آلہ کو چلانے میں صرف ہو جاتی ہے جس سے پرواز کے حقیقی مقصد میں فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا —

اس خامی کو دور کرنے کے لئے ایک دوسرے مبدأ توانائی کی طرف توجہ دی گئی - یہ انجن کی گرم خارج شدہ گیسیں ہیں - ان سے فائدہ اٹھانے کی خاطر بہت سے تجربات کئے جا رہے ہیں اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ہوائی فوج (United States Army Air Corps) نے جنرل الکٹرک

کمپنی کی مشارکت سے بہت سے مفید نتائج حاصل کئے ہیں - جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پچکاؤ کے آلہ کو چلانے کے لئے جو طاقت صرف ہوتی ہے، یہ گیسیں اس کمی کو پورا کرتی ہیں —

یہاں انجن کے لئے ہوا کی رسد کا سوال تو حل ہو جاتا ہے لیکن دوسری ایک دقت آن پڑتی ہے - وہ یہ کہ پچکی ہوئی ہوا کو کاربوریٹر میں داخل ہونے سے پہلے کس طرح ٹھنڈا کیا جاے - یہ ہمارا روز مرہ کا تجربہ ہے کہ جب پمپ سے سیکل کے پہیہ میں ہوا بھری جاتی ہے تو نلی کا نچلا حصہ اور ربر کی نلی دونو گرم ہو جاتے ہیں - یعنی ہوا کو جب پچکایا جاتا ہے تو حرارت پیدا ہوتی ہے - یہی حال ٹھنڈی اور لطیف ہوا کا ہوتا ہے جب کہ اس کو سطح سمندر کی ہوا کی حالت پر لایا جاتا ہے - اس صورت میں تپش کا اضافہ ۲۰۰° فارن ہیٹ ہوتا ہے یا ۷۰° ف سے ۱۳۰° ف تک اضافہ ہوتا ہے - اتنی گرم ہوا کو انجن میں داخل نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس گرم ہوا سے انجن میں داخل ہونے سے پہلے کیبن کو گرم کرنے کا کام لیا جاتا ہے —

اس کے بعد طیارے کے پنکھے کا سوال آ جاتا ہے ' موجودہ پنکھے بلند ارتفاع پر کام نہیں دے سکتے - کیونکہ جیسے جیسے بلندی بڑھتی جاتی ہے ' پنکھے میں کھینچنے کی طاقت گھٹتی جاتی ہے اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں پنکھے کی طاقت طیارے اور جاذبۂ زمین کی مزاحمت پر قابو نہیں پا سکتی - اس مشکل کو دور کرنے کے لئے ایک تدبیر نکالی گئی ہے وہ یہ کہ سطح سمندر کے قریب جو طیارے اڑتے ہیں ان کے پنکھوں کے بازووں کو ایک خاص زاویے میں جکڑتے ہیں ' اب اگر بلند ارتفاعی طیاروں کے پنکھوں کے بازووں کو مناسب زاویوں میں جکڑ دیں

یا ایسا انتظام کیا جاے کہ ارتفاع کے لحاظ سے وہ خود اپنا زاویہ بدل دیں یا اس کا انتظام طیارچی کے ہاتھہ میں رکھا جاے تو ایک بڑی حد تک اس مشکل کے دور ہونے کی توقع ہو سکتی ہے —

یہ چند مشکلات ہیں جو سرسری نظر میں بلند ارتفاعی پرواز کے سلسلے میں نظر آتی ہیں - اس کے علاوہ اور بھی بہت سی دقتیں رونما ہوں گی جب کہ آزمائش کا وقت آے گا - لیکن ان مشکلات کو دیکھہ کر پست ہمت ہونا فضول بات ہے —

یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۵۰,۰۰۰ فٹ سے زیادہ بلندی پر طیارے کی رفتار میں موجودہ رفتار کے مقابلے میں ۲۰ فی صدی کا اضافہ ہوگا - بادی النظر میں یہ کوئی زیادہ مہتم بالشان کارنامہ نظر نہیں آتا - کیونکہ بعض لوگ اس امر پر معترض ہیں - تھوڑے فاصلے کی صورت میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے جب کہ ۵۰,۰۰۰ فٹ کی بلندی پر طیارے کو جانے کے لئے خود وقت لگے گا ؛ اس لئے ایسے طیارے صرف انہیں صورتوں میں تجارتی نقطۂ نظر سے مفید ہوں گے جہاں طویل مسافت طے کرنی منظور ہو - مثلاً ہندوستان اور انگلستان ' انگلستان اور امریکہ ' امریکہ اور ہندوستان کے درمیان ان حالتوں میں بلند ارتفاعی پرواز تیز ہونے کے علاوہ باقاعدہ اور محفوظ ہوگی اور سمندروں اور صحراؤں کے موسمی حالات اس پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوں گے - بلکہ طیارچی دن کی کھلی دھوپ اور رات کو چاند اور ستاروں کی روشنی میں نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھہ پرواز کرے گا - اگر انجن میں کچھہ خرابی پیدا ہوجاے تو اسی صورت میں طیارچی انجن کو روک کر نہایت اطمینان سے نیچے اتر سکتا ہے - اس کے لئے ۸۰ منٹ درکار ہیں - اس اثنا میں وہ ریڈیو کے

ذریعے نیچے کے اسٹیشنوں کو اطلاع دیکر نہایت آسانی کے ساتھہ مدد کا انتظام کر سکتا ہے —

بلند ارتفاعی پرواز اگر عملی صورت اختیار کرلے تو اسے اس دور کا بہترین کارنامہ شمار کیا جا سکتا ہے - کیونکہ اس کے لئے نہ سطح سمندر پر کے موسمی اثرات راہ زن بنیں گے اور نہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے پرواز کو روکنا پڑے گا - پرواز باضابطہ ہوا کرے گی بلکہ رفتار کے ۵۰ فی صدی اضافہ سے - ایسی صورت میں پرواز بہت کامیاب ہوگی اور اس کا چلن بہت زیادہ ہو جائے گا - مسافر طیارچی کی طرح پرواز کے حقیقی لطف سے بہرہ اندوز ہو سکیں گے —

یہ اہم مسئلہ اب چھڑ چکا ہے اور یقین کامل ہے کہ خواہ دنیا امن کی زندگی گذارے یا بے چینی کی مستقبل قریب میں اس کو کامیابی نصیب ہوگی اور اس شاندار کامیابی کے ساتھہ ساتھہ فضا کے اور پیچیدہ مسائل بھی حل ہو جائیں گے !!

* ڈاکٹر شنکر - اے - بسے (ہندوستان کا ایڈیسن)

از

جناب جگموہن لال صاحب چترویدی ' بی ایس سی '

ایل ٹی ' کلیۃ المعلمین ' حیدرآباد دکن

موجودہ زمانہ سائنٹفک اختراعات اور میکانی ایجادات کا ہے - انہیں دونوں امور پر کسی قوم کی معاشی ترقی اور عظمت منحصر ہے - گذشتہ چند سالوں کے اندر ڈاکٹر جگدیش چندر بوس نے نباتیات میں اپنی غیر معمولی اور اعلی تحقیقات سے اور رامن نے طبیعیات میں اپنی تحقیقات سے دنیا کو متحیر کر دیا ہے - مگر میکانی ایجادات میں ہندوستان کوئی خاص کام نہیں کر سکا - درحقیقت مغربی دنیا میں اس موضوع پر ہندوستان کے متعلق عجیب و غریب خیالات نے گھر کر رکھا تھا - وہاں عوام کا خیال تھا کہ ہندوستانی کسی مشین کو چلا سکتے ہیں یا اسے دیکھ کر دوسری ویسی ہی بنا سکتے ہیں مگر خود کوئی نئی اہم ایجاد نہیں کر سکتے - قدرت نے انہیں ایجاد کرنے کی صلاحیت

---

* یہ مضمون مسٹر شیام نرائن کپور کے ایک مضمون مندرجہ وشال بھارت سے ماخوذ ہے —

ھی ودیعت نہیں کی —

ان غلط خیالات کو دور کرنے کے لیے ڈاکٹر بسے نے مغربی ایجادات سے مقابلہ کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا اور گذشتہ ۳۳ سال سے انگلستان اور امریکہ میں رہکر اصلی میکانی ایجادات کے ذریعہ کامیابی حاصل کی - ان کے چھاپے کے حروف ڈھالنے اور مرتب کرنے والی (Composing) مشین سے متعلق کچھہ اختراعات تو انقلاب انگیز ھیں - انہوں نے دنیا میں بین قومی شہرت حاصل کی ھے - جن پیچیدہ میکانی مسائل کے حل کرنے میں مغربی سائنسداں کامیاب نہیں ھوئے تھے اُنہیں ڈاکٹر بسے نے حل کر کے دکھا دیا —

ڈاکٹر شنکر - اے - بسے کی ولادت سنہ ۱۸۶۷ ع میں شہر بمبئی میں ھوئی - ان کے والدین تعلیم یافتہ اور قوم کے کائستھہ تھے - ان کے والد اور تین چچا سرکاری عدالتوں میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے - شنکر ابتدا ھی سے موجد تھے - بچپن ھی سے ان میں سائنٹفک تحقیقات کا مادہ پایا جاتا تھا - جس زمانے میں دھولیا ھای اسکول میں تعلیم پا رہے تھے اس وقت کولھا پور ریاست کے سابق دیوان بہادر سر ار - بی - سبنیس اس کے صدر تھے - اُنہوں نے پہلے ھی سے شنکر کے فطری رجحان کو پرکھا - اُنہوں نے پیشین گوی کی کہ کسی دن یہی بچہ ایک مقبول سائنسداں اور موجد بنے گا - ان دنوں مستری کا کام کرنا ایک حاکم عدالت کے لڑکے کے لیے معیوب سمجھا جاتا تھا مگر بسے نے اس کی مطلق پروا نہ کی - اور استقلال سے مشکلات کا سامنا کرتے ھوئے کام میں مشغول رہے —

طالب علمی کے زمانے میں وہ امریکہ کے مشہور رسالہ سائنٹفک

امریکن کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھا کرتے تھے - اس رسالے نے اُنہیں امریکہ جانے کی ترغیب دی - وہ ان دنوں امریکہ میں قیام کرنے کے خواب دیکھا کرتے تھے - اسی وقت سے وہ امریکہ کو اپنے سائنٹفک کلام کے لئے مناسب اور موزوں مقام تصور کرتے اور رات دن وہیں جاکر سائنٹفک کام کرنے کی بات سوچا کرتے - ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے میں اُنہیں ۳۰ سال لگے —

بسے اپنے سب ہی کاموں میں دوسروں کے دست نگر رہنا نہ چاہتے تھے - جو خود پیدا کرتے اُسی میں صبر کے ساتھہ گذارہ کرلیتے - گو ان کے والدین متمول تھے اور ان کی مدد کرنے کے لیے مصر تھے مگر انہوں نے کبھی اس امداد کو قبول نہ کیا - اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ان کی فطری خواہش تھی - بالآخر سنہ ۱۹۱۴ع میں وہ اپنی قوت بازو سے امریکہ جانے میں کامیاب ہوے - تب سے وہاں ہی متوطن ہوگئے ہیں - اس وقت ان کی زوجہ ، دونوں لڑکے اور ایک لڑکی ان کے ساتھہ امریکہ میں ہیں -

سنہ ۱۸۸۷ع میں بسے کا زمانۂ طالب علمی ختم ہوا - اس سال والدین کو خوش کرنے اور علمی کام کے لئے خود دولت جمع کرنے کی خاطر صیغۂ محاسبی میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی —

ابتدائی تعلیم اور سرکاری ملازمت کے متعلق بسے کا کہنا ہے کہ " میرے والد ناظم ضلع تھے - بمبئی میں میرا خاندان قدیم ترین گھرانوں میں شمار ہوتا ہے - ہائی اسکول کا امتحان کامیاب ہونے کے بعد میں انجینیر بننا چاہتا تھا - میرا فطری رجحان بھی اس جانب تھا - مشہور موجد ایڈیسن کے کارناموں نے مجھے اور بھی اس طرف راغب کیا - اپنے طالب علمی کے دوران میں ہی میں ان کی تقلید کرنے کا خواب دیکھتا تھا لیکن میرے

والد قدیم خیال کے آدمی تھے - وہ مجھے ادیب بنا کر قانون کا مطالعہ کرانا چاہتے تھے لیکن میرا ذوق سائنس کی جانب تھا - کسی بے کل پرزے کی چیز میں مجھے لطف ہی نہ آتا —

ان دنوں بمبئی میں کوئی انجینیرنگ کالج نہ تھا - میرے والد مجھے کہیں باہر بھیجنا نہ چاہتے تھے لہذا جب میری طالب علمی کا زمانہ ختم ہوا تو مجھے مناسب ضلع کی جایداد قبول کرنی پڑی - اس خدمت پر کام کرتے ہوے میں علمی تشفی کے لئے کافی سرمایہ جمع کر لیتا - میرے والد میرے سائنٹفک کاموں کو نامناسب سمجھتے ہوے بھی مجھ پر مہربان تھے اور مجھے ممالک غیر جانے کی بھی اجازت دے دی لیکن میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر میں غیر ملکوں میں جاؤں گا تو اپنے بل پر " -

اُن دنوں وہ اپنی فرصت کا تمام وقت سائنٹفک تحقیقات اور عمل جوگ میں صرف کرتے تھے —

سنہ ۱۸۹۰ - ۹۵ اُنھوں نے کئی اختراعات بھی کیں جن کی مدد سے اُنھوں نے ایک ٹھوس شے کو دوسری ٹھوس شے میں تبدیل کر کے دکھلایا - اختراعات کی نمائش پہلے کئی ہندوستانی سائنسدانوں اور راجاؤں کے سامنے کی گئی - ما بعد منچیسٹر کے فری ٹریڈ ھال میں ان کی نمائش کی گئی - سبھی عالموں نے ان اختراعات کی صدق دل سے تعریف کی اور یہ قبول کیا کہ اُس وقت تک یوروپینوں نے اس کے متعلق جتنی اختراعات کی تھیں اُن میں بسے کی اختراع سب سے اعلیٰ تھی - سنہ ۱۸۹۵ ع میں بمبئی کے مشہور بلدیوں نے بسے کے اوصاف اور اختراعات کے صلے میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا اور سپاس نامہ و تمغۂ طلائی سے

تعظیم و تکریم کی —

سنہ ۱۸۹۵ ع تک وہ سائنٹفک کاموں کے ساتھہ ساتھہ تھوڑا بہت وقت جوگ کے عمل میں صرف کرتے تھے - ۱۸۹۶ - ۹۸ ع کامل تین سال اُنھوں نے جوگ کے عمل میں ھی صرف کئے - اس اثنا میں ان کی معنویت اس قدر ترقی کر چکی تھی کہ وہ لوگوں سے ملتے ھی اُن کے دل کی باتوں کو ٹھیک ٹھیک جان لیتے تھے - کئی سائنسدانوں اور ڈاکٹروں نے ان کی اس قابلیت کا اعتراف کیا - سنہ ۱۸۹۷ ع میں مہاراج بڑودہ نے ان کی تعجب خیز قوت کا خود امتحان کیا اور ھیرے کی انگوٹھی نذر کرکے ان کی تعظیم کی - وہ زیادہ عرصے تک جوگ میں عمل پیرا نہ رہ سکے - اُنھیں معلوم ھوا کہ سرکاری ملازمت کرتے ھوے جوگ میں کامل طور پر کامیاب ھونا مشکلات سے خالی نہیں لہذا انھوں نے اپنا پورا وقت اور اپنی قوت سائنٹفک تحقیقات اور اس کے متعلق کاموں کے لئے وقف کردی- ان تحقیقات اور اختراعات میں کامیابی حاصل کرنے کا بہت کچھہ دارمدار وہ جوگ کے ذریعے بیدار کردہ قوتوں کو متصور کرتے ھیں —

سنہ ۱۸۹۶ - ۹۸ میں بمبئی کے ھولناک طاعون میں بسے نے طاعون میں مبتلاؤں کی بڑی خدمت کی - بمبئی کی بلدیہ اور سرکار نے اس خدمت کے صلے میں اُن کی تعظیم کرنی چاھی لیکن اُنھوں نے اسے اپنا بانی فرض سمجھہ کر اس کے بدلے میں کسی اکرام و انعام کو حاصل کرنا قبول نہ کیا —

سنہ ۱۸۹۸ میں لندن کے اِنونٹرس ریویو اور سائنٹفک رکارڈ رسالوں کے ناشروں نے ایک ایسی اختراع کے لئے "جس سے پسی ھوئی شکر" قہوہ" آٹا وغیرہ اشیا کے انبار سے تھوڑی تھوڑی مقدار میں چیزیں تولنے اور دینے کا

کام لیا جا سکے، ایک مقابلے کے انعام کا اعلان کیا - بسے اس مقابلے میں شریک ہوے اور اُنہیں کامیابی حاصل ہوئی - اس مقابلے میں یورپ کے ۱۸ مقبول و متمول موجد شریک ہوے تھے - بسے کو اپنی بے نظیر کامیابی کے لیے نہ صرف انعام ہی ملا بلکہ اختراع کی اہم خصوصیات کی بنا پر بونس وغیرہ دیگر انعامات بھی دیے گئے —

اس مشین کی اختراع کے لیے ان کے پاس تنگی سازو سامان کے علاوہ وقت بھی ناکافی تھا - ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس مشین کی ایجاد صرف ۴ گھنٹوں میں کی - اس کے لیے ان کے پاس مشکل سے ایک دن کا وقت تھا - لیکن پھر بھی مشین کے متعلق پوری باتیں فوراً ہی لندن بھیجدیں تاکہ وہ ٹھیک وقت پر وہاں پہونچ سکیں - اس مشین کو اتنی قلیل مدت میں تیار کر لینے پر انہیں خود بہت حیرت ہوی - وہ کہتے ہیں :- "یہ ایجاد میں نے کیسے کی میں خود ہی نہیں جانتا - کامل میکانی اور کیمیائی اعمال آپ ہی میری سمجھہ میں آگئے - ہندوستان میں اس سے قبل ایسا کوی واقعہ نہیں ہوا تھا لہذا میں جلد ہی بہت مشہور ہو گیا اور میرا شمار مقبول سائنسدانوں میں ہونے لگا - لوگوں نے مجھہ سے سرکاری ملازمت ترک کرکے فوراً انگلستان جاکر ہندوستانی سائنس اور میکانی علم کی نمائندگی حاصل کرنے کے لیے اصرار کیا" - چند ہندوستانی قاید اور محب وطن جو پہلے ہی سے بسے کے سائنٹفک کارناموں سے واقف تھے اس انعام کے ملنے پر فوراً ہی انگلستان و امریکہ جانے کے لیے ان کی ہمت افزائی کرنے لگے - وہ مغربی دنیا کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ سائنس اختراع اور علم الحیل میں بھی ہندوستانی کسی سے کم نہیں ہیں - مناسب سہولتیں پاکر وہ نہ صرف کامیابی کے ساتھہ

مغربی سائنسدانوں کا مقابلہ ہی کر سکتے ہیں بلکہ ان سے سبقت بھی لے جا سکتے ہیں- بمبئی کے سابق امیر بلدیہ سیٹھ گوکلداس ' سر دنشا ایدلجی واچھا ' آنریبل گوپال کرشن گوکھلے ' جسٹس راناڈے ' سر ی پی - ایل ناگپورکر اور دیگر معزز حضرات نے اُنھیں سرکاری ملازمت سے استعفا دینے کے لیے مجبور کیا اور اصرار کیا کہ وہ ہندوستان کی بھلائی کے لیے ہندوستان کے سائنس اور علم الحیل کی پہلے پہل نمائندگی اختیار کریں - سرکاری ملازمت کرتے ہوئے نو سال گذر گئے تھے لیکن ہندوستان کے مفاد کی خاطر اُنھوں نے خوشی سے ملازمت کو چھوڑ دیا اور سنہ ۱۸۹۹ میں انگلستان کے لیے روانہ ہوئے - اس وقت سے اب تک وہ سائنٹفک تحقیقات اور اختراعات میں مشغول ہیں - بسے بہت کم سرمایہ لے کر انگلستان گئے تھے - یہ سرمایہ اس قدر قلیل تھا کہ اس سے اپنے کام میں کما حقہ کامیابی حاصل کرنا مشکل تھا - یہ دیکھ کر دادا بھائی جی آں جہانی جو اُس وقت پارلمنٹ میں رکن تھے ان کے کارناموں میں خاص طور پر دل چسپی لینے لگے اور سنہ ۱۹۰۸ تک قومی خزانے سے مالی امداد دیتے رہے - معمولی چھاپے کے حروف ڈھانے کے لیے جو مشین استعمال کی جاتی ہے وہ فی منٹ ۱۵۰ سنگل ٹائپ (Single type) ڈھالتی ہے - بسے کے قبل کئی موجدوں نے اس پیداوار کو بڑھانے کے لیے بہ یک وقت کئی ٹائپ ڈھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے- پس لوگ اس قسم کی اختراع کو مشکل اور ناممکن العمل سمجھنے لگے - بسے نے اس کام میں اپنا ہاتھ لگایا اور سنہ ۱۹۰۵ میں ایک ایسی مشین ایجاد کی جو وقت واحد میں ۳۲ سنگل ٹائپ ڈھال سکتی تھی- ان کا طریقۂ کار ایسا لا ثانی اور تعجب خیز تھا کہ لوگ یکایک اس

کی کامیابی اور کاردانی پر اعتبار نہ کر سکے - لندن کاسل ٹائپ فاونڈری (Castle type foundry) کے انجینیروں نے آپ کو ایسی مشین بنانے کا چیلنج دیا - انہوں نے اِسے خوشی سے قبول کرلیا اور تھوڑے ھی عرصے میں انگریزی سرمایے کی امداد سے بسے نے ایک کمپنی قائم کی جس کا نام بسے ٹائپ لمیٹیڈ رکھا - اسی کمپنی سے سنہ ۱۹۰۸ میں سب سے پہلے اُنہوں نے اپنی متذکرۂ بالا مشین تیار کی اور اُس مقابلے میں کامیاب ہوئے - یہ مشین وقت واحد میں نہ صرف ۳۲ سنگل ٹائپ ڈھال سکتی ھے بلکہ اپنے آپ فی منٹ ۱۲۰۰ سنگل ٹائپ ڈھالنے اور جمع کرنے کی صلاحیت رکھتی ھے - کئی ماھرین علم طباعت ' میکانیوں اور اخباروں کے نمائندوں نے اس مشین کو دیکھ کر کامل تشفی کا اظہار کیا —

لندن کے مقبول و مقدم رسالہ کیکسٹن میگزین نے ماھرین فن طباعت سے اس مشین کا امتحان کروانے کے بعد اس کے متعلق ایک با تصویر مضمون میں لکھا تھا کہ " ھندوستانیوں میں اختراع کا مادہ قدیم اور فطری نہیں ھے لہذا یہ بہت ھی حیرت انگیز بات ھے کہ ایک ھندوستانی نے ایسی مشین ایجاد کرکے دکھلائی ھے جس میں دنیا کے اعلیٰ قابل ترین صناع اور موجد اب تک ناکامیاب ھوتے رھے ھیں - اسی طرح سے متعدد مضامین اور افتتاحیے انگلستان ' امریکہ اور یورپ کے فن طباعت سے متعلق اخبارات اور رسائل میں شائع ھوئے تھے - اپنی اصلی ایجاد کے صلے میں وہ لندن کے انجینیروں کی مجلس کے رکن منتخب ھوئے - لندن کی مجلس سائنس ' ادب اور فن نے بھی اُنہیں اپنا رفیق مقرر کیا - سنہ ۱۹۰۷ میں بسے نے خود کار دھری حرکت والی

(Automatic Double Motion) مشین ایجاد کی - یہ مشین بینرمن ٹائپ کاسٹنگ (Bennerman Type Casting) مشینوں کے ساتھہ نہایت کامیابی سے استعمال کی جاتی ہے —

دسمبر سنہ ۱۹۰۸ میں مدراس میں ہونے والی ہندوستانی معاشی کانگریس کے مہمان کی حیثیت سے بسے ہندوستان آئے - اس کانگریس کے صدر رائے بہادر مدولکر نے اپنی تقریر میں ان کے کارناموں کی تعریف کی - اسی موقع پر ان کے اعزاز میں ملک کے بڑے بڑے شہروں میں جلسے منعقد ہوئے اور متعدد اخبارات و رسائل نے ان کی تعریف میں مضامین بھی شائع کئے —

گوپال کرشن گوکھلے اور دادا بھائی نوروزجی کے اصرار پر سر رتن ٹاٹا نے بسے کو اپنے مشیروں کی اجازت ملنے پر مالی امداد دینا منظور کیا لیکن سر رتن ٹاٹا کے مشیروں نے بسے کی ایجادات کی کامیابی کے متعلق اندیشہ ظاہر کیا اور اُنہیں مالی امداد نہ دینے کا مشورہ دیا - اُنہوں نے کہا کہ جب تک سر رتن کے ماہرین میکانیات بسے کے کام پر کامل تشفی ظاہر نہ کریں تب تک انہیں مالی امداد نہ دی جائے - لہذا جون سنہ ۱۹۰۹ میں بسے کو مکرر انگلستان جانا پڑا - ٹاٹا کے لندن کے منیجر نے ان کی مشین کے امتحان کے لیے ماہر میکانیات منتخب کئے اور اس بات کا خاص انتظام کیا کہ یہ امور بسے کو معلوم نہ ہونے پائیں - یہاں تک کہ اُس نے خود اپنا نام بھی بسے پر ظاہر نہ کیا - بدبختی سے اس امتحان کے لیے جو دن مقرر ہوا تھا اس سے دو ہی دن قبل ایک ہندو متعلم مدن لال ڈھینگرا

کے هاتھوں کرنل ولی اور ڈاکٹر لال کاکا کا قتل هوا تھا - ان واقعات سے انگریز خائف اور پریشان تھے - لوگ اس قدر مشتعل تھے که هر هندوستانی خصوصاً هندو کو ڈھینگرا کا معین اور اس کے افعال کا ثناخواں سمجھتے تھے - پس بسے انگریزوں سے اپنی ایجادات کے متعلق مناسب مشورہ حاصل کرنے سے ناأمید هو چکے تھے —

بسے کی مشین کے امتحان کے لیے جو ممتحن معین هوا تھا وہ انگلستان کی ایک ٹائپ ڈھالنے والی کمپنی کا خاص انجینیر تھا - یه انجینیر ٹاٹا کے انگریزی نمائندے کے ساتھ بسے کے کارخانے میں آیا - کامل دو گھنٹے تک مشین کا امتحان اور اس کے طریقۂ کار کا معائنه کیا - ڈھالے هوئے ٹائپ دیکھے اور مشین کے متعلق متعدد باتوں کی تنقیدی شہادت لی - اس وقت اس نے اپنی کوئی راے نه دی بلکه اسی دن شام کو ٹاٹا کمپنی کے منیجر کے پاس رپورٹ بھیجنے کا وعدہ کیا - بسے کی وہ رات اضطراب میں کٹی - دوسرے دن صبح هوتے هی وہ ٹاٹا کمپنی کے کارخانے میں پہنچے - ممتحن کی موافق اور مناسب رپورٹ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نه رهی - اس رپورٹ میں نه صرف ان کی ایجادات کی تعریف کی گئی تھی بلکه یه بھی کہا گیا تھا که اس موجد کا مستقبل بہت روشن هے اور ٹاٹا کمپنی سے مالی امداد دینے کے لیے سفارش کی گئی تھی - یه بھی لکھا تھا که اگر ٹاٹا کمپنی بسے کو مدد دینا منظور نه کرے تو خود اس کی کمپنی اُنھیں مالی امداد دینے کے لیے تیار هے - یه رپورٹ پاکر سر رتن ٹاٹا نے تار کے ذریعے بسے کو واپس آکر سرمایه اور اپنے اهل و عیال کو انگلستان لے جانے کے لیے بلایا —

ہندوستان واپس آنے کے بعد ٹاٹا کے مشیروں میں سے بر جو رجی پادشاہ نے بسے سے کہا کہ اُنہیں بسے کی ایجادات پر ایسی موافق اور مناسب راے حاصل کرنے کا وہم وگمان بھی نہ تھا - مارچ سنہ ۱۹۱۰ میں ٹاٹا کی مدد سے وہ مع اپنے خاندان کے انگلستان روانہ ہوے - اپنا وطن چھوڑنے کے قبل دادا بھائی نوروزجی نے اُنہیں مبارکباد دیتے ہوے ایک خط لکھا تھا جس کا کچھہ اقتباس حسب ذیل ہے :-

" آپ نے اپنی مثال سے اہل ہند کے ایجادانہ رجحان کو ثابت کر کے ہندوستان پر احسان کیا ہے مجھے بڑی مسرت ہے کہ آپ اتنی رکاوٹوں اور مزاحمتوں کے ہوتے ہوے بھی اپنی سعی میں کامل طور پر کامیاب ہوے - میری خوشی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب میں سوچتا ہوں کہ آپ کی کامیابی میں میرا بھی ہاتھہ ہے - مجھے آپ سے بڑی اُمیدیں تھیں اور اسی لیے میں نے آپ پر پورا اعتماد کیا - آپ نے اپنے تئیں اس اعتماد کے قابل ظاہر کیا " —

انگلستان واپس آکر اُنہوں نے ٹاٹا بسے سنڈیکیٹ (Tata Bisey Syndicate) قائم کیا اور اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ کو فولی اسٹریٹ لندن میں اپنی مشینوں کی دوکان کھولی - اس کارخانے میں ان کے زیر صدارت ایک درجن کے قریب انجینیر اور میکانک کام کیا کرتے تھے - اس کارخانے میں کام کرکے بسے نے اپنی اصلی مشین کو روٹری اصول پر قائم کیا —

اس مشین کا پہلا نمونہ سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۳ میں تیار ہو گیا جس کے ذریعے ایک منٹ میں ۳۰۰۰ ٹائپ ڈھالے اور جمع کئیے جانے لگے - اس طرح یہ مشین انگریزی مشینوں سے تین گنا کام کرنے میں کامیاب ہوئی -

اس مشین کو تجارتی اصول پر چلانے کے لئے کافی سرمایے کی ضرورت تھی - سر رتن ٹاٹا نے کچھہ رقم دینا منظور کیا مگر بسے پورے سرمایے کا اهتمام نہ کر سکے لہذا اُنہیں کچھہ دنوں کے لئے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا - لیکن یک بات تهی کہ ٹائپ ڈھالنے والی یہ مشین اپنی عظیم‌الشان پیدا وار کے سبب سے ٹائپ فاونڈری والوں کے لئے هی کارآمد تھی - عام اهل مطابع اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے تھے - لندن کی ٹائپ ڈھالنے والی مشینوں کے بنانے والے مسٹر آر - پی - بینرمن کو جب یہ یقین هوگیا کہ بسے پیچیدہ مالی گتھیوں کے سلجھانے میں اپنی آپ هی مثال هیں تو اُنہوں نے بسے سے اصرار کیا کہ وہ ایک ایسی سنگل ٹائپ ڈھالنے والی مشین بنائیں جو عوام کے لئے مفید هو اور جس سے اهل مطابع اپنا ٹائپ ڈھال سکیں - سالہا سال سے لوگ ایسی مشین کی ضرورت محسوس کر رهے تھے - گذشتہ ۶۰ سال کے دوران میں لوگوں نے ایسی مشین بنانے کی سینکڑوں کوششیں کیں مگر کسی کو قابل عمل ڈھانچا بنانے میں کامیابی نہ هوئی - اس لئے بسے نے اس مشکل گُتھی کو سلجھانے کا بیڑا اُٹھایا اور سنہ ۱۹۱۴ میں ایسے ڈھانچے کی ایجاد میں کامیاب هوے - سنہ ۱۹۱۵ میں اُنہوں نے پہلی قابل عمل مشین بنا کر تیار کی - اس پر مسٹر بینرمن، سر رتن ٹاٹا و دیگر ماهرین فن ٹائپ نے ان کی صدق دل سے تعریف کی - امریکہ اور انگلستان کے مخصوص و مقبول رسالہ جات متعلق فن طباعت نے اس ایجاد پر باتصویر مضامین اور تعریفی شذرات شائع کئے - اس نئی مشین کی ایجاد کے مسئلے میں آپ مغربی دنیا میں هندوستانی اڈیسن کے نام سے مشہور هو گئے —

بسے ٹائپ کی مدد سے مالکان مطابع کم صرفے پر اپنی ضرورت کے

ٹائپ خود تیار کرلیں گے اور اس طرح ۵۰ تا ۷۵ فی صدی تک بچت ہوجائے گی - اس لئے ٹائپ میں استعمال میں لائی جانے والی دھات کی قیمت ۵ پینس فی پونڈ ہوتی ہے اور ٹائپ ڈھالنے میں ۱½ تا ۵ پینس فی پونڈ ٹائپ کی جسامت کے لحاظ سے خرچ ہوتا ہے لیکن اسی طرح کے قدیم قسم کے ایک پونڈ ٹائپ کے لئے ٹائپ ڈھالنے والی کمپنیاں ۱ تا ۱۲ شلنگ اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ لیتی ہیں - اس طرح اس مشین میں ٹائپ ڈھالنے کی قیمت ہی کم نہیں بلکہ مشین بھی جلد خراب نہیں ہوتی- جو پرزے خراب بھی ہوتے ہیں وہ تھوڑے سے صرفے میں بدلے جا سکتے ہیں- اپنی ان صفات سے بسے ٹائپ نے ٹائپ ڈھالنے کے علم میں انقلاب پیدا کردیا ہے اور رفتہ رفتہ اس نے ٹائپ ڈھالنے کے کام کو نہایت آسان بناکر تھوڑے ہی عرصے میں کثیر مقدار اور کم سے کم صرفے میں ٹائپ ڈھالنے کے قابل بنا دیا ہے - اور گویا تجار کے لئے ایک نیا میدان تیار کردیا ہے-

بسے ٹائپ سولڈ سادگی کی انتہا کو پہنچ گیا ہے - ٹائپ ٹھیک ٹھیک بنانے کے مقصد سے اس کا ہر ایک جزو اس طرح سے تیار کیا گیا ہے کہ وہ ذرا بھی گھس نہ سکے - مشین کا ہر ایک حصہ اور طریق عمل کامل طور پر اصلی ہے - سب سے ارزاں' دیرپا اور کارآمد ہونے کے باعث یہ مشین اُن چھوٹے چھوٹے مالکان مطابع کے کام میں بھی آ سکتی ہے جو ابھی تک خود اپنے ٹائپ ڈھالنے کے ناقابل تھے- علاوہ ازیں مشین صرف ۲ فٹ جگھہ گھیرتی ہے اور اس کا وزن بھی سوا من سے زیادہ نہیں ہوتا - جو لوگ اس کے متعلق مزید جاننے کے خواہش مند ہوں وہ ٹاٹا بسے انونشن سنڈیکیٹ ۳۶ فولے اسٹریٹ لنڈن ویسٹ (Tata Bisey

(Inventions Syndicate, 36 Foley Street London, West) سے لکھہ کر دریافت کر سکتے ہیں —

انہیں دنوں یورپ میں جنگ عظیم چھڑ گئی - انگریز اس جنگ میں خاص حصہ لے رہے تھے - اُن لوگوں کا دھیان اُدھر منتشر دیکھہ کر بسے کو اپنے کام کے لئے امریکہ جانا ضروری معلوم ہوا - اس زمانے میں بحر اطلانتک میں ابدوز کشتیاں جا بجا پھیلی ہوی تھیں - انگلستان سے امریکہ جانا خطرے سے خالی نہ تھا لیکن اس کی ذرا بھی پروا نہ کرکے وہ امریکہ پہنچے - وہاں پہنچ کر بہت سی مصائب اور تکالیف کا مقابلہ کرکے وہ مارچ سنہ ۱۹۱۷ میں ایک نئی مشین تیار کرنے میں کامیاب ہوے - اس مشین کی کامیابی پر اُنہیں کامل اُمید ہو گئی کہ سر رتن ٹاٹا سے مقرر مالی امداد حاصل کرکے وہ اس میں نئی ترمیمات کریں گے اور مشین کو مزید کار آمد بنائیں گے لیکن ناگہانی مصیبتوں نے اُن کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کر دیں - سر رتن ٹاٹا بیمار پڑ گئے اور بالآخر اس عالم فانی سے رحلت کر گئے - اور ان سے ملنے والی مالی امداد بھی بند ہو گئی جو کچھہ امداد اُس وقت تک ملتی تھی ٹرسٹیوں نے اُسے بھی دینا بند کر دیا - مزید برآں وہ خود تو امریکہ میں تھے اور ان کی اہلیہ و بچے انگلستان میں - دونوں کو سخت ترین معاشی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا - جنگ عظیم کی کیفیت دن بدن نازک ہوتی جا رہی تھی - غذا اور لباس تک کا انتظام کرنا مشکل ہو رہا تھا - لندن میں رہنا بھی مصیبتوں سے پر تھا لیکن مسز بسے نے ان سب تکالیف کا بڑے صبر سے مقابلہ کیا اور ہمیشہ بسے کی ہمت افزائی کرتی رہیں —

بسے نے ایسی حالت میں انگلستان واپس جانا مناسب نہ سمجھا -

لالہ لاجپت رائے اور دیگر احباب کی صلاح سے وہ امریکہ میں ہی ٹھہرے رہے اور وہاں رہ کر ایک امریکن فرم سے تعلق پیدا کرنا شروع کیا۔ اپنے مد حریف "دی یونیورسل ٹائپ کاسٹر کارپوریشن" کے بڑے عہدہ داروں سے ملے۔ وہ لوگ بسے سے مل کر بڑے خوش ہوئے اور اُنہوں نے ڈھانچے والی گتھی کو سب سے پہلے حل کر لینے کے لیے ان کی صدق دل سے تعریف کی اور اصرار کیا کہ وہ امریکن بازار کے لیے ایک ایسا نیا ڈھانچا تیار کریں جس کے ذریعے ٹائپ کے ساتھ ساتھ لیڈ اور رول کی پٹیاں بھی ڈھالی جائیں۔ اس کے مطابق اُنہوں نے ایک ایسی نئی مشین کی اختراع کی جس کا ڈھانچا، طریق عمل گذشتہ اختراع کردہ مشینوں سے بالکل ہی جدا تھا۔ اس نئی مشین کی اختراع اور بنانے کا کام اُنہوں نے صرف تین دن میں ہی کر لیا تھا۔ بسے کی اس غیر معمولی عملی قوت کو دیکھ کر مذکورہ بالا کمپنی کے انجینیروں کے تعجب کا ٹھکانا نہ رہا۔ اُنہوں نے انگشت بدنداں ہو کر کہا کہ بسے کے کام میں ضرور حیرت انگیز قوتیں مدد دیتی ہیں ورنہ بات کی بات میں بڑی بڑی مشینوں کی اختراع کرنا کچھ گڑیوں کا کھیل نہیں۔ اس مشین کو بنانے کے بعد اُنہوں نے لیڈ اور رول الگ ڈھالنے کے لیے بھی ایک نئی اور اصلی مشین ایجاد کی۔ اب تک جو ٹائپ ڈھالنے والی مشینیں تھیں ان میں سے سنگل ٹائپ ڈھالنے والی مشین میں ۱۵۰۰ سے زیادہ کل پرزے ہیں۔ "یونیورسل کاسٹر" کی مشین میں قریب ۱۰۰۰ اور تھامس کاسٹر کی مشین میں ۶۰۰؛ لیکن بسے کی نئی مشین میں صرف ۲۵۰ کل پرزے ہیں۔ پس یہ مشین نہ صرف نہایت سادہ، چھوٹی سے چھوٹی اور

سستی سے سستی ہے بلکہ دیگر مشینوں کے مقابلے میں اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے - انہیں تمام صفات کو دیکھ کر ماہرین نے اس کا نام آیڈیل ٹائپ کاسٹر (Ideal Type Caster) رکھا - امریکہ کے معروف رسالہ سائنٹفک امریکن نے بسے کی اس نئی مشین کے متعلق ایک باتصویر مضمون شائع کیا تھا - یہاں پر اُس کا اقتباس دیا جاتا ہے :-

" ہندوستانیوں نے سائنس ، ادب اور فن میں نہایت ہی روشن کامیابی حاصل کی ہے لیکن اس قوم نے میکانی اختراع کی حیثیت سے دنیا کو بہت کم آراستہ کیا ہے - اسی لیے مغربی لوگوں میں اب تک یہی وہم و گمان بنے رہے کہ ہندوستان کے لوگ کسی بات کی تقلید کر سکتے ہیں اور اُسے حاصل کر سکتے ہیں لیکن اُن میں بلا سہارے اختراع کرنے کی قابلیت نہیں ہے - اب تک اس کے متعلق دنیا کا خیال چاہے جو رہا ہو بسے نے جو کام کر دکھایا ہے اُس کے باعث دنیا کا یہ وہم ضرور ہی دور ہو جائے گا "

اٹھارہ ماہ تک مسلسل کام کرنے کے بعد بسے نے نیویارک میں سنہ ۱۹۲۰ میں آیڈیل ٹائپ کاسٹنگ کارپوریشن کی بنیاد ڈالی - اس کے ذریعے ٹائپ ڈھالنے والی اور لیڈ رول ڈھالنے والی مشینیں تیار کرنے اور اُنہیں بازار کے اغراض کے موافق بنانے کا کام کیا جاتا ہے -

ٹائپ ڈھالنے کی مشین کچھ قبل بنائی گئی تھی - لیڈ اور رول ڈھالنے کی مشین بعد کو بنائی گئی - اس میں اب تک بہت سی نئی ترمیمیں کی جا چکی ہیں اور (۸۰۰۰۰) اسٹرلنگ سے بھی زیادہ رقم خرچ کی جا چکی ہے - اس کا امتحان بہت سے ماہرین کر چکے ہیں - امریکہ

کی لینو ٹائپ ڈھالنے والی مشینوں کے موجد ڈبلو ایکرمین نے اُن کے متعلق کہا تھا :—

" جس گُتھی کو سلجھانے کے لیے ٹائپ مشینوں کے موجد برسوں سے خواب دیکھہ رہے تھے بسے نے اُس گُتھی کو حل کر لیا ھے- سنگل ٹائپ ڈھالنے کے لیے اُنہوں نے نہایت کارآمد پائدار اور جامع ڈھانچے کی ایجاد کرنے میں کامیابی حاصل کی ھے -اس ڈھانچے کو کام میں لانے والی مشین ٹائپ ڈھالنے والی مشین' کے میدان میں ایک نئی اور ترقی یافتہ چیز ھوگی اور کامیابی کے ساتھہ بازار کے دیگر ٹائپ کاسٹروں کا مقابلہ کرے گی - یہ نمونہ بن کر رھے گی جسے حاصل کرنے کے لیے بہت سے سائنسداں کوشش کرتے رھے ھیں - ٹائپ ڈھالنے کی تجارت کے متعلق کئی حالیہ گُتھیوں کو حل کرنے کے قابل ھونے کے باعث تجارتی دنیا میں اس کی خوب مانگ ھوگی " —

بسے کا خیال اس ٹائپ کاسٹر کو مزید ترقی دینے کا ھے لیڈ اور رول کاسٹر ابھی پورا پورا بن کر بھی تیار نہیں ھوا ھے ان مشینوں کو تجارتی پیمانے پر چلانے کے لیے تقریباً ۳۰۰۰۰ اسٹرلنگ کی رقم کی ضرورت ھے - کارپوریشن اس رقم کو جمع کرنے کی کوشش کر رھی ھے —

بسے کی اختراعی قابلیت کے متعدد رخ ھیں - یہی وجہ ھے کہ اُس نے ٹائپ ڈھالنے کی مشینوں کی ھی اختراع نہیں کی بلکہ کیمیاوی اور برقی اختراعات میں بھی اُتنی ھی کامیابی حاصل کی جتنی میکانی

اختراعات میں - امریکہ آکر اُنھوں نے "رولا" نام کے ایک دھون مرکب (Washing Compound) کی اختراع کی - اس مرکب کے بنانے کی ترکیب اور اس کے بنانے کے جملہ حقوق اُنھوں نے ایک انگریزی کمپنی کو دے دیے جس سے اُنھیں اچھی آمدنی بھی ہوئی ہے —

ڈاکٹر بسے کی خاص کیمیای اختراع آٹومڈین ہے - اس کو اُنھوں نے چند کیمیای عملوں کے ذریعہ سمندر کی گھاس سے تیار کیا ہے - یہ خالص آیوڈین (Iodine) کا ایک مرکب ہے لیکن اس کے خواص آیوڈین کے مانند زہریلی اور سوزش پیدا کرنے والی دوا سے بالکل ہی متضاد ہیں- زبردست مہلک جراثیم ہوتے ہوئے بھی یہ کامل طور پر بےضرر اور غیر سمی شے ہے - ابھی تک ایسا ایک بھی آمیزہ تیار نہیں کیا جاسکا تھا جو زبردست جراثیم کُش ہوتے ہوئے بھی جسم کے عضلات کو قوی بنادے - یہ دوا جسم انسانی کے بہت سے امراض میں فائدہ بخش ہے - بسے کی اختراع سے اُن کا شمار دنیا کے بڑے بڑے کیمیادانوں میں کیا جانے لگا - حال ہی میں اس دوا کے افادہ کی جانچ کی گئی تھی- ۲۱ اقسام کے امراض میں مبتلا ۱۸۱۸۲ مریضوں کو یہ دوا دی گئی تھی جن میں ۱۷۵۰۷ مریضوں کو یعنی ۹۶ فی صد کو فایدہ پہونچا - ڈاکٹر بسے جلد ہی ہندوستان آکر اس دوا کو اپنے ملک میں تیار کرانے کے لیے ایک کارخانہ قائم کرنے والے ہیں- اس اختراع کے ذریعہ اُنھوں نے طبی سائنس میں ایک انقلاب پیدا کردیا ہے اور انسانیت پر بڑا احسان کیا ہے —

ڈاکٹر بسے نے کئی برقی مشینیں بھی تیار کی ہیں- ایک مشین ایسی بنای ہے جس کی مدد سے برقی طریقوں سے کرۂ ہوا میں موجود

مختلف گیسوں کی تشریح کی جا سکتی ہے - ایک مشین کے ذریعہ آفتاب کی شعاعوں سے راست برقی قوت حاصل کی جا سکتی ہے - تخیل اور طریق عمل کے لحاظ سے یہ دونوں ہی اختراعات کامل طور پر اصلی تھیں - ابھی دونوں نے تجربہ کی منزل کو طے نہیں کیا —

سنہ ۱۹۰۶ میں جب وہ انگلستان میں تھے اُنہوں نے تار کے ذریعہ تصویر بھیجنے کے ایک آسان طریقہ کی اختراع کی تھی لیکن سرمایہ کی کمی کے باعث اس عمل کو وہ تجارتی شکل نہ دے سکے —

یہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی سائنس کے بڑے دلدادہ رہے ہیں - سنہ ۱۸۹۴ - ۹۶ میں بمبئی میں رہتے ہوئے اُنہوں نے سائنٹفک تحقیقات کے لیے بمبئی سائنٹفک کلب کی تنظیم کی اور کلب کے رسالہ " وودہ کلا پرکاش " یعنی اظہار فنون مختلفہ کے مدیر کی حیثیت سے کام کیا - اُنہیں دنوں اُنہوں نے روح، سائنس اور علوم و فنون کے متعلق بہت سے مضامین ہندوستانی و دیگر ممالک کے اخبارات و رسائل میں شائع کرائے تھے - حال ہی میں اُنہوں نے تاج محل کا تجورا نام کا ایک ناول بھی طبع کرایا ہے - اس وقت وہ روح اور نفسیات پر کتابیں لکھ رہے ہیں - وہ اپنی حیات بھی خود لکھ رہے ہیں - حال ہی میں جامعۂ شکاگو نے اُنہیں فلسفہ کے ڈاکٹر (Doctor of Psycho analysis) کی ڈگری سے مزین کیا ہے —

جنگ عظیم سے کچھ قبل جب وہ انگلستان میں تھے تو چند جنگ جو اشخاص نے اُن سے اصرار کیا تھا کہ وہ خود کار بندوقوں (Automatic guns) کی گتھی کو حل کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیں - اس کے لئے اُنہیں کبھی کبھی رقمیں دینے کا بھی لالچ دیا گیا - لیکن اُنہوں نے اس کو رد کر دیا

اور کہا " اختراع کی قوت ایک آسمانی خزانہ ہے جس کا مناسب استعمال تعمیری اشیا کے بنانے میں ہی ہونا چاہئے نہ کہ انسانی ہلاکت جیسے تخریبی کام میں " —

ڈاکٹر بسے کامیاب موجد ہیں - عموماً ان کی تمام اختراعات اہمیت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں - ان اختراعات کے باعث ہی وہ دنیا میں ممتاز ہوے ہیں لیکن ان کا خیال اب اپنا سارا وقت روح' فلسفہ اور جوگ کے لئے وقف کردینے کا ہے - اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اُنہوں نے امریکہ میں ایک " وشومندر' کو قائم کرنے کی اسکیم تیار کی ہے جس میں دنیا کے تمام خاص مذاہب کے ماننے والے جمع ہوکر خدا کی عبادت کر سکیں - اس زمانے میں وہ اپنی فرصت کا کامل وقت دنیا کے مختلف مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر رہے ہیں —

ڈاکٹر بسے کو یقین ہے کہ خواب میں دکھائی دینے والے واقعات کے ذریعہ ہمیں مستقبل میں ہونے والے بہت سے واقعات کا پیش خاکہ مل جاتا ہے - وہ اپنے تجربہ سے خوابی نفسیات پر ایک کتاب شائع کریں گے —

۱۹ اپریل سنہ ۱۹۲۷ کو امریکہ میں ان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر ایک عالی شان جلسہ منعقد کیا گیا تھا - کئی ہندوستانی اور امریکن درس گاہوں نے اُنہیں سپاس نامے پیش کئے - ایک عظیم دعوت کا انتظام کیا گیا جس میں انکی اختراعات اور سائنٹفک کارناموں کی تعریف میں بہت سے لکچر دئے گئے - ان کا شمار درجۂ اول کے سائنسدانوں میں کیا گیا اور اُنہیں ڈاکٹر آف سائنس اور ڈاکٹر آف فلاسفی کی اعزازی ڈگریاں عطا کی گئیں —

"توجہ"

از

ع - ح - "جمیل" - علوی، صاحب جمیل منزل - گوجرانوالہ

قدیم ماہرین نفسیات نے توجہ کے عمل کو نظر انداز کیا ہے - وہ نفس کی تقسیم کے وقت توجہ کو اس تقسیم سے خارج کرتے تھے - کیوں کہ ان کا یقین تھا کہ نفس کا تعلق صرف احساس، جاننے اور خواہش کرنے سے ہے - توجہ کا اس میں کچھ دخل نہیں - موجودہ زمانے کے ماہرین کے نزد توجہ شعور کی ایک حالت کا نام ہے جس کی توضیح مشکل ہے - جس طرح نفس بے شعوری، قبل شعوری اور شعور پر مشتمل ہے، اسی طرح شعور نفس میں شعور کو دو قسموں میں منقسم کیا جاسکتا ہے - شعور کا کنارہ جس پر ہم توجہ نہیں کر رہے اور مرکز شعور جس پر ہماری توجہ خاص وقت میں مبذول ہوتی ہے، جو تصورات، خیالات اور احساسات ہمارے تجربے میں آتے ہیں، اُن کا مقابلہ ایک بہتی ہوی ندی سے کیا جاسکتا ہے - ایک وقت میں ندی کے صرف اسی حصے کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے جو ہمارے سامنے ہو - یا دوسرے الفاظ میں ہماری توجہ اس وقت اس خاص حصے پر مبذول ہوتی ہے - یہ عمل ایک مثال سے بھی بخوبی واضح ہو سکتا ہے - فرض

کیجئیے کہ ہم آگ کے نزدیک بیٹھ کر مطالعہ میں محو ہیں - اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم دنیاو مافیہا سے بالکل بے خبر ہیں - نہ تو ہمیں آگ کا احساس ہے ' نہ گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز آتی ہے ' اور نہ شور و غل ہی کی طرف ہمارا دھیان ہے - غرض کہ کوئی چیز ہمارے مطالعہ میں مخل نہیں ہو رہی ہے - لیکن ان تمام احساسات کا ہمارے تجربہ کے ساتھ تعلق ضرور ہے - اگر آگ اچانک سرد ہوجائے - یا گھڑی سے آواز آنی رک جائے - یا شور و غل کی بجائے سناٹا ہو جائے - تو ہماری توجہ فی الفور اس طرف مبذول ہو جائے گی - یہ تمام چیزیں جن پر اس خاص وقت میں ہماری توجہ نہیں " شعور کا کنارہ " کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں - اور کتاب ' جس پر اس وقت ہماری توجہ ہے " مرکز شعور " کے نام سے - خیالات ہمیشہ کنارے سے مرکز کی جانب اور مرکز سے کنارے کی طرف آتے جاتے رہتے ہیں - جو چیز اس وقت ہمارے زیر توجہ ہے کچھ عرصہ بعد نہ رہے گی - کنارے کے تجربات کا ہمارے روزمرہ کے واقعات سے گہرا تعلق ہے - یہ خیالات (یا تجربات) ہمیشہ مرکز شعور میں آنے کے لیے تیار رہتے ہیں - گھڑی کی آواز جو ہم تک نہیں پہنچ رہی ہے اگر ذرا بھی اس کی طرف متوجہ ہوں تو بخوبی سن سکتے ہیں - یہ خیالات (یا تجربات) مرکز شعور میں اس وقت تک نہیں آسکتے جب تک کہ ہم ان کی خواہش نہ کریں یا دوسرے الفاظ میں ہم ان پر " توجہ " نہ کریں - اس نقطۂ نگاہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ " توجہ شعور کے منتخب عمل کا نام ہے " —

ڈاکٹر رابرٹ ایس - وُڈ وَرتھ (Robert S. Woodworth) اور دوسرے ماہرین " نفسیات سیرت " توجہ کو جبلت تجسسی خیال کرتے ہیں - توجہ

کو اس لحاظ سے کہ یہ سیرت کی ذاتی شکل ہے جبلی خیال کرنا درست ہے - بچے کو ہم توجہ کی عادت نہیں سکھلاتے - گو اسے بہت سی چیزوں کی طرف، جو فطرتاً اس کی توجہ مبذول نہیں کرتیں، ہم اسے توجہ کرنے کی تعلیم دیتے ہیں - لیکن توجہ کو سیرت کی ایک خاص صورت خیال کرنا درست نہیں - کیونکہ یہ عمل ہماری تمام سیرتوں میں موجود ہوتا ہے - اس میں کسی خاص صورت کی قید نہیں - توجہ کسی خاص مہیج کا رد عمل ہے - کوئی مہیج فطرتاً توجہ مبذول کرتا ہے اور کوئی دیرینہ تجربات اور تعلیم کی وجہ سے - اس موضوع پر مفصل بحث کرنے کے لیے ہم فطری جواب اور حاصل شدہ جواب پر روشنی ڈالیں گے —

(الف) - اوصاف مہیج، جو توجہ مبذول کرتا ہے —

(۱) "تغیر" - ہر قسم کی تبدیلی اس کی بہترین مثال ہے - اگر کمرے یا گلی میں یک دم سناٹا ہو جائے تو ہم فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے - گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز، جس پر ہم غور نہیں کر رہے ہیں اگر اچانک رک جائے تو فی الفور ہماری توجہ مبذول کر لے گی - تغیر کی بھی چند ایک قسمیں ہیں - مقدار - یعنی زیادتی یا کمی قسم اور تغیر حالت یعنی حرکت - کمرے میں ایک دم سناٹا ہو جانا، یا شور و غل شروع ہو جانا، ہوا کا اچانک متعفن یا خوشبودار ہو جانا اور کرسی یا میز کا زلزلے کے سبب حرکت کرنا، یہ اس کی عمدہ مثالیں ہیں —

(۲) "شدۃ مہیج" - اس کی تین صورتیں ہیں - زیادتی - توسیع اور میعاد؛ اس کی بہترین مثال مشتہرین کا جلی قلم میں اشتہار دینا ہے -

(۳) "تکرار" - اس کی ایک خاص مدت ہوتی هے - اگر اس مدت سے گزر کر مہیج بار بار کوئی ردعمل پیدا کرے تو ہماری توجه مبذول نہیں کر سکے گا - فقیر کا بار بار آکر صدا کرنا شروع شروع میں ہمیں اپنی طرف متوجه کر سکتا هے - لیکن کچھه عرصے بعد اپنی یه خاصیت کھو دیتا هے —

(۴) "پسندیدہ صفت" - بعض احساسوں میں توجه مبذول کرنے کی زیادہ خاصیت ہوتی هے - توجه کے لیے گہرا رنگ ہلکے رنگ کی نسبت زیادہ موزوں ہوتا هے - باغ میں خوشنما پھولوں پر ہماری نظر فی الفور پڑتی هے - کیونکه کشش کی ان میں خاص صفت موجود ہوتی هے —

(۵) "صفت معین" - موسیقی کا نغمه عام آوازوں کی نسبت متوجه کرنے کا زیادہ اہل ہوتا هے - اگر کسی جگه سے گراموفون کی آواز آرہی ہو، تو لوگ اور آوازوں کی طرف کم متوجه ہوں گے۔ ان کے کان گراموفون کی صدا پر لگے ہوئے ہوں گے - اہل دیہه میں یه صفت نسبتاً زیادہ پائی جاتی هے —

مندرجۂ بالا پانچوں صفات ذاتی ہیں - ان میں اکتساب کی ضرورت نہیں - اب ہم باقی صفات پر غور کرتے ہیں جو تعلیم اور تجربات کے ذریعے سے حاصل کیے جاتے ہیں - یه اکتساب کی وجه سے مختلف انسانوں میں مختلف ہوتی ہیں - انسان خود ضرورت محسوس کرتے ہیں که کن کی طرف توجه مبذول کرنی ضروری هے - پھر وہ تعلیم سے اپنے میں "توجه کی عادت" ڈال لیتے ہیں —

(۶) بعض اشیا کی طرف متوجه ہونا ہماری عادت پر منحصر هے

یعنی ہم میں خاص چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی عادت پڑ جاتی ہے - کسی شخص میں کسی چیز کی طرف متوجہ ہونے کی عادت ہوتی ہے اور کسی میں کسی اور چیز کی طرف - یہ عادت اس کے فائدے اور ضرورت پر مبنی ہوتی ہے - موٹرواں کے لیے سپاہی کی سیٹی کی آواز اور اس کے اشاروں پر متوجہ ہونا لازمی ہے - لیکن یہی چیزیں عوام الناس نظرانداز کر جاتے ہیں - ریلوے اسٹیشن پر کوئی مسافر بھی تار کی ٹک ٹک پر غور نہیں کرتا - لیکن تار بابو کا یہ فرض ہے کہ اس آواز کا ہمیشہ خیال رکھے - گھنٹے کی صدا جو طالب علموں کو مدرسے کی طرف کھینچ لیتی ہے راہگیروں پر کچھ اثر نہیں کر سکتی - جس طرح بعض اشخاص میں مخصوص اشیا کی طرف متوجہ ہونے کی عادت پڑ جاتی ہے بعینہ بعض اشخاص میں چند اشیا کی طرف متوجہ نہ ہونے کی عادت پڑ جاتی ہے - اگر ہم پہلی دفعہ ریلوے اسٹیشن کے قریب سوئیں تو گاڑی کی آواز سے ہم بخوبی نہ سو سکیں گے - لیکن یہی آواز اسٹیشن پر رہنے والوں کی نیند میں مخل نہیں ہو سکتی - توجہ کے متعلق یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ ہر 'وہ شے' جس سے ہمارا سابقہ پڑنا ضروری ہے ہماری توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کی طاقت رکھتی ہے - لیکن اس شے میں' جس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں پڑتا یہ صفت مفقود ہوتی ہے —

(۷) - چند اشیا کا ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لینا ہمارے وقتی فائدے اور خواہش پر منحصر ہے - اگر ہم کچھ خریدنے کے لئے بازار جائیں تو صرف وہی چیز بازار میں ہمیں اپنی طرف متوجہ

کر سکتی ہے جو ہم خریدنا چاہیں - اگر ہمیں کسی شخص سے نفرت ہے تو ہم اس کے عیوب پر نگاہ رکھیں گے - بر عکس اس کے ہمیں اپنے محبوب کی صفات اپنی طرف متوجہ کریں گی - وقتی خواہش کی وجہ سے ہمارا متوجہ ہونا آسان ہوجاتا ہے —

(ب) "توجہ کا جسمانی پہلو" -

(۱) - "عام طرز عمل" - چونکہ توجہ کسی مہیج کا خارجی رد عمل ہے اس لئے ہم طرز عمل یعنی حرکات و سکنات سے جان سکتے ہیں کہ آدمی اس وقت متوجہ ہورہا ہے - جب ہم جلسے میں کسی مقرر کی تقریر سنتے ہیں تو اس کا چہرہ تمام حاضرین کی نگاہوں کا مرکز ہوتا ہے اور کان اس کی آواز پر لگے ہوتے ہیں' جسم ساکن ہوتا ہے لیکن ذرا آگے کو جھکا ہوا - سانس آہستہ آہستہ اور آسانی سے آتی ہے - جلسہ گاہ میں مکمل خاموشی ہوتی ہے - وغیرہ - وغیرہ - یہ ایسی علامات ہیں جو اس وقت تمام حاضرین میں' بشرطیکہ وہ متوجہ ہوں' موجود ہوتی ہیں - جب ہم کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں یا اپنے کسی محبوب کا خیال دل میں لاتے ہیں تو بھی ہماری تقریباً یہی کیفیت ہوتی ہے —

(۲) "اصلاح عضو حس" - جب توجہ میں ہم اپنی آنکھوں سے مدد لے رہے ہوں تو ہماری آنکھیں اس چیز پر جمی ہوئی ہوتی ہیں - اور آنکھوں کی پتلی روشنی کی مقدار کے مطابق چھوٹی بڑی ہوتی رہتی ہے - اور آنکھ اپنے عضلات کی مدد سے اس چیز کے فاصلے کے موافق اپنی حالت تبدیل کرتی رہتی ہے - دونوں آنکھیں اس طرح مطابقت اختیار کرلیتی ہیں کہ اس چیز کا عکس ہر

آنکھ کے پردے کے سب سے حساس حصے یعنی زرد نقطے پر پڑے - آنکھیں نیچے اوپر اور دائیں بائیں اس طرح حرکت کرتی رہتی ہیں کہ روشنی اس زرد نقطے پر بخوبی پڑسکے - آنکھوں کی ان حرکات اور مطابقت سے وہ چیز بخوبی دیکھی جاسکتی ہے - جب توجہ میں ہم اپنی آنکھیں کسی چیز پر جماتے ہیں تو چند سکنڈوں کے بعد نگاہ اچھل کر اس چیز کے کسی دوسرے حصے پر پڑے گی - اگر ہماری نگاہ کے سامنے اچانک تیز روشنی کی شعاع گزاری جائے تو نگاہ پہلی چیز سے ہٹ کر فوراً اس شعاع کو اپنا مرکز بنالے گی - یہ حرکت متواتر اور سیدھی نہیں ہوتی - آنکھ کی حرکت کی ایک اور قسم بھی ہے - اگر آنکھیں کسی ایسی شے کو ملاحظہ کر رہی ہیں جو آہستہ آہستہ حرکت کر رہی ہے تو آنکھیں بھی اس متحرک شے کا آہستہ آہستہ تعاقب کریں گی - آنکھوں کی اس حرکت کا نام « حرکت تعاقب » ہے - اگر کسی شخص کی آنکھوں کا معائنہ اس وقت کیا جاے جب وہ آسمان پر ہوائی جہاز کی حرکات دیکھ رہا ہے تو آنکھوں کی یہ حرکت بخوبی ملاحظہ کی جاسکتی ہے —

پڑھتے وقت ہماری نگاہیں پہلی قسم کی حرکت کرتی ہیں - وہ ہر ایک سطر کا شروع سے آخر تک کا فاصلہ کود کود کر طے کرتی ہیں - نہ کہ علی التسلسل - اسی طرح وہ ایک سطر سے دوسری سطر پر کود کر پہنچتی ہیں - مندرجۂ ذیل شکل اس حرکت کو ظاہر کرتی

الف ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ب

ج

شکل نمبر (۱)

[نگاہ الف سے ب تک پہنچنے کے لیے بالکل سیدھی نہیں جاتی - بلکہ الف سے (۱) پر، (۱) سے (۲) پر، (۲) سے (۳) پر اور (۳) سے (۴) پر ..... حتی کہ ب پر پہنچے گی - (۱) سے (۲) اور (۲) سے تین تک کا فاصلہ طے نہ کرے گی- بلکہ (۱) سے (۲) پر کود کر پہنچے گی - اور پھر ب سے کود کر ج (دوسری سطر) پر پہنچے گی]

ماہرین نفسیات سپرٹ اپنے نظریۂ توجہ کو، کہ یہ جبلت تجسس ہے آنکھوں کی ان حرکات سے واضح کرتے ہیں - اصول سب کا یہی ہے کہ ایک ساکن چیز پر چند سکنڈوں سے زیادہ نگاہ قایم رکھنی نا ممکن ہے - مندرجۂ ذیل تجربات اور « مبہم اشکال » اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں :

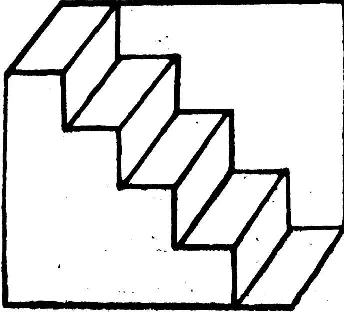
(۱) - سفید کاغذ پر کوئی نشان لگا کر اس پر غور کرو - اور اس بات کا خیال رکھو کہ کس طرح وہ لفظ کبھی غائب ہوتا ہے اور کبھی ظاہر - نیز یہ کہ اس پر متواتر غور کرنا کتنا مشکل ہے —

(۲) - اس شکل کو غور سے دیکھو - کبھی یہ نشانات گروہوں میں تقسیم ہوں گے - اور کبھی سیدھے نظر آئیں گے اور کبھی ترچھے

* * *
* *
* * *
* *
* * *

شکل نمبر (۲)

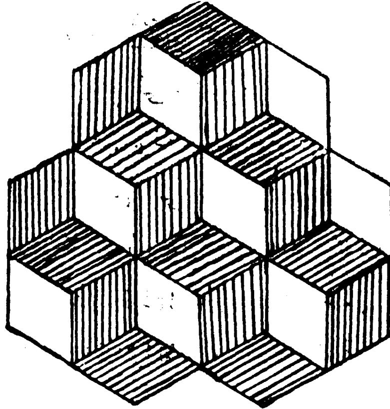
"مبہم زینےکو" ملاحظہ کرنے سے بھی یہ نقل و حرکت سمجھہ میں آسکتی ہے -



شکل نمبر (۳) "مبہم زینہ"

پہلے یہ معلوم ہوگا کہ ہم نیچے کو دیکھہ رہے ہیں - پھر کچھہ سکنڈوں کے لئے ایسا معلوم ہوگا گویا ہم نیچے سے اوپر کو دیکھہ رہے ہیں -

مندرجۂ ذیل شکل کو خوب غور سے دیکھو :-



شکل نمبر (۴)

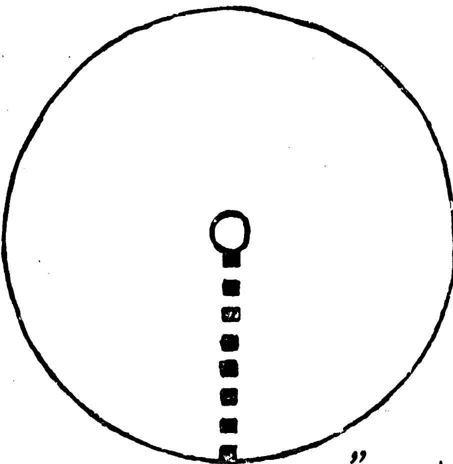
(۳) - "دو چشمی مزاحمت" اس کی نہایت عمدہ مثال ہے - اس میں ایک رنگ ایک آنکھہ کے سامنے رکھا جاتا ہے - اور ایک دوسرا رنگ دوسری آنکھہ کے سامنے- مثال کے طور پر سرخ رنگ کا شیشہ ایک آنکھہ کے بالکل قریب رکھو - اور نیلے رنگ کا شیشہ دوسری آنکھہ کے بالکل قریب - دونوں آنکھوں سے کسی چمکدار سطح کو دیکھو - کچھہ عرصے کے لیے رنگ سرخ نظر آےگا - اورکچھہ عرصے کے لیے نیلا- اس خاص مقصد کے لئے ایک آلہ تیار کیا گیا ہے جس کا نام جسم‌نما (Stereoscope) ہے - اس کی مدد سے بہت سے تجربات اِس موضوع پر کئے جا سکتے ہیں —

(۴) - آنکھہ کی نقل کی ایک اور قسم ہے - جس کا نام "تموج توجہ" ہے - اگر ہم دور سے کسی نغمے کی آواز سن رہے ہوں تو کچھہ عرصہ بعد

چند سکنڈوں کے لئے ہم اس نغمے کو نہ سن سکیں گے - لیکن اس مدت گزرنے کے بعد ہم پھر سننے پر قادر ہو جائیں گے - اسی طرح اگر گھڑی کچھہ فاصلے پر رکھی جاے تو اس کی ٹک ٹک کی آواز کبھی ہم سن سکیں گے - اور کبھی اس کے سننے سے قاصر ہوں گے - اگر کسی سفید کاغذ پر نہایت ہی ہلکے رنگ کا دھبہ لگا کر اس پر غور کریں تو وہ دھبہ کبھی ہمیں نظر آے گا اور کبھی نظر نہ آے گا -

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ تموج ہر پانچ یا چھہ سکنڈ کے بعد واقع ہوتا ہے - تموج کی کمترین میعاد ۳ سکنڈ ہے اور سب سے زیادہ میعاد جو تجربہ میں آچکی ہے ۲۵ سکنڈ ہے -

" تموج توجہ " ملاحظہ کرنے کے لئے سب سے دلچسپ تجربہ " میسنی قرص " (Masson Disc) سے کیا جاتا ہے - اس قرص کا قطر ۲۰ سنٹی میٹر ہوتا ہے - اس کے ایک نصف قطر پر کچھہ فاصلہ پر سیاہ نشان لگے ہوتے ہیں - یہ سیاہ نشان ۵ ملی میٹر ہوتے ہیں - اور ان کا درمیانی فاصلہ بھی ۵ ملی میٹر ہوتا ہے - (ملاحظہ ہو شکل نمبر ۵) -



(شکل نمبر ۵ - "میسن قرص" (Masson Disc).

جب اس قرص کو کافی رفتار سے گھمایا جاتا ہے تو سیاہ قطار کا ہر

ایک سیاہ حصہ قرص کے سفید حصے سے اس طرح مل جاتا ھے کہ قرص کی ساری سطح پر متعدد بھورے رنگ کے حلقے نظر آتے ھیں - جوں جوں قرص کے کنارہ کے قریب نگاہ پہنچتی جاتی ھے ھر ایک حلقہ سفید ھوتا چلا جاتا ھے - کیونکہ سفیدی سیاھی کی نسبت بہت زیادہ ھوتی ھے - معمول جو نہایت ھی آرام سے بیٹھا ھوا ھوتا ھے ضعیف ترین حلقہ پر، جس میں وہ تمیز کر سکے توجہ قایم رکھتا ھے -

معمولی سی مشق کے بعد ھی اسے نقول کے ثبت کرنے میں کوئی دقت نہیں اٹھانی پڑتی - جب بھورے رنگ کا حلقہ نظر سے اوجھل ھو جاتا ھے تو وہ ایک ربڑ کی نلکی کو دباتا ھے - اور جب وہ حلقہ پھر نظر آنے لگ جاتا ھے تو دباؤ ھٹا لیتا ھے - ربڑ کی نلکی کا تعلق ایک طبل سے ھوتا ھے - جس کا بیرم (Lever) متحرک دھواں دار سطح والے طبل پر نقول کے نشانات ثبت کرتا رھتا ھے ایک اور بیرم اس کے نیچے ھوتا ھے جو وقت ظاھر کرتا ھے - اس آلے کو معمول سے کچھ فاصلے پر رکھنا چاھئے - اور متحرک دھواں دار سطح والے طبل کی رفتار بہت کم ھونی چاھئے - ایک چکر کے بعد معمول کو آرام دینا ضروری ھے - صحیح نتائج حاصل کرنے کے لئے ایسی دس آزمائشیں لینا چاھئے - ھر ایک آزمایش کے دوران میں معمول کا معائنۂ باطن بھی درج کیا جا سکتا ھے - اس تجربے میں ربڑ کی نلکی کی بجائے رد عمل کی سوئی بھی استعمال کی جا سکتی ھے * -

تموج اور مزاحمت کی یہ نقول توجہ کی عام نقول سے مختلف ھوتی ھیں -
(۱) تموج اور مزاحمت میں نقل کی رفتار کم ھوتی ھے - اور اس لئے

* Collins & Drever: Experimental Psycholcgy.

مدت چند سکنڈ ہوتی ہے - توجہ کی عام حرکات کی رفتار چونکہ زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کی مدت بہت ہی قلیل ہوتی ہے -

(۲) تموج وغیرہ میں ہماری اپنی مرضی کا کچھہ دخل نہیں لیکن دوسری حالتوں میں ہم اپنی مرضی اور خواہش سے ہر ایک چیز پر زیادہ عرصے کے لئے متوجہ ہو سکتے ہیں -

(۳) تموج میں جب توجہ کچھہ عرصے بعد کسی اور چیز کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو پہلی چیز بالکل غائب ہو جاتی ہے - یہی حالت مبہم اشکال کو غور سے دیکھنے کی ہے - ایک دفعہ دیکھنے سے جو حالت نظر آتی ہے کچھہ عرصے بعد تبدیل ہو جاتی ہے - لیکن جب ہم کسی دلکش منظر کو دیکھہ رہے ہوتے ہیں تو توجہ کچھہ عرصے کے لیے ہٹ کر پھر اسی منظر پر مبذول ہو جاتی ہے - یہ منظر ہماری توجہ سے بالکل باہر نہیں چلا جاتا بلکہ محض کچھہ وقفے کے لئے - اس مدت کے گذرنے کے بعد ہماری توجہ پھر اس منظر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے - اس صورت میں اشیا مرکز توجہ سے ہٹ کر کنارے پر چلی جاتی ہیں -

(ج) - "توجہ کی قسمیں" -

توجہ کو بالعموم تین اقسام میں منقسم کیا جاتا ہے :-

(۱) "مجہول" یا "اضطراری" اس میں مہیج کی طرف متوجہ ہونا قدرتی امر ہے - ہم توجہ کا ارادہ کریں یا نہ کریں، توجہ بلا ارادہ مبذول ہو جائے گی - اگر ہم مطالعے میں مشغول ہوں اور قریب سے دھماکے کی آواز آئے تو ہماری توجہ فی الفور اس طرف چلی جائے گی - اس میں مہیج جبلی ہوتا ہے - جو اپنی فطرت سے ہمارے

کسی ایک عضو کو متاثر کر لیتا ھے - اس قسم کے مہیج کے بہترین معمول بچے ھیں - اس عمر میں توجہ کا یہ درجہ پایۂ تکمیل تک پہنچا ہوا ہوتا ھے - بچے کھیل میں خواہ کتنے ھی مشغول ہوں، شور سننے پر وہ کچھ عرصے کے لیے کھیلنا ترک کر دیں گے - مجنون اور جنگلی آدمی بھی جو تہذیب سے کوسوں دور ھیں زیادہ تر توجہ کے اسی درجے کا شکار ھیں کیونکہ ان کے مختلف اعضا حس اکثر بے اختیار مہیج سے ھی متاثر ہوتے ھیں —

(۲) "معروف" یا "اختیاری" - اس درجے میں توجہ کا کوئی خاص سبب ہوتا ھے - اگرچہ توجہ ایک چیز پر قایم نہیں رہ سکتی لیکن بعض موضوع کی طرف چند وجوہ سے توجہ کا قایم رکھنا ضروری ھے - اس مقصد کے لیے ارادے کا پایا جانا مقدم ھے - ارادے کی بھی چند حالتیں ھیں - خواہ ہمارا ارادہ کسی فائدہ یا دلچسپی کی وجہ سے ہو، خواہ خوف سے - موٹر راں کو سپاھی کی آواز سننی لازمی ھے کیونکہ اگر وہ اس پر توجہ نہ کرے گا تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا - اسی طرح تار بابو کو تار کی ٹک ٹک کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ھے - بچے عموماً مار کے ڈر سے مدرسے جاتے ھیں اور ان کے سبق دھرانے کی محرک طاقت بھی استاد کا خوف ھی ہوتا ھے - مدرسے کے دوران میں طلبا کو متوجہ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بید کو ھی خیال کیا جاتا ھے - شاباش اور آفرین کے کلمات بھی توجہ کو منتقل کرنے میں کام میں لائے جاتے ھیں - دلچسپی کو بھی توجہ میں بہت دخل ھے - ہم اپنا کام چھوڑ کر ناول محض دلچسپی کی خاطر پڑھتے ھیں - دیہات میں جو طاقت

لوگوں کو قصہ خواں کی طرف کھینچتی ہے وہ دلچسپی کے سوا ے اور کوئی طاقت نہیں ہوتی - چونکہ دلچسپی کا موضوع مختلف انسانوں میں مختلف ہوتا ہے اس لیے مہیج جو ایک کی توجہ مبذول کر سکتا ہے ممکن ہے کہ دوسرے کو بالکل متاثر نہ کر سکے - اگر آپ اپنے دوست کو موٹر میں بٹھلا کر کہیں لے جا رہے ہیں تو اس کے پہیوں کی آواز دونوں ہی کو سنائی دے گی لیکن کسی کی توجہ بھی مبذول نہ کر سکے گی - اب فرض کیجئے کہ موٹر میں کوئی نقص آجاتا ہے اور ایک اور آواز پیدا ہوجاتی ہے - یہ آواز فوراً آپ کو متوجہ کر لے گی - ممکن ہے کہ آپ کے دوست پر یہ آواز کچھ اثر نہ کر سکے - آپ چونکہ موٹر کے مالک ہیں اس لیے آپ ہی اس کی حرکات سے دلچسپی لے سکتے ہیں- باپ کا اپنے بیٹے کی بہبودی میں دلچسپی لینا قدرتی امر ہے - لالچ اور انعام کو بھی توجہ میں بڑا دخل ہے - طالب علم انعام کی خاطر محنت کرتا ہے - یہی حال کامیابی کا ہے جس کو ایک لحاظ سے انعام کی تحت میں لایا جا سکتا ہے - طالب علم کے دل لگا کر پڑھنے کا سب سے بڑا مقصد کامیابی ہی ہوتا ہے -

(۳) بعض اشیا ہمارے لیے اتنی دلچسپ بن جاتی ہیں کہ ان کی طرف متوجہ ہونے کی ہماری عادت پڑ جاتی ہے اور ہم اپنی طبیعت پر بوجھ ڈالے بغیر کافی عرصے تک اپنی توجہ قایم رکھ سکتے ہیں - ناول پڑھنے سے پہلے محرک طاقت دلچسپی تھی اور ناول کی دلچسپی کی وجہ سے ہم اپنی اختیاری توجہ سے ناول سے حظ اٹھانے کے خواہشمند تھے - لیکن چند ابواب پڑھنے کے بعد

هماری توجه محض اختیاری نهیں رهی تهی - هویں اس کے مطالعے سے اتنی دلچسپی آنے لگی تهی که هم دنیا و مافیها سے بالکل بے خبر هو گئے تهے - یه توجه کا تیسرا درجه هے یعنی " ثانوی اضطراری توجه " کا - عادت اور دلچسپی اس کے دو ضروری عنصر هیں - مدرسین نو آموزوں میں خوف یا مار سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کرتے هیں - اور وہ اس بات کو فراموش کر جاتے هیں که خوف سے زیادہ محبت میں دلچسپی پیدا کرنے کی طاقت هے - سچ هے :—

درس وفا اگر بود بزمزمه محبتے جمعه بکتب آورد طفل گریز پاے را

دلچسپی ایک حد تک فطری هوتی هے - کسی کو فلسفه کی تعلیم کا شوق هوتا هے - اور کوئی سائنس کا دلدادہ هوتا هے ' کوئی لهو و لعب میں اپنا نام پیدا کرنے کا خواهشمند هوتا هے - اور کسی کی امنگ ادبیات یا سیاسیات میں نام روشن کرنے کی هوتی هے - " ثانوی اضطراری توجه " کا درجه حقیقت میں اختیاری درجے کی تکمیل کا نام هے —

امریکه کے مشهور ماهر نفسیات ولیم جیمس نے توجه مبذول کرنے کے دو قوانین مقرر کیے هیں جن کا یهاں ذکر کرنا خالی از دلچسپی نه هوگا —

(۱) درس کی طرف بچے کی توجه مبذول کرنے کے لیے مدرس کو چاهئے که اگر بچے میں اندرونی دلچسپی کا باعث موجود نهیں تو ایسے خارجی اسباب پیدا کرے جو درس کے ساتھ وابسته هوں : مثلاً سزا یا انعام - لیکن سزا کو خاص خاص مواقع پر هی استعمال کرنا بهتر هے کیونکه

اگرخوف جاتا رہے گا تو طالب علم سزا کی پروا نہ کرتے ہوئے درس کی طرف متوجہ نہ ہوگا - سزا کی نسبت سزا کا خوف زیادہ مفید ہے - انعام بھی اس کام کے لئے موزوں مہیج ہے - اگر درس میں اختیاری توجہ پیدا کرنے کی استعداد نہیں تو مدرس کا فرض ہے کہ خارجی اسباب سے اختیاری توجہ پیدا کرنے کی کوشش کرے یعنی مضمون میں جدت پیدا کرے - بچے نئی چیز کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں - اگر سبق میں کوئی نیا طریقہ استعمال کیا جاے گا تو بخوشی اس کی طرف متوجہ ہوں گے - بہترین دلچسپی تو اندرونی ہونی چاہیے - اس لئے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ " اختیاری توجہ " اپنے انتہائی درجے یعنی " ثانوی اضطراری توجہ " میں ظاهر ہو - بچے جس شے کی طرف بلا ارادہ یعنی بے اختیار متوجہ ہوتے ہیں اگر سبق کو اس چیز کے ساتھہ مشترک کردیا جائے تو نتیجہ اختیاری توجہ ہوگا - مثال کے طور پر ' اگر بچہ لہو و لعب کی طرف زیادہ راغب ہے تو شروع میں کھیل کود اور سبق کو یکجا کردینا چاہئیے - یا سبق ہی اس قسم کا ہو کہ بچے کھیل سمجھہ کر اختیاری طور پر متوجہ ہوں - رفتہ رفتہ ان میں ثانوی اضطراری توجہ پیدا ہو جاے گی —

(۲) - اگر کوئی فرد سن بلوغ میں پڑھتے یا لکچر سنتے وقت متوجہ نہ ہو تو چنداں پرواہ نہ کرنی چاهئیے - کیونکہ اگر توجہ احساس کی اندرونی تولید کا نام ہے تو پڑھنے کی عادت صرف آنکھوں سے ہی نہیں اور سننے کی عادت صرف کانوں سے ہی نہیں ' بلکہ دیکھے ہوے یا سنے ہوے الفاظ کو اپنے ذہن میں تلفظ کرنا ہے - تو یہ (توجہ)

ضرور بھی اپنے آپ میں کشش پیدا کرلے گی - تجربے سے اس بات کی صداقت ثابت ہوچکی ہے - اگر نفس کو آزاد کردیا جاے اور لکچر سننے اور ان الفاظ کو دھرانے پر مجبور نہ کیا جاے تو پھر پھرا کر توجہ اس پر مبذول ہوجاے گی - بہت سے طالب اس کی تصدیق کریں گے * -

راقم الحروف کو بخوبی یاد ہے کہ ایک دفعہ ہمارے کالج میں ڈاکٹر ایچ - ایف - ایل - ٹیلر - (ایم - اے - ' ایم - ڈی - ' سی، ایچ - بی - ' ڈی - پی - ایچ - ' وغیرہ) ایک خاص تقریب پر خطبۂ صدارت پڑھ رہے تھے - چونکہ ان کے بعض واقعات کے ساتھہ میں متفق نہ تھا اس لئے میں اس پر بالکل متوجہ نہ ہو رہا تھا - لیکن کچھہ عرصے بعد خود بخود میری توجہ ادھر مبذول ہوگئی اور میں نے اس سے اتنا حظ اٹھایا کہ بعد میں کالج کے شعبۂ نفسیات کے صدر پروفیسر ولیم للی مجھہ سے فرمانے لگے « ڈاکٹر ٹیلر نے تمھیں اپنی تقریر سے مسخر کرلیا تھا - میں تقریر کے دوران میں تمھاری کیفیت ملاحظہ کر رہا تھا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر موصوف کی تقریر سے تم پر تنویمی اثر طاری تھا » -

توجہ مبذول کرنے کے لئے تجزیۃالنفس اور تنویم کے طریقے زیادہ مفید ثابت ہوے ہیں - اگر بچہ تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو مفید ترین طریقہ یہ ہے کہ اسے بے شعوری کی حالت میں اشارات دیے جائیں - تجربہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ایسے اشارات بہت ہی موثر ہوتے ہیں - چنانچہ اگر ماں اپنے بچے کو حالت نیند میں کوئی نصیحت

---

* W. James : « Principles of Psychology. »

موثر ہوتے ہیں چنانچہ اگر ماں اپنے بچے کو حالت نیند میں کوئی نصیحت کرے تو وہ نصیحت بچے کے دل پر نقش ہو جائے گی -

(د) "انتشار-" (Distraction)

انتشار ایک قسم کا مہیج ہے جو توجہ کو متوجہ ہونے والی چیز پر قایم نہیں رہنے دیتا - بلکہ منتشر کر دیتا ہے - یہ موضوع تجرباتی لحاظ سے بہت ہی دلچسپ ہے - بعض حالتوں میں انتشار کی حالت میں کام کی رفتار کم ہو جاتی ہے - لیکن خاص خاص حالات میں نہ صرف رفتار ہی زیادہ ہو جاتی ہے بلکہ کام بھی بہتر ہوتا ہے - اگر کسی شخص سے ایک چھپے ہوئے کاغذ سے ہر ایک "و" اور "ی" کو کاٹنے کے لیے کہا جائے اور اسے تاکید کر دی جائے کہ یہ کام اپنی پوری رفتار سے کرتے ہوئے پندرہ منٹ میں ختم کر دے - پھر اس سے تجربہ دہرانے کے لیے کہا جائے جب کہ پہلی مرتبہ اس کی رفتار بخوبی ملاحظہ کر لی گئی ہو - تجربہ دہراتے وقت ایسے سامان مہیا کر دیے جائیں جن سے اس کی توجہ منتشر ہو سکے مثلاً اس کے قریب ہی باجا بجا دیا جائے - یا کوئی اور شور برپا کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انتشار کے ذریعے سے کام کی رفتار بڑھ گئی ہے - اس صورت میں انتشار کام کی زیادتی کا باعث ہوا ہے - کیوں کہ اس شخص نے انتشار پر غلبہ حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی - اس لیے وہ کامیاب ہو گیا - ہماری روزانہ زندگی میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں - بالعموم ہماری توجہ منتشر ہو جاتی ہے - اور ہمارے کام کی رفتار میں فرق پڑ جاتا ہے —

انتشار پر غالب آنے کے چند ایک طریقے ہیں —

(۱) جو کام سر انجام دیا جا رہا ہو اس میں زیادہ ہمت صرف کرنی

ضرور بھی اپنے آپ میں کشش پیدا کرلے گی - تجربے سے اس بات کی صداقت ثابت ہوچکی ہے - اگر نفس کو آزاد کردیا جاے اور لکچر سننے اور ان الفاظ کو دھرانے پر مجبور نہ کیا جاے تو پھر پھرا کر توجہ اس پر مبذول ہوجاے گی - بہت سے طالب اس کی تصدیق کریں گے * -

راقم الحروف کو بخوبی یاد ہے کہ ایک دفعہ ہمارے کالج میں ڈاکٹر ایچ - ایف - ایل - ٹیلر - (ایم - اے - ' ایم - ڈی - ' سی، ایچ - بی - ' ڈی - پی - ایچ - ' وغیرہ) ایک خاص تقریب پر خطبۂ صدارت پڑھ رہے تھے - چونکہ ان کے بعض واقعات کے ساتھہ میں متفق نہ تھا اس لئے میں اس پر بالکل متوجہ نہ ہو رہا تھا - لیکن کچھہ عرصے بعد خود بخود میری توجہ ادھر مبذول ہوگئی اور میں نے اس سے اتنا حظ اٹھایا کہ بعد میں کالج کے شعبۂ نفسیات کے صدر پروفیسر ولیم للی مجھہ سے فرمانے لگے " ڈاکٹر ٹیلر نے تمھیں اپنی تقریر سے مسخر کرلیا تھا - میں تقریر کے دوران میں تمھاری کیفیت ملاحظہ کر رہا تھا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر موصوف کی تقریر سے تم پر تنویمی اثر طاری تھا " -

توجہ مبذول کرنے کے لئے تجزیۃالنفس اور تنویم کے طریقے زیادہ مفید ثابت ہوے ہیں - اگر بچہ تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو مفید ترین طریقہ یہ ہے کہ اسے بے شعوری کی حالت میں اشارات دیے جائیں - تجربہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ایسے اشارات بہت ہی موثر ہوتے ہیں - چنانچہ اگر ماں اپنے بچے کو حالت نیند میں کوئی نصیحت

---

* W. James : « Principles of Psychology. »

موثر ہوتے ہیں چنانچہ اگر ماں اپنے بچے کو حالت نیند میں کوئی نصیحت کرے تو وہ نصیحت بچے کے دل پر نقش ہو جائے گی -

(د) "انتشار-" (Distraction.)

انتشار ایک قسم کا مہیج ہے جو توجہ کو متوجہ ہونے والی چیز پر قایم نہیں رہنے دیتا - بلکہ منتشر کر دیتا ہے - یہ موضوع تجرباتی لحاظ سے بہت ہی دلچسپ ہے - بعض حالتوں میں انتشار کی حالت میں کام کی رفتار کم ہو جاتی ہے - لیکن خاص خاص حالات میں نہ صرف رفتار ہی زیادہ ہو جاتی ہے بلکہ کام بھی بہتر ہوتا ہے - اگر کسی شخص سے ایک چھپے ہوئے کاغذ سے ہر ایک "و" اور "ی" کو کاٹنے کے لیے کہا جائے اور اسے تاکید کر دی جائے کہ یہ کام اپنی پوری رفتار سے کرتے ہوئے پندرہ منٹ میں ختم کر دے - پھر اس سے تجربہ دہرانے کے لیے کہا جائے جب کہ پہلی مرتبہ اس کی رفتار بخوبی ملاحظہ کر لی گئی ہو - تجربہ دہراتے وقت ایسے سامان مہیا کر دیے جائیں جن سے اس کی توجہ منتشر ہو سکے مثلاً اس کے قریب ہی باجا بجا دیا جائے - یا کوئی اور شور برپا کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انتشار کے ذریعے سے کام کی رفتار بڑھ گئی ہے - اس صورت میں انتشار کام کی زیادتی کا باعث ہوا ہے - کیوں کہ اس شخص نے انتشار پر غلبہ حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی - اس لیے وہ کامیاب ہو گیا - ہماری روزانہ زندگی میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں - بالعموم ہماری توجہ منتشر ہو جاتی ہے - اور ہمارے کام کی رفتار میں فرق پڑ جاتا ہے —

انتشار پر غالب آنے کے چند ایک طریقے ہیں —

(۱) جو کام سر انجام دیا جا رہا ہو اس میں زیادہ ہمت صرف کرنی

چاهئے - جب مطالعہ کے وقت کسی شخص کی گفتگو حارج هو رهی هو تو اس صورت میں اگر طالب علم بلند آواز سے پڑهنا شروع کر دے یا اپنے خیالات اور توجہ کو منتشر نہ کرنے کی خاص کوشش کرے تو اس شخص کی گفتگو اسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی - بعض طالب علموں میں یہ طاقت یہاں تک پہنچ چکی ہوتی ہے کہ وہ خاموشی میں مطالعہ جاری نہیں رکھ سکتے - خود میری یہ عادت ہو چکی ہے کہ تنہائی کی نسبت شور و غل میں زیادہ کام کرتا هوں - اس کی وجہ محض وهی طاقت هے جو شروع شروع بڑی مشکل سے حاصل کی گئی تھی - لیکن اب وہ طبیعت ثانیہ هو چکی هے-

(۲) منتشر کرنے والے مہیج کے عادی هو جانے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ مبذول نہ هو سکے گی - جس طرح کہ اسٹیشن پر رهنے والوں کو گاڑی کا شور اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا - دیہاتی مدرس بچوں کے شور و غل کے اتنے عادی هو جاتے هیں کہ اس کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کرسکتے - حالانکہ یہی شور نو وارد کے کان بہرے کرنے کے لیے کافی هے - [نمبر (۱) والی مثال میں میں شور کی عادت ڈالنے کی کوشش کرتا تھا - اور اب پیہم کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا هے کہ منتشر کرنے والا مہیج یعنی شور مجھے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا] -

(۳) بعض اوقات انتشار کو اصل کام سے ملا دیا جاتا هے - یعنی دونوں کو اس طرح ملحق کر دیا جاتا هے کہ دونوں پر ایک وقت میں متوجہ هونا ممکنات سے هے - مثلاً اگر کوئی شخص کسی ٹائپ کرنے والے کے قریب پیانو بجا رہا هو تو ٹائپ کرنے والا

پیانو کی آواز اور ٹائپ کو ملحق کر دے گا - یعنی جوں ھی کہ وہ پیانو کی آواز سنے گا اپنی انگلیاں ٹائپ کے حروف پر دبائے گا - اس صورت میں پیانو کی آواز' جو منتشر کرنے والی مہیج ھے ممد ثابت ھوگی اور اس شخص کے کام کی رفتار بڑھ جائے گی —

انتشار کا اثر مختلف انسانوں میں مختلف ھوتا ھے - بعض اشخاص چند حالتوں میں اپنی توجہ قایم نہیں رکھہ سکتے - یعنی وہ کسی طرح بھی انتشار پر غالب نہیں آ سکتے - معمولی سا شور بھی ان کی توجہ منتشر کرنے کے لیے کافی ھوتا ھے - وہ صرف تنہائی اور مکمل خاموشی میں ھی کام کر سکتے ھیں - لیکن بعض اشخاص کی حالت اس کے بالکل بر عکس ھے - مکمل خاموشی میں وہ اپنا کام جاری رکھنے سے عاجز آ جاتے ھیں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ھے -

(۲) " متوقع توجہ " -

اگر توجہ کا مرکز مہیج کی بجائے جواب (Response) ھے تو رد عمل کا وقت نسبتاً کم ھوگا - یہ متوقع توجہ کی مثال ھے - نفس پہلے سے ھی مہیج کی آمد کا منتظر ھوتا ھے اور اسی لیے رد عمل کم وقت لیتا ھے - اگر کچھہ آدمی دوڑنے کے لیے تیار کھڑے ھوں تو بعض ان میں سے وقت مقررہ سے پہلے ھی دوڑنا شروع کر دیتے ھیں - اس کی ایک وجہ یہی ھے کہ ان کی توجہ کا مرکز جواب ھوتا ھے - اور وہ مخصوص نشان (مثلاً بندوق کی آواز) کے اتنے منتظر ھوتے ھیں کہ وہ اپنے تخیلات میں ھی یہ سمجھہ لیتے ھیں کہ مہیج اپنا کام کر گیا ھے -

اس واقعے کا ھماری روزانہ زندگی کے ساتھہ چولی دامن کا ساتھہ ھے - جب ھم کسی دوست کی آمد کے منتظر ھوتے ھیں تو ذرا سی

آہٹ کو بھی اپنے دوست کے قدموں کی آواز جانتے ہیں اور بعض اوقات استقبال کے لیے کھڑے بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم جنگل میں رات کے وقت سفر کر رہے ہوں تو پتے گرنے کی آواز پر ہی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور ہم یہی خیال کریں گے کہ کوئی لٹیرا ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔ شکاری معمولی سے شور کو اپنا شکار تصور کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آنے والی چیز کا تصور ہمارے نفس میں موجود ہوتا ہے، اور نفس نتیجہ کا منتظر رہتا ہے۔ ردعمل کے لیے صرف کسی ایک مہیج کی ضرورت ہے۔ الماری میں سے کسی کتاب کو ڈھونڈھنے کے لیے وہ شخص جو اس کتاب سے بخوبی واقف ہے، بہ نسبت اس شخص کے، جس نے اس کتاب کو محض سرسری نظر سے دیکھا ہے، کم وقت لے گا۔ کیونکہ پہلے شخص کے دل میں اس کتاب کا ایک خاص تصور موجود ہے اور یہی تصور اسے ڈھونڈھنے میں مدد دیتا ہے۔ اسی طرح معمے حل کرنے میں معمے کی ایک خاص حالت حل کو شعور میں آنے سے باز رکھتی ہے۔ لیکن جوں ہی کہ معمہ حل ہو گیا وہ خاص حالت بھی جاتی رہی اب ہمیشہ وہ اپنی صحیح حالت میں پیش نظر ہو گا۔ حل کرنے والا حیران ہو گا کہ اب کتنی جلدی معمے کا حل سامنے آجاتا ہے۔

"متوقع توجہ" میں ایک اور بات قابل غور ہے۔ اگر دو مہیج دو مختلف اعضائے حس کے سامنے ایک ہی وقت میں لائے جائیں تو وہ ایک وقت میں تجربے میں نہ آئیں گے۔ اگر ایک مہیج روشنی ہے اور دوسرا آواز تو آواز روشنی محسوس کرنے کی نسبت پہلے سنائی دے گی۔ اس کا ایک سبب متوقع توجہ ہے۔ معمول جس مہیج کا منتظر ہے وہ

پہلے تجربے میں آئے گا - یہ نتائج " پیچیدہ گھڑی " (Complicated clock) استعمال کرنے سے حاصل کیے جا سکتے ہیں - اس گھڑی کے ڈایل پر ایک بڑی سوئی خاص رفتار سے گھومتی ہے - معمول کو اس سوئی کی حرکات دیکھنے کے لیے کہا جاتا ہے - اور اسے تاکید کر دی جاتی ہے کہ جب وہ گھنٹی کی آواز سنے تو فی الفور اس نشان کو بخوبی دیکھ لے جہاں اس وقت سوئی پہنچی ہوئی ہے - اگر معمول کی توجہ ڈایل اور سوئی پر ہے تو گھنٹی کی آواز دیر سے سنائی دے گی - یعنی نتیجہ " مثبت نقل وقت " ہوگا - لیکن اگر توجہ کا مرکز گھنٹی ہے تو یہ آواز بہت جلد سنائی دے گی اور نتیجہ " منفی نقل وقت " ہوگا - اس گھڑی کو ملاحظہ کرنے میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے جو معمول کی مشق، اور سوئی کی رفتار اور طرف پر منحصر ہے - اگر سوئی کی رفتار کم و بیش ہے تو نتیجہ مثبت یا منفی نقل وقت ہوگا - ان دونوں رفتاروں کے درمیان ایک ایسا درجہ ہے جہاں کوئی نقل موجود نہیں - اگر سوئی کا طول ۲۵ سنٹی میٹر ہے تو یہ درجہ ۲ سے ۵ سکنڈ کی رفتار تک ہوگا - نیز یہ ہر فرد کی مشق پر منحصر ہوتا ہے * —

(و) " تقسیم توجہ " -

توجہ کے متعلق یہاں ایک اور دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم ایک وقت میں دو کام انجام دے سکتے ہیں ؟ ہم ایک وقت میں اکثر دو یا زیادہ کام کر سکتے ہیں - ہم چلتے چلتے سانس بھی لیتے ہیں، دیکھتے بھی ہیں اور باتیں بھی کرتے جاتے ہیں - اگر ہم کوئی

---

* Collins and Drever : Exp ; Psychology.

غیر ضروری خط لکھہ رہے ہوں تو بغیر لکھنا بند کئے ہم اپنے دوست کی طرف بھی متوجہ ہو سکتے ہیں - اکثروں کی یہ قوت بہت ہی محدود ہوتی ہے - یعنی وہ ایک ہی وقت میں دو کام، جو توجہ چاہیں نہیں کر سکتے - اگر ان سے ایک نظم دہرانے کے لئے کہا جاے اور اسی دوران میں ان سے دوسری نظم قلمبند کرنے کے لئے کہا جاے تو بخوبی واضح ہو جاے گا کہ یہ کام ان کے لئے کتنا مشکل ہے - دیکھنے، سانس لینے اور چلنے وغیرہ کو توجہ کی اتنی ضرورت نہیں - اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم دو ایسی چیزوں کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں، جن پر متوجہ ہونا ضروری ہے ؟

بعض آدمی خط لکھتے وقت دوسرے آدمی کو ایک اور خط بھی لکھوا سکتے ہیں - جولیس سیزر کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں بہت سے کاتبوں کو مختلف خط لکھوایا کرتا تھا - اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے کاتب کو خط لکھوانا شروع کر دیتا پھر فوراً ہی دوسرے کو - اسی طرح تمام کاتبوں کو پہلی دفعہ لکھوا کر پھر پہلے کاتب کو اگلا فقرہ شروع کروا دیتا - حتی کہ تمام خطوط اس طرح ختم کروا دیتا - یہ بہت ہی عجیب بات ہے لیکن اس کام میں بیک وقت تمام خطوط کی طرف متوجہ نہیں ہونا پڑتا - زیادہ کوشش سے ہر ایک آدمی بیک وقت ایسے کام انجام دے سکتا ہے - ایم - پالان (M. Paulhan) نے بھی اس قسم کا ایک دلچسپ تجربہ کیا ہے - وہ ایک نظم اونچی آواز سے پڑھتا اور دل ہی دل میں ایک اور نظم دہراتا - اس نے تجربے سے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ اگر آدمی ایک وقت میں دو کام کرنے کی مشق پیدا کرلے تو دونوں کام کم وقت لیں گے - اس نے ۲۱۲، ۱۲، ۱۳، ۴۲

کو ۲ سے ضرب دے کر معلوم کیا کہ یہ تمام عمل ۲ سکنڈ لیتا ہے - ایک نظم کے ۴ اشعار دہرانے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے : لیکن جب دونوں کام ایک ہی وقت میں کئے گئے تو کل وقت پھر بھی ۲ سکنڈ تھا —

مندرجۂ بالا تجربے سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم دو سے زیادہ کام انجام دے سکتے ہیں - یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں کام مختلف نہ ہوں یا ہم ایسے کام کرنے کے اتنے عادی ہو جائیں کہ یہ تمام کام بغیر ہماری توجہ کے ہوتے رہیں - اس صورت میں ہم دو سے زیادہ کام بھی انجام دے سکتے ہیں - لیکن ایسے کام، جو دونوں ایک ہی جیسی توجہ چاہیں، ایک ہی وقت میں نہیں کئے جاسکتے - عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ ایک کام کرنے کے ہم اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ وہ خود بخود ہوتا رہتا ہے اور وہاں ہماری توجہ کی ضرورت نہیں پڑتی - بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک چیز سے اپنی توجہ دوسری پر مبذول کرتے ہیں، اور پھر دوسری سے پہلی پر - مضمون لکھتے وقت ہماری توجہ کبھی لکھنے کی طرف ہوتی ہے اور کبھی ہم فقرہ سوچتے ہیں - اور یہ عمل خود بخود اتنی جلدی ہوتا رہتا ہے کہ ہم شاذ و نادر ہی اس پر متوجہ ہوتے ہیں —

اب دوسرا سوال زیر بحث یہ ہے کہ ہم کتنی چیزوں پر ایک وقت میں متوجہ ہوسکتے ہیں؟ اس موضوع پر جو تجربے کئے جا چکے ہیں وہ بہت قدیم تجربوں میں سے ہیں - ایک چھوٹے ڈبے میں سنگ مر مر کے کچھ ٹکڑے ڈالو اور صرف ایک دفعہ جھانکنے سے ان ٹکڑوں کی تعداد معلوم کرو - چار یا پانچ ٹکڑے یقیناً آپ کو نظر آجائیں گے لیکن اس سے زیادہ کے متعلق شبہ ہوگا —

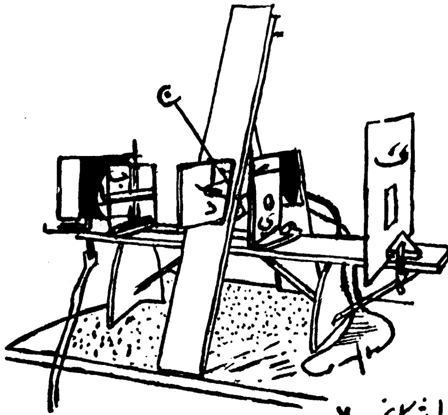
معمل میں مندرجۂ ذیل طریقہ استعمال کیا جاتا ہے :-

تین قسم کے کارڈ لو - نمبر (۱) کے ہر ایک کارڈ پر بے قاعدہ نقطے ہوں - نمبر (۲) کے ہر ایک کارڈ پر اسی قسم کے نقطے ایک ترتیب سے ہوں اور نمبر (۳) پر کسی چیز کی شبیہ ہو - معمول کی نظر کے سامنے نمبر (۱) کا کوئی ایک کارڈ ایک لمحے کے لئے رکھو اور اسے کہو کہ وہ دیکھے کہ اس کارڈ پر کل کتنے نقطے ہیں - پھر ان کارڈوں کو ملادو اور ایک اور کارڈ نکال کر معمول کو تجربہ دہرانے کے لئے کہو - یہ تجربہ نمبر (۱) کے کارڈوں کے ساتھ ۱۰ مرتبہ کرنا چاہئے اور نتیجہ ساتھ ساتھ قلمبند کرتے رہنا چاہئے - یہی تجربہ دس دس مرتبہ نمبر (۲) اور نمبر (۳) کے ساتھ کرنا چاہئے - نمبر (۲) کا کارڈ دکھاتے وقت معمول پر یہ واضح نہ کرنا چاہئے کہ نقطے اس مرتبہ کسی ترتیب سے ہیں - اس کام کے لئے بعض اوقات ایک خاص آلہ بھی ، جس کا نام توجہ نما (Tachistoscope) ہے ، استعمال کیا جاتا ہے - یہ آلہ تین قسموں کا ہوتا ہے —

(۱) - اس قسم میں ایک خاص پردہ گرتا ہے جس پر ایک نشان توجہ قایم کرنے کے لئے موجود ہوتا ہے - اس کے گرنے کے دوران میں نہایت ہی قلیل مدت کے لئے ایک کارڈ نظر آتا ہے جس پر چند الفاظ یا کوئی نشانات موجود ہوتے ہیں —

(۲) - یہ گردش والی قسم ہے - اس میں معمول ایک سیدھی تنگ اور سیاہ نالی سے نہایت ہی تیزی سے گردش کرنے والے ایک قرص کو دیکھتا ہے - قرص کا ایک حصہ کٹا ہوا ہوتا ہے - اس کٹے ہوے حصے سے ایک کارڈ جس پر الفاظ ہوتے ہیں ، نظر آتا ہے - قرص کی گردش کی رفتار کم و بیش ہوسکتی ہے —

(۳) - لنگر والی قسم میں (ملاحظہ ہو شکل نمبر ۶) پردہ ج لنگر کے آزادی سے حرکت کرنے والے ایک سرے سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ لنگر کی حرکت کے دوران میں ایک لمحے کے لئے اس کے ادھر کی چیز آشکار ہوجاتی ہے - حرکت کے اخیر میں لنگر کو ایک گرفت (د) پکڑ لیتی ہے - لنگر کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک چشمی آلہ ہوتا ہے جس کی مدد سے اشکال (ب) کی تصویر لنگر کی حرکت کے دوران میں الف اور ی کی مدد سے سن شیشے کی پلیت ت پر پڑتی ہے جہاں معمول کی نگاہ قایم رکھنے کے لئے نشان موجود ہوتا ہے*۔



Hales's Tachistoscope. شکل نمبر ۶

مختلف تجربات سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تقریباً پانچ مختلف نقش (نقطے حروف یا الفاظ) ہی اس تھوڑے سے وقفے میں گنے جا سکتے ہیں - جب مختصر الفاظ، جن میں صرف چند ہی حروف ہوں، رکھے جائیں تو اس صورت میں بھی تقریباً پانچ الفاظ ہی نظر آئیں گے - لیکن اگر ان الفاظ سے ایک دلچسپ فقرہ بنتا ہو تو ایک نظر میں تقریباً مکمل فقرہ پڑھا جا سکے گا - پروفیسر کیٹل (Cattel) نے تجربے سے معلوم کیا ہے کہ اگر حروف سے ایسے مرکب الفاظ بنیں، جو با معنی

---

* Mayer: Exp. Psychology.

ہوں، تو وہ بے معنی الفاظ کی نسبت سہ گنا زیادہ نظر آئیں گے - اسی طرح اگر کوئی فقرہ با معنی الفاظ پر مشتمل ہو، تو وہ بے معنی فقرے کی نسبت دگنا پڑھا جا سکے گا - اس صورت میں وہ فقرہ تمام کا تمام پڑھا جائیے گا —

(ز) - " کلیات توجہ " —

ڈاکٹر ؤڈوَرتھہ توجہ کی بحث سے مندرجۂ ذیل قوانین مستنبط کرتے ہیں - (۱) " کلیۂ انتخاب " - دو یا زیادہ جوابوں میں سے ایک وقت میں صرف ایک ہی موجود رہ سکتا ہے - ایسے کام جو توجہ نہ چاہیں ایک وقت میں خود بخود ہوتے رہتے ہیں، لیکن جس میں توجہ کی ضرورت پڑے وہ صرف ایک وقت میں ایک ہی کیا جا سکتا ہے - اس قانون کی رو سے ایک فعل دوسرے فعل کو خارج کر دیتا ہے - یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ تقسیم توجہ میں ہم کیوں ایک وقت میں چار مختلف حروف دیکھتے ہیں؟ بظاہر تو یہ اعتراض مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن بات اصل میں یہ ہے کہ یہ مختلف حروف یا رنگ آپس میں اتنے ملتے جلتے اور قریب ہوتے ہیں کہ ہم توجہ میں ان کو وحدت یا اکائی ہی خیال کرتے ہیں - یعنی جب یہ ہم کو نظر آتے ہیں تو یہ مختلف حروف آپس میں مل کر وحدت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں - اگر یہ ایسا نہ کریں تو پڑھنا ناممکن ہو جائے —

(۲) " کلیۂ فوقیت " - منتہیج کے دو یا زیادہ جوابوں میں سے ایک جواب دوسروں پر فوقیت رکھتا ہے - اس کی وجہ رد عمل کی عادت، شدت یا حرکت ہوتی ہے - ہم یہ دیکھہ چکے ہیں کہ بعض چیزیں ہمارے لیے اتنی دلچسپی کا باعث بن جاتی ہیں کہ ہم ان کی

طرف بغیر کسی دقت کے متوجہ ہوتے رہتے ہیں اگر ہم نفسیات کے دلدادہ ہیں تو ہم دوسرے تمام مضامین پر اس کو ترجیح دیں گے اور اس کا مطالعہ کرنے کے لیے ہمیں اختیاری توجہ کی ضرورت نہ ہوگی - بعینہ یہی کیفیت اضطراری توجہ سے ہے - ہم شدت مہیج کی وجہ سے خود بخود متوجہ ہو جاتے ہیں - اگر اندھیرے کمرے میں اچانک روشنی کی شعاع نمودار ہو تو وہ ہمیں فطری طور پر اپنی طرف متوجہ کرلے گی - اختیاری توجہ میں تار بابو اپنی توجہ تمام چیزوں سے ہٹا کر تار کی ٹک ٹک پر قایم رکھتا ہے ؛ یا دوسرے الفاظ میں یہ جواب باقی تمام جوابوں پر فوقیت رکھتا ہے —

(۳) " کُلیۂ انتقال " - جو جواب دوسروں پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے کچھہ عرصے بعد اس کی یہ صفت مفقود ہو جاتی ہے اور دوسرے جوابوں کو موقع مل جاتا ہے کہ معرض وجود میں آئیں ' لیکن شرط یہ ہے کہ اس مدت میں حالات وہی رہیں - توجہ کی مختلف حرکات ' دو چشمی مزاحمت ' اور انتشار میں دیکھہ چکے ہیں کہ کس طرح ایک جواب دوسرے پر فوقیت حاصل کر کے کچھہ عرصے بعد پھر پہلے جواب یا کسی اور جواب کو اپنے پر ترجیح دے دیتا ہے —

(۴) " کلیۂ رغبت یا رجحان " - جب ایک قصد اپنے آپ کو نمودار کرتا ہے تو اپنے موافق جوابوں کے لیے راستہ صاف کر دیتا ہے اور تمام مخالف جوابوں کو روک دیتا ہے - یہ کلیہ " کلیۂ فوقیت " کا معاون ہے - ہم توجہ کے ثانوی اضطراری درجے میں دیکھہ

آئے ھیں کہ کس طرح ھم بعض اشیا کی طرف ایک مدت تک متوجہ ھوتے رھتے ھیں —

(۵) - " کلیۂ ارتکاز " - دو یا زیادہ مہیج واحد جواب کو وجود میں لا سکتے ھیں - اگر چہ " کلیۂ انتخاب " کی رو سے ھم ایک ھی فعل کی طرف متوجہ ھو سکتے ھیں ' یعنی واحد مہیج واحد جواب کا ھی باعث ھو سکتا ھے ؛ لیکن تقسیم توجہ کے دوسرے حصے میں ھم یہ دیکھہ چکے ھیں کہ چار نقطوں یا چار حروف کا گروہ ھم اکائی یا وحدت فرض کرتے ھوے ھی دیکھتے ھیں - لیکن یہ وحدت ھماری خود ساختہ ھوتی ھے ورنہ سات حروف کا گروہ ' جو ھمارے نزدیک دو گروھوں پر مشتمل ھے ' چار حروف کے گروہ ھی کے مانند ھے - چار حروف کا گروہ واحد مہیج نہیں ' لیکن جواب یقیناً واحد ھے کیونکہ ھم " کلیۂ اجتماع " کے ماتحت اس گروہ کو واحد تصور کر لیتے ھیں —

(۶) - " کلیۂ درجات شعور "- ایک توجہ چاھنے والا جواب ایک ایسے غیر متوجہ جواب کی نسبت جو اسی وقت وجود میں آے " درجۂ شعور " کے لحاظ سے زیادہ فوقیت رکھتا ھے - اگر ھم کوئی دو کام سر انجام دیں تو اِن دو کاموں میں سے اُس کام میں شعور کا زیادہ دخل ھوگا جو توجہ سے کیا جاے - یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ھے کہ شعور کی مقدار کو شدت حس یاقوت عضلاتی فعل کے موافق کم و بیش ھونا ضروری نہیں - ممکن ھے کہ آپ شور کی نسبت ایک نحیف آواز سے زیادہ آگاہ ھوں - ھم اپنے ھاتھوں سے کوئی نازک و لطیف کام کرتے وقت شعور سے زیادہ

کام لیں گے لیکن یہ ممکن ہے کہ بوجھ اٹھاتے وقت شعور کا حصہ نہ ہو یا بہت کم ہو - درجۂ شعور کا درجۂ ذہنی افعال کے ساتھ تعلق ہے - مقدار شعور مہیج کی مقدار پر منحصر نہیں بلکہ ذہنی افعال پر - مختلف رد عمل میں سے جس رد عمل کا ذہنی احاط سے زیادہ درجہ ہوگا شعور میں بھی اسی کا درجہ زیادہ ہوگا * —

(ح) " ارتکاز توجہ " (Concentration) —

یہ توجہ کی ایک خاص حالت کا نام ہے جس میں جد و جہد کا کچھہ دخل نہیں ہوتا - وسیع معنوں میں یہ خود تنویمی (Autohypnosis) کی ایک قسم ہے جس کی متواتر مشق سے بڑے بڑے کام سر انجام دیے جا سکتے ہیں - اس کی مشق کا بہترین وقت نیند سے ذرا پہلے یا نیند ختم ہو جانے کے ذرا بعد ہے - اس کی بہترین مشق مندرجۂ ذیل ہے :-

سونے سے پہلے اپنی توجہ کسی ایک موضوع (مثلاً صحت ' حسن وغیرہ) پر قایم کرو - تقریباً نصف گھنٹے تک اپنے خیالات اُس موضوع پر جمائے رکھو - اس کے بعد قدرے آرام لے کر دیکھو کہ کونسے خیالات دماغ میں آتے ہیں ؛ ان کو قلمبند کرتے جاؤ - تین ہفتہ متواتر اس مشق کے کرنے سے نتائج ظہور پذیر ہو جائیں گے —

ہر برٹ پارکین (H. Parkyn) اس مشق کی سفارش کرتا ہے -

" کسی بے نظیر علمی کتاب کا کوئی ایک فقرہ پڑھو - پھر اس فقرے کو یا اس فقرے کے اندرونی خیالات کو زبانی یا

---

* Woodworth : Psychology.

تحریر میں لانے کی کوشش کرو - جب یہ فقرہ زبانی یاد هو جاے اور اس کے خیالات دل میں نقش هو جائیں تو یہی مشق بہت سے فقروں کے ساتھہ کرنی چاهئے اس کے بعد یہی مشق پاروں' بابوں حتی کہ ساری کتاب کے ساتھہ کی جاے - یعنی خیالات دل میں نقش هو جائیں - ارتکاز توجہ اور یاد داشت قوی کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی مشق نہیں '-

صورتوں اور مزاجوں میں فرق

غدود کا عمل

(از جناب عزیز احمد صاحب عرفانی - حیدرآباد دکن)

سب جانتے ہیں کہ انسانی افراد یکساں نہیں ہوتے۔ نظام جمہوریت نے یہ بات اور زیادہ روشن کردی ہے - اگر سب لوگ یکساں ہوتے تو دنیا میں نیرنگی نہ ہوتی - ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے تفاوت کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ کھانوں میں ایک طرح کا کھانا خواہ مرغوب ہی کیوں نہ ہو طبیعت اُس سے اُکتا جاتی ہے - جمہوریت نے جو سبق دیا ہے صحیح ہے - آدمی فطرتاً ایک دوسرے سے ممتاز ہے لیکن اس کے وجوہ تھوڑے ہی عرصے سے سائنس پر منکشف ہوئے ہیں —

صرف عقل و سمجھ کے اختلاف سے اس قدر فرق نہیں ہو سکتا - ظاہر ہے کہ بعض لوگوں کی سمجھ دوسروں سے برتر ہوتی ہے لیکن حقیقت میں علم اور واقفیت کی مقدار سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اس کے استعمال کی صلاحیت اصل شے ہے - پرانا فارسی مقولہ ہے" یک من علم را دہ من عقل باید "- علم کا درست اور متوازن استعمال ہوشیاری کی دلیل ہے - قوت عمل با علم خوش قسمتی ہے؛ نعمت خداوندی ہے - دوسروں کی سمجھ اُس کے مقابلے میں ٹمٹماتا ہوا دیا ہے - کیا چیز ہے جو اُسے ایسا کردیتی

ہے؟ قسمت اُس کا کیوں ساتھہ دیتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مادی عرق اُس کے دماغ میں سرایت کرکے سمجھہ کو روشن کردیتا ہے اور نئی بات سجھا دیتا ہے - بہرحال ان ایام میں سائنس اسی نکتے پر غور و فکر کر رہی تھی - چنانچہ اس نے ایک قسم کے عرق یارطوبت ہی کو ثابت کیا ہے کہ وہ عمل و ارادے کی عناں گیر ہے —

ممکن ہے کہ یہ صرف مادیین کا مذہب ہو جو ہر مظاہرے کے لئے ایک جسمانی لزوم واجب سمجھتے ہیں - چنانچہ دماغی عمل کے لیے لامحدود خلیات مقرر کرکے اُن کی مختلف ترکیبوں کو عقلی مظاہرات سے تعبیر کرتے ہیں - ہر ایک خارجی نقش جو حواس کے ذریعے سے ذہن میں داخل ہوتا ہے ایک مستقل نشان چھوڑتا ہے بعینہ جیسے آواز یا روشنی کے ارتسامات حساس پلیٹوں پر ثبت ہوجاتے ہیں - قلب کے عمل تنفس اور خون کے دوران سے حسب تحریکات خارج دماغی عمل ہوتا رہتا ہے - چنانچہ یہ زندہ عمل جسے عام اصطلاح میں جان کہتے ہیں سیکڑوں قسم کے مدارج رکھتا ہے جو جسمانی صحت اور ماحول وغیرہ سے متاثر ہوتا ہے اور اسی کے حساب سے دماغی خلیات بروے کار آتے ہیں - مثلاً ذکاوت کیا ہے؟ تحلیل کرنے پر معلوم ہوگا کہ ذکاوت وہ کیفیت ہے جو 'جان' کے تیز تر (فوری) عمل سے متصور ہے جب کہ ذہن کے محفوظ ارتسامات کسی تحریک پر اس طرح ارادے کے ساتھہ تعاون کریں کہ حالات کے اعتبار سے وہ عین مناسب معلوم ہوں - عموماً حافظہ بروقت کام نہیں دیتا - یہ کیفیت یا توجان کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے یا ارتسامات کی عدم ترتیب سے - جتنے زیادہ واضح ارتسامات ایک شخص کے یہاں محفوظ ہوں گے اُتنا ہی زیادہ اُسے موقع ہوگا کہ اُن کی

حسن ترتیب سے ماحول کو متاثر کرے - علم اور تجربے کی قیمت اسی سے متصور ہے - لیکن ہر حال میں ان کا استعمال 'جان' کے عمل پر موقوف ہے - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بیماری یا انحطاط کے زمانے میں یا تجاوز عمر پر جب 'جان' کا عمل کمزور ہوتا ہے تو عقل کا نقصان صاف ظاہر ہے - ارادہ متزلزل ہوتا ہے اور ہمت مفقود - لہذا عقل کا تعلق بلکہ انحصار جسمانی مشین پر صاف ظاہر ہے - اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جسم کے کون حصے جان پر حاکمانہ تصرف رکھتے ہیں —

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اہل سائنس ایک قسم کی رطوبت سے واقف ہوگئے ہیں جو 'جان' پر زبردست اثر رکھتی ہے - یہ ایک قسم کا کیمیاوی مادہ ہے جو بے نالی کے غدود (ductless glands) سے خارج ہوتا ہے - غدود چھوٹی چھوٹی پر اسرار گٹھیاں ہوتی ہیں جو جسم کے چند معینہ مقامات میں جاگزیں ہیں - منجملہ ان کے دو دماغ میں ' دو حلقوم کے قریب ' دو پشت میں اور ایک آدھ اور کہیں - بہر حال اب تحقیق ہوگیا ہے کہ انہی غدود میں وہ اکسیر تیار ہوتی ہے جس کے بغیر ایک بڑا دماغ ایک بڑے چقندر سے زیادہ وقعت نہ رکھتا - یہ بات تو ایک عرصے سے مسلم تھی کہ اگر حلق کا ایک مخصوص غدہ ورقیہ (Thyroid gland) نکال لیا جائے یا اپنا کام ترک کردے تو ایک نہایت وجیہ اور خوش مزاج نوجوان بھی اس قدر مضمحل اور ازکار رفتہ ہوجائے کا جیسے برسوں کا بیمار - اس کی رفتار سست اور توانائی تول ہو گی - ہر بات بے اٹکل ' ہر عمل بے ارادہ —

لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ اہم فرق ممکن ہے - ہمیں معلوم ہے کہ شخصی سیرت یا کردار ایک مجموعی چیز ہے جو عقل اور سمجھ سے

بالکل جداگانہ ہے - سیرت ایک محیط اور مستقل رخ ہے ایک فرد واحد کا جس میں صورت سے زیادہ تشخص ہوتا ہے - در حقیقت لوگوں کے درمیان تفاوت اس قدر عقل و دانش کا نہیں ہوتا جتنا سرشت کا - باہمی تعلقات میں ہر جگہ مزاج اور سرشت عمل پیرا ہے - محبت، عداوت، وفا شعاری، بغض، کینہ وغیرہ سرشت کے مظاہرات ہیں - چنانچہ جس طرح دماغی اور دماغی عمل غدودی تحرکات کے تابع ہیں اسی طرح سرشت بھی انھی طلسمی گتھیوں کے نشیب و فراز کا نتیجہ ہے - ہمارے مزاج، ہمارے مذاق، ہمارے معیار محض اس لئے متمیز ہیں کہ ہمارے غدود اور اُن کا عمل یکساں نہیں —

بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ قومی اور نسلی خصائل میں اختلات بھی غدودی ساخت کا نتیجہ ہے اور تعجب نہیں کہ چھوٹے اور بڑے غدود اس قدر فرق پیدا کر دیتے ہوں جیسے باشندگان وسط افریقہ و یوروپ میں ہے - مثلاً ہم ایک چینی کو لیتے ہیں - اُس کا چہرہ پیلا، کھال گداز، بال چھوٹے اور سیدھے، ناک چپٹی اور رخسار کی ہڈیاں اٹھی ہوئی ہوتی ہیں - یہ منگول (مغل) قوم کا ایک فرد ہے - ہم اس کی سرشت سے بھی واقف ہیں - غیر معمولی استقلال، حیرت انگیز صبر و برداشت مگر عقل، فراست اور مذاق اعلی پیمانے پر - سائنس کی موجودہ تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ اس صورت اور اس سرشت کو غدودی ساخت سے خاص تعلق ہے - حقیقت میں ناک کے دوانچہ اندر کی جانب غدہ نخامیہ (Pituitary) کی ایک مخصوص ترتیب صورت شکل اور مزاج کے اس قومی رجحان کا باعث ہے - اگر اس غدود کا ایک گوشہ دبتا ہوا ہو اور دوسرا اُٹھا ہوا تو جلد کی رنگت زرد ہوگی خواہ

وہ شخص ہندوستان میں پیدا ہو یا امریکہ میں - رخسار کی ہڈی اور بالوں پر بھی اسی ترتیب کا اثر ہوگا - اگر کسی بچہ پر عمل جراحی سے غدود کی شکل اس طرح کر دی جائے تو بقول ڈاکٹر هیرڈ یہی تغیرات پیدا ہو جائیں گے - مگر یہ تبدیلی محض ایک گونہ ہے - چہرے کی علامات کے ساتھ سرشت میں بھی فرق آجائے گا - جس شخص کا بلغمی غدود اوپر سے نیچے کی طرف مائل ہوگا نہایت تیز فہم اور متحمل ہوگا - لیکن ساتھ ہی اس کے دیر آشنا اور بے حس بھی ہوگا —

بر خلاف اس کے بلغمی غدود کی ترتیب دوسری طرف پھیر دی جائے یعنی اوپر کی جانب اُٹھی ہوی ہو تو آدمی شدت کے ساتھ حساس ہوگا - بات کی تاب نہ رہے گی - ذرا سے چشم زخم کو برداشت نہ کر سکے گا اور ساتھ ہی چاہے جتنی ضرورت ہو دوسرے کو نقصان پہنچانے سے محترز رہے گا ! اس قسم کا تغیر عمل جراحی کے بعد بہت جلد رونما ہو جائے گا - چنانچہ مغربی عاملین جراحی برابر اس کا تجربہ کر رہے ہیں اور بعض ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ برطانیہ میں غدودی ساخت میں ایک قدرتی فرق اندر اندر پیدا ہو رہا ہے - کم از کم یہ ثابت ہے کہ چینیوں کے عام رجحان کے بالکل خلاف انگریزوں کا رجحان ہے - کارٹوں بنانے والوں کا پرانا جان بل جو اوسط انگریز سمجھا جاتا تھا اب روبہ تغیر ہے - بجائے گداز چہرے کی علامات کے پتلا لمبا چہرہ اور نمودار ناک قومی خط و خال ہوتے جاتے ہیں - انگلستان کا باشندہ بقول ڈاکٹر هیرڈ اس قدر حساس ہوگیا ہے کہ تاریخ میں کبھی نہ تھا - اکثر اغیار کو تعجب ہوتا ہے کہ جانوروں کی ہمدردی ترحم وغیرہ جیسے خصائل کاروباری انگریز میں کیونکر

پیدا ہوگئے - چنانچہ یہ صورت اور سیرت مغل نمونہ کے بالکل برعکس ہے اور دونوں کے باہمی مقابلے میں غدود کی ساخت اور ترتیب واحد جسمانی عنصر ہے جس میں فرق معلوم ہوتا ہے -

اب اہل امریکہ پر ایک نظر ڈالنا چاہئے - اُن کا ایک غالب حصہ یوروپ کے نو آبادوں اور اُن کی اولاد پر مشتمل ہے - لیکن اتنے قلیل عرصے میں اُن کی شکلوں اور طبایع میں خصوصی امتیاز نمودار ہونے لگا ہے - یوروپ کی طرح پتلی اور نوکدار ناک وہاں کم ہے - اُن کے چہرے گداز ہوتے جاتے ہیں اور جلد بڑی تجاوز عمر کے ساتھہ دبیز ہونے لگی ہے - ان میں سے شاید ہی کسی میں قدیم امریکن باشندوں کے خون کی آمیزش ہوگی لیکن اگرچہ قدیم خد و خال عود نہیں کر رہے ہیں مگر ایک خصوصی امریکن رنگ غالب ہوتا جاتا ہے' جو نہ یوروپ کا ہے نہ مشرق بعید کا - چنانچہ نیویارک میں ایک یہودی خاندان تین ہی نسل میں بالکل امریکن ساخت کا ہوگیا ہے' اگرچہ یہودی اس معاملے میں سب سے زیادہ مستقل اور غیر اثر پذیر ہوتے ہیں - علاوہ بریں جو لوگ اہل امریکہ سے بخوبی واقف ہیں وہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کے مزاج اور طبایع دوسروں سے بہت زیادہ ممتاز ہیں - ممکن ہے کہ بہت سی باتوں میں اپنی اپنی اغراض کے لئے یوروپ والے اُن کے ہم آہنگ ہو جائیں اور تمدنی قرابت برتیں لیکن کسی بات کا اثر جیسا مثلاً ایک فرانسیسی لے کا امریکہ والے پر اُس سے بالکل مختلف ہوگا - اُن کا غدودی توازن اپنے حالات کے بموجب متغیر ہورہا ہے اس لئے شکل صورت اور نقطۂ نظر میں بھی افتراق رونما ہو رہا ہے —

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تمام فرق صرف غدود کی

ہیئت کا نتیجہ ہے - حالت مرض میں جب غدود کا توازن متزلزل ہو جاتا ہے بعض شواہد نہایت دور رس معلومات بہم پہنچاتے ہیں - بلغمی غدود کی ایک خاص بیماری ہے جسے اکرمہ (Acramaguly) کہتے ہیں - غدود مذکور کا تعلق بال ناک اور جبڑے وغیرہ کی ساخت سے ہے چنانچہ جب مرض کی وجہ سے اس کے عمل میں فرق آجاتا ہے تو اکثر چہرے کی بناوٹ عام انسانی چہرے سے مختلف ہو جاتی ہے اور کسی جانور کے مانند صورت نکل آتی ہے - چہرے پر ایک لمبی تھوتھنی گھوڑے کی جیسی پیدا ہوجاتی ہے - بال سخت اور بٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ سرشت میں بھی ایسی ہی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہو مگر موت اس کے اظہار کا موقع نہیں دیتی - آئس لینڈ کے قدیم باشندوں میں برسرک ایک جنگجو سردار تھا - ایک خفیف علالت کے بعد دفعتاً اُس پر جنگ کا بھوت سوار ہوگیا - مجنونانہ حرکات اُس سے صادر ہوئیں اور تن تنہا دس کی قوت سے لڑنے لگا - زخمی ہوا تو اُس کے بدن سے خون نہ نکلا - لوگوں نے خیال کیا کہ وہ دیوتاؤں کا نظر کردہ ہے - کچھہ دنوں کے بعد اور زیادہ پاگل پن کرنے لگا یہاں تک کہ اپنے ابنائے جنس کو بیدریغ قتل کرڈالتا اور کھا جانے کی کوشش کرتا - مرنے پر طبی معائنہ کیا گیا تو متحقق ہوا کہ بلغمی غدود کی ایک تدریجی بیماری تھی جو کھانے میں حیاتین کی کمی اور سورج کی شعاعوں کی ناکافی مقدار جسم میں پہنچنے سے پیدا ہوتی ہے —

یہ ایک بیّن مثال ہے کہ غدود کے فوری تغیر سے کس قدر فرق واقع ہوسکتا ہے - نہ صرف اہم اور اصل غدود بلکہ ثانوی غدود بھی

دماغی رجحانات کو کچھ کا کچھ کرسکتے ھیں - چنانچہ ریڑہ کی ھڈی کے نیچے بائیں طرف دو غدود پنہاں ھیں - ان سے وہ قوی رطوبت تیار ھوتی ھے جسے ایڈرینیلین (adrenalin) کہتے ھیں - جب کبھی انسان میں فوری اشتعال پیدا ھوتا ھے مثلاً غضب یا خوف کے وقت تو اس میں سے یہ رطوبت خارج ھوکر خون میں سرایت کرتی ھے - قلب کی حرکت تیز ھو جاتی ھے' خون دماغ میں جوش کر جاتا ھے اور غیر معمولی قوت عمل پیدا ھو جاتی ھے - لیکن ایک مفرد دوا کی طرح اگر اس رطوبت کو کثرت کے ساتھہ استعمال کیا جاے تو قلب پر ایک قسم کا تکان اور کھنچاوٹ سی پیدا ھو جاے گی - چنانچہ گزشتہ دو ایک سال میں بعض اھل امریکہ کو ایک نئے عمل جراحی کی زحمت اٹھانا پڑی - تجارتی اور معاشی پریشانیوں کی وجہ سے بہت سے ذمہ دار لوگوں کو اس مخصوص اشتعال انگیز ذخیرے کو بیشتر کام میں لانا پڑا - لہذا ڈاکٹروں کو مجبوراً اُنھیں زندہ رکھنے کی غرض سے رطوبت کی درآمد کو روکنا پڑا - جسم کی مشین پر اکدم زیادہ اور ناقابل برداشت بار نہیں ڈالا جاسکتا خواہ کتنی ھی ضرورت ھو —

بعض اور چھوٹے غدود ھیں مثلاً جبڑے کے نیچے گلے میں غدہ درقیہ کے پاس جنھیں (Parithyroid) کہتے ھیں - ان کی خصوصیت یہ ھے کہ اگر کاذی سرگرمی سے کام نہ کریں تو جسم و دماغ میں اور عجیب و غریب تغیرات پیدا ھوجائیں گے - ماربرگ کے ڈاکٹر جنش نے اپنے ضلع کے چند بچوں کا مشاھدہ کیا ھے جن کے یہ مخصوص غدود تیز حرکت نہیں کرتے تھے - ان میں یہ عجیب بات پیدا ھوگئی کہ کسی چیز کو ایک بار دیکھہ کر اس قدر واضح تصویر اُن کے ذھن میں آجاتی تھی کہ وہ دوسرے موقع

پر بجنسه اُسے کھینچ سکتے یا ادا کر سکتے تھے - یہی دراصل حافظه ہے جو غالب آجانے پر آدمی کو وہمی اور بندۂ خیال بنا دیتا ہے - اس حالت کے دفعیه کے لئے چونے کا مرکب دیا جاتا ہے جس کی کمی کی وجه سے غدۂ مذکور کا عمل غیر متوازن ہوجاتا ہے —

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے که سرشت کی خصوصیات کن جسمانی علائق کے تابع ہیں لیکن ان میں رد و بدل کرنا ابھی سائنس کے حیطۂ قدرت میں نہیں آیا - حسب منشا صورتوں اور سیرتوں میں رجحانات پیدا کرنا زیادہ مکمل عمل جراحی اور عام کیمیا کے ساتھ ممکن ہوگا - ابتداءً جب غدود کے امکانات کی طرف توجه ہوی تو بعض اہل قیاس کو امید ہونے لگی که سیرت کے عناصر میں ترتیب و تخلیط اُسی طرح ہوسکے گی جیسے کسی شربت یا دوا کو قوی یا ضعیف بنایا جاسکتا ہے - معلوم ہوتا ہے که غدودی ترکیب و توازن نہایت پیچدار اور مغلق جسمانی ترکیب کا نتیجه ہے لہذا اس کا بہترین عمل حاصل کرنے کی صورت بجز اس کے نہیں ہے که عام صحت بالکل درست اور بے وسوسه ہو - علاوہ بریں اگر ہم عمل جراحی سے اس قسم کے تغیرات پیدا کرنا چاہیں تو بہت سی دشواریوں اور نقائص کا احتمال ہے - لہذا فطرت کا کام اُسی کے حوالے کرنے میں عقلمندی ہے - ہمیں صرف تغیرات کو ہوشیاری کے ساتھ مطالعه کرتے رہنا چاہئے —

اقتباسات

(۱)

دنیا کا مہلک ترین زہر

"بھاری پانی" - ایک نیا انکشاف

دنیا کا مہلک ترین زہر "بھاری پانی" جس کا انکشاف حال ھی میں ھوا ھے، پانی جیسی بے ضرر چیز سے حاصل کیا جاتا ھے - یہ پانی کی طرح بے مزہ، بے بو اور بے رنگ ھوتا ھے —

تمام دنیا میں صرف دو شخص اس زھر کا بنانا جانتے ھیں! ان میں سے ایک تو پاسادینا کالج کیلیفورنیا کا ماھر کیمیا ھے اور دوسرا رائل کالج کن سنگ ٹن کا - ان دونوں ماھرین کیمیا نے اس زھر کو الگ الگ اور مختلف طریقوں سے معلوم کیا - مگر پروفیسر جی - این - لیوس (کیلی فورنیا) نے ڈاکٹر اے - جے - ایلی لیوس (لندن) سے صرف دو ھفتے پہلے اس زھر کو معلوم کر لیا تھا اس لیے اس انکشاف کا سہرا انھیں کے سر ھے —

یہ زھر اس قدر زود اثر ھوتا ھے کہ انسان کے لیے اس کا صرف ایک مکعب سنٹی میٹر اور جانوروں اور درختوں کے لیے صرف آدھا مکعب سنٹی میٹر فوری ھلاکت کا باعث ھوتا ھے —

رائل کالج کے ایک پروفیسر نے اس سوال کے جواب میں کہ بھاری

پانی کیا ہوتا ہے کہا:—

"اس سوال کا جواب پروفیسر لیوس یا ڈاکٹر اینی لیوس کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا - یہ دونوں عالم اس بارے میں خاموش ہیں کیونکہ ابھی تک ان کی تحقیقات مکمل نہیں ہوئی - صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ معمولی پانی کی طرح بھاری پانی بھی ہائیڈروجن کے دو جوہروں (Atoms) اور آکسیجن کے ایک جوہر (Atom) سے مرکب ہے - فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں ایک جوہر یا تو " بھاری ہائیڈروجن " کا ہے یا " بھاری آکسیجن " کا - یہ دونوں گیسیں حال ہی میں دریافت ہوئی ہیں اور ان کے جو کچھ خواص اس وقت تک معلوم ہو سکے ہیں ان سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں گیسیں زہریلی ہیں !"

" بھاری پانی کی کثافت اضافی زیادہ ہوتی ہے - اس کا نقطۂ جوش معمولی پانی کے مقابلے میں بقدر ۴۲ء ۱°مر زیادہ ہوتا ہے اور اسی طرح اس کا نقطۂ انجماد بھی معمولی پانی کے مقابلے میں بقدر ۸ء ۳°مر بلند تر ہوتا ہے "—

" نصف مکعب سنٹی میٹر بھاری پانی حاصل کرنے کے لیے مخصوص مشینوں اور آلات کی ضرورت ہوتی ہے - ڈاکٹر اینی لیوس نے ایک معمل محض اس کام کے لیے مخصوص کر رکھا ہے " —

" اس بات کی بھی کوشش کی جا رہی ہے کہ بھاری پانی زیادہ سہل اور آسان طریقوں سے حاصل کیا جائے - مختلف سمندروں

اور جھیلوں کے پانی میں " بھاری پانی " نہایت ھی قلیل مقدار میں موجود ھوتا ھے - ان مختلف پانیوں پر کیمیائی تجربات کئے جا رھے ھیں مگر ابھی تک کوئی آسان طریقہ دریافت نہ ھو سکا "

" جو ماھرین بھاری پانی کے خواص معلوم کرنے میں مصروف ھیں ان کا خیال ھے کہ ریڈیم کے بعد 'بھاری پانی' کی دریافت دنیاے سائنس کا عظیم الشان کارنامہ ھے! خیال کیا جاتا ھے کہ یہ دریافت بعض صنعتوں اور علم کیمیا میں ایک اھم انقلاب کا پیش خیمہ ھے - ممکن ھے یہ زھر جراثیم کو ھلاک کرنے اور صنعت رنگ سازی میں ازحد مفید ثابت ھو " -

" ساری دنیا میں بھاری پانی کے صرف پانچ یا چھہ مکعب سنٹی میٹر موجود ھیں - اس کی ایک بڑی مقدار پروفیسر لیوس کے قبضے میں ھے " —

معمولی پانی میں ھمیشہ بھاری پانی کی ایک قلیل مقدار موجود ھوتی ھے - مگر یہ اس قدر قلیل ھوتی ھے کہ پینے والے کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی —

فرک کے کیمیائی معمل واقع پرنسٹن میں بھاری پانی حاصل کرنے کی ایک مشین نصب ھے جو برقی قوت سے عمل کرتی ھے - پہلے پانی کے اجزا آکسیجن اور ھائیڈروجن کو برقی رو کی مدد سے علیحدہ علیحدہ کیا جاتا اور ان دونوں گیسوں کو ایک نوکدار نلکی کے سرے پر روشن کردیا جاتا ھے - نلکی کے دوسرے سرے سے ایک صاف شفاف سیال شے کے چند قطرے ٹپک جاتے ھیں - یہی بھاری پانی ھے —

سات گیلن پانی سے صرف ایک مکعب سنٹی میٹر بھاری پانی حاصل کیا جاسکتا ھے! اور تین اونس بھاری پانی حاصل کرنے کے لیے ۱۲۰۰۰ گیلن پانی کی ضرورت ھوتی ھے! بارش کے پانی میں ۵۰۰۰ حصوں میں سے صرف ایک حصہ بھاری پانی کا ھوتا ھے —

پروفیسر ھیو اسٹوٹ ٹیلر صدر شعبۂ کیمیا پرنسٹن یونیورسٹی بھاری پانی کی مشین میں اصلاح کی کوشش کر رھے ھیں - تاکہ یہ زیادہ مقدار میں بھاری پانی (جس کی مختلف سائنس دانوں کو سخت ضرورت ھے) بہم پہنچا سکے -

پانی تمام جاندار اجسام کا ایک نہایت اھم جز ھے اور زمین پر بڑی افراط سے پایا جاتا ھے - زمانۂ حال تک یہ خیال بالکل راسخ تھا کہ پانی کی کیمیائی ترکیب خواہ وہ کسی جگہ پایا جاے یکساں ھوتی ھے - اسی وجہ سے مختلف پیمانوں کے لیے پانی کو معیار قرار دے دیا گیا تھا (مثلاً کثافت اضافی کے پیمانے - یا سینٹی گریڈ تھرمامیٹر جس کا انحصار پانی کے نقطۂ جوش اور نقطۂ انجماد پر ھے) —

مگر اب یہ دریافت ھوا ھے کہ آکسیجن صرف ایک صورت میں نہیں بلکہ تین مختلف صورتوں میں پائی جاتی ھے جن کا وزن جوھر الگ الگ ۱۶ - ۱۷ اور ۱۸ ھے - اور اسی طرح ھائیڈروجن کی بھی دو مختلف صورتیں ھیں جن کا وزن جوھر ۱ اور ۲ ھے —

اس انکشاف سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ آکسیجن اور ھائیڈروجن کے نو مختلف مرکب ھوسکتے ھیں جن کی ظاھری صورت اگرچہ معمولی پانی کی طرح ھوگی مگر وہ اپنی طبیعی، حیاتیاتی اور کیمیائی خصوصیات میں معمولی پانی سے مختلف ھوں گے —

جیسا کہ ھم پہلے بیان کر چکے ھیں بھاری پانی کا نقطۂ انجماد

اور نقطۂ جوش معمولی پانی سے زیادہ ہوتے ہیں —

دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ بھاری پانی کے روان (Ions) معمولی پانی کے مقابلے میں کم سیلان پزیر ہوتے ہیں اور اسی لیے بھاری پانی کے نمک بھی زیادہ دقت سے حل ہوتے ہیں —

پروفیسر سونگل نے یہ ثابت کیا ہے کہ بھاری پانی زندگی کے لیے مضر ہے - مینڈک اور پانی کے دوسرے چھوٹے جانور بھاری پانی میں صرف ایک گھنٹہ زندہ رہ سکتے ہیں - البتہ معمولی پانی میں جس میں تیس فیصدی بھاری پانی ہو وہ خوش و خرم رہتے ہیں - بھاری پانی کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے- مختلف سائنس داں اسے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں - مانگ کے ساتھہ ساتھہ اس کی قیمت بڑھتی چلی جا رہی ہے- چاے کے ایک چمچے کے برابر مقدار کی قیمت ۶۰۰۰ ڈالر (۱۸۰۰۰ روپیہ تقریباً) ہے

(ماخوذ) (جیواد)

(۲)

زمین کی تجدید

ہوا سے نائٹروجن حاصل کرنے کی اولین کوشش کو تقریباً ایک صدی گزر گئی ہے - بعض غیر معروف سائنس دانوں نے جن سے عام لوگ نا آشنا ہیں اپنی زندگیاں اس کام کے لیے وقف کر دی تھیں - مگر کامیابی سے قبل ان کا خاتمہ ہو گیا - تاہم ان کی تحقیقات سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اگر یہ کوشش بر بر جاری رکھی جائے تو انسان

ہوا سے نائٹروجن حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا —

مستقبل میں جب انسان کو اس بات کا احساس ہوگا کہ ہماری بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے زمین کی موجودہ پیداوار ناکافی ہے اور ان غیر معروف عالموں نے پیداوار کو بڑھانے میں کچھ نکو ہماری مدد کی تو وہ شہرت دوامی حاصل کریں گے جس کے وہ دراصل مستحق ہیں —

گیہوں کی صحیح نشو و نما کے لیے سب سے زیادہ اہم جزو نائٹروجن ہے - اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر گیہوں کی ایک معمولی فصل کو کسی ذریعے سے اٹھارہ پونڈ یا بائیس پونڈ نائٹروجن زیادہ دے دی جائے تو اس کی نشو و نما حیرت انگیز طریقے سے بڑھ جائےگی۔ اور معمولی صورت میں جتنا غلہ پیدا ہوتا اس میں ۲۷۸ پونڈ (تقریباً ۱۸۴ سیر) کا اضافہ ہو جائے گا —

سنہ ۱۸۸۱ ع میں سر ولیم کروکس نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ممکن ہے نائٹروجن کے مرکبات جو چیلی (Chili) اور پیرو (Peru) کی کانوں میں موجود ہیں تھوڑے عرصے بعد ختم ہو جائیں اور زراعت کے لیے نائٹروجن دستیاب نہ ہو سکے - مگر اول تو یہ ذخائر اتنی جلدی ختم ہونے والے نہیں دوسرے نائٹروجن کے حصول کے اور ذرائع بھی ہیں مثلاً کوئلے کے جلنے سے جو گیس بنتی ہے وہ ایمونیا کا ایک مرکب ایمونیم سلفیٹ ہوتی ہے - جس میں بیس فی صدی نائٹروجن موجود ہوتی ہے —

مگر ان دونوں ذرائع سے جتنی نائٹروجن حاصل کی جاتی ہے وہ ہمارے لیے ناکافی ہے - کیونکہ دنیا کی بڑھتی آبادی کے لیے زیادہ

سے زیادہ اناج کی ضرورت ہے جس کے لیے ہمیں نائٹروجن کی ایک بڑی مقدار درکار ہے - ہر سال زمین کے اس حصے کا رقبہ جس پر گیہوں کی کاشت کی جاتی ہے ۰۰۰، ۰۰ ،۰۰،۲ ایکڑ بڑھ جاتا ہے - ظاہر ہے کہ زمین کی وسعت محدود ہے اور ہم زیادہ عرصے تک بڑھتی ہوئی آبادی کے تناسب سے گیہوں کی کاشت ہونے والے رقبہ کو نہیں بڑھا سکتے - اس لیے ہمیں کبھی نہ کبھی نائٹروجن کی مدد ضرور لینی پڑے گی —

اگر ایک کمرے میں بھاپ اور ہوا موجود ہوں اور اس میں ایک برقی دور کی مدد سے برقی قوس روشن کی جائے تو ہوا کی نائٹروجن بھاپ کی ہائیڈروجن سے ملکر ایمونیا بنا لیتی ہے - ایمونیا ایک گیس ہے - جسے گندک کے ترشہ یا چونے میں ملا کر ایمونیا اور گندک یا ایمونیا اور چونے کا ایک مرکب بنا لیتے ہیں - یہ دونوں مرکب ٹھوس اور جامد اشیا ہوتی ہیں جو بآسانی باہر بھیجی اور تجارتی کاموں میں استعمال کی جا سکتی ہیں —

جنگ عظیم میں نائٹروجن کو تیار کرنے کی از حد کوشش کی گئی - کیونکہ آتشگیر اور بھک سے اڑ جانے والے مادے کا نائٹروجن ایک اہم جزو ہے - مختلف سلطنتوں نے نائٹروجن کی تیاری کے لیے بڑے بڑے کارخانے قائم کئے تاکہ جنگ کے لیے بڑی سے بڑی مقدار میں نائٹروجن حاصل کر سکیں - گویا جنگ عظیم کی وجہ سے نائٹروجن کی تیاری کے طریقوں میں بڑی مدد ملی - جنگ کے ختم ہو جانے پر یہ کارخانے بدستور نائٹروجن بناتے رہے مگر اب یہ گیس بجائے ہلاک کرنے کے آباد کرنے میں خرچ ہونے لگی —

پروفیسر ٹی وی برلی نے نائٹروجن کے بارہ مختلف مرکبات

بنائے اور انھیں خراب کھیتوں میں استعمال کیا - ہر مرکب کا نتیجہ نہایت تسلی بخش ثابت ہوا - نہ صرف فصل پھر سر سبز و شاداب ہو گئی بلکہ غلہ کی معمولی مقدار سے بہت زیادہ غلہ پیدا ہوا —

غرض بہت سے تجربوں کے بعد ایک ایسا مرکب تیار کر لیا گیا ہے جو فصل کے لیے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ خود رو گھاس پھوس کو فنا کر دیتا ہے جو بعض اوقات فصل میں مزاحم ہوتی ہے —

گویا زمین کو موت سے بچا کر اس کی تجدید کی جا رہی ہے —

(ماخوذ)		(جیواد)

---

(۳)

چاند کے موجودات

چاند کا سفر نئی معلومات کی روشنی میں زیادہ دشوار ہوتا جاتا ہے - تاہم اگر ہماری پہنچ کسی طریقے سے وہاں تک ہو جائے تو سائنس کی جدید ترین تحقیقات کی بموجب نہایت حیرت انگیز اور غیر متوقع باتیں ہمارے مشاہدے میں آئیں گی - پہلی بات تو یہ ہے کہ پہنچ جانے کی صورت میں کرۂ قمر اتنا نامہماں نواز نہ ثابت ہوگا جتنا عموماً خیال کیا جاتا ہے - پہلے اہل قیاس کا خیال تھا کہ سفر سے زیادہ دشواری وہاں کے قیام میں ہوگی- کیونکہ سفر تو آکسیجن والے غبارہ نما صندوق اور ہوائی راکٹ کی مدد سے کسی نہ کسی طرح انجام پا جائے گا لیکن اُس سرد اور بے جان کُرے میں زندہ

رکھنا نا ممکن سمجھا جاتا تھا - مزید تحقیقات نے معاملات کی صورت کو بالکل برعکس ثابت کر دیا ہے - در حقیقت راستے کے خطرات اسقدر ہین اور اور نا قابل عبور ہیں کہ بادی النظر میں ان پر حاوی ہونے کی کوئی امید نہیں معلوم ہوتی —

برخلاف اس کے منزل مقصود خواہ مشرقی شعرا کے معیاروں کا ساتھ نہ دے سکے لیکن اس قدر ہولناک اور جانفرسا بڑی نہیں ہے کہ اس میں قدم رکھنا نا ممکن ہو - ارضیات کے ماہرین کا اس امر پر اتفاق ہوتا جاتا ہے کہ کرۂ قمر خود زمین کا حصہ تھا اور خارجی یا داخلی قوت سے جدا ہوکر اُس کے حیطۂ کشش سے باہر ہوگیا - یہ اشتقاق کا عمل اُس زمانے میں ہوا جب زمین کی سطح پر بالائی تہ جمنا شروع ہوگئی تھی - چنانچہ مبدا سے خارج ہوتے وقت یہ اپنے ساتھ وہ جمودی مادے بھی لیتا گیا تھا جن کی ارتقا پذیر صورت ہم اپنے یہاں پاتے ہیں - اس کے اور بڑی ثبوت ہیں - قمر بلحاظ اپنی جسامت کے (زمین کا ایک چہارم) ایک لطیف اور سبک سیر کُرہ ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس کی سطح پر وہ آہنی یا معدنی چٹانیں نہیں ہیں جو زمین کے گرد لپٹی ہوی ہیں - مزید براں اس کی مادی ترکیب میں ایک اور عنصر شامل ہے —

چاند جو ابتدای ہلکی تہ اپنے ساتھ لیتا گیا تھا اُس میں تابکاری (radio activity) بدرجۂ اولیٰ موجود تھی اور اب بھی ہے لیکن زمین کے ثقیل بالای پردے اُتنے تابناک نہیں رہے - اس کے فوائد اب آشکارا ہو رہے ہیں - تابکار چٹانیں ذاتی حرارت کو زیادہ عرصے تک بر قرار رکھتی ہیں - چاند کی سطح تمام تر اسی قسم کی چٹانوں پر

مشتمل ہے - چنانچہ رصد گاہوں میں چاند کے مشہور آتش فشاں اِراتو تھینس سے جو عجیب و غریب اخراجی مواد مشاہدہ کیا گیا ہے اُس پر تابکاری کا یہ نظریہ نہایت دلچسپ روشنی ڈالتا ہے - علاوہ بریں اکثر ماہر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمنے سطح قمر کے شگافوں میں سے گیسوں کے فوری اخراج کا مشاہدہ کیا ہے - یہ حقائق بہرکیف ثابت کرتے ہیں کہ چاند کی سطح اس قدر سرد اور بیجان نہیں ہے جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں - معملوں میں کمزور گاما اشعاع (Weak gamma radiation) کے دقیق تجربے کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لا شعاعیں اور ذاتی حرارت حیات کو نقصان پہنچانے کی بجاے اور تقویت بخشتی ہیں - سرطان وغیرہ میں ریڈیم کا عمل تو خود حیاتی اجزا کی افزائش تولید پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ سرطان لحمی خلیات کی ضرورت سے زیادہ تولید کی بنا پر ہوتا ہے لہذا تابکاری حیات پرور ہے نہ کہ حیات سوز - حیانیات کی جدید ترین تحقیقات اب اس امر کی مدعی ہے کہ حیوانی اور نباتی نمود کی ابتدا کو تابکاری کے عمل جاریہ سے نسبت دے (واضح رہے کہ اس کے کیف و کم پر سائنس اس سے بہتر توضیح نہیں پیش کرسکی ہے) چنانچہ زمین کی سطح پر جا بجا یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ذاتی حرارت جہاں جہاں کار فرما ہے وہاں حیات کی تشکیل کیونکر ہوتی ہے اور اہل سائنس کی کاوش نتیجہ خیز نظر آتی ہے —

لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس کم تابکار کُرے پر حیات و نمود کی اس قدر گرم بازاری ہے تو قمر کی جیسی قوی تابکار چٹانوں پر کیا وجہ ہے کہ حیات کے جراثیم کی تحریک تولید اور

ترویج نه هوتی هو - اور اُس پیمانے پر که اهل زمین کو گمان بهی نه هو - کهتے هیں حیات کے لئے حرارت ضروری هے اور کرۂ قمر پر یه عنصر مفقود هے - یه اُن بهت سے مسائل میں سے ایک هے جن کے متعلق اُنیسویں صدی کی سائنس قطعی نتائج پر پہنچ گئی تهی لیکن اس وقت کا علم تذبذب میں هے - حقیقت میں چاند کی سطح پر تابکار چٹانوں کے سوا اور کوی مادہ موجود نہیں هے اور تابکار چٹانیں ذاتی حرارت محفوظ رکهتی اور خارج کرتی هیں - اس لئے ارضیات کے ماهرین کا یه شکوہ بجا هے که چاند کی سطح زندہ آتش فشانوں سے پر هے - اس کی جسامت کے اعتبار سے یه مظاهرات وهاں بڑی کثرت سے هوتے هیں اور اس کی وجه بهی صاف ظاهر هے که یه صورت برقرار اور جاری رکهنے کے اسباب بهی اُتنی هی فراوانی سے هیں - زمین کی ذاتی حرارت معرض انحطاط میں هے - چاند برخلاف اس کے ابتدائے شباب میں هے لهذا جو ابخرات اور شعاعی مخارج کبهی کبهی دوربینوں سے نظر آجاتے هیں اسی عنصر کے غلبه کے وجه سے هیں - لهذا چاند کے یه پیغامات اُس کی ترکیبی هیئت کا اعلان کرتے هیں اور یه باور کر لینا پڑے گا که آتش فشانی مظاهرات اجرام سماوی میں سے صرف حیات پرور افراد میں رونما هوتے هیں - ابتدائی آتش فشاں صرف ابخرات (بهاپ) خارج کرتے هیں چنانچه زمین کے ابتدائی آتش فشانی دور کی یادگار همارا بهاپ کا یهی ذخیرہ هے یعنی سمندر - تو کیا چاند نے اپنے ابتدائی آتش فشانی دور میں بهاپ نکال کر سمندر نہیں بنائے ؟ بظاهر قیاس هوتا هے که چاند اتنا چهوتا اور هلکا هے که وہ بخارات خارج کرنے اور اُنهیں پانی میں تبدیل کرنے کی سعی سے

قاصر رہا ہوگا - تاہم ان شگافوں میں کوئی چیز داخل ہوکر ان میں باقی رہنے کا امکان ہے - چاند کی سطح پر بار کم ہونے کے وجہ سے ایسے زبردست دراڑے اس پر پڑ جاتے ہیں - کیا عجب ہے کہ زمین ایک مدت کے بعد میاوں گہرے شگات پیدا کر لے —

بہر حال دو باتیں سطح قمر کے متعلق ایسی منکشف ہوئی ہیں جن کا گمان ہمیں نہ تھا اور جو فی الجملہ حیات کے لوازم میں سے ہیں - ایک حرارت، دوسرے تابکاری، تیسرا عنصر یعنی پانی چاند کی سطح کے خصوصی اعتبار سے ممکن ہے پھیلا ہوا نہو بلکہ ان شگافوں میں پنہاں ہو - ان وجوہ سے ہم گمان کر سکتے ہیں کہ مستقبل کے متجسس جب اس خطرناک سفر کو کامیابی کے ساتھہ انجام دے لیں گے تو اُس سرے پر ایک پر تپاک خیر مقدم کے متوقع ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ایسے مقام پر اُتریں جو شگافوں سے دور نہو —

(عرفانی)

معلومات

برطانیہ کے ماہر لسانیات سر رچرڈ پیجٹ نے دس برس کی متواتر کوشش کے بعد ایک ایسا آلہ تیار کیا ہے جو ہوا کے ضبط و اخراج سے مصنوعی انسانی آواز پیدا کر سکے گا۔ اس کی ساخت میں مختلف دھاتوں اور ربڑ کی نالکیاں، کارڈ بورڈ کے پردے، ارگن باجے کی نے اور پیر سے چلانے والی دھونکنی ہوگی۔ سر رچرڈ مدت سے ایک بین الاقوامی مشترکہ زبان کی فکر میں تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں مختلف ممالک میں مادر زاد گونگے بہروں کے ادائے مطالب کے طریقوں پر غور کر رہا ہوں۔ ان میں لکھ کر بتانے والے شامل نہیں ہیں بلکہ اشاروں سے بات کرنے والے جو ہر جگہ یکساں اشارے کرتے ہیں۔ قواعد اور ترکیب الفاظ اُن کے نزدیک اقوام میں اشتراک عمل پیدا کرنے میں حائل ہیں۔ اصل میں ضرورت قیافہ شناسی کی ترویج اور چند قدرتی علامات کے عام ہونے کی ہے جن سے خیالات بالکل منطقی ترتیب سے ادا ہو سکیں۔ موصوف کا دعویٰ ہے کہ دس سال تک بچوں کو قدرتی اشاروں اور تصوری زباں دانی پر چھوڑ دیا جائے تو تمام عالم میں ایک مشترکہ زبان رائج ہو جائے گی —

دنیا کا سب سے بڑا تپش پیما جو ۹۸۴ فٹ بلند ہوگا پیرس میں نصب کیا جا رہا ہے۔ یہ ایفل کے منارے سے صرف ایک فٹ نیچا رہے گا

(جذباتی بنا پر ؟) تپش کے درجے ۵۲۵ فٹ کی بلندی تک ہوں گے - یہ منارہ بذات خود تپش کی پیمائش نہ کرے گا بلکہ ایک معمولی تپش پیما اس کے پہلو میں رہے گا جس کی نشان دہی اتنے بلند پیمانہ پر ہوگی - رات کی وقت اس میں بجلی کے ذریعے سے ہر منٹ کے بعد روشنی اور تاریکی ہوتی رہے گی جو میلوں تک دکھائی دے گی —

ہندوستان کی مرکزی جمیعت زراعت نے ایک سب کمیٹی ترتیب دی ہے جو بمبئی ، کلکتہ ، کراچی ' کاٹھیاواڑ ' کوئم بٹور اور ڈھاکہ وغیرہ کا دورہ کرنے کے بعد ایسے قواعد و ضوابط مرتب کرے گی جو اس ملک میں شیر رسانی کے طریقوں کو سائنس اور حفظان صحت کے مطابق لانے پر مجبور کریں گے - اس سلسلے میں یہ بھی کوشش ہو رہی ہے کہ مسکہ اور مصنوعی روغن زرد کی درآمد پر امتناعی محاصل عائد کیے جائیں —

اس اثنا میں برطانیہ کے محکمۂ زراعت نے بعض شیر رساں کارخانوں کی عزیمت کو پسند کیا ہے جو مشین کے ذریعہ سے دودھ نکالتے ہیں - اس طریقے کو مسلسل کئی دودھ دینے والے جانوروں پر آزمایا گیا اور ثابت کیا گیا ہے کہ نہ تو جانور کو اس سے کوئی گزند پہونچتا ہے نہ دودھ کی مقدار میں کمی ہوتی ہے اور نہ اُس کے اجزا میں کوئی فرق آتا ہے - بلکہ گرم بھاپ سے صاف کی ہوئی مشین سے دوھنے میں ہاتھ کی نسبت زیادہ حفظان صحت متصور ہے - مشین کم قیمت اور بہت دنوں چلنے والی ہے —

مصری آثار قدیمہ کی سوسائٹی نے تل العمارہ میں مزید انکشافات کیے ہیں جن میں تین ہزار برس پیشتر کی ایک یونیورسٹی کے آثار اور حفظان امن کے ایک فوجی دستہ کی بارکیں دریافت ہوئی ہیں - ان میں فرعون کا ایک فرمان مطابقہ حاکم عسقلان کے نام بھی دستیاب ہوا ہے - ان کے علاوہ ایک نفیس شکاری بھالا ' پیتل کے برتن' خنجر اور چھریاں جن کی ساخت بالکل نرالی ہے ان کھنڈروں میں ملی ہیں - پولیس کی بارکوں میں یہ خصوصیت ہے کہ بیرونی پھاٹک کے قریب فوری تعاقب کرنے والے سواروں کے ایسے چند مکانات بھی بنے ہیں —

حکومت جاپان نے بحر جنوبی کے جزائر میں سے سیپان میں ایک زبردست ہوائی مرکز تیار کرنے کی منظوری دی ہے- اس کی غایت علی الاعلان یہ ہے کہ اُس گوشۂ زمین کے فضائی حالات قلمبند ہوتے رہیں تاکہ وہاں کی صنعت ماہی گیری کو فروغ ہو اور رسل و رسائل میں بھی مزید آسانی ہو - یہ جزائر سنہ ۱۹۱۸ ع میں جرمنی سے لے کر منجانب لیگ اقوام جاپان کے حوالے کیے گئے تھے —

مصنوعی شب چراغ

مساچوسٹز (ممالک متحدہ امریکہ) کا دائرۂ صنعت اس تجارتی عزیمت پر توجہ مرکوز کر رہا ہے کہ اشعاع بارد ہ کو علاوہ گھڑی کے ڈائل کے مختلف انواع سے کام میں لایا جائے - چنانچہ امریکہ کی جمیعت کیمیا کے ایک جلسے میں پروفیسر ہنڈریس نے اس کا مظاہرہ کیا - اُس سے نامیاتی مرکب لامعات (Organic compound luminals) کو اس قدر نرم حرارت سے

تکسید (Oxidize) کیا کہ برف کا ایک ٹکڑا جو امتحاناً اُسی ظرف میں رکھہ دیا گیا تھا منجمد حالت میں رہا - جگنو اور فاسفورس والی مچھلی پر ان تحقیقات کا مدار ہے اور یہ بات اب منکشف ہوگئی ہے کہ گندھک، چونے، بیریم (Barium) اور اسٹرانشیم (Strontium) کے مرکب سے ٹھنڈی چمک پیدا ہوتی ہے - مزید تحقیقات اس امر میں ہو رہی ہے کہ کیمیاوی اجزا کیونکر کم سے کم حرارت پر مرکب ہوکر خود بخود روشنی پیدا کرسکتے ہیں - اس امتحانی طریقے کی بنیاد لکڑی میں کیمیائی تکسید یا محفوظ نور کی توانائی ہے جیسے تزھر (Fluorescenee) میں - نور کی تقسیم نوعی میں فاسفورس کی چمک اُس کیمیاوی عمل سے متعلق ہے جس میں تکسید شے متعلقہ کے مرئی یا غیر مرئی روشنی کے سامنے آنے پر ہوتا ہے - یہ معلوم ہوا ہے کہ جاندار اشیا میں کوئی کیمیاوی مادہ جسمانی تکسید کی حالت میں لیوسی فرین (Luciferin) پیدا کر لیتا ہے چنانچہ یہ کوشش ہو رہی ہے کہ یہی کیمیاوی مادہ مصنوعی طریقوں سے پیدا کیا جاے اور اس میں ویسی ہی تکسید کی جائے جیسی کہ زندہ چمک والی اشیا خود بخود پیدا کرتی ہیں - اس بات پر بھی پوری طور پر چھان بین کرنا ہے کہ بعض اجسام جو چمک پیدا کرتے ہیں کیا اُس کا راز اُن کی زندگی کے قدرتی عمل (تنفس دم کی حرکت وغیرہ) میں پنہاں ہے یا کسی اور بات میں - معلوم ہوتا ہے کہ لوسی فرین جو ان جانداروں میں ہوتا ہے بجاے خود تکسید کی تحریک کرتا ہے جو ایک طرف اُس کی حیات کا باعث ہوتا ہے تو دوسری طرف لمعات پیدا کرتا ہے - بظاھر یہی راز ہے اُن کی متواتر خود تابی کا جو بلا خارجی تحریک کے قائم رہتی ہے —

سنہ ۱۹۳۳ ع میں انگلستان میں نئی ایجادیں جو مختص کرائی گئیں اُن کی تعداد ۳۶۷۰۴ تھی - یہ سال پیوستہ سے بقدر ۳۰۸ کم تھیں - لیکن بلحاظ امکانات اور عملی فوائد کہیں برتر تھیں - امید کی جاتی ھے کہ برطانوی صنعت و حرفت اور تجارت پر ان کا اثر بہت دوررس ہوگا - مسرز ھیوجز وینگ ایجنٹ ایجادات کا بیان ھے کہ بائسکل کے سال کے بعد سے اب تک اس قدر کارآمد پیٹنٹ نہیں نکلے - موٹر کی صنعت میں قدیم رفتار پیما رفتہ رفتہ رخصت ہو جاتا ھے اور اس کی بجاے ایک نیا بالکل آسان طریقہ ایجاد ہوا ھے جو تقریباً خود بخود کام کرے گا اور گیر وھیل (Gear wheel) کی بجاے رگڑ سے حرکت کرنے والے پرزے لگاے ھیں جو سیال دباؤ سے چلیں گے - ان سے زیادہ اھم بعض ایجادیں ھیں جو اس قدر مشہور عام نہ ہوں گی مثلاً بعض کیمیاوی ترکیبیں اور دھاتوں کے مرکبات - ان میں سے ایلومنیم اور پیتل کی صفائی کی چند ترکیبیں ھیں جو انجن سازی میں انقلاب پیدا کردیں گی - اسی طرح برقیات میں بعض چیزیں دریافت ہوئی ھیں جو گرڈ کنٹرول (Grid control) میں نمایاں ترقی پیدا کریں گی اور گیس کے اخراج کا معمہ جس سے برقی رو بالکل قابو میں آجاے گی - فوٹو گرافی میں نئی ایجادیں ایسی ہوئی ھیں جن سے گہرے ابر، کہر اور رات کی تاریکی میں صاف تصویریں لینا ممکن ہوگا -

---

جرمنی کے نظام ریلوے میں اشارات (Signalling) کا کام اب بذریعہ ریڈیو ہوگا - حال ھی میں ڈارتمنڈ ریلوے جنکشن پر جو اُس ملک میں سب سے زیادہ مصروف اسٹیشنوں میں سے ھے نہایت کامیاب

تجربے ریڈیو سے اشاروں کے ہوے ہیں - ان کے ذریعہ سے آنے والی ریل گاڑیوں کو ایک میل پیشتر سے خبر دی جا سکتی ہے - ریڈیو کا نظام ۱۰ مدادی ہو گا تنسیخی نہیں - امید کی جاتی ہے کہ اس سے لائن پر کے حوادث بالکل مفقود ہو جائیں گے -

---

امریکہ میں فن انجنیری ریڈیو سے ایک نئی طرح کا کام لے رہا ہے- سان فرانسسکو میں خلیج اوکلینڈ پر جو وسیع پل بن رہا ہے اُس پر مختلف ستونوں پر کام کرنے والے کاریگروں کو و نیز رسد لے جانے والی کشتیوں کو بذریعہ نشر صوت احکام دئیے جاتے ہیں- یہ ریڈیو ٹیلیفون ۴ تا ۶ ملی میٹر فضائی موج پر عمل کر رہا ہے -

---

مشہور و معروف جرمن ماہر کیمیا پروفیسر ہیبر نے حال میں سوئزر لینڈ میں وفات پائی ہے - یہ زمانۂ حال کے ماہرین میں سے سب سے زیادہ ہوشیار تسلیم کیے گئے ہیں- ایام جنگ میں جب جرمنی کا بحری محاصرہ ناقابل شکست ہو گیا اور جرمنی میں بہت سی ضروری اشیا نایاب ہونے لگیں تو اُنھوں نے کیمیاوی طریقے سے کئی قسم کے کھانے کی پیداوار میں عملی مدد کی اور نائٹریٹ اور پوٹاش بھی جو گولوں کے لئے ضروری اجزا ہیں کیمیاوی طریقہ سے پیدا کئے- کہتے ہیں کہ اُن کی وجہ سے جرمنی ایک سال تک زیادہ جنگ کو قائم رکھ سکا - اُن کے کارناموں کا یہ عجیب پہلو تھا کہ جہاں ایک طرف اُنھوں نے زندگی کو قائم رکھنے میں مدد کی وہاں دوسری طرف تباہ کن سامان سے اُس کی تلافی کر دی -

انفلوئنزا کے انسداد کی نئی تدابیر جو زیر غور ہیں میڈیکل ریسرچ کونسل کے سہ ماہی رسالے میں شایع ہوئی ہیں- ڈاکٹر انڈریوز اور ولسن اسمتھ ان کے متعلق عرصے سے تجربات میں لگے تھے- یہ لوگ دعوی کرتے ہیں کہ انھوں نے تحقیقات کے دوران میں انفلوئنزا کے جراثیم کو گلہری پر منتقل کرنے کا طریقہ معلوم کر لیا ہے- فاو کا زہر جو ابتداءً انسان کے جسم میں داخل ہو کر بخار پیدا کرتا ہے دوسرے جانداروں میں جذب کیا جا سکے گا—

جرمنی میں ایک جدید برقی پنکھا ایجاد ہوا ہے جس میں ریشمی بناوٹ کے تین بٹے ہوے پر یا پکھنے لگے ہوتے ہیں- اس طرح مضبوط ریشم کے پروں کے وجہ سے تار کے فریم کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ وہ گھومنے میں بالکل بے ضرر ہیں- یہ ریشمی پکھنے اُتنی ہی ہوا نکالتے ہیں جتنی ۱۲ انچ والے دھات کے پنکھوں سے نکلتی ہے- ساتھہ ہی اس کے ہوا کا تھپیڑا زیادہ وسیع اور گہرا ہوتا ہے جس کی وجہ سے مختلف سمتوں میں گردش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی—

رولس رائس کار کے جدید ماڈل میں مزید ترمیم کی گئی ہے- عموماً اس کارخانے کی مشینوں میں کوئی سالانہ تغیر نہیں کیا جاتا بلکہ جب کبھی فن میں کوئی خاص ترقی ہوتی ہے تو بہت سی آزمائشوں کے بعد اُس کو ساخت میں شامل کر دیا جاتا ہے- چنانچہ آخری اضافہ کار بریشن سسٹم میں کیا گیا ہے- یہ کاڑیاں اپنی خاموش حرکت کے وجہ سے دنیا میں مشہور ہیں- چنانچہ انجن میں اگر ذرا سی بھی آواز ہوتی

ہے تو بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے کیونکہ اور کوئی آواز نہیں ہوتی جو اُسے معتدل کر سکے - کاربریشن کی اس تبدیلی سے پہلے انجن میں سے ایک قسم کی مجموعی آواز خارج ہوتی تھی لیکن اس نئے آلہ سے مسدود کر دی گئی ہے -

---

گذشتہ چند سالوں سے جمہوریت چین میں نشر صوتی ترقی حیرت انگیز پیمانہ پر ہو رہی ہے - چنانچہ فی الحال علاوہ صوبجاتی اسٹیشنوں کے تیس بڑے مرکز مختلف شہروں میں قائم ہیں - یہ سب وزارت نقل و حرکت کے ماتحت ہیں - اسی (۸۰) ناشر صوت مشینیں حکومت کی طرف سے سرگرم عمل ہیں - منجملہ ان کے ۱۸ شانگھائی میں ۸ ھانکو میں - ۵ کینٹن میں چار چار نانکن ایموائے سوچو اور ٹینٹسن میں ہیں اور بقیہ دوسرے شہروں میں منقسم ہیں - اس وقت کوشش ہو رہی ہے کہ بجائے مزید ترقی کے ان ہی کے ذریعے زائد کام لیا جائے - ریڈیو ٹیلیفون اسٹیشن ہر مقام پر بن رہے ہیں اور بیرونجات مثل جاپان امریکہ سوویٹ روس اور آسٹریلیا سے سلسلہ ملایا جا رہا ہے -

---

امپیریل ایر ویز کمپنی نے اعلان کیا ہے کہ لندن تا کراچی سفر بجائے ۷ یوم کے ۵ یوم میں اور سنگاپور تک بجائے ۱۱ روز کے ۸ روز میں تکمیل پائے گا - وقت کی بچت کے اسباب یہ ہوئے کہ لندن سے برنڈزی (اٹلی) تک بجائے ریل اکسپرس کے طیارہ ہی میں سفر ہوگا اور یونان کی راہ چھوڑ کر براہ اسکندریہ پرواز ہوگی -

---

مغربی ممالک کی پوشش میں جدت پسندی نے بعض دوراز کار

نباتی اور حیوانی پیداوار کی تجارتی اهمیت بڑھادی هے - چنانچه کیڑوں اور چھپکلیوں کی کھال سے تیار شدہ اشیا کی نمائش کنگسٹن میں نہایت کامیاب ہوئی هے - اس میں هندوستان، آسٹریلیا، ملایا، نیوزیلینڈ جنوب وسط افریقه اور دیگر ممالک سے جانوروں کی کھال کے نمونے دکھائے گئے هیں - اژدهوں اور سانپوں کی جلد کے جوتے خصوصاً خواتین کے پیروں کے لئے، هینڈ بیگ اٹاچی وسوٹ کیس اور کھیل کے کوٹ بہت مقبول هوے هیں - علاوہ بریں انگلستان کی نیچرل هسٹری سوسائٹی کی طرف سے بہت سے کیڑوں مکوڑوں اور مگر کی کھالیں اندر سے بھر کر نمائش میں رکھی گئی هیں - بہت سے کارخانوں اور اهل هنر نے کھالوں کی بنی هوئی اشیا نمونتاً رکھیں - توقع کی جاتی هے که اس صنعت کو مستقبل قریب میں بہت فروغ حاصل هو گا اور متعلقه ممالک سے جانوروں کی کھالوں کی بیروں آمد میں بہت ترقی هوگی —

اردو

انجمن ترقیء اُردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماهی رساله هے جس میں ادب اور زبان کے هر پہلو پر بحث کی جاتی هے - اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے هیں اُردو میں جو کتابیں شائع هوتی هیں اُن پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت هے —

یہ رساله سہ ماهی هے اور هر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع هوتا هے- رسالے کا حجم ڈیڑھ سو صفحے هوتا هے اور اکثر اس سے زیادہ —
قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی[آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ]

المشتہر : انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد -دکن

نرخ نامۂ اجرت اشتہارات اُردو و سائنس

کالم	ایک بار کے لئے	چار بار کے لئے
دو کالم یعنے پورا ایک صفحہ	۱۰ روپے سکۂ انگریزی	۴۰ روپے سکۂ انگریزی
ایک کالم (آدھا صفحہ)	۵ روپے سکۂ انگریزی	۲۰ روپے سکۂ انگریزی
نصف کالم (چوتھائی صفحہ)	۲ روپے ۸ آنے سکۂ انگریزی	۱۰ روپے سکۂ انگریزی

رسالے کے جس صفحہ پر اشتہار شائع هوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونے کے لئے بھیج دیا جائے گا - پورا رساله اپنا چاهیں تو اس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ انگریزی برائے رسالۂ اُردو و رسالۂ سائنس اس کے علاوہ لی جائے گی —

المشتہر : انجمن ترقیء اُردو اورنگ آباد- دکن

سائنس

۱ - یہ رسالہ انجمن ترقی اُردو کی جانب سے جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے —

۲ - یہ رسالہ سائنس کے مضامین اور سائنس کی جدید تحقیقات کو اُردو زبان میں اہل ملک کے سامنے پیش کرتا ہے - یورپ اور امریکہ کے اکتشافی کارناموں سے اہل ہند کو آگاہ کرتا اور اِن علوم کے سیکھنے اور ان کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلاتا ہے —

۳ - ہر رسالے کا حجم تقریباً ایک سو صفحے ہوتا ہے —

۴ - قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی ہے (آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ)

۵ - تمام خط و کتابت :- آنریری سکریٹری - انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاہیے —



(باہتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اُردو پریس اُردو باغ اورنگ آباد دکن میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سے شایع ہوا)



سائنس

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ

اطلاع

(۱) اشاعت کی غرض سے جملہ مضامین اور تبصرے بنام ایڈیٹر سائنس ۹۱۷، کامب روڈ، چادر گھاٹ حیدر آباد دکن روانہ کئے جانے چاھئیں —

(۲) مضمون کے ساتھ صاحب مضمون کا پورا نام مع ڈگری و عہدہ وغیرہ درج ہونا چاہیے تاکہ ان کی اشاعت کی جاسکے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ کی جائے —

(۳) مضمون صاف لکھے جائیں تاکہ ان کے کمپوز کرنے میں دقت واقع نہ ہو۔ دیگر یہ کہ مضمون صفحے کے ایک ھی کالم میں لکھے جائیں اور دوسرا کالم خالی چھوڑ دیا جائے - ایسی صورت میں ورق کے دونوں صفحے استعمال ہوسکتے ہیں —

(۴) شکلوں اور تصویروں کے متعلق سہولت اس میں ہوگی کہ علحدہ کاغذ پر صاف اور واضح شکلیں وغیرہ کھینچ کر اس مقام پر چسپاں کردی جائیں - ایسی صورت سے بلاک سازی میں سہولت ہوتی ہے —

(۵) مسودات کی ہر ممکن طور سے حفاظت کی جائے گی - لیکن اُن کے اتفاقیہ تلف ہو جانے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی -

(۶) جو مضامین سائنس میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوں اُمید ہے کہ ایڈیٹر کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ شائع نہ کیے جائیں گے -

(۷) کسی مضمون کو ارسال فرمانے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ صاحبان مضمون ایڈیٹر کو اپنے مضمون کے عنوان، تعداد صفحات، تعداد اشکال و تصاویر سے مطلع کر دیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کے لیے پرچے میں جگہ نکل سکے گی یا نہیں - کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مضمون پر دو اصحاب قلم اٹھاتے ہیں - اس لیے توارد سے بچنے کے لئے قبل از قبل اطلاع کردینا مناسب ہوگا -

(۸) بالعموم ۱۵ صفحے کا مضمون سائنس کی اغراض کے لئے کافی ہوگا -

(۹) مطبوعات برائے نقد و تبصرہ ایڈیٹر کے نام روانہ کی جانی چاھئیں - مطبوعات کی قیمت ضرور درج ہونی چاھئے —

(۱۰) انتظامی امور و اشتہارات وغیرہ کے متعلق جملہ مراسلت منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاھئے —

نمبر ۲۷ سائنس جولائی سنہ ۳۴ ع جلد ۷

مرتبۂ مولوی نصیر احمد صاحب عثمانی ام اے بی ایس سی (علیگ) معلم
طبیعیات کلیۂ جامعۂ عثمانیہ - حیدر آباد دکن

فہرست مضامین

تخلیق انسان

پر

ایک مکالمہ

(۱۲)

چٹانوں پر تصویروں نے انسان کو ابجد سکھائی

مسٹر ماک :- ڈاکٹر وسلر صاحب ۔ یہ تو فرمائیے کہ انسان نے کب اور کس طرح اپنے خیالات کو مکتوبی علامتوں سے ظاہر کیا - ابجد کو کس نے ایجاد کیا ' اور اس کا استعمال سب سے پہلے کب ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- آپ نے بڑے اچھے وقت یہ سوال کیا ' کیونکہ حال ہی میں ایک امریکی اثری (Archeologist) نے ایک عجیب و غریب انکشاف کیا ہے - فلسطین میں کنعانیوں کا ایک شاہی شہر جزر (Gezer) تھا اس کے کھنڈروں میں سے اثری موصوف نے نہایت بیش بہا علمی جوہر حاصل کیا ۔ یہ جوہر ایک کوزے کا ٹکڑا تھا ' جس پر کچھ لکھا ہوا تھا - تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ ابجدی تحریر کا قدیم ترین نمونہ ہے —

مسٹر ماک :- یہ کیونکر معلوم ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- ماہروں نے اس کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ٹکڑا کوئی ۲۰۰۰ برس ق - م کا ہے - اور تحریر وہ اولین تحریر ہے جو ہماری ابجد کا پیش خیمہ تھی - اس طرح اس کا پتہ چل گیا کہ ۴۰۰۰ برس اُدھر کنعانی، جو بنی اسرائیل سے پہلے ارض موعودہ کے مالک تھے، ابجد سے واقف تھے - ممکن ہے کہ انہیں سے اس کی ابتدا ہوئی ہو —

مسٹر ماک :- میں نے تو سنا کہ فنیقیوں نے ابجد کو ایجاد کیا —

ڈاکٹر وسلر :- پہلے ہم بھی یہی سمجھے تھے لیکن اب ہماری معلومات میں اضافہ ہوگیا ہے - اس کے متعلق تھوڑی دیر میں مزید عرض کروں گا - آئیے ابتدا سے ہم بھی آغاز کریں- آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ حروف ہجا اگرچہ قدیم ہیں تاہم کتابت کی نشو و نما کی آخری منزل ہیں - ان کے وجود میں آنے سے ہزاروں برس پیشتر لوگ لکھتے تھے - اس سے آپ کا پہلا سوال پیدا ہوگیا یعنی کہ ابتدا کب سے ہوئی ؟ جواب یہ ہے کہ کتابت کے مختلف طریقوں کی ابتدا عہد حجری تک پہنچتی ہے - یعنی کوئی ۲۵،۰۰۰ برس اُدھر —

مسٹر ماک :- آپ کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانۂ اولین میں لوگ لکھ سکتے تھے؟

ڈاکٹر وسلر :- نہیں - بلکہ وہ نقش کھینچ سکتے تھے اور یہی کتابت کی بتدا ہے- جب آپ بچے تھے تو آپ آدمیوں، مکانوں، درختوں اور جانوروں کی بھدی بھدی تصویریں کھینچا کرتے تھے- نسل انسانی

بھی اپنے عہد طفولیت میں اس منزل سے گذر چکی ہے - لوگوں کے اکھنے سے صدیوں پہلے نخستیں انسان اپنے گرد کی چیزوں اور جانوروں کی تصویریں کھینچنے سے مسرت حاصل کرتا تھا - اس سے پیشتر کی صحبت میں عرض کر چکا ہوں کہ وسطی فرانس میں عہد حجری کے انسان رہتے تھے جو ہڈیوں اور سینگوں پر جانوروں کی تصویریں کھینچتے تھے یا اپنی غاروں کی دیواروں پر اُن کے نقش بناتے تھے - اس قسم کی تصویروں کے نقوش بنانے یا اُن کو کھینچنے اور واقعات قلمبند کرنے یا پیامات بھیجنے کے درمیان "ہے رشتہ قریب کا"۔ اس طرح قدیم ترین طرز کتابت یعنی خط تصویری وجود میں آیا - آج بھی لاکھوں آدمی کسی نہ کسی صورت میں خط تصویری سے کام لیتے ہیں اور ہماری کتابت (انگریزی) میں بھی اس کی چند یادگاریں باقی ہیں —

مسٹر ماک :- مجھے اس کا علم نہ تھا - وہ یادگاریں کون کون سی ہیں ؟

ڈاکٹر وسلر :- ابھی عرض کروں گا ، لیکن فی الوقت مجھے صرف مبادیات ہی کا ذکر کرنے دیجئے - وہ لوگ حتی الامکان تصویر بنانے میں "نقل مطابق اصل" کا اصول کام میں لاتے تھے - مثلاً اُن کو کسی شکار یا جنگ کا حال بیان کرنا ہے کہ اس میں اتنے مارے گئے اور اتنے قید ہوئے تو وہ اپنی اس داستان کو جانوروں یا آدمیوں کی مکمل لیکن بھدی تصویریں سر کے ساتھ یا بغیر سر کے

بنا کر بیان کرتے تھے - یہ سست اور بھونڈا طریقہ ایک عرصے تک چلتا رہا تا آنکہ ایک بغایت ہوشیار شخص نے دنیا کا سب سے پہلا نظام مختصر نویسی ایجاد کیا - یہ شخص غالباً مصری تھا، جو ۵۰۰۰ ق م میں گزرا ہے —

مسٹر ماک :- کس کو خیال تھا کہ مختصر نویسی (Stenography) ۷۰۰۰ برس قدیم ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- آپ نے بالکل صحیح فرمایا - مختصر نویسی سے یہی مطلب ہے - البتہ اس زمانے میں اس کا مطلب مختصر کشی سے تھا - اور ہمارے مصری دوست نے در اصل تصویری مختصر نویسی کو ایجاد کیا تھا - اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ کسی ایک خیال یا تصور کو پہنچانے کے لئے ضروری نہیں کہ پوری ہی تصویر کھینچی جائے - چنانچہ لڑکے اب بھی یہی کرتے ہیں کہ اگر ان کو آدمی بنانا منظور ہوتا ہے تو ایک کھڑی لکیر بناتے ہیں اس کے اوپر ایک دائرہ سا بنا دیتے ہیں، جس سے مراد سر ہوتی ہے، اور چار چھوٹی چھوٹی لکیروں سے ہاتھ پیر ظاہر کرتے ہیں - بس یہی سمجھ لیجئے کہ اس مصری نے بھی تصویروں کو مختصر کر دیا اور کسی شخص، جانور یا شے کو ظاہر کرنے کے لئے چند لکیروں سے کام لے لیا - اسی سے رسمی خط تصویری کی بنیاد پڑی - یعنی ایسے نقوش کی، جو گو نا مکمل اور

غالباً مسخ شدہ تھی، تاہم اُن سے شے مطلوبہ فوراً سمجھہ میں آجاتی تھی - اس کے بعد یہی طریقہ معیاری قرار پا گیا —

مسٹر ماک :- اس کی کوئی مثال بھی ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- بے شک - فرض کیجئے کہ مصری مختصر نویس کا اصل پیشہ سپہگری ہے - اب فرض کیجئے کہ یہ سپاہی اپنے بادشاہ کو ایک پیام بھیجنا چاہتا ہے اور یہ بتلانا چاہتا ہے کہ اس نے ایک خطرناک دشمن سے ایک نیزہ چھین لیا ہے - اب بجائے اس کے کہ وہ اپنی تصویر بناتا، دو نیزے دکھاتا، اور شکست خوردہ دشمن کی تصویر بناتا، اس نے مختصراً ایک ہاتھہ بنا دیا اور اس میں ایک نیزہ دکھا دیا - بادشاہ نے فوراً مطلب پا لیا - اس کے بعد دوسرے مصری سپاہیوں نے اس علامت کو اختیار کرلیا - پس ہاتھہ میں نیزہ ایک معین علامت ہوگئی - اور مصری اس سے یہی مطلب لینے لگے کہ دشمن سے ہتیار رکھوا لئے گئے - مگر یہ لحاظ رہے کہ میں نے محض بطور مثال کے اس کو پیش کیا ہے - اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قدیم مصر میں بھی اس کے یہی معنے تھے - اس سے البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ خط تصویری کا نشو و نما کیونکر ہوا —

مسٹر ماک :- اس کے بعد کیا ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کے بعد ایک نہایت زبردست قدم اُٹھایا گیا - وہ

یہ کہ ایک دوسرے ہوشیار نے غالباً کسی مصری ہی نے یہ منصوبہ قائم کیا کہ اشیا اور افعال کی ان مختصر تصویروں میں سے بعض کو منتخب کرکے ان سے "الفاظ" کی تعبیر کا کام لیا جاے۔ سہولت کے لئے اسی ہاتھ میں نیزے والی مثال لیجئے۔ پہلے تو یہ علامت تھی جس کے معنے تھے "دشمن سے ہتیار لے لینا"۔ اب اس کے معنے تحریر میں آکر "بے ہتیار کرنا" تا "فتح" کے ہوگئے۔ یا جو کچھہ بھی اس کے معنے قرار دے لئے گئے ہوں۔ بہر حال یہ ایک مقررہ علامت ہوگئی اور اس کے بعد سے ہر مصری جب کسی تحریر میں اس کو دیکھتا تھا تو وہی معنے سمجھہ لیتا تھا۔ اسی سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ایک تحریری زبان کس طرح وجود میں آگئی' جس کو ایک قوم کی قوم سمجھہ سکتی ہو۔ مثال کے طور پر لیجئے تو سورج کی تصویر سے لفظ "دن" کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ اُلو کی تصویر سے "رات" سمجھی جاسکتی ہے۔ نکلتے سورج سے "صبح" مراد ہوسکتی ہے۔ اور اُلو کے قبل یا بعد سیاہ مربع سے مطلب "اندھیری رات" ہوسکتا ہے۔ انسان یا درندوں کے نقش پا سے مراد "چلنا" یا "سفر کرنا" ہوسکتا ہے۔ لہر یا خط سے مراد پانی ہوسکتی ہے۔ وقس علی ہذا ــــ

مسٹر ماک :- اس سے آپ کا مطلب یہ ہوا کہ وہ متعدد مقرر کردہ

تصویروں کو لکھتے اور پڑھتے تھے اور ہر تصریر سے ایک معین لفظ مراد لیتے تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- یقیناً - اس سادہ مختصر تصویری تحریر کی ایک عمدہ مثال وہ نوشتہ ہے جو امریکہ کے قدیم باشندوں نے ایک پتھر پر کندہ کردیا تھا ، جس کو انہوں نے جھیل سوپیریر (Superior) کے پاس پایا تھا ، جہاں وہ ایک مہم لے گئے تھے - اس مہم میں اکاون آدمی تھے جن کو چھوٹی کھڑی لکیروں سے ظاہر کیا گیا ہے ، جو پانچ ڈونگوں (Canoes) کی بھدی بھدی تصویروں میں لگی ہوئی ہیں - ان کے ایک کمانڈار کا نام شاہ پرند (Kingfisher) تھا ، اسی لئے اس کی جگہ انہوں نے وہی پرند بنا دیا - خشکی پر اُترنے کے لئے انہوں نے خشکی کے کچھوے کی ایک تصویر بنا دی - اس مہم میں تین دن صرف ہوے - اس کے دکھلانے کے لئے انہوں نے تین نصف دائرے سے بنائے ، جس سے مراد آسمان ہے اور پھر ان کے نیچے تین نقطے (سورج کے لئے) بنا دئے - اس قسم کے نوشتوں کو تصویری نوشتہ کہتے ہیں —

مسٹر ماک :- یہ ترکیب ہے تو معقول —

ڈاکٹر وسلر :- لیکن نامکمل ہے - ایک بڑا حل طلب مسئلہ تو رہ ھی گیا -

مسٹر ماک :- وہ کیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- آپ دیکھئے کہ ان کے پاس شخصوں ، جانوروں ، چیزوں اور فطری مظاہر کے ناموں کے لیے تو علامات

معین ہو گئیں، لیکن مجرد تصورات کے لیے کوئی علامت
نہ تھی - اس دقت کو انھوں نے یوں رفع کیا کہ ان
چیزوں کی تصویریں بنائیں جو دنیا بھر میں ان تصورات
سے وابستہ سمجھی جاتی ہیں - مثلاً آنسووں کو "غم"
کے لیے، پھولوں کو "بہار" کے لیے تلوار یا نیزے کو "جنگ"
کے لیے وعلی ھذا - ذہنی تصورات کے لیے جب علامتیں
مقرر ہو گئیں تو مکتوبی زبان مکمل ہو گئی -
اس قسم کی تصویری مختصر نویسی کو ہیرو غلیفی
(Hieroglyphic) یا خط تصویری کہتے ہیں - سب سے پہلے
مصریوں نے ہی اس کو مکمل کیا اور ۴۰۰۰ ق م سے پیشتر
وہ اسے اچھی طرح استعمال کرتے تھے —

مسٹر ماک :- آپ کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پڑھنا
آسان ہونا چاہیے —

ڈاکٹر وسلر :- آسان؟ تو بہ کیجئے - اصل میں دقت یہ واقع ہوئی کہ
مرور زمانہ کے ساتھ تصویریں اس قدر مسخ ہو گئیں
کہ ان میں اصلی شبیہوں کا پتہ چلانا بغایت دشوار
بلکہ ناممکن ہو گیا ہے - اب سائنس دانوں کے لیے یہی
طریقہ رہ گیا ہے کہ ان ہیرو غلیفی نوشتوں کی تصویری
اصولوں کا پتہ چلانے کے لیے ان کی قدیم تر اور سادہ
تر علامتوں سے مقابلہ کریں - اس پر مستزاد یہ ہوا
کہ مصریوں نے دو قسم کے خطوط رکھے - ایک تو وہ
جس کو وہ مقدس سمجھتے تھے اور جس کو ان کے علما

ہی استعمال کرتے تھے اور دوسرا وہ جس کو عوام
استعمال کرتے تھے - واقعہ یہ ہے کہ ۱۳۵ برس ادھر تک
کوئی ان تصویروں کو پڑھ بھی نہ سکتا تھا - اس وقت
نیپولین کی فوج میں ایک شخص بوسار نامی تھا، جس
نے اس چیستان کی کلید دریافت کر لی - اگر ایسا نہ
ہوتا تو ہم کو آج تک نہ معلوم ہوتا کہ مصری آثار
و مقابر پر جو تصویریں ہیں وہ کوئی نوشتہ ہیں —

مسٹر ماک :- وہ کلید کیا تھی ؟

ڈاکٹر وملر :- مصر میں اسکندریہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک
مقام ہے جس کو روزیٹہ کہتے ہیں وہاں ایک پتھر
دستیاب ہوا - اسی نے یہ کلید بہم پہنچائی - وہ پتھر
اب لندن میں متحف برطانوی میں موجود ہے - اس
کا دریافت کرنے والا فرانسیسی توپخانہ کا ایک
نوجوان لفٹننٹ تھا، جس کو اثریات سے ذوق تھا -
اس نے اس کو ۱۷۹۹ میں دریافت کیا تھا، جب کہ وہ
نیپولین کی مصری مہم میں شریک تھا - اس پتھر پر
تین قسم کی تحریریں ہیں ایک تو علما کی زبان میں
ایک عوام کی زبان میں، ایک یونانی میں - یونانی
نوشتہ تو پڑھ لیا گیا، لیکن بقیہ دو نوشتے چیستان بنے
رہے تا آں کہ شامپولیاں (Champollion) ایک مشہور
فرانسیسی عالم نے ان کو بھی پڑھ لیا - اس نے اس
مفروضہ پر کام کیا کہ یونانی نوشتہ بقیہ دو نوشتوں

کا ترجمہ ہے —

مسٹر ماک :- آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ لاکھوں اب بھی خط تصویری استعمال کرتے ہیں تو کیا یہ مطلب ہے کہ آج کل کے مصری ہیروغلیفی کا استعمال کرتے ہیں —

ڈاکٹر وسلر :- نہیں تو - وہ تو بالکل بھی نہیں کرتے - میرا مطلب یہ تھا کہ چینیوں، جاپانیوں اور کوریا والوں نے ان کا تتبع کیا - ان کی تحریر کی بنیاد آج بھی تصویروں پر ہے —

مسٹر ماک :- کسی چینی فہرست میں جو لکیریں سی کھنچی ہوتی ہیں ان سے تو اس کا شبہ تک نہیں ہوتا میرے نزدیک کسی نمائش میں وہ مستحق انعام نہیں قرار پا سکتے -

ڈاکٹر وسلر :- مجھے بھی آپ سے اتفاق ہے - لیکن آج آپ کو جو لکیریں سی معلوم ہوتی ہیں یہ اُن چھوٹی چھوٹی لکیروں سے پیدا ہوئی ہیں جو چینی علما نے ہزاروں برس ادھر ایجاد کی تھیں - ان کو ہیروغلیفی نہیں کہتے بلکہ یہ خط تصوری (Ideograph) کہلاتا ہے کیونکہ ان میں اشیاے خارجی کی بجائے تصورات کی تصویریں ہیں -

مسٹر ماک :- آپ نے فرمایا تھا کہ ہماری مکتوبی زبان میں بھی خط تصویری کی یادگاریں باقی ہیں - فرمائیے کہ وہ کیا ہیں ؟

ڈاکٹر وسلو :- جی ہاں میرا مطلب یہ تھا کہ ہم بھی متعدد علامتیں ایسی استعمال کرتے ہیں جو بجائے خود مہمل ہیں،

لیکن اب وہ متفقہ طور پر ایک خاص معنوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر علامت استفہام (؟) کو لیجئے۔ یہ کوئی لفظ نہیں ہے۔ نہ اس کے کوئی ہجے ہیں - لیکن ہر شخص اس کو پڑھتا اور سمجھتا ہے - یہ بھی مصری ہیر وغلیفی کی طرح ایک سادہ سی مختصر تصویری علامت ہے - اس کی دوسری مثالیں علامت استعجاب (!) علامت ڈالر ($)' علامت پونڈ رقمی (£)' علامت پونڈ وزنی (lb)' علامت مثبت (+) اور علامت منفی (-) ہیں —

مسٹر ماک :- ان علامتوں میں یہ معنے کیونکر پیدا ہوئے —

ڈاکٹر وسلر :- مصری یا چینی تصویری تحریر کی طرح ان علامتوں کی اصل دریافت کرنے کے لئے ہم کو ان ابتدائی منازل پر نظر ڈالنی پڑے گی - چنانچہ علامت استفہام لاطینی زبان کے لفظ (Questio) کے اول و آخر حرف سے ماخوذ ہے - اس لفظ کے معنے سوال کے ہیں * - قدیم مخطوطات میں اس کی شکل چھوٹے s.c. کے اوپر انگریزی حرف Q کی ہے - علامت استعجاب لاطینی لفظ (io) بہ معنی خوشی سے ماخوذ ہے - پہلے اس کی علامت چھوٹے o کے اوپر حرف I تھی - ڈالر

---

* یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا ہمارے نزدیک علامت استفہام کی شکل خود بتلا رہی ہے کہ وہ عربی کے لفظ «استفہام» کی ہ سے ماخوذ ہے - اس کے متعلق ہم انشاء اللہ دوسری اشاعت میں مفصل بحث کریں گے —
مدیر

کی علامت غالباً شکل 8 سے ماخوذ ہے، جس سے مراد آٹھ ریال (مساوی) ایک ڈالر تھی، ریال اندلس کا ایک سکہ تھا - پونڈ رقمی کی علامت لاطینی لفظ (Libra) کے پہلے حرف سے ماخوذ ہے اور پونڈ وزنی اسی حرف کے پہلے اور تیسرے حرف سے - اب رہیں مثبت اور منفی کی علامتیں تو وہ پندرھویں صدی کے مشہور و معروف اطالوی سائنس داں لیونارڈو ڈاونسی کی ایجاد ہیں —

مسٹر ماک :- یہ تو مجھکو بالکل نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں —

ڈاکٹر وسلر :- مجھے خیال تھا کہ آپ کو اس سے دلچسپی ہوگی بایںہمہ ہماری موجودہ تحریر میں تصویری کتابت کی صرف یہی مثالیں نہیں ہیں - ہمارے بعض حروف تہجی کی ابتدا بھی قدما کے ہیروغلیفی میں ملتی ہے - لیکن تھوڑی دیر بعد میں اس کا ذکر کروں گا، پہلے میں آپ کو یہ بتلادینا چاہتا ہوں کہ تصویری کتابت کا نشو و نما کیونکر ہوا - پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ قدیم ترین خط تصریری مصری ہے جس کا رواج ۴۰۰۰ ق م تھا - اس کے بعد بابلی اور پھر سمیری، جس کا زمانہ ۳۸۰۰ ق م ہے - اور سب سے آخر میں چینی ہے، جس کی ابتدا ۳۰۰۰ ق م ہوئی - ان سب خطوں نے ایک دوسرے پر اثر ڈالا، لیکن یہ اثر کیونکر ہوا، اس کا علم ابھی تک صحیح طور پر نہیں ہوا —

مسٹر ماک :- بابلی اور سمیری تحریر کس قسم کی تھی ؟

ڈاکٹر وسلر :- اس کو خط مخروطی (Cuneiform) کہتے ہیں - مصری کی طرح یہ خط بھی تصویری ہے ' لیکن مرور زمانہ سے اس میں اس قدر تبدیلیاں ہو گئی ہیں کہ معمولی اشیا کی شبیہیں پہچانی تک نہیں جاتیں —

مسٹر ماک :- قدیم بابلی کو کوئی اب پڑھ بھی سکتا ہے یا نہیں ؟

ڈاکٹر وسلر :- ہاں بعض علما پڑھ سکتے ہیں ' لیکن تھوڑے ہی دن ہوئے کہ اس میں کامیابی ہوئی ہے - مصری ہیرو غلیفی کی طرح یہ بھی ایک راز سربستہ رہا اور صدیوں تک رہا تاآنکہ اس راز کی کلید مل گئی ؟

مسٹر ماک :- کس کو ملی ؟

ڈاکٹر وسلر :- حسن اتفاق دیکھئے ' اس مرتبہ بھی ایک فوجی افسر کے سر اس کا سہرا رہا - یہ افسر اثریات میں بھی ماہر تھا - یہ ایک انگریز تھا ' جس کا نام سر ہنری رالنسن ہے - بوسار کے انکشاف سے یہ انکشاف مختلف تھا - کیونکہ بوسار کو وہ پتھر اتفاق سے مل گیا تھا - رالنسن کا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے چار برس مسلسل ایک ایسے نوشتے پر محنت کی جو خط مخروطی میں لکھا ہوا تھا اور جس کو کوئی ۲۰۰۰ برس سے لوگ دیکھتے آرہے تھے ' لکین اس کو پڑھ نہ پاتے تھے - یہ نوشتہ شمال مغربی ایران میں ۱۷۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک چٹان کے بالائی حصے پر کندہ ہے - ۱۸۴۷ء تک وہ یوں ہی کندہ رہا - اس وقت رالنسن نے اس کا

ترجمہ کر ھی ڈالا - تب لوگوں کو معلوم ھوا کہ اس کا مطلب کیا ھے —

مسٹر ماک :- اس کا مطلب کیا تھا ؟

ڈاکٹر وسلر :- وہ ایک اشتہار ثابت ھوا - غالباً سب سے پہلا مکتوبی اشتہار -

مسٹر ماک :- اشتہار ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ھاں - نہایت شاندار الفاظ میں اس زمانے کی دنیا کو دارائے اعظم کی شوکت وسطوت سے آگاہ کرنا تھا' جس نے ایران پر ۵۲۱ سے ۴۸۵ ق م تک حکومت کی - خود اس نے ھی اس چٹان کو منتخب کیا تھا - اور اس ھی کے حکم سے یہ داستان فارسی' مدینی اور بابلی زبانوں میں کندہ کی گئی - رالنسن چونکہ قدیم فارسی میں مہارت تامہ رکھتا تھا' اور مدینی قدیم فارسی سے علاقہ رکھتی ھے' اس لیے رالنسن بابلی کو پڑھنے میں کامیاب ھوگیا - پہلے دو پاروں کے ترجمہ کرنے میں اس کو کامل ایک سال کی مدت لگی - تین برس بعد ۱۸۵۱ء میں اس نے اس کام کو ختم کردیا - اثریات میں یہ ایک بہت بڑا کارنامہ شمار کیا جاتا ھے - اس کے بعد سے سینکڑوں بابلی نوشتے پڑھ لیے گئے ھیں - ان میں وہ نوشتے بھی شامل ھیں جو سنگی لوحوں پر کندہ تھے اور جن کو بعض سفر کرنے والوں نے ایران میں ۱۴۷۲ میں پایا تھا - پچھلے چند برسوں

ہی میں اُن کے ترجمے مکمل ہوئے ہیں ' جو نہ صرف سائنس دانوں ہی کے لیے دلچسپی کا باعث تھے ' بلکہ انہوں نے مذہبی دنیا میں ایک ہل چل پیدا کر دی۔

مسٹر ماک :- وجہ ؟

ڈاکٹر وسلر :- ان لوحوں میں سے ایک میں یہ لکھا تھا کہ طوفان نوح ۴۰۰۰ برس ادھر نہیں بلکہ ۳۶۰۰۰ برس ادھر ہوا تھا - دوسری لوح میں تخلیق عالم کا بیان تھا ' جو اس کے مطابق طوفان سے ۵ لاکھ برس پہلے واقع ہوئی - ایک اور لوح تھی جس میں حضرت نوح کا نام عبرانی زبان کی بجائے سمیری زبان میں تھا - اور یہ بھی لکھا تھا کہ وہ اور حضرت آدم دونوں نے ثمر ممنوعہ کھایا تھا —

مسٹر ماک :- تصویر نویسی کی جو مختلف صورتیں آپ نے بیان کی ہیں وہ سب کی سب دنیاے قدیم میں پھلتی پھولتی رہیں - اب بتلائیے کہ امریکہ کا کیا حال رہا ؟

ڈاکٹر وسلر :- امریکہ میں ہر چیز کی طرح تصویر نویسی بھی بہت دیر میں آئی ' لیکن قیاس ہے کہ از خود آئی - چنانچہ امریکہ کی قوم مایا (Maya) کی تصویر نویسی کا پتہ ۶۰۰ ق م تک چلا ہے اور ازتکوں (Aztecs) کی تصویر نویسی ۱۱۰۰ ع تک پہنچتی ہے - ممکن ہے کہ انہوں نے لکھنا اس سے پہلے شروع کر دیا ہو ' لیکن اس کی کوئی شہادت ابھی تک بہم نہیں پہنچی ہے - ماہرین اب

مایوی ہیرو غلیفی کو کچھ کچھ پڑھنے لگے ہیں۔ آپ یقین جانئے کہ یہ کارنامہ بڑی نہایت عظیم الشان کارنامہ ہوگا۔ دقت اصل میں یہ ہے کہ سنگ روزیتہ کی طرح مایوی خط کے لیے کوئی لوح دریافت نہیں ہو سکتی ہے —

مسٹر ماک :۔ تصویر نویسی ہجا نویسی میں کیونکر بدل گئی؟

ڈاکٹر وسلر :۔ اس کو سمجھنے کے لئے آپ کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ دونوں ایک ہی مسئلے کو حل کرنے کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ تصویر نویسی میں شبیہوں کے ذریعے سے خواہ وہ کتنی ہی مختصر اور مسخ شدہ کیوں نہ ہوں، اشیا کو ظاہر کیا جاتا ہے، مثلاً لفظ ملفوظی " گائے " کو ادا کرنے کے لئے گائے کی تصویر کھینچ دی جائے۔ بر خلاف اس کے ہجا نویسی صوت یا آواز نویسی سے ماخوذ ہے۔ صوت نویسی بھی تصویروں ہی سے شروع ہوئی۔ لیکن وہ تصویریں اشیا کی تعبیر نہ تھیں بلکہ ان کے ناموں کی آوازوں کی۔ بہ الفاظ دیگر ہجا صوتی تصویروں کے لکھنے کا ایک طریقہ ہے۔

مسٹر ماک :۔ میں ذرا اسے سمجھا نہیں۔

ڈاکٹر وسلر :۔ میں تشریح کرتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ کتابت کا کوئی طریقہ ہمارے پاس نہیں ہے تو لاچار ہم بھی وہی کریں گے جو قدما نے کیا تھا یعنی اشیا کو ان کی شبیہوں سے ظاہر کرنا شروع کریں گے۔ اب فرض کیجئے کہ ہم لفظ

ملفوظی " چشم " کو لکھنا چاھتے ھیں تو ھم آنکھہ کی ایک تصویر بنادیں گے - اسی طرح اگر ھم لفظ " من " (وزن) کو لکھنا چاھیں تو ھم من کی ایک تصویر بنادیں گے - اتنا تو واضح ھو گیا -

مسٹر ماک :- بالکل -

ڈاکٹر وسلر :- اب فرض کیجئے کہ کسی مکتوب میں ھم کو " چشم من " لکھنا پڑے - تو ھم آنکھہ کی ایک تصویر بنادیں گے اور اس کے بعد من کی - یہ گویا ایک سادہ سی صورت آواز نویسی کی ھے - اب گویا یہ تصویریں ان اشیا کے لئے نہ رھیں بلکہ ان کی آوازوں کے لئے مخصوص ھو جائیں گی - اب آپ سمجھہ گئے ھوں گے -

مسٹر ماک :- جی ھاں -

ڈاکٹر وسلر :- اس کی مثال ویسی ھی ھے جیسے بعض بچے ایک کھیل کھیلتے ھیں کہ ایک لڑکا کچھہ تصویریں بنادیتا ھے اور دوسرے سے پوچھتا ھے کہ بتاؤ میں نے کیا لکھا - مثلاً ایک لڑکا بارہ سینگ بنادے اور دوسرا کہے کہ بارہ سنگھا لکھا ھے -

مسٹر ماک :- تو آپ کا مطلب یہ کہ آواز نویسی اس کھیل کے معموں کی طرح شروع ھوگی ؟

ڈاکٹر وسلر :- بالکل اسی طرح - اس کی ایک عجیب و غریب مثال قدیم ازتکی مخطوطہ میں ملتی ھے - یہ مخطوطہ اس زمانے کا ھے جب کہ ھسپانوی فاتح ان لوگوں کو عیسائی

بنا رہے تھے - کاتب کو " پاتر ناستر" لکھنا تھا جس کے معنے لاطینی زبان میں " ہمارے باپ" کے ہیں - اس زمانے میں ازٹکی تصویر نویسی سے کام لیتے تھے - لہذا ہمارے کاتب نے ایک جھنڈا بنایا ' جو ازٹکی زبان میں ' پا ' ہے - پھر ایک پتھر بنایا ' جو ازٹکی میں ' تے ' ہے ' پھر اس نے ناگ پھنی کو بنایا جو اس زبان میں " ناخ" ہے ' اور پھر اس نے ایک پتھر بنا دیا - اس طرح ' پاتے ناخ تے ' بنتا ہے جو آواز کے اعتبار سے پاتر ناستر کے قریب قریب ہے -

مسٹر ماک :- دنیائے قدیم میں لوگوں نے آواز نویسی کب سے شروع کی -

ڈاکٹر وسلر :- اس کا بتلانا ذرا مشکل ہے - کیونکہ وہ کسی ایک وقت معین پر شروع نہیں ہوئی - مصر اور چین میں ایک طویل درمیانی زمانہ گذرا جس میں صوتی علامتیں تصویر نویسی میں شامل ہو گئیں - صحیح صوتی کتابت یعنی جس میں سوائے صوتی علامتوں کے اور کچھہ نہ استعمال کیا جائے ' متأخر مصری ہیرو غلیفی سے ماخوذ ہے اور قیاس یہ ہے کہ سامی اقوام نے اس کو اخذ کیا - ممکن ہے کہ وہ کنعانیوں کے مورث ہوں -

مسٹر ماک :- اور ابجد کا کیا ہوا ؟

ڈاکٹر وسلر :- جیسا کہ پیشتر عرض کر چکا ہوں ابجد تو صوتی کتابت کا راست نتیجہ ہے - اس کی ایجاد اس وقت عمل میں آئی جب کہ ایک شخص ان تصویروں کو کھینچتے کھینچتے

اکتا گیا اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ اس کو مختصر کرنے کا وقت آگیا ہے - اس نے یہ ایجاد عمداً کی - بالکل اسی طرح جیسے کہ آج کل ہم نے مختصر نگاری ایجاد کی ہے - اس شخص نے فن کتابت میں انقلاب عظیم پیدا کردیا —

مسٹر ماک :- انقلاب کی اس میں کیا بات ہے ؟

ڈاکٹر وسلر :- انقلاب کی یہ بات ہے کہ اس شخص نے ان چند آوازوں کے لئے، جو تمام انسان بولنے میں نکالتے ہیں، معین علامتیں وضع کردیں - اس میں زبان کی قید نہیں - آپ کو تو اس شخص کا بہت شکر گزار ہونا چاہئے - آپ خود ہی خیال کیجئے کہ قدیم تصویری کتابت میں ایک رسالہ مرتب کرنا پڑے تو کیا حال ہوگا - یہ اسی شخص کا طفیل ہے جو آپ کو صرف ۲۶ حرفوں سے (انگریزی حروف) واسطہ پڑتا ہے نہ کہ کثیر التعداد هیرو غلیفی سے - متأخر مصری هیرو غلیفی میں ۱۷۰۰ تصویریں تھیں —

مسٹر ماک :- چونکہ آپ نے اسی حیثیت سے اس کو پیش کیا ہے، اس لئے میں واقعی شکرگزار ہوں - لیکن اس کا یقین آپ کو کیونکر ہوا کہ یہی ایک شخص تمام شکریہ اور تعریف کا مستحق ہے —

ڈاکٹر وسلر :- اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں کہ ابجد کی ایجاد ایک ہی مرتبہ ہوئی - اور جتنی ابجدیں قدیم اور جدید رہی

ہیں سب اسی ایک سے ماخوذ ہیں- اور ذرا خیال تو کیجیئے کہ یہ کیا ایجاد تھی- آپ نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ جو کچھہ ہم جانتے ہیں وہ اسی قفل ابجد کے اندر بند ہے- تمدن کی یہی کلید ہے- آپ دیکھئے کہ تاریخ کا سارا ذخیرہ، انسان کے جملہ علوم و فنون جو ہزاروں لاکھوں کتابوں میں قلمبند ہیں جن میں لاکھوں کروڑوں الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، سب کے سب اسی ابجد کے مرھون منت ہیں - جیسا کہ میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ ابجدی کتابت کی قدیم ترین مثال جو اب تک دستیاب ہوئی ہے وہ ایک ٹکڑا کسی برتن کا ہے جو فلسطین میں کوئی دو ایک برس اُدھر دستیاب ہوا ہے - یہ ٹکڑا کنعانی کوزہ گری کا ایک نمونہ ہے- ھیورفورڈ کالج (واقع امریکہ) کے ڈاکٹر گرانٹ نے اس خزانے کو برآمد کیا، اس کے علاوہ دیگر کنعانی اشیا بھی برآمد ہوئیں- واشنگٹن کی کیتھولک یونیورسٹی کے پروفیسر بوٹن کی سرکردگی میں ماہروں کی ایک جماعت نے اس ٹکڑے کے نقوش کو پڑھنے کی کوشش کی- جو نقوش وہ پڑھ سکے اس کو انھوں نے "بنو" سے تعبیر کیا- یعنی ان کے نزدیک "بنو اسرائیل" میں سے صرف بنو رہ گیا - اس ٹکڑے کی عمر کا اندازہ ۳۰۰۰ برس ہے جس سے معلوم ہوا کہ کنعانی اس وقت بھی ابجد استعمال کرتے تھے۔

اسی پر اکتفا نہیں ہوئی۔اس کی مدد سے انھوں نے
سابق کے برآمد شدہ ابجدی کتابت کے نمونوں کی عمر
اور اصل کا پتہ چلا لیا —

مسٹر ماک :- وہ کون کون سے ہیں؟

ڈاکٹر وسلر :- ۱۹۰۴ ع میں سر فلنڈرس پٹری' مشہور برطانوی اثری
نے سینا میں' جو مصر اور شمالی عرب کے درمیان
سویز کے مشرق میں بحر قلزم پر واقع ہے' متعدد
سنگی لوحیں پائیں جن پر نوشتے بھی ہیں۔ان نوشتوں
کے سمجھنے میں ستائیس برس تک سائنس دانوں میں
اختلات عظیم بپا رہا۔بعض ان لوحوں کو الواح موسوی
سمجھتے تھے۔اس کا فیصلہ تین برس اُدھر جامعہ شکاگو
کے پروفیسر اسپرنگسلنگ نے کیا۔انھوں نے اس نوشتہ کا
پہلا مکمل ترجمہ پیش کیا - اکثر نوشتوں کو انھوں
نے بتلایا کہ وہ دعائیں ہیں جو ایک قدیم سامی
دیوی سے مانگی گئی تھیں - اس سے معلوم ہوا کہ
زمانۂ موسوی سے قبل کی ہیں- بقول پروفیسر موصوف
کے ایک نوشتہ کسی عرب کے ہاتھہ کا لکھا ہوا ہے جو
ایک تانبے کی کان میں کام کرتا تھا - ان کا نظریہ
یہ ہے کہ اسی شخص نے ۱۹۰۰ ق م میں ابجد کو ایجاد
کیا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے - پروفیسر بوٹن
اور ان کے شرکا نے سینائی نوشتوں کو ڈاکٹر گرانٹ
والے کنعانی کتابت کے دوسرے نوشتوں سے مقابلہ کیا

تو حروف ایک هی پائے - پٹری اور گرانت والے
نوشتوں کی عمروں کے تعین سے پہلے قدیم ترین ابجدی
کتابت کا نمونہ ایک مآبی (Moabite) لوح کا نوشتہ
سمجھا جاتا تھا ، جس کو ۱۸۶۸ ع میں بحر موت (Dead Sea)
کے قرب و جوار میں ایک جرمن مبلغ کلائن نامی نے
دریافت کیا تھا - مآبی بھی سامی اقوام میں سے تھے
اور وہ غالباً حضرت لوط کی اولاد میں سے تھے -
اس لوح کی عمر ۱۰۰۰ ق م بتلائی جاتی ھے اور برسوں
یہی خیال کیا گیا کہ ابجدی کتابت کا اس سے قدیم تر
کوئی نمونہ نہیں - حال هی میں پروفیسر جان گارستانگ
ایک انگریز اثری نے مصر میں ایک انکشاف کیا ھے
جس سے ممکن ھے کہ ابجدی کتابت کی تاریخ پر مزید
روشنی پڑے —

مسٹر ماک :- انھوں نے کیا انکشاف کیا ؟

ڈاکٹر وسلر :- بعض قدیم لوحوں کو انھوں نے پڑھ لیا ھے - ان کا بیان
ھے کہ ان میں کنعانیوں نے فرعون مصر کو پیام بھیجے
ھیں ، جن میں درخواست کی ھے کہ وہ بنو اسرائیل
کو نکال دے —

مسٹر ماک :- کیا پہلی ابجدوں میں ھماری ابجد کی طرح چھبیس
حروف تھے ؟

ڈاکٹر وسلر :- نہیں - ان میں حروف کمتر تھے - کیونکہ ان میں حروف
علت کے لیے کوئی علامت نہ تھی - قدیم عبرانی ابجد

میں بائیس ہی حرف تھے - حرف ش کے لیے اس میں
خاص علامت مقرر کرنا پڑی - آج بھی عبرانی کتابوں
میں حروف علت نہیں ہیں اور دیگر سامی زبانوں
میں بھی ہمارے حروف a' e' i' o' u' کے معادل حروف
نہیں ہیں - یہ گویا مختصر نویسی کا ایک طریقہ ہے '
جیسا کہ آج کل پیٹمین کی مختصر نویسی میں ہے -
قدیم کنعانی اور عبرانی ابجدوں کو فنیقیوں نے بحیرۂ
روم کے چاروں طرف پھیلا دیا - یہ فنیقی سامی الاصل
تھے اور بڑی تجارت کرنے والے تھے - یہی وجہ ہے کہ
عرصہ تک لوگ انھیں کو ابجد کا موجد سمجھتے رہے -
حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے - انھوں نے اس کو
اختیار کرکے چاروں طرف پھیلا البتہ دیا —

مسٹر ماک :- تو ایجاد کس نے کی ؟

ڈاکٹر وسلر :- یونانیوں نے - ان کی ابجد پہلی مکمل ابجد ہے - فنیقی
حروف کو انھوں نے ۱۰۰۰ اور ۹۰۰ ق م کے درمیان
لے لیا - حروف علت شامل کرنے کے علاوہ انھوں نے
ابجد کو کئی طرح بدل دیا - چنانچہ انھوں نے اس
کو الٹ دیا —

مسٹر ماک :- اس سے کیا مطلب ؟

ڈاکٹر وسلر :- سامی کتابت داہنی جانب سے بائیں جانب ہوتی ہے -
یونانیوں نے ہی سب سے پہلے بائیں سے داہنی جانب
لکھنا اور پڑھنا شروع کیا - مسیح سے پانچ صدیوں

پہلے بعض اطالوی قوموں نے یونانی ابجد کو اختیار کر لیا اور اس میں کچھہ تبدیلیاں کر دیں - ان سے رومیوں نے سیکھا - پس اس ابجد کو رومی یا لاطینی ابجد کہنے لگے - یہی ابجد ہے جس کو انگریزی میں بجنسہ لے لیا گیا ہے —

مسٹر ماک :- آپ نے فرمایا تھا کہ تصویر نویسی سے بعض ابجدی حروف کے اخذ ہونے کی آپ تشریح فرمائیں گے ؟

ڈاکٹر وسلر :- جی ہاں - تو اس کی مثال لیجئیے - ہمارا حرف A ہے - عبرانی میں اس کو الف کہتے ہیں ، جس کے معنے 'بیل' کے ہیں - یونانی میں اس حرف کو الفا کہتے ہیں ، لیکن اس کے معنے بیل کے نہیں ہیں - قدیم مصری تصویر نویسی میں بیل کے سر سے بیل کی تعبیر کرتے تھے - نظریہ یہ ہے کہ جب ابجد کی ایجاد ہوئی تو یہ علامت بہت کچھہ سادہ ہو کر حرف A کے ظاہر کرنے کے لیے منتخب کی گئی - جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیل کا الٹا سر ہے - آپ دیکھئیے کہ شروع میں ہر حرف کا نام ایسے لفظ پر رکھا گیا جس سے وہ شروع ہوتا ہے - ساتھہ ہی اس کے اس لفظ کے لیے جو ہیرو غلیفی تھا اس کو مختصر کر کے وہ حرف بنا دیا - چنانچہ حرف B عبرانی میں بیت کہلاتا ہے ، جس کے معنے گھر کے ہیں - اور ہیرو غلیفی میں اس حرف کے لیے ایک گھر سا بنا دیتے تھے - اسی طرح حرف G عبرانی میں

جمل ہے، جس کے معنے اونت کے ہیں اور ہیروغلیفی میں اونت کے واسطے جو علامت تھی اسی سے یہ حرف ماخوذ ہے —

مسٹر ماک :- آپ نے یہ تو فرمایا کہ ہمارے مورث لکھتے کس طرح تھے، لیکن یہ نہ فرمایا کہ وہ لکھتے کس چیز سے تھے - سامان کتابت اُن کا کیا تھا ؟

ڈاکٹر وسلر :- قدیم ترین نوشتے تو پتھر کی لوحوں پر ثبت ہیں، لیکن قدیم مصری پاپیرس استعمال کرتے تھے، جو درخت پاپیرس کی چھال کا گویا کاغذ تھا - رومی اپنے سرکاری اعلانوں کو شاہ بلوط کے تختوں پر لکھتے تھے، جن پر موم چڑھا رہتا تھا اور نامہ و پیام ورق (Parchment) پر لکھتے تھے، جس کو بھیڑ بکری کے چمڑے سے بنایا جاتا تھا - وہ پر کے قلم استعمال کرتےتھے - در حقیقت (انگریزی کا) لفظ Pen لاطینی Penna سے ماخوذ ہے جس کے معنے پر کے ہیں —

"تجزیۃ النفس"

(۲)

"تعبیر خواب"

از

(جناب ع - ح - جمیل علوی صاحب - گجرانوالا پنجاب)

جوزف برائر (Joseph breuer) نے ۱۸۸۰-۸۲ ع میں اس بات کا انکشاف کیا کہ عصبی مریضوں کی علامات کچھہ معنے رکھتی ھیں - اسی انکشاف پر تجزیۃ النفس کے طریقۂ علاج کی بنیاد رکھی گئی - مریضوں سے جب واقعات سنانے کے لیے کہا گیا تو واقعات کے دوران میں انہوں نے اپنے خوابوں کا بھی ذکر کیا - شروع شروع میں تجزیۃ النفس کے ماھرین نے اس موضوع پر کچھہ بھی روشنی نہ ڈالی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مریض کے بے شعور واقعات معلوم کرنے کے لیے اس کے خواب کچھہ موزوں ثابت نہیں ھوتے' لیکن بعد میں جب پروفیسر سگمنڈ فراڈ (Sigmund Freud) نے مریضوں کے بے شعور خیالات کا مطالعہ کرنے کی ضرورت محسوس کی تو اسے معلوم ھوا کہ مریضوں کے خواب اس کام کے لیے نہایت ھی موزوں ھیں - تاریخ تجزیۃ النفس میں فراڈ پہلا شخص ھے جس نے تعبیر خواب کے متعلق نظریہ قایم کیا' اور خوابوں کے ذریعے سے عصبی امراض کا طریقۂ علاج دریافت کیا -

۱۹۰۰ ع میں اس نے خوابوں کے تمام نظریے اپنی پہلی مشہور و معروف کتاب " تعبیر خواب " میں شایع کئے - اس کی یہ پہلی تصنیف ہے جس نے تجزیۃالنفس اور نفسیات میں رشتہ قایم کیا - ۱۹۰۰ ع تک کسی سائنس داں نے بھی اس موضوع پر اتنی توجہ نہ کی تھی کہ اس طریقے سے عصبی مریضوں کا علاج ممکن ہے - گو بہت سے علما خواب کے متعلق بہت کچھہ انکشاف کر چکے تھے - بعض علما کا تعبیر خواب کے متعلق یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ تعبیر خواب کچھہ حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ خواب ہمیشہ بد خوابی کا نتیجہ ہوتا ہے ' لیکن فرائڈ نے اب یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ خواب سے معانی اخذ کرنے ممکن ہی نہیں ' بلکہ نفسیات میں یہ نہایت ہی ضروری حصہ لیتے ہیں اور عصبی امراض کے علاج کے لئے بہت ہی کار آمد ہیں —

خواب کا انسانی زندگی سے نہایت ہی گہرا تعلق ہے - بچپن سے لے کر عمر کے آخری لمحات تک ہر ایک انسان کو خواب سے تعلق پڑتا رہتا ہے - ہمیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ خواب ہمیں اس دنیا سے کسی اور دنیا میں لے جاتا ہے جو بعض اوقات نہایت ہی شاداب اور دلفریب ہوتی ہے - یہاں تک کہ ہوش میں آنے پر ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایک دفعہ پھر اس دلفریب منظر کو جی بھر کر دیکھیں اور حظ اٹھائیں - ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ بعض دفعہ بہت برا خواب دیکھنے سے اس کا اثر کئی کئی روز تک باقی رہتا ہے ' اور اس دہشتناک خواب کو یاد کرتے ہی ہم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ' یعنی ایسے خواب بے شعوری میں کافی طاقت حاصل کر لینے کے سبب ہمیں اکثر بے چین رکھتے ہیں - انہیں اقسام کے خوابوں کی

بنا پر لوگوں کا زمانۂ قدیم میں خواب کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ خواب کا باعث وہ فوق الفطرت اشیا ہیں جن پر ان کا ایمان ہے۔ اسی لئے خوابوں کو وہ ہمیشہ مستقبل سے وابستہ کرتے تھے۔ بعض عقیدتمند خواب کو دو قسموں میں منقسم کرتے تھے۔ یعنی وہ خواب جس کا باعث کوئی شیطانی طاقت ہو اور ایسا خواب جس کا تعلق دیوتاؤں سے ہو۔ اس دوسری قسم کو وہ الہام کے ہم معنے قرار دیتے تھے۔ الہامی خواب کی غالباً پہلی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جنھوں نے خواب میں سورج، چاند اور ستارے سجدہ کرتے ہوئے دیکھے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر یوں آتا ہے۔ "اذ قال یوسف لابیہ یاأبت انّی رایت احد عشر کوکباً والشمس والقمر رایتھم لی ساجدین" حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس خواب کی تعبیر کی۔ ان سے پہلے کسی معتبر ذریعے سے کوئی آدمی ایسا ثابت نہیں ہوتا جس نے خواب کی صحیح صحیح تعبیر کی ہو۔ زمانۂ قدیم کے اکثر علما خواب کے وجوہ کے متعلق غور کرتے رہے، لیکن یہ انکشاف بقراط (۴۶۰ ق م) نے کیا، جس کو ابوالطب کہا جاتا ہے، کہ چند ایک امراض کا خوابوں کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ بقراط کے بعد ارسطو (۳۸۴ تا ۳۲۲۔ ق۔ م۔) نے اپنی بعض تصنیفوں میں خواب کا ذکر کیا ہے اور قدما کے خیالات کی تردید کی ہے۔ اس نے ان کے نظریے کے خلاف شد و مد سے دلائل پیش کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ خواب دیوتاؤں سے نازل نہیں ہوتے ان کا تعلق انسانی قوانین سے ہے نہ کہ فوق الفطرت قوانین سے۔ خواب خوابیدہ انسان کے نفسیاتی فعل کا نام ہے۔ ارسطو کے نزدیک بھی طبیب کو مریض کے خواب سے آگاہ ہونا لازمی ہے، کیونکہ مرض

کی علامات کو خواب قبل از وقت ظاہر کر دیتے ہیں۔اس کے نزدیک قابل طبیب کو مریض کے خواب پر غور کرنا ضروری ہی نہیں، بلکہ ان خوابوں سے اصل مراد اپنی بھی لازمی ہے - جس طرح پانی میں چیزوں کی شکل قدرے مختلف نظر آتی ہے اسی طرح خواب بھی روز مرہ کے واقعات سے مختلف ہوتا ہے - خواب کی حقیقت کو آشکارا کرنا کسی ماہر کا کام ہے - گرپ (Gruppe) خواب کو دو اقسام میں منقسم کرتا ہے :—

(۱) اس کا تعلق زمانۂ حال یا ماضی کے واقعات سے ہوتا ہے - مستقبل سے اس کا کچھہ واسطہ نہیں ہوتا - زندگی کا ایسا واقعہ جو خواب میں بعینہ نظر آتا ہے ، یا اس واقعے کی ضد ، یہ سب اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں —

(۲) اس قسم کا تعلق مستقبل کے واقعات سے ہوتا ہے - اس کو پھر تین قسموں میں منقسم کیا گیا ہے :—

الف - (Oraculum) - الہام —

ب - (Visio) - مستقبل کے واقعے سے معمولی طور پر مطلع کرنا

ج- (Somnia) جس میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے —

ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ خواب مستقبل کے کسی واقعے کو بالکل ظاہر نہیں کر سکتا - فرعون مصر کا وہ خواب جس کی تعبیر حضرت یوسف نے کی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے - گو اسے الہام قرار دینا فاش غلطی ہے لیکن ایسے خواب ہم شاذ و نادر ہی دیکھتے ہیں- نیز تجزیۃ النفس میں ایسے خواب کچھہ حقیقت نہیں رکھتے - اس کام کے لیے صرف وہی خواب ہی موزوں ہو سکتے ہیں جو " گرپ " کی

تقسیم کی پہلی قسم سے تعلق رکھیں —

خواب کی ماہیت اور حقیقت کے متعلق علما کے مختلف خیال ہیں۔ اکثر تو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خواب چونکہ بد خوابی کا نتیجہ ہوتا ہے اس لیے خواب پر ہم مزید روشنی نہیں ڈال سکتے - ہندوستان کے قدیم علما کے نزدیک مستقبل واقعہ خواب میں کسی اور رنگ میں ظاہر ہوتا ہے ؛ اسی لیے انہیں تعبیر ناموں کی تالیف کی ضرورت پڑی - چنانچہ اس وقت بازار میں کئی قسم کے تعبیرنامے آسانی سے دستیاب ہوسکتے ہیں اُن تعبیر ناموں میں چند مخصوص نشانات یا واقعات مستقبل کے چند مخصوص واقعات کو ظاہر کرتے ہیں - مثلاً :—

خواب	تعبیر
آسمان پر پہنچنا	مرتبہ بلند ہو، اور فرحت کا سامان حاصل ہو-
آندھی آنا -	بلا نازل ہو رنج پہنچے -
اپنے تئیں اندھا دیکھنا -	منفعت سے محروم رہے -
انسان کا گوشت کھانا -	مال حرام ہاتھ آئے
سر کے بال کٹے ہوے دیکھنا -	قرض ادا ہو جائے -
بارش -	برکت کی علامت ہے -
لاغر بیل -	تنگی و قحط کی علامت ہے -
پہاڑ پر چڑھنا -	بلندی و مرتبے کی دلیل ہے -

مندرجہ بالا خوابوں اور ان کی تعبیر پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور اسی تعلق کی بنا پر علامات مقرر کی گئی ہیں - بزرگ بچوں کو دعا دیتے وقت اکثر کہتے ہیں - " تمہارے اقبال کا ستارہ بلند ہو " - یعنی اقبال اور

ستارے کو مختص کیا گیا ہے - ” آندھی “ کو ہم بلا کے معنوں میں استعمال کرتے ہی آئے ہیں - ” اندھا دیکھنا “ اور منفعت سے محروم رہنے کا تعلق بھی واضح ہے - ” انسان کا گوشت “ چونکہ حرام ہوتا ہے یا ” انسانی گوشت کھانا “ چونکہ درندوں کا کام ہے اس لیے اس کی تعبیر مال حرام سے کی گئی - جب کسی مقروض کا قرض ادا ہو جائے تو وہ اکثر کہا کرتا ہے ” الحمدللہ - میرے سر سے بوجھ اتر گیا - “ اس بوجھ اترنے کو ” سر کے بال کٹنے سے ظاہر کیا ہے “ - ” بارش “ کا تو نام ہی رحمت خدا ہے - اسی طرح ” پہاڑ پر چڑھنا “ بھی ترقی کی علامت ہے کیونکہ ترقی اور بلندی ہم معنے قرار دیے جاتے ہیں اور بلندی کو پہاڑ بہت اچھی طرح واضح کرتا ہے - ” لاغر بیل “ کا اشارہ فرعون کے مشہور خواب سے ہے جس کا ذکر قرآن کریم اور انجیل مقدس میں بھی آیا ہے - اسی طرح ان تعبیر ناموں کے تمام خوابوں اور ان کی تعبیر کا تعلق ذرا بھی کوشش سے بخوبی واضح ہو سکتا ہے - ان تمام علامات کا مستقبل کے واقعات سے جو تعلق ہوتا ہے ظاہر ہے —

اسی تعلق کی بنا پر علما نے خواب کی تعبیر اسی طریقے سے کی - بہترین ماہر وہی ہو سکتا ہے جو ان تعلقات کو بہت جلد سمجھ لے - مثلاً ایک آدمی خواب میں شیر کو مطیع دیکھتا ہے تو ماہر فوراً ہی اس کی تعبیر کرے گا کہ یہ شہہ زوری کی علامت ہے کیونکہ شیر اور بہادری کا تعلق سب جانتے ہیں - اس نظریے کو درست تسلیم کرنے میں مشکل یہ باقی رہ جاتی ہے کہ ہمارے خواب اکثر اتنے طویل اور پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ہم اس تعبیر نامے کی مدد سے تعبیر نہیں کر سکتے - کیونکہ اکثر اوقات تو علامات ہی مفقود ہوتی ہیں - یعنی ہم اس

طریقے سے صرف ایک مختصر تعداد کی تعبیر کرنے پر قادر ہوسکتے ہیں۔ اگر کوئی ہم سے یہ کہے کہ وہ خواب میں پہاڑ پر چڑھ رہا تھا تو اس کی تعبیر تو ہم کرسکیں گے لیکن اگر وہ اپنا خواب یوں بیان کرے :

" کہ وہ دو آدمیوں کے ہمراہ پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔ پہاڑ پر چڑھنے کے مختلف راستے ہیں۔ وہ ایک راستے پر ہوجاتے ہیں۔ پھر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی "ز" ان کا منتظر ہے۔ اس کے نزدیک پہنچنے پر اس کا ایک رفیق اس کو "م" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔ اور وہ آپس میں علمی بحث شروع کر دیتے ہیں "ز" ایک مشہور مصنف ہے اور اس کا رفیق اس کی تصنیفات کے متعلق ذکر کرتا ہے۔ لیکن وہ حیران ہے کہ اس کا نام "م" کیوں کر ہو گیا "—

اب بتائیے اس کی تعبیر ہم تعبیر نامے کی مدد سے کس طرح کرسکتے ہیں؟ پہاڑ کی علامت تو یقیناً موجود ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تعبیر وہ نہیں ہوسکتی - اس کے متعلق ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے کہ اس کے مولف یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں فلاں تاریخ کے خواب سچے ہوتے ہیں - اور فلاں فلاں تاریخ کے خواب سچے نہیں ہوتے - نتیجۃً ایسے تعبیر نامے تمام حالتوں میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتے —

طبقۂ عوام میں ایک اور نظریہ بھی ہے جس کی رو سے خواب ایسے مستقبل واقعے کو ظاہر کرتا ہے جو اس کی ضد ہے۔ یعنی اگر

خواب میں بارات نظر آئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خواب دیکھنے والے کو عنقریب کسی عزیز کی موت کی اطلاع موصول ہوگی - اس کے برعکس اگر وہ کسی کو مرا ہوا دیکھے تو وہ حقیقت میں خوش و خرم ہوگا - اس نظریے کی مدد سے صرف چند ہی خواب سمجھ میں آسکتے ہیں اور تمام پیچیدہ خواب اس نظریے کی رو سے بالکل مہمل ہیں - علمی نقطۂ نگاہ سے اس نظریے کی تشریح نہیں کی جاسکتی —

ان دنوں جو نظریہ تمام علما کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور جس کی جانچ کرنے میں تمام ماہرین نفسیات مشغول ہیں، پروفیسر سگمنڈ فرائڈ کا ہے - فرائڈ نے خواب پر اپنی توجہ کیوں مبذول کی؟ اس کی وجہ ہم اوپر درج کر چکے ہیں اس نظریے کی رو سے ہمارے تمام خواب زمانۂ ماضی کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں - نیز یہ ہماری (ممتنع) خواہشوں کی تکمیل گاہ ہیں - یعنی ہماری ایسی خواہشیں جو دن کو پوری نہیں ہو سکتیں، خواب میں پوری ہوکر سرور حاصل کرلیتی ہیں - اس کو خوب ذہن نشین کرلینا چاہئیے کیونکہ نفسیات احلام کا بنیادی اصول ہی یہی ہے - اب ہم اس نظریے کو ذرا تفصیل سے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں - تجزیۃ النفس کے طریقۂ علاج میں یہی نظریہ کام کر سکتا ہے - نیز یہی ایک نظریہ ایسا ہے جس کی مدد سے ہم ہر قسم کے خوابوں کی تحلیل کرسکتے ہیں - اور نفسیات کے ذریعے سے جس کی تشریح ممکن ہے —

خواب کی ماہیت

فرائڈ سے قبل بھی چند علما کا یقین تھا کہ خواب ہمارے یومیہ تجربات کا نتیجہ ہیں چنانچہ وہ کہا

کرتے کہ " ہم اس چیز کا خواب دیکھتے ہیں جس کو ہم نے دن کے وقت دیکھا، کہا، چاہا یا کیا"* - یعنی خواب کا روز مرہ کے واقعات سے چولی دامن کا ساتھ ہے - یہ تعلق مثالوں سے بخوبی واضح ہو سکتا ہے - امتحان کے دنوں میں طالب علم کی توجہ کا واحد مرکز امتحان ہی ہوا کرتا ہے - چنانچہ وہ خواب میں بھی امتحان کی کیفیت ہی دیکھتا ہے - اگر ہمیں کسی مشہور مقرر کی تقریر سننے کا اتفاق ہو، یا پہلی مرتبہ تھیٹر دیکھنے کا موقع ملے تو خواب میں بھی ہم وہی تقریر سنیں گے یا وہی منظر دیکھیں گے - ایسے ہی سینکڑوں مثالوں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خیالات خواب کا منبع ہمارے گزشتہ تجربات ہیں - یہ ایک ایسا عام فہم اصول ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی بھی دقت پیش نہیں آتی - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم خواب کے مہیج کے متعلق کیا جانتے ہیں؟ خواب کی محرک طاقت بعض اوقات تو کوئی خارجی طاقت ہوتی ہے - اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں - اگر سوتے شخص کی آنکھوں پر تیز روشنی ڈالی جائے تو وہ ایک خاص قسم کا خواب دیکھے گا - اگر کوئی تیز بو دار چیز اس کی ناک کے قریب لائی جائے گی تو اس صورت میں خواب مختلف ہوگا - اسی طرح شور و غل کرنے سے یا منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالنے سے جو خواب آئیں گے وہ پہلی حالتوں سے یقیناً مختلف ہوں گے - چند یوم کا واقعہ ہے کہ میں سو رہا تھا کہ کسی نے شرارت کے طور پر تمباکو کی نسوار میرے ناک کے قریب کی - بیدار ہونے پر مجھے یہ خواب بخوبی یاد تھا - " میں گاؤں کے ایک

---

* Maury : "nous revons de ce que nous vit, dit, desire ou fait."

کوئیں کے نزدیک سے گزر رہا ہوں۔ میری نگاہ ایک مختصر سے گروہ پر پڑتی ہے - چارپائی پر ایک معزز شخص بیٹھا ہوا ہے - قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ مسٹر اسکاٹ (سیالکوٹ) ہیں - اور میرے ہی منتظر ہیں - رسمی گفتگو کے بعد مجھہ سے کہتے ہیں کہ دو روپیہ کا اعلی قسم کا تمباکو چاہئے - چنانچہ میں لوگوں سے مختلف قسم کا تمباکو منگوا کر دکھاتا ہوں - اور اس کے نرخ سے مطلع کرتا ہوں " - ایسے خواب آپ نے بھی اکثر دیکھے ہوں گے - بجلی کی گرج ہمیں گھمسان لڑائی میں لے جاتی ہے- اگر سوتے وقت ہمارے بدن سے کمبل گر پڑے - تو خواب میں اپنے تئیں ننگا یا پانی میں چھلانگ مارتے ہوئے دیکھیں گے - اگر کسی طرح سوتے وقت ہمارا سر تکیئے کے نیچے آجائے تو ہمیں ایسا معلوم ہوگا کہ ہم کسی بوجھہ کے نیچے دبے جا رہے ہیں —

مارے (Maury) نے اپنے آپ پر چند دلچسپ تجربے کیے ہیں - جب سوتے میں اس کے منہ کے قریب گرم لوہا لایا گیا تو اس نے خواب میں دیکھا - " کہ اس کے مکان کے اندر ڈاکو گھس کر مکان والوں کو نقدی سپرد کر دینے پر مجبور کر رہے ہیں - اور طرح طرح کی اذیت پہنچا رہے ہیں "- جب پانی کا ایک قطرہ اس کی پیشانی پر ٹپکایا گیا تو اس نے اپنے تئیں اٹلی میں سخت پسینے کی حالت میں شراب پیتے ہوئے دیکھا - ہلڈبرانٹ (Hildbrandt) کا یہ خواب بہت ہی مشہور ہے - " میں موسم بہار کی ایک صبح کو سیر کر رہا ہوں - میں کھیتوں سے ہو کر قریب کے ایک گاؤں کی طرف بڑھتا ہوں - وہاں کے رہنے والے اپنے بہترین کپڑوں میں ملبوس اور ہاتھہ میں کتاب مقدس لئے گرجا کی طرف جا رہے ہیں - مجھے یاد آجاتا ہے کہ یہ اتوار کا دن ہے - اور صبح کی نماز شروع ہونے

ہی والی ہے - میں نماز میں شامل ہونے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ گرجے کے باہر قدرے دم لے لوں - جب میں وہاں بیٹھ کر قبروں پر لکھے ہوئے کتبے پڑھتا ہوں تو مجھے گھنٹی بجانے والا برج پر چڑھتا ہوا نظر آتا ہے ' جہاں ایک چھوٹی سی گھنٹی جو نماز کے شروع ہونے سے قبل بجتی ہے' لٹک رہی ہے - کچھ عرصے تک گھنٹی خاموش رہتی ہے - پھر اچانک آہستہ آہستہ بجنا شروع ہوجاتی ہے - حتیٰ کہ اس کی آواز دور دور تک پہنچ جاتی ہے - یہ آواز ایسی بلند تھی کہ میری نیند ختم ہوجاتی ہے .... لیکن گھنٹی کی آواز الارم والی گھڑی سے آرہی تھی" - خارجی طاقت کی یہ ایک عمدہ مثال ہے —

خواب کا مہیج اندرونی بھی ہوسکتا ہے - خواہ یہ فاعلی ہو یا عضوی ہمارے بے شمار خواب اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں - کسی ایک اندرونی عضو کے برانگیختہ ہونے پر خاص قسم کا خواب نظر آئے گا - ڈاکٹر محمد یوسف صاحب (پروفیسر میڈیکل کالج - لاہور) اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ میں خواب میں ایک مریض کو دیکھنے جاتا ہوں جو سخت پیٹ کے درد میں مبتلا ہے - میں اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اس کی تشخیص کرنے کی کوشش کرتا ہوں - اچانک نیند اچاٹ ہوجاتی ہے - معلوم ہوا کہ میرے اپنے ہی پیٹ میں درد شروع ہے اور سخت بے چینی کی حالت میں پیٹ پر ہاتھ پھیر رہا ہوں —

خواب اور امراض دماغی

حضرت مسیح کی پیدائش سے کئی سو سال قبل ارسطو اور بقراط ہی نے یہ واضح کیا تھا کہ خواب اور امراض دماغی کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے - موجودہ زمانے کے ماہرین نفسیات کا بھی یہی خیال ہے - کہ چند ایک خواب ہی

ایسے ہیں جو خاص قسم کی دماغی بیماری کا باعث ہیں - چنانچہ فراڈ کا یہ یقین ہے کہ اختناق الرحم کے مرض کا باعث کئی سال قبل کا کوئی ایک خواب ہے جو مختلف قسم کے عناصر پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر عنصر کسی خاص واقعے کی یاد ہوتا ہے - مریضہ کے دل پر ایسا خواب نقش ہو جاتا ہے اور وہ اس سے کانپ اٹھتی ہے - آہستہ آہستہ یہی خواب بے شعوری میں چلے جانے پر کافی طاقت حاصل کر لیتا ہے - اور یہ طاقت حاصل کرلینا ہی مخصوص علامات پیدا کرنے کا پیش خیمہ ہے - چارلس " باڈوں " مندرجہ ذیل واقعہ بیان کرتا ہے :—

" ایک نوجوان عورت جو سات سالہ بچے کی ماں تھی اس بچے کی پیدائش سے لے کر سات سال تک عصبی تکلیفوں میں مبتلا چلی آرہی تھی - طبیبوں نے اسے تجزیۃ النفس کے علاج کی ہدایت کی - وہ بہ غرض علاج میرے پاس آئی - میں نے جب اسے خواب سنانے کے لئے کہا تو اس نے اپنے زمانۂ حمل کا یہ خواب سنایا - اس خواب نے ' جو بلا شک و شبہ اس کے حمل کے متعلق تھا اس کے دل پر گہرا اثر ڈالا جس کا نتیجہ اس کی موجودہ بیماری تھی —

" خواب میں وہ ٹاؤن ہال میں موجود ہے - صدر حاضر نہیں - اور اس عورت کا خاوند بحیثیت نائب اس کی جگہ کام کر رہا ہے - ایک اجنبی جو بظاہر " ہنگری " یا " اٹلی " کا باشندہ معلوم ہوتا ہے اچانک داخل ہوتا ہے - اس کا خاوند صدر کے آنے کا انتظار کرنے کی اس سے درخواست کرتا ہے , لیکن اجنبی بہت بے تاب ہوکر خاوند کو خنجر سے زخمی کر دیتا ہے -

اس کا خاوند گلی میں دوڑتا ہے لیکن اجنبی اس کا تعاقب
کرکے اسے زخمی کر ہی دیتا ہے - نوجوان عورت اپنے تئیں
ایک کھڑکی کے سامنے موجود پاتی ہے اور اس سانحے کو
بڑی بے صبری سے دیکھتی ہے - کھڑکی کے نیچے صدر دکھائی
دیتا ہے جو اس عورت سے ان لفظوں میں مخاطب ہوتا
ہے :- جب تک تم نیچے نہ آوگی حالات خطر ناک صورت اختیار
نہ کرسکیں گے ؛ محتاط رہنا ؛ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا ....
پھر وہ اپنے خاوند کو اپنی چار پائی پر لیٹے ہوئے دیکھتی
ہے - اس کی پیشانی میں ایک زخم ہے جہاں سے خون
ٹپک رہا ہے " - *

اس خواب کی تعبیر تو ہم بعد میں کریں گے - یہاں صرف یہی
واضح کرنا ہے کہ اس خواب کا جو تعلق عصبی بیماری سے ہے بالکل
ظاہر ہے - خواب زمانۂ حمل اور پیدائش کو نہایت ہی واضح طور پر
ظاہر کرتا ہے - اس خواب سے مریضہ کی توجہ ادھر مبذول ہوگئی اور
نتیجہ یہ نکلا کہ اس پر ایک خاص قسم کی جذباتی کیفیت طاری ہوگئی -
اگر یہ خواب اسے نہ دکھائی دیتا یا اس کی تعبیر فی الفور کر دی جاتی
تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ عصبی بیماری میں مبتلا ہوتی -

خواب اور معانی

اگر خواب فی الحقیقت ممتنع خواہشوں کی تکمیل کا نام
ہے تو اس سے معانی کس طرح اخذ کرنے چاہئیں ؟
ظاہر ہے کہ اس صورت میں صرف خواب دیکھنے والا ہی اپنے خواب

---

* C. Baudouin: Suggestion et Autosuggestion. ch. VII.

کی تعبیر کر سکتا ہے کیونکہ اس کے گذشتہ واقعات کی تاریخ سے دوسرے آدمی قطعاً بے خبر ہوتے ہیں - جب تک وہ اپنے حالات سے مطلع نہ کرے ہم آگاہ نہیں ہوسکتے - بعینہ تعبیر خواب بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب خواب دیکھنے والا خواب کے متعلق خود ہی قیاس آرائیاں کرے اور ایک دن قبل کے واقعات سے بھی مطلع کرے ۔ خواب ذہنی قضیہ ہونے کے باعث کسی غیر کی سمجھ میں نہیں آسکتا اسی ذہنی قضیے کو سمجھنے کے لئے ہمیں خواب دیکھنے والے ہی کی طرف رجوع کرنا پڑیگا - اگر خواب دیکھنے والا ہمیں خواب کے متعلق کما حقہ ، آگاہ نہیں کر سکتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ خواب کے متعلق پوری واقفیت تو رکھتا ہے لیکن وہ اپنے اس علم سے بے علم ہے ۔ اس لئے اس کا یہ یقین ہے کہ وہ خواب کی تعبیر نہیں کر سکتا - مندرجہ ذیل واقعہ اس کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے (فراق : تمہیدی لکچر - ص ۸۵) :—

" ۱۸۸۹ ع میں میں نے ' نینسی ' میں ' لی ایبال ' اور ' برنیئم ' کا ایک تنویمی تجربہ ملاحظہ کیا - ایک شخص پر تنویمی کیفیت طاری کی گئی - اس شخص پر اس کیفیت کے دوران میں اختلال اور اقتباس حواس کے تجربات کئے گئے - ہوش میں آنے پر پہلے پہل تو وہ اپنے مشاہدے سے بالکل مطلع نہ کر سکا - برنیئم نے اسے یقین دلایا اور مجبور کیا کہ وہ اس کیفیت کے دوران کے تمام واقعات جانتا ہے اور دہرا سکتا ہے - اس پر اس شخص نے غور کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ وہ تمام واقعات بلا کم و کاست دہرانے میں کامیاب ہوگیا "

خواب سے لاعلمی ظاہر کرنے والے کا بھی یہی حال ہے - خود

اپنے آپ ھی تجربہ کیجئے - صبح اٹھہ کر اپنے خواب پر غور فرمائیے - بالکل مہمل معلوم ھوگا - اور ممکن ھے کہ آپ خواب کو بالکل فضول اور مہمل خیال کرتے ھوئے جلد فراموش کرنے کی کوشش کریں - لیکن نہیں ذرا غور کیجئے ایک دن قبل کے واقعات یاد کرکے خواب کا کوئی ایک عنصر یا اس کی شبیہ اس میں تلاش کیجئے - کافی جد و جہد پر آپ کے خواب کے تمام عناصر ایک دن قبل یا دیرینہ واقعات سے مل سکیں گے - آپ حیران ھوں گے کہ کس طرح خواب گذشتہ واقعات سے وابستہ ھے - اوراس کی تعبیر اصل خواب سے کتنی ھی مختلف ھے - اس طریقے سے ھم دوسرے کے خواب کی بڑی تعبیر کر سکتے ھیں - ھم اس سے تو واقف ھو ھی گئے ھیں کہ خواب دیکھنے والا اپنے خواب کے متعلق بہت کچھہ علم رکھتا ھے لیکن وہ اس کے استعمال کے علم سے ناواقف ھے - اس لیے ھمیں سب سے پہلے یہ پوچھنا چاھئے کہ اسے خواب کس طرح آیا یعنی کن حالات اور کیفیت کی ماتحت اس نے خواب دیکھا ؟ اس سے تو واقف ھی ھوگا - لیکن اگر وہ حیل و حجت کرے تو „ فشاری طریقہ " * اس کا بہترین علاج ھے - یعنی اگر ھم اس کو یہ یقین دلائیں گے کہ وہ ان واقعات کو بخوبی جانتا ھے تو تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ ان واقعات سے ھمیں باخبر کر دے گا - ایسے حالات اس کے خواب والے دن کے ھوتے ھیں اس لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی - دوسرا کام یہ ھے کہ خواب کے ھر ایک فقرے کے متعلق اس کے خیالات " ائتلاف اختیاری " کے طریقے پر قایم کریں - یعنی خواب

---

* ملاحظہ ھو - „ تجزیۃ النفس " - سائنس - بابت ماہ - جنوری سنہ ۳۴ ع

کا ایک عنصر لے کر اسے کہیں کہ اس کے متعلق جو بھی خیالات ذہن میں آئیں، مطلع کرتا جائے - یہ بڑا مشکل کام ہے - کیونکہ باوجود وعدے کے وہ اکثر خیالات ہم سے چھپانے کی کوشش کرے گا - اگر ہم اس کے اس قسم کے خیالات سے مطلع ہو جائیں تو ہم نہ تو صرف اس عنصر کی تعبیر ہی کر سکیں گے بلکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ایسے خیالات نہایت ہی ضروری ممتنع خواہشات تھیں - اگر بچہ اپنی مٹھی نہیں دکھاتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی مٹھی میں ایسی چیز ہے جو اس کے پاس نہ ہونی چاہئیے - یہی حال ان ممتنع خواہشات کا ہے - بعض اوقات ایسا ہوگا کہ اسے خواب کے متعلق کوئی خیال ہی نہ آئے گا - لیکن ہمت نہ ہارنی چاہئیے - اسے یقین دلانا چاہئیے کہ وہ خواب کے متعلق سب کچھ جانتا ہے اور فشاری طریقے سے اسے مجبور کرنا چاہئیے کہ اس کے ذہن میں اسی وقت جو خیال بھی آئے خواہ وہ اس کے نزدیک کتنا ہی غیر ضروری اور بعید از مطلب کیوں نہ ہو ہرگز نہ چھپائے - کیونکہ انہیں غیر ضروری خیالات کے اندر تعبیر پنہاں ہے —

تعبیر خواب کے قوانین

(۱) خواب کے ظاہری معنوں کی طرف کچھ توجہ نہ کرنی چاہئیے - خواہ ان کے معانی واضح ہوں، خواہ مہمل؛ صاف ہوں یا نہ ہوں، وہ کسی صورت میں بھی خواب کے اصل معنے نہیں ہو سکتے جس کی تلاش میں ہم ہیں - دوسرے الفاظ میں خواب کے بے شعور خیالات جو دراصل خواب کی اصل تعبیر ہیں، اس کے ظاہری معنوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں —

(۲) خواب کے ہر ایک فقرے کے متعلق "ائتلاف اختیاری" کے طریقے پر خیالات قایم کرنے چاہئیں - اگر ہمیں ایسے خیالات اصل خواب

سے بہت دور لے جائیں یا ظاہر میں اصل خواب کے ساتھ ان کا کچھ بھی تعلق معلوم نہ ہو، پرواہ نہ کرنی چاہئیے —

(۳) جب تک پوشیدہ بے شعور خیالات ظاہر نہ ہو جائیں، انتظار کرنا چاہئیے - رفتہ رفتہ اس طریقے سے خیالات آتے جائیں گے اور خواب کا مطلب بالکل واضح ہوجائے گا —

(۴) خواب کا مہیج خواب والے دن میں تلاش کرنا چاہئیے - یہ ممکن ہے کہ مہیج کا تعلق بچپن کے فراموش شدہ واقعات سے ہو لیکن مہیج اس دن کے واقعات میں موجود ہوگا —

خواب ایک معمے کی مانند ہے، جس میں کوئی نہ کوئی مطلب ضرور پنہاں ہوتا ہے - لیکن اس کے سمجھنے کے لیے ہمت و کوشش درکار ہے - اسی طرح خواب چند گذشتہ واقعات کو توڑ موڑ کر ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ وہ بظاہر مہمل معلوم ہوتا ہے - لیکن اگر اس پر کافی غور کیا جائے تو معمے کی طرح اس سے حیرت انگیز نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں - اگر ہمیں کوئی ایسی کتاب دستیاب ہو جائے جو مصر کی قدیم زبان میں لکھی ہوئی ہو تو ہم ایک مدت تک اس سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے لیکن اس کا مطلب کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔ ہم صرف اسی زبان سے نا واقف ہیں - خواب اس قسم کی کتاب کی مانند ہے اور اس کی تعبیر درحقیقت اس کی زبان سے واقف ہونا ہے —

اگر ہم اپنے خواب کی تعبیر انتلاف اختیاری کے طریقے سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک مخالف طاقت ہمیں اس کام سے باز رکھتی ہے۔ خیالات آتے تو ہیں - لیکن ہم ان کو درست نہیں جانتے بلکہ ان پر تنقید کرتے ہیں - اور اپنے دل میں کہتے ہیں " نہیں یہ خیال موزوں معلوم

نہیں ہوتا یہ تو سراسر مہمل ہے" دوسرا خیال آتے ہی کہتے ہیں " نہیں نہیں یہ تو بالکل ہی فضول ہے" اور تیسرے کے متعلق ہماری رائے ہوتی ہے "یہ تو اصل سے بہت ہی دور چلا گیا ہے" وغیرہ - اس طرح کرنے سے ہماری ہمت پست ہو جاتی ہے اور ہم اس انکشاف کی طرف توجہ مبذول نہیں کرتے - اگر اس طریقے سے ہمارے خواب کی تعبیر کوئی اور شخص کررہا ہو تو اس وقت ہمارے دل میں یہ خیالات آئیں گے - "یہ خیال تو پوشیدہ ہی رکھنا بہتر ہے میں اس سے اس کو کبھی بھی مطلع نہ کروں گا (کرسکوں گا) " ظاہر ہے کہ خواب کی تعبیر میں ہمیں ایسے خیالات سے ضرور اجتناب کرنا چاہئے - اور اگر ہم کسی دوسرے کے خواب کی تعبیر کر رہے ہوں تو اس کو ایسے خیالات کے متعلق قبل از وقت واضح کر دینا نہایت ہی ضروری ہے - پہلی مرتبہ اپنے خواب کی تعبیر کرنے سے معلوم ہوگا کہ ایسی رکاوٹیں بیشمار ہیں - ممکن ہے کہ آپ پہلی مرتبہ دو دن تک بھی خواب حل نہ کرسکیں - لیکن رفتہ رفتہ یہ کام اتنا آسان ہو جاے گا کہ آپ پانچ دس منٹ تک خواب کی تعبیر کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے - خواب کی تعبیر کرنا کیوں اتنا مشکل کام ہے؟ اس کی بحث ہم آگے چل کر کریں گے - یہاں صرف یہی واضح کرنا ہے کہ اس مشکل پر عبور حاصل کرنا نہایت ہی ضروری ہے —

تکمیل کا خواہش

ہم یہ اُوپر دیکھہ چکے ہیں کہ اگر خواب کا مہیج کوئی خارجی وجود ہے تو اس کی تعبیر اسی طریقے سے ممکن ہے - "مارے" کے تمام دلچسپ تجربے اسی طریقے سے تحلیل کئے جاسکتے ہیں - الارم والی گھڑی کا خواب اس کی نہایت ہی عمدہ

مثال ہے - یہ دلچسپ اور طویل خواب صرف گھنٹی کی آواز کا رد عمل ہے - تنویم کے ذریعے سے بھی خواب کی تعبیر کی جاسکتی ہے کیونکہ اس حالت کے اثر میں معمول اپنے گذشتہ واقعات آسانی سے دھرا سکتا ہے - لیکن مشکل یہ باقی رہ جاتی ہے کہ تمام آدمیوں پر اس کیفیت کا طاری کرنا ممکن نہیں - نیز ہمارے بیشتر خواب اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ اس طریقے سے سمجھہ میں نہیں آسکتے ان کے سمجھنے کے لئے تجزیۃ النفس کا مخصوص طریقہ کام میں لایا جاتا ہے - بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں جو عصبی امراض میں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں - ایسے خوابوں کے متعلق فرائڈ اور اس کے پیرؤوں کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ ممتنع خواہشوں کی تکمیل گاہ ہیں - تکمیل خواہش کے ذریعے سے اس مہیج کا اثر جو نیند میں مخل ہوتا ہے' زایل ہو جاتا ہے یعنی مہیج تو یہ کوشش کرتا ہے کہ نیند میں مخل ہوکر سونے والے کو بیدار کرے - لیکن اس مہیج کے خلاف اور نیند کی حمایت میں جو طاقت کام کر رہی ہوتی ہے مہیج کا اثر زایل کرنے کے لئے اس کو تکمیل خواہش کی صورت میں تبدیل کردیتی ہے اور سونے والا نہایت ہی آرام سے سوتا رہتا ہے - اگر یہ طاقت اس مہیج کے خلاف کام نہ کرتی تو اس کے لئے سونا محال ہو جاتا - فرائڈ اپنا واقعہ بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ اسے کسی تکلیف کے باعث اپنے فوطوں پر پلٹس باندھ کر سونا پڑا - پلٹس سے درد میں تخفیف ہوگئی - اور وہ سوگیا - لیکن کچھہ دیر بعد درد پھر شروع ہوگیا اور پلٹس کا وہاں رہنا دوبھر ہوگیا - پلٹس اور درد یہ مہیج تھے جو سونے کے خلاف کام کر رہے تھے - اور بیدار کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف تھے - لیکن ان کا تنازع اس مخالف طاقت سے

ہوا جو نیند کی حمایت میں تھی - اس مہیج کو کسی اور صورت میں تبدیل کرنے کے لئے مجبور کیا گیا اور فراق نے اپنے تئیں گھوڑے کی پیٹھہ پر تکلیف سے بیٹھے ہوئے دیکھا - ظاہر ہے کہ اگر فراق اپ تئیں گھوڑے پر سوار نہ دیکھتا تو شدت درد کے باعث اس کا بیدار ہونا یقینی امر تھا —

یہ خواہش جس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے بالعموم بچپن کی یا نہایت ہی دیرینہ ممتنع خواہش ہوتی ہے - تحلیل سے معلوم ہوگا کہ عصبی مریضوں کے خواب اس قسم کے ہوتے ہیں - یعنی ان کی ممتنع خواہشیں بہت دیر بعد خواب میں پوری ہوتی ہیں - اگر یہ ایسا نہ ہوتا یا یہ نظریہ درست نہ ہوتا تو تجزیۃ النفس کے طریقے سے ان کا علاج محال ہو جاتا —

چھوٹے بچوں کے خواب تمام کے تمام ہی تکمیل کاہ خواہش صاف طور پر واضح کرتے ہیں - دن کے وقت جو کام ان سے رہ جاتا ہے وہ خواب میں پورا ہو جاتا ہے - ایسے خواب سمجھنے کے لئے نہ تو تحلیل ہی کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی کسی فن کی - بچے سے خواب کے متعلق پوچھنے کی چنداں ضرورت نہیں - خواب کا جو تعلق دن کے واقعات سے ہوتا ہے وہ بہت ہی صاف اور آسانی سے سمجھہ میں آسکتا ہے - کیوں کہ اس صورت میں ان کا خلط ملط ہونا ضروری نہیں - خواب کا مہیج ہمیشہ غیر تسکین شدہ خواہش ہوتی ہے - جس کا معلوم کرنا کوئی دشوار کام نہیں - مندرجۂ ذیل مثالوں سے یہ نظریہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا :—

(۱) فراق - ایک سال اور دس ماہ کے بچے کو جنم دن کی تقریب

پر پھلوں کی ایک ٹوکری کسی کو پیش کرنی تھی - اگرچہ اسے بھی اس میں سے حصہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، لیکن پھر بھی اس نے بے دلی سے تحفہ پیش کیا - اگلی صبح اس نے اپنا خواب بیان کیا - " ' ٹرمن ' تمام کے تمام پھل کھا گیا " -

(۲) فراق - ایک سوا تین سال کی بچی پہلی مرتبہ کسی جھیل پر سیر کی غرض سے گئی - جب وہ اپنے والدین کے ساتھہ کشتی سے اترنے لگی تو اس نے کہا کہ وقت کتنی جلدی گذر گیا ہے اور اس نے کشتی سے نہ اترنے کی ہر ممکن سے ممکن کوشش کی - صبح اس نے بیان کیا " رات میں اسی جھیل میں سیر کر رہی تھی " -

بچوں کے خوابوں میں اصل خواب اور اس کے مطلب کا رشتہ نمایاں ہوتا ہے - خواب خلط ملط نہیں ہوتا - ان کو سمجھنے کے لئے صرف بچے کی دن کی حرکات و سکنات کا جاننا کافی ہے - کیونکہ ان کے خواب ہمیشہ دن کے واقعات کا رد عمل ہوتے ہیں - یعنی وہ ذہنی مہیج جو نیند میں مخل ہوتا ہے، غیر تسکین شدہ خواہش ہوتی ہے —

بالغ آدمیوں کے خواب ہوتے تو اسی قسم کے ہیں لیکن ان کے خلط ملط ہو جانے کے باعث اصل خواب اور اس کے مطلب کا تعلق بظاہر واضح نہیں ہوتا - کیونکہ مزاحمت کے ذریعے سے خواہش کوئی اور صورت اختیار کر لیتی ہے اور آسانی سے سمجھہ میں نہیں آسکتی - ایسے خواب صرف " ائتلاف اختیاری " کی مدد سے ہی تعبیر کئے جا سکتے ہیں - بعض خواب تو اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ان کے سمجھنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے - کیونکہ بے شعور واقعات کو شعور میں داخل نہ کرنے کے لئے امتناع پوری پوری کوشش میں مصروف ہوتا ہے - یہ بھی ممکن ہے

کہ بظاہر خواب اس نظرے کی ضد معلوم ہو - اس قسم کے خوابوں کو مندرجۂ ذیل مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے :—

(۱) ۵ جون سنہ ۳۳ ع کو میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ "ایک کھلے میدان میں ہمارے تمام رشتہ دار جمع ہیں - برادرم م - ح ہم سب کو بارات میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں "

تکمیل کاہ خواہش کی یہ عمدہ مثال ہے - ایک دن قبل مکرمی م - م - کی طرف سے ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ش - ح کی شادی کا دعوتی رقعہ موصول ہوا تھا - خواب نے شادی کے دن کو قبل از وقت ظاہر کیا ہے - کیونکہ میں بڑی بے صبری سے ان کی شادی کا منتظر تھا - خواب اور تعبیر بالکل صاف ہے —

(۲) - ایک معزز خاتون (۲۸ مئی سنہ ۳۴ ع کو) خواب میں دیکھتی ہیں کہ " ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے " ان خاتون کی شادی کو ایک عرصہ گذر چکا ہے - لیکن ابھی تک وہ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں ایک دن قبل اسے اطلاع موصول ہوئی : کہ اس کی ایک رشتہ دار جس کی شادی کو ابھی چند ہی ماہ گذرے ہیں حاملہ ہے - اس خبر کے سنتے ہی وہ گہری سونچ میں پڑگئی - اور خیال کرنے لگی کہ شاید وہ ہمیشہ ایسی ہی رہے - اسی رات یہ خبر اس نے اپنے خاوند کو حسرت سے سنائی - تسکین قلب اور امید کے لئے انہوں نے خلوت بھی کی - اسی رات خواب میں اس کی امید پوری ہوگئی - اور وہ اپنی اس رشتہ دار سے پیچھے نہیں رہی —

(۳) 'فراق' کا ایک دوست جو خواب کا یہ نظریہ اپنی بیوی سے بھی بیان کر چکا تھا فراق سے ایک دن کہنے لگا - " میری بیوی آپ

سے یہ کہنا چاہتی ہے کہ اس نے کل رات خواب میں حیض آتے دیکھا ہے " اس کا مطلب آپ جانتے ہی ہونگے - فراق نے جواب دیا - " اگر آپ کی بیوی خواب میں اپنے تئیں حائضہ دیکھتی ہے تو وہ یقیناً حاملہ ہے - اور اس کو حیض آنا بند ہوگیا ہے کیونکہ اس کی یہ خواہش ہے کہ چندے اور آزادی کے مزے لوٹے - اس خواب کی مدد سے اس نے عجیب طریقے سے اپنے تئیں حاملہ ثابت کیا ہے -

(۴) ایک نوجوان خاتون نے مجھہ سے بیان کیا (۲۰ مئی سنہ ۳۴ ع)

کہ خواب میں اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے - وہ اسے بہت پیار کرتی ہے - لیکن اس کے والدین اسے ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں اور بچی کی پیدائش سے وہ سب مایوس نظر آتے ہیں —

یہ خاتون اولاد سے محروم ہے اور باوجود علاج کے ابھی تک تندرست نہیں ہوسکی - خواب میں اس کی یہ خواہش جو اس کے دل پر قبضہ جمائے ہوئے ہے ' پوری ہوگئی ہے - یہ خاتون مایوسی کے وقت اکثر کہتی رہتی ہے " اگر لڑکی ہی ہو جائے تو پھر بھی میں بہت ہی خوش ہو جاوں " - خواب کا دوسرا حصہ اس سے تعلق نہیں رکھتا —

خواب میں اپنے کسی عزیز کو مردہ دیکھنا بھی تکمیل کاہ خواہش ہے - خواہ اس موت کی خواہش کا تعلق بچپن سے ہو خواہ موت کا تعلق کسی اور خواہش سے ہو - اگر لڑکا اپنی چھوٹی بہن کو مردہ دیکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ بچہ ہی تھا اور اسی کی بہن بقول اس بچے کے آسمان سے گری تو وہ والدین کی محبت میں اس کو خلل انداز پاکر اس سے حسد کرنے لگا ؛ گو یہ جذبہ کچھہ عرصے بعد محبت میں تبدیل ہوگیا - اس زمانے میں بچے کی یہ خواہش تھی کہ

اس بچی کو کوئی اٹھا کر لے جائے اور وہ اکثر اپنی والدہ سے کہا کرتا تھا "امی! اسے باھر کیوں نہیں پھینک دیتیں؟" میرے ایک دوست اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ھیں کہ وہ اپنی چھوٹی بہن کو کائیے کے آگے ڈالنے کے لئے تکرار کیا کرتے تھے - بعینہ بچہ یہ معلوم کرکے کہ اس کی والدہ کی محبت میں اس کا باپ بھی شریک ھے باپ سے نفرت کرنے لگ جاتا ھے - بچوں کی محبت اپنی مخالف صنف سے ھوتی ھے - یعنی لڑکی باپ سے محبت رکھتی ھے اور ماں سے نفرت کیونکہ وہ یہ نہیں دیکھہ سکتی کہ ماں بھی اس کے باپ سے ویسی ھی محبت کرے - لڑکا اپنی والدہ کو چاھتا ھے - اور مندرجۂ بالا وجہ کی بنا پر اپنے باپ سے متنفر ھوتا ھے - اگر ماں یا باپ اپنے بیٹے کو ردہ دیکھیں تو اس کا یہ مطلب ھے کہ وہ کسی زمانے میں اس سے فی الحقیقت نفرت رکھتے تھے - اور اس کو مردہ دیکھنے کے خواھش مند تھے -..

"خواب میں ایک عورت نے اپنے اکلوتے جوان بیٹے کو ایک بکس میں مرا ھوا پایا" —

معلوم ھوا کہ اس زمانے میں جب کہ اس کا لڑکا اس کے رحم (بکس) میں تھا خاوند سے ناچاقی ھوگئی - اس ناچاقی کی بنا پر عورت نے فی الحقیقت یہ خواھش ظاھر کی "کاش! جو کچھہ میرے رحم میں ھے مرجائے" - چنانچہ اس نے حمل گرا دینے کی ناکام کوشش بھی کی - عورت اس ممتنع خواھش کو پا کر حیران رہ گئی —

اگر خواب دیکھنے والا اپنے عزیز کی موت سے خواب میں غم کا اظہار بھی کرے اور اس کے دل پر چوٹ سی لگے تو اس قسم کے

خواب بغیر کسی قسم کی تمہید یا "ائتلاف اختیاری" کی مدد سے حل کئے جاسکتے ہیں - یعنی ان کی تعبیر ہمیشہ یہی ہوگی کہ خواب دیکھنے والا بچپن کے فراموش شدہ زمانے میں اپنے اس عزیز سے نفرت رکھتا تھا - اور اس کے چلے جانے کا خواہش مند تھا * - لیکن اگر خواب دیکھنے والے پر غم کی کیفیت طاری نہ ہو تو وہ بغیر تمہید کے حل نہیں کیا جا سکتا - اس صورت میں کسی عزیز کی موت کے ساتھ کوئی اور خواہش تعلق رکھتی ہے - "فراڈ" کی ایک مریضہ کے مندرجۂ ذیل خواب سے یہ خواہش بخوبی ذہن نشین ہوسکتی ہے —

ایک نوجوان عورت فراڈ کے نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لئے اپنا خواب بیان کرتی ہے †:—

"آپ کو معلوم ہوگا کہ اب میری بڑی بہن کا صرف ایک ہی لڑکا "چارلس" رہ گیا ہے - میں اس کے پاس ہی رہا کرتی تھی کہ اس کا بڑا لڑکا "آٹو" مرگیا - "آٹو" کو میں بے انتہا چاہتی تھی - حقیقت میں اس کی پرورش میں نے ہی کی تھی - میں چاہتی تو چارلس کو بھی ہوں لیکن اتنا نہیں - اب میں نے کل رات خواب میں اپنے سامنے چارلس کو مرا

---

* بچے موت کے لفظ سے ناواقف ہوتے ہیں - جب کوئی مرجاتا ہے تو ان پر یہی ظاہر کیا جاتا ہے - اور وہ بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ وہ کسی کے ہاں یا بغرض علاج کسی ڈاکٹر کے پاس گیا ہے - چنانچہ وہ کئی کئی ماہ تک اس کی واپسی کے منتظر ہوتے ہیں - اور گھر والوں سے اس کی آمد کے متعلق پوچھتے بھی رہتے ہیں —

† فراڈ - تعبیر خواب - ۱۹۳۲

ہوا دیکھا ہے - اس کی نعش چھوٹے سے صندوق میں پڑی ہوئی
تھی - اس کے ہاتھ بندھے ہوے تھے - اور چاروں طرف
موم بتیاں روشن تھیں - قصہ مختصر' یہ منظر بالکل آتو کی
موت کی مانند تھا - اس خواب سے میرا دل سخت زخمی
ہوگیا ہے - فرمائیے اس کا کیا مطلب ہے ؟ کیا میں اتنی
بری ہوں کہ اس کے اکلوتے بیٹے کی موت کی خواہشمند
ہوں ؟ - کیا اس خواب کا یہ مطلب ہے کہ آتو کی بجائے
چارلس مر جاتا ؟ "

فرائڈ نے اسے یقین دلایا کہ یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں -
کچھہ عرصہ غور کرنے کے بعد اس خواب کی تعبیر کی گئی جو اس کی
گذشتہ زندگی کے واقعات سے وابستہ تھی - عورت نے خواب کی
تعبیر قبول کر لی —

چھوٹی عمر میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے اس کی پرورش اس
کی بڑی بہن نے کی - گھر آنے جانے والوں میں سے ایک شخص نے اس
کے دل پر قبضہ جما لیا - ان کے باہمی تعلقات سے معلوم ہوتا تھا کہ ان
کی محبت کا لازمی نتیجہ شادی ہوگا - لیکن یہ رشتہ اس کی بہن نے چند
وجوہ کی بنا پر منقطع کر دیا - اس واقعے کے بعد اس شخص نے اس گھر
میں آنا جانا بند کر دیا - "آتو" کی موت کے بعد مریضہ نے اس سے خود
ملنے کی آزادی حاصل کر لی- مریضہ کے محبوب کو ' جو پروفیسر تھا '
جب کہیں تقریر کرنی ہوتی تو حاضرین میں وہ بھی ضرور ہوتی-
لیکن اس کی یہ انتہائی کوشش ہوتی کہ پروفیسر اسے دیکھنے نہ پائے -
فرائڈ کو یہ بھی یاد آیا کہ خواب سے ایک دن پہلے اس نے اسے بتایا

تھا کہ وہ اس پروفیسر کو دیکھنے کے لیے ایک جلسے میں جانے والی ھے۔ یہ جلسہ اسی دن منعقد ہونے والا تھا - اور داخلے کا ٹکٹ بھی اس کے پاس موجود تھا - تعبیر اب بالکل صاف تھی - فراڈ نے اس سے استفسار کیا کہ کیا آٹو کی موت کے بعد وہ کوئی ضروری واقعہ دھرا سکتی ھے؟ اس نے جواب دیا کہ ھاں کیوں نہیں - پروفیسر اسی دن ایک طویل مدت کے بعد واپس آیا اور میں نے اس کو آٹو کی نعش کے پاس ایک نظر دیکھا " - یہ واقعہ فراڈ کے خیال کے مطابق تھا - خواب کی تعبیر یہ تھی- "اگر دوسرا بچہ بھی مر جائے تو یہ واقعہ ظہور میں آئے گا - پروفیسر اس کی بہن کے پاس بغرض افسوس ضرور آے گا - اور مریضہ اسے ایک دفعہ پھر دیکھ سکے گی - یہ خواب محض پروفیسر کو دو بارہ دیکھنے کی خواھش ھے جس کو وہ دبا دینے کے لیے کافی کوشش کر رھی تھی - یہ خواب بے صبری کا خواب تھا - اور اس نے اپنی بے صبری کی وجہ سے پروفیسر کو ایک دن قبل خواب میں دیکھ لیا " —

خواب کی تعبیر

اوپر درج کیا جا چکا ھے کہ تعبیر خواب کا مخصوص طریقہ " ائتلاف اختیاری " ھے - اگر مزاحمت معمولی ھے تو خواب کے معانی بہت جلد واضح ھو جائیں گے - کیونکہ اس صورت میں بے شعور خیال خواب کے مطلب سے اتنا بعید نہیں ھوتا - اور چند ھی (بلکہ اکثر اوقات ایک ھی) ائتلاف سے مطلب واضح ھو جاتا ھے - لیکن اگر بے شعور خیال بے شعوری میں کافی طاقت حاصل کر چکا ھے تو اس خیال کو شعور میں لانے کے لیے کافی جد و جہد کرنی پڑتی ھے - ھم یہ دیکھ چکے ھیں کہ خواب کی ممتنع خواھش کس طریقے سے شعور میں داخل کی جاتی ھے - لیکن ان اقسام کے خوابوں میں خواھش والا عنصر بالکل صاف تھا-

اب ہم تعبیر کے ذریعے دیکھتے ہیں کہ آیا ہمارے عام خواب اس نظریے کے مطابق ہیں ؟

مکمل خواب کی تعبیر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی عنصر کی تحلیل کی جائے - تحلیل سے پہلے ہمیں تعبیر خواب کے قوانین کو بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے - کیونکہ ان پر عمل کیے بغیر تعبیر ناممکن ہے - یہ درست ہے کہ پہلی مرتبہ خیالات لاکھوں کی تعداد میں ذہن میں آئیں گے - لیکن خیالات کی بہتات سے گھبرانا نہیں چاہئے - کیونکہ انہیں خیالات کے اندر تعبیر پنہاں ہے - اگر ہم اپنا خواب درج کریں تو معلوم ہوگا کہ جو خیالات اس کے ضمن میں آتے ہیں وہ اصل خواب سے کئی گنا زیادہ ہیں - جب خیالات ذہن میں آجائیں تو ان میں سے ایسے خیالات چن لینے چاہئیں جو کسی ایک طریقے سے خواب کے ساتھہ وابستہ معلوم ہوتے ہوں - سب سے پہلے ہم صرف خواب کے ایک عنصر کی تعبیر کرتے ہیں تاکہ ائتلاف اختیاری کا طریقہ بخوبی ذہن نشین ہو سکے —

(۱) ایک شخص خواب میں ایک واقف خاتون کو نالی سے باہر کھینچتا ہے - ائتلاف اختیاری کے ذریعے اس نے خواب کا مطلب پہلی مرتبہ ہی معلوم کر لیا - خواب کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس عورت کو "چن" لیا - یعنی دوسری خواتین پر (شادی کے معاملے میں ؟) اس کو ترجیح دی —

(۲) میرے ایک دوست خواب میں اپنے کو ایک حسینہ کے ساتھہ کمل اوڑھ کر ' چار پائی پر سوئے ہوئے دیکھتے ہیں - میرے یہ دوست اس حسینہ کے ساتھہ شادی کرنے کے از حد خواہش مند تھے اور

وہ حسینہ بھی رضا مند تھی - دونوں پوشیدہ طور پر ملا بھی کرتے تھے - لیکن لڑکی کے والدین نے اس کی شادی کسی اور جگہ کردی - کافی مدت کے بعد جب میرے دوست کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہونے والی تھی تو انہوں نے یہ خواب دیکھا اور ان کی یہ خواہش خواب میں پوری ہوگئی - کمل اوڑھنے کے متعلق ائتلاف اختیاری سے معلوم ہوا کہ وہ کہیں بھاگ کر اپنے تئیں ظلمت (یا گم نامی) کے پردے میں نہاں کرنے کے از حد خواہش مند تھے - لیکن چند وجوہ سے وہ ایسا نہ کرسکے - (کمل اوڑھنا : دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانا - کسی ایسی جگہ چلا جانا جہاں سے کوئی سراغ نہ لگا سکے) —

(۳) " ایک عورت حج کے ارادے سے اسٹیشن پر جاتی ہے " - معلوم ہوا کہ اس کے گاؤں میں ایک حجن ہے جو حج کرنے کے بعد لوگوں کو فریب سے لوٹتی ہے - اس کے مکر و فریب کا جال اتنا وسیع ہے کہ لوگ ایک دوسرے میں نفاق ڈالنے کی غرض سے اس کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں - عورت اپنے کو زاہدہ و عابدہ ظاہر کئے ہوئے ہر قسم کے تعویذ لکھا کرتی ہے - خواب دیکھنے والی بڑی اس کی معتقد ہے - اب جب کہ حجن کہیں جانے والی ہے یہ عورت اس کے شروع کئے ہوئے کام کو فروغ دینے کی خواہش مند ہے - لیکن جب تک وہ خود حجن بن کر لوگوں میں اپنا رسوخ پیدا نہ کرلے بہ ظاہر اس کی گدی پر بیٹھنا مشکل معلوم ہوتا ہے - اسی لئے خواب میں وہ حج کرنے جاتی ہے کہ اس حجن کے جانے سے پیشتر اس کام کو سنبھالنے کے قابل ہو جائے (یہ سب خیالات عورت کے

اپنے ہیں جو اس نے مجھہ سے بیان کئے) —

اب ہم فرائڈ کی ایک مریضہ کا مکمل خواب درج کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ہم پورا خواب تعبیر کرنے کے قابل ہوگئے ہیں ؟

" ایک نوجوان عورت ' جس کی شادی کو کافی عرصہ ہوگیا تھا یہ خواب دیکھتی ہے :- وہ اپنے خاوند کے ساتھہ تھیئٹر میں ہے - بنچوں کی ایک رو بالکل خالی ہے - اس کے خاوند نے اس کو بتایا کہ ایلیز - ل (Elise - L) اور اس کے محبوب نے اندر آنا چاہا - لیکن وہ صرف ناموزوں جگہ حاصل کرسکے - تین سیٹیں ڈیڑھ فلارن کے عوض اور وہ یقیناً یہ جگہ نہیں لے سکتے - عورت نے جواب دیا کہ اس کے خیال میں اس طریقے سے انہوں نے کوئی اتنا خسارہ نہیں اٹھایا "

" مریضہ نے بتایا کہ اس خواب کی وجہ " ل " کے متعلق ایک خبر ہے جس سے اس کے خاوند نے اس کو ایک دن قبل مطلع کیا کہ " ل " کی ' جو اس عورت کی تقریباً ہم عمر تھی منگنی ہو گئی ہے - بلا شک و شبہ خواب اس خبر کا رد عمل ہے - " خالی رو " کے متعلق عورت نے ائتلاف اختیاری کی مدد سے بتایا کہ یہ گذشتہ ہفتے کے ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے - اس نے تھیئٹر میں ایک خاص کھیل دیکھنے کے ارادے سے قبل از وقت زیادہ قیمت دے کر ٹکٹ خرید لئے - تھیئٹر جاکر معلوم ہوا کہ اس کا یہ خیال ' کہ بعد میں تمام جگہ پر ہو جائے گی بے بنیاد تھا کیونکہ بنچوں کی ایک رو بالکل خالی تھی - اگر وہ کھیل والے دن ہی ٹکٹ خرید لیتی تو کوئی مضائقہ نہ

تھا اچھی جگہ بھی مل جاتی اور اس کا خاوند بھی اس کی تعجیل پر معترض نہ ہوتا " تیرہ فلارن کا کیا مطلب ہے ؟ " اس کا بھی ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے جس کا بظاہر خواب کے ساتھہ کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا - خواب سے ایک دن قبل اس نے سنا کہ اس کی نند کو اس کے خاوند نے ۱۵۰ فلارن تحفے کے طور پر پیش کئے اور وہ تحفہ لیتے ہی " بہت جلد " جوہری کی دوکان پر گئی اور تمام کا تمام روپیہ وہاں کسی زیور پر خرچ کر دیا - " نمبر تین " کے متعلق اس نے کوئی خیال ظاہر نہ کیا سوائے اس کے کہ اس کی سہیلی " ل " اس سے صرف تین ماہ چھوٹی ہے درحالیکہ اس کی شادی آج سے دس سال قبل ہوگئی ہے - " دو آدمیوں کے لئے انہوں نے تین ٹکٹ کیوں خریدے ؟ " اس کے متعلق وہ کوئی اطلاع نہ دے سکی —

مندرجہ بالا خیالات کی مدد سے اب ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ خواب کے بے شعور معانی معلوم کرسکیں - ان خیالات سے معلوم ہوگا کہ وقت کے متعلق اشارات قابل غور ہیں - اس نے تین ٹکٹ " بہت جلدی " خریدے اتنی جلدی کہ اس کو مقررہ قیمت سے کچھہ زیادہ ادا کرنا پڑا بعینہ اس کی نند تحفہ لیتے ہی فی الفور جوہری کی دکان پر گئی اور وہاں اس نے " اتنی جلدی " زیور خریدا کہ گویا وہ کچھہ گم کرنے والی تھی - اگر " بہت جلدی " - " اتنی جلدی " - " فی الفور " وغیرہ کا خواب کے ساتھہ کسی قسم کا تعلق ہے (یعنی یہ خبر کہ اس کی ایک سہیلی نے ' جو اس سے صرف تین ماہ چھوٹی ہے ' آخر کار اچھا

خاوند پالیا ہے) نیز اس کی نند کے واقعات کے ساتھ، کہ اس کی اتنی تعجیل حماقت تھی، تو ہم خواب کا بے شعور مطلب اس طریقے سے واضح کریں گے —

"حقیقتاً یہ میری حماقت تھی کہ میں نے شادی کرنے میں اتنی جلدی کی۔ "ل" کی مثال سے واضح ہے کہ آخر کار مجھے بھی کوئی موزوں خاوند مل ہی جاتا'۔ (اس کی یہ تعجیل اس کے جلدی میں ٹکٹ خریدنے اور اس کی نند کے زیور خریدنے سے واضح ہوتی ہے) تھیٹر جانے کا اشارہ اس کی شادی کی طرف ہے۔ خواب کا اصل مطلب تو یہی ہے لیکن ہم اس کو اور واضح بھی کر سکتے ہیں، گو اتنے یقین سے نہیں؛ کیونکہ یہ تشریح عورت کے خیالات سے مستحکم نہیں ...
... "اور ممکن تھا کہ میں رقم سے سو گنا بہتر پالیتی۔'
(۱۵۰ فلارن ڈیڑھ فلارن ۵۰-۱' سے سو گنا زیادہ ہیں) اگر روپیہ کی بجائے جہیز رکھ لیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ خاوند جہیز سے خریدا جاتا ہے۔ زیور اور ناموزوں جگہ دونوں خاوند کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ رشتہ اور بھی زیادہ واضح ہوسکتا ہے اگر ہم "تین ٹکٹوں" اور "خاوند" کا تعلق سمجھ سکیں۔ لیکن ابھی ہم اس علامت کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوئے * ۔ اب خواب کے اصل اور

---

* ہم مخصوص علامات کے ضمن میں دیکھیں گے کہ بعض مخصوص نشانات کس طرح بعض اشیا کو رمز کے طور پر واضح کرتے ہیں - مثلاً

(نوٹ بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بے شعور معنے بالکل صاف ھیں - یعنی خواب عورت کے خاوند کے متعلق ھے اور عورت اتنی جلدی شادی کرنے پر متاسف نظر آتی ھے —

" عورت خواب کی یہ تعبیر سن کر حیران رہ گئی - لیکن اس نے مان لیا کہ معاملہ ایسا ھی ھے - لیکن اب تک اسے اس بات کا علم نہ تھا کہ اپنے خاوند کے متعلق اس کا یہ خیال ھے - اور نہ ھی اس بات کا کہ وہ کیوں اپنی اس تعجیل پر افسوس ظاھر کرتی ھے - لیکن ابھی ھم اس بات کے قابل نہیں ھوئے کہ اس نقطے کو اور زیادہ سلجھا سکیں - کیونکہ فی الحال خواب کے بے شعور خیالات کے متعلق ھمارا علم بہت ھی ناکافی ھے " † —

مندرجہ بالا خواب سے ھم یہ نتائج نکال سکتے ھیں :—

(۱) خواب کے مطالب کے متعلق ھم نے دیکھا ھے کہ خواب میں زیادہ زور تعجیل پر دیا گیا ھے - لیکن اصل خواب میں اس کا کوئی اتنا ذکر نہیں - بغیر تعبیر کے یہ مطلب معلوم کرنا ھمارے لئے ناممکن تھا - یہاں سے یہ بھی واضح ھوتا ھے کہ خواب کے بے شعور

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۸۳)

تین کا عدد مرد کے عضو مخصوص کی علامت ھے اور اس صورت میں خاوند کو ظاھر کرتا ھے - یعنی اتنی قیمت (جہیز) دے کر اس نے تین ٹکٹ (خاوند) خریدے - اب مخصوص علامت بالکل واضح ھے —

† فرائڈ : تمہیدی لکچرز - ۱۹۳۰

Freud: Introductory Lectures. (Allen and Unwin)

خیالات اصل خواب میں بالکل موجود نہیں ہوتے ایسے خیالات
صرف « ائتلاف اختیاری » کے ذریعے سے ھی سمجھہ میں آسکتے ھیں -
اس لئے تعبیر کے وقت اس بات کا مطلق خیال نہ کرنا چاھئے
کہ فلاں خیال اصل خواب میں موجود نہیں —

(۲) خواب میں خیالات کا آپس میں جو تعلق ہوتا ھے بظاھر وہ بالکل
مہمل معلوم ھوتا ھے اس خواب میں کتنے مختلف خیال ھیں - جو
بظاھر بے ربط معلوم ھوتے ھیں - ھم نے صرف خیالات کی مدد سے
تعبیر کی کہ شادی کے معاملے میں اتنی تعجیل حماقت تھی —

(۳) خواب پر غور کرنے سے معلوم ھوگا کہ اصل خواب اور اس کے
مطالب کا رشتہ بہت ھی پیچیدہ ھے ھم یہ نتیجہ بھی نکال سکتے
ھیں کہ یہ ضروری نہیں کہ مطالب میں اصل خواب کے عناصر
بھی موجود ھوں —

اب باقی رھا یہ سوال کہ اس پیچیدگی کی وجہ کیا ھے ؟ جب
ھم اس موضوع پر اور زیادہ روشنی ڈالیں گے تو اس کی وجہ
بخوبی سمجھہ میں آجائے گی - جو اصحاب اس موضوع سے کچھہ دلچسپی
لیتے ھیں ان کی خدمت میں یہ عرض ھے کہ اپنے خواب ضرور بھی
ثبت کرتے رھیں - کیونکہ بعد میں یہ کام آئیں گے اور ان کی مدد سے
مضمون بخوبی ذھن نشین ھو جائے گا —

پانی

از

رفعت حسین صاحب صدیقی، ایم، ایس، سی، ایل ایل، بی (علیگ) ریسرچ
انسٹی ٹیوٹ طبیہ کالج - دھلی

کون تجھ سے واقف نہیں - کون تیرا محتاج نہیں، سب کو تیری ضرورت، تار حیات تجھی سے قائم، عالم کی ترو تازگی، شگفتگی و شادابی تیرے ھی دم قدم سے ھے - گلوں کی مہک، لالہ کے داغ طائران خوش الحان کی نوا سنجیاں، باد بہاری کی اٹکھیلیاں تیری ھی مختلف شکلیں ھیں - اگر تو نہ ھو، سلسلہ حیات ختم ھوجاے - آنکھیں سبزے کو ترس جائیں - پھر پھل پھلاری باقی رھے تو کیسے اور بزم جہاں میں چہل پہل ھو تو کیونکر —

کیا کیا خوبیاں تجھہ میں مضمر ھیں کہ اگر تیرا ایک قطرہ سیپی کے مونہہ میں جائے تو گوھر نایاب ھو، اگر وھی سانپ کے مونہہ میں جائے تو زھر جاں گداز، تو کبھی رحمت باری تعالی ھے اور کبھی قہر الہی - امت نوح نے تیری روپہلی وسیماہی چادر میں ھمیشہ کے واسطے ملبوس ھونا پسند کیا - فرعون اور اس کے شیدایوں پر تیرا ھی آبی پردہ پڑا - درد بنتا ھے تیرا حد سے تجاوز کرنا - جیسے تیری کثرت قیامت خیز ھے اس سے زیادہ تیری قلت درد انگیز - قحط کے

مصائب کسے معلوم نہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور باپ کے ملاپ کا باعث تو ھی ھوا - افریقہ کے ریگستان کے صحرائیوں سے عرب کے بادیہ نشینوں سے کوئی تیری ستم ظریفی پوچھے - محروم القسمت خطہ ھائے ارض کی تنہا سواری اشتر جفاکش کا (جس کو صحیح طور پر جہاز صحرا سے تعبیر کر سکتے ھیں) گرمی و خشکی کا مارا ھوا دماغ کسی سر سبز نخلستان سے تیری جان بخش اور روح افزا بو پالیتا ھے تو عجب خوشی و ولولے کے ساتھ بلبلاتا ھوا اس کی جانب تیزی سے گامزن ھو جاتا ھے اور مقام مقصود پر پہنچ کر راکب و مرکب دونوں اپنی مرجھائی روح کو تیرے توسل سے تازہ کرتے ھیں —

تیری فراوانی بھی باعث رنج و محن ھے - ذرا دیکھئے برسات کا موسم ھے، شام کا وقت ھے، ھر طرف اندھیرا چھایا ھوا ھے، جس کے سامنے کاکُل مُشکی کی سیاھی و تاریکی ھیچ ھے بادلوں کے دل کے دل سیاہ مہیب شکلوں میں ھر طرف سے نرغہ کر رھے ھیں - تھوڑی دیر میں تقاطر ھوتے ھی موسلا دھار پانی برسنے لگا - کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی - گاھے گاھے بجلی کی گرج و چمک کسی غصہ ناک محبوبہ کی یاد کو تازہ کرتی ھے جس کی تاب نہ لاکر اور سہم کر اس کے شیدائی آنکھیں بند کر لیتے ھیں اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے ھیں - نیک بندے خدا سے پناہ مانگ رھے ھیں - مفلسوں کی جھونپڑیوں کا تو ذکر ھی کیا ھے - امیروں کے عالیشان محل بھی مائل بہ خاکساری ھیں - تمام ندی نالے ایک ھیں - ایک ذرا سیلابی کیفیت پیدا ھوئی اور گویا انسان و حیوان تیری زد میں آتے ھی اک پریشانی و سراسیمگی کی حالت میں خس و خاشاک کی طرح افتاں و خیزاں تیرے ساتھ

ھمرکاب ھیں - تو اپنے غیض و غضب کی حالت میں کسی کو بھی خاطر تلے نہیں لاتا - تیرے اس غیض و غضب نے ھی تجھے دیوتا کا خطاب دلوایا - تیری پرستش ھوئی - تجھہ پر چڑھاوے چڑھے مگر تو اپنی آن بان پر قائم رھا - سچ ھے —

موت نہ دیکھے رانک کا پتر - آگ نہ دیکھے کہ چھان نئی ھے
برسانہ دیکھے - اوسر بنجر - برست ھی ساری رات نئی ھے

تیری لطافت اور تیرا فیض سب پر بلا امتیاز عام ھے - بحر و بر - دشت و در نشیب و فراز ھر جگہ تیری کارفرمائی یکساں جاری ھے —

باراں کہ در لطافت طبع خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

تیری جس قدر تعریف کی جائے کم ھے - خواہ مدح سرائی کی شکل میں ھو یا نوحہ خوانی کی - کیا کبھی کسی نے تیری عمر کی طرف بھی غور کیا ھے ؟ تیری عمر کا کوئی یقین نہیں - مخلوق عالم نے جب آنکھہ کھولی تو موجود تھا - بائرن (Byron) نے کیا خوب کہا ھے —

" Time writes no wrinkle on thy azure brow such as creations dawn beheld, thou rollest now ! "

شاعر نے غالباً محسوس نہ کیا ھوگا کہ اس کے الفاظ کس قدر پراز صداقت ھیں جس کا ثبوت ھم کو ارضیات سے ملتا ھے اس لئے کہ زمانۂ بعید میں زمانۂ حال کی طرح سمندر تھے - ان میں طوفان کا تلاطم تھا ، مد و جزر تھا اور وہ بے شمار قسم کی مخلوق کے

گہوارے بھی تھے - سمندر میں کوئی تبدیلی و تغیر پیدا نہیں ہوا ہے حالاں کہ خشکی کی حالت بدلتی رہی ہے - ابتدائی سمندروں کی امواج جن ساحلوں سے ٹکراتی تھیں اُن کو غائب ہوئے زمانہ گذر چکا ہے اور اس وقت جو زرخیز جزیرے اور بڑے بڑے براعظم مختلف قسم کی مخلوق کا مولد و مسکن تھے - اب غرق آب ہیں —

ابتدائی سمندر وجود میں آنے کے بعد اس تمام زمانے میں بھی جو کہ ارتقائی منازل و مراحل میں دو جوہریے (Diatom) جو بڑے بڑے درخت اور حیوانیے (Animalcule) کو انسان ہونے میں لگا اور جس میں کل مخلوق کی ارتقا ہوئی اس کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی وہ جیسا کل تھا ویسا ہی آج ہے اور ایسا ہی ہمیشہ رہے گا - ساحل سمندر کے پانی کی پھوار جو ہمارے چہروں پر آتی ہے اسی میں پودے و حیوانات جو کروڑہا برس پہلے بقید حیات تھے غسل کر چکے ہیں - اور آئندہ نسلوں کو بھی یقیناً یہی تجربہ ہوگا - سمندر کے مقابلے میں انسان کی عمر کی کوئی حقیقت نہیں —

سمندر کی عمر کا تخمینہ ممکن ہے - پروفیسر جولی (Joly) نے معلوم کیا ہے کہ اگر نمک کی مقدار کا اندازہ لگائیں جو دریاوں سے سمندر میں سالانہ شامل ہوتی رہتی ہے اور جو اب اس میں موجود ہے تو اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سمندر کو وجود میں آئے ہوے کم از کم دس کروڑ سال ضرور گذرے ہوں گے —

ہمارے کرے پر پانی کی مقدار فی الواقع بہت ہی زیادہ ہے - صرف سمندر کے پانی کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو اس سے اس

قدر بڑا کرہ بنے گا جس کا قطر ۸۰۰ میل ہوگا * سطح کروی کا تین چہارم حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے - سمندر کی اوسط گہرائی ۱۴۶۴۰ فٹ یا تقریباً تین میل ہے اور انتہائی ۳۱٫۰۰ فٹ یا ۶ میل ہے اس گہرائی میں خاموشی مطلق اور تاریکی ایک زمانے سے حکومت کر رہی ہے - ان بے پایاں وادیوں کو کسی فرد بشر نے کبھی نہیں دیکھا ہے ان کے کناروں سے کوئی موج کبھی نہیں ٹکرائی ہے اور بیرونی روشنی نے ان کے عظیم ڈھلواں مقاموں کو کبھی نہیں جگمگایا ہے - ان کا پانی پگھلے ہوے برف جیسا سمندر ہے - ان خاموش و تاریک وادیوں میں بے انتہا بار ہے - تقریباً چھہ ٹن فی مربع انچ ہوگا - مضبوط ترین جوشدان جو دست انسانی نے تیار کیا ہے وہ اس دباو کی تاب نہ لاسکے گا اور کاغذ کی طرح پھٹ جائے گا لیکن باوجود اس کے وہاں جانداروں کی دنیا آباد ہے - ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہوں گے جن سے انسان قطعاً واقف نہیں ــــ

پانی جو دریاؤں میں ہے ' سمندروں میں ہے اور تقریباً ہر جگہ جاری و ساری ہے' اگر ہم اس کے تخلیق و آفرینش کے مسئلے پر غور کریں تو ہمارے توسن خیال کو زمانے کی ایسی عمیق فضا میں پرواز کرنا ہوگا جس کے وجود و دور دورے کا پتہ تاریخ ارض شروع ہونے سے کہیں پہلے ملتا ہے جب کہ ہمارا جہان اس گیسی سحابیہ کا ایک جزو تھا جس سے نظام شمسی کی تعمیر و ارتقا عمل میں آئی ہے - اس سحابیہ میں آکسیجن و ہائڈروجن گیسیں موجود تھیں - آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوکر یہ گیسیں آبی بخارات کی شکل

---

* The story of our planet by Bonney. p. 14.

میں متحد ہوگئی - اس سحابیہ سے جب کہ ہمارے جہان کی تکثیف سفید گرم سیال کی شکل میں ہوئی تو اس پر نظر نہ آنے والے آبی بخارات کا ایک غلاف قائم ہوا اور بھاپ کے انتہائی زبردست دل کے دل بادل محیط ہوگئے - پانی کی زبردست مقدار جو اس وقت ایک براعظم سے دوسرے تک پھیلی ہوئی ہے اور تمام جہان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کو زمین کی پگھلی ہوئی سطح زیادہ دباو کی بھاپ کی شکل میں قائم کئے ہوے تھی - بھاپ کا اور دوسری گیسوں کا جو کہ سطح ارضی میں جذب ہوگئیں بے انتہا بار تھا دس ٹن فی مربع انچ سے ہرگز کم نہ ہوگا - تپش و بار جس کے ہمارے مضبوط ترین انجنوں کے جوشدان متحمل ہوتے ہیں اگر اس کا مقابلہ اس تپش و بار سے کیا جاے جو زمانۂ بعید میں زمین کے جوشدان کے اندر تھا تو ہیچ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ فضا اور ماحول زیادہ عرصے تک نہ رہا - درجۂ تپش میں کمی آنا شروع ہوئی - کہاں تو وہ سفید گرم تھا اور اب سرخ حرارت کا رہ گیا - جب اس کا درجۂ تپش ۳۷۰ درجہ مئی پر پہونچا تو کرہ کی سطح نے پہلی مرتبہ آبی جامے کا مشاہدہ کیا - یہ وہ بلند درجۂ تپش ہے جس پر زیادہ بار کے ساتھہ بھاپ کی تکثیف پانی کی شکل میں ہوتی ہے -

ہمارے سیارے کی تاریخ میں یہ عجیب و غریب دور تھا - لارڈ کیلون کا خیال ہے کہ تمام پانی جو روئے زمین پر ہے اس کو بھاپ سے مائع حالت میں آنے کے واسطے زیادہ سے زیادہ سو سال لگے ہوں گے ابتداءً نائگرا آبشار کی طرح ۳۷۰ درجۂ تپش پر سرخ گرم بارش ہوئی - پانی جو آسمان سے زمین پر برسا اس کا اندازہ لگانا کوئی

آسان کام نہیں ھے - مونھہ چڑانے اور بات بنانے کے واسطے ان ابتدائی بارشوں کی صرف جھلک ان سمندری فواروں سے معلوم ھوسکتی ھے جو گرم ملکوں کے سمندروں میں اپنی سفاکیاں دکھاتے ھیں اس لئے کہ ھمیشہ پانی کی زیادہ مقدار کی تکثیف ھوا کے بالائی بارد طبقوں میں ھوتی ھے اور وہ زمین کی سرخ گرم سطح پر مسلسل آتی رھتی ھے - اور بڑے بڑے دھماکوں میں پگھلے ھوئے سنگ و خشت سے ملکر پھر بلندی پر پہونچ جاتی ھے - وہ جہاں کیسا عجیب و غریب معلوم ھوتا ھوگا - ذرا اپنے مرکب تخیل کی کامزنی کیجئے اور خیال کیجئے کہ اس کی سطح مادئی آتش کا ایک زبردست میدان ھے - نیچے کی پگھلی ھوئی چٹانوں کی چمک دمک کی وجہ سے اوپر بھاپ و بخارات کے بادل سرخ آتشی ھو رھے ھیں - نیچے ھوائی طوفان ' ان طوفانوں سے کہیں زیادہ خطرناک جن کا کہ آج کل ھم کو تجربہ ھے مسلسل طریقے سے شعلہ انگیز سمندروں میں بخارات کا زبردست تموج پیدا کر رھے ھیں گویا کہ فرش سے عرش تک ایک آتش خانہ ھے —

یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رھا جب کہ زمین پر پہلی جامد تہہ قائم ھوئی (غالباً ۱۰۰۰ درجہ مئی پر) اور پھر چند ھزار سال بعد اس کا درجۂ حرارت ۱۰۰ درجہ ھوگیا - قلکیوں کا بیان ھے بشرطیکہ ھم اس کو قابل وثوق سمجھیں کہ یہ مناظر اب بھی مشتری' زحل' نپتون و یورانس کے وسیع سیاروں میں مشاھدے میں آرھے ھیں لیکن جب ھم ان کو شب کے وقت آسمان پر نہایت اطمینان کے ساتھہ چمکتا ھوا دیکھتے ھیں تو ھمارے دلوں میں ان

کے متعلق مختلف قسم کے شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں —

سمندروں کا درجۂ تپش تیزی سے کم ہونا شروع ہوا اور بالآخر وہ ۵۵ درجہ مئی ہوگیا - یہ وہ درجۂ تپش ہے جس پر بعض کائی (Algae) اور بحری سوار (Seaweeds) کا وجود نیوزی اینڈ و امریکہ کے گرم چشموں میں پایا جاتا ہے - اس وقت سے سمندروں کا درجۂ تپش برابر کم ہورہا ہے - اس کی پرانی اور موجودہ تپشوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین بود و باش کے واسطے کب قابل ہوئی - ارھینس کے قول کے مطابق سمندر بننے کے کچھہ ہی عرصے بعد وہ اس لائق ہوگئی کہ چہل پہل ہوسکے —

قارئین کو یہ نہ خیال کرلینا چاہیئے کہ اب زمین بالکل سرد ہوگئی ہے - اس کا اندرونی حصہ اب بھی سفید گرم ہے غالباً اسی قدر گرم ہے جتنا کہ گیسی حالت میں تھا - ماحول کی فضا کی تپش سے اس کی سطح کا بھی درجۂ تپش ۳۰۰ درجہ زائد ہے - فی الواقع اس مخلوق کے واسطے جو ماحول کی سردی و تاریکی کی عادی ہے (کیونکہ ہمارے سورج سے بہت ہی دور کی فضا شب دیجور سے زیادہ تاریک ہے اور صفر مطلق کی تپش سے زیادہ سرد ہے) ان کے واسطے یہ جہان اس قدر گرم ہوگا جتنا ہمارے واسطے پگھلا ہوا سیسہ - یہ ذہن نشین ہونا چاہیے کہ زمین کی سطح اب بھی اس قدر گرم ہے کہ اس کا تین چوتھائی حصہ پگھلی ہوئی حالت میں ہے - پانی پگھلی ہوئی چٹان کے سوا اور کچھہ نہیں ہے - برف کو بھی چٹان کہلائے جانے کا وہی حق حاصل ہے جو کہ کوارٹز و گرینائٹ

کو - زمین کے دور اولین میں یا اس کے نوخیزی کے زمانے میں گرینائٹ اور کوارٹز کے پگھلے ہوئے سمندر تھے جیسے کہ آج کل برف کے ہیں —

ٹھنڈے ہونے کے عمل کا ابھی اختتام نہیں ہوا ہے - زمین برابر ٹھنڈی ہو رہی ہے - یقیناً ایک روز ایسا آئے گا جب کہ موجودہ اوسطی درجۂ تپش کے بجائے اس کا درجۂ تپش تقریباً ۲۷۳ - ہو جائے گا - یہ تپش صفر مطلق کی ہے - سطح ارضی کی موجودہ تپش کا انحصار سورج کے اشعاع (Radiation) پر ہے - حرارت کی مقدار جو چھن چھن کر آتی ہے وہ سطح زمین کو اس کے اچھے موصل نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ گرم نہیں کر سکتی - جب سورج کی روشنی و حرارت میں کمی واقع ہوگی تو زمین بھی سرد ہونا شروع ہو جائے گی - اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ رفتہ رفتہ سورج کی حرارت کم ہو رہی ہے - کم ہوتے ہوتے وہ ماند پڑ جائے گا - اور بالآخر یہ چراغ جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے خاموش ہو جائے گا اور زمین تاریکی و ویرانی کا مرکز ہوگی لیکن اس امر کا فیصلہ قطعی مستقبل کی تحقیقات پر ہوگا کہ ان نتائج میں کس قدر تخفیف و ترمیم کی ضرورت ہے کیونکہ حرارت خارج کرنے والی ریڈیم کا دور دورہ سورج و زمین میں ہر جگہ موجود ہے —

دور حاضرہ میں ہمارے جہان کا درجۂ تپش اس سے کچھ ہی زیادہ ہے جس پر تمام پانی جامد شکل اختیار کر لیتا ہے - اور یہ عمل انجماد شروع بھی ہو گیا ہے - ایسے بڑے بڑے خطے موجود ہیں جہاں

تمام مستقبل طریقے سے برف کی صورت میں ہے - یہ خطے بڑھتے رہیں گے یہاں تک کہ سب بحر اعظم اور بحیرے منجمد ہوجائیں گے اور ان کی تہہ سے لے کر اوپر تک برف کی ایک زبردست چٹان ہوگی - مستقبل کے ساکنوں کو بشرطیکہ کوئی باقی رہے یہ جامد ذخیرے ایسے ہی معلوم ہوں گے جیسے دنیا کے بعض حصص میں سنگ مرمر کی سفید چٹانیں ہم کو معلوم ہوتی ہیں —

پانی صرف زمین ہی پر محدود نہیں ہے - وہ زہرہ سیارے میں بھی ، جو بالکل ہمارے جہان کے برابر ہے ، موجود ہے - اُس کے اوپر ہوا کا کرہ ہے جس میں سفید بادل تیرتے پھرتے ہیں - یہ بادل ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے کرۂ زمین پر ہیں - کروئی تھوئزن (Cruithuisen) اور ترو ویلٹ (Trouvelet) کے مشاہدات سے زہرہ سیارے میں برفانی قطبیں کا پتہ چلتا ہے - غالباً اس سیارے میں بادلوں کے نیچے ہمارے جیسے بحر اعظم اور دریا بھی موجود ہیں - پانی مریخ سیارے میں بھی موجود ہے - اس کے وجود کا یقین کامل اس وجہ سے ہے کہ طیف نما سے اس کا پتہ چلتا ہے - موسم سرما میں اس کے قطبیں پر ہم کو برف جمع ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور موسم بہار میں نہایت تیزی کے ساتھ وہ پانی ہو جاتا ہے - بعض مرتبہ موسم گرما میں سب برف پگھل جاتا ہے حالانکہ ہمارے قطبین میں ایسا کبھی نہیں ہوتا - مشتری ، زحل ، نپتوں جیسے بڑے بڑے سیاروں کی سطح جو گرم پگھلی ہوئی چٹان کی ہے اس پر بھاپ کے زبردست بادل ہیں - لہذا کہا جا سکتا ہے کہ پانی کل نظام شمسی میں موجود ہے - وہ عالمگیر شے ہے - ہر جگہ جاری و ساری ہے —

ہم کو معلوم ہے کہ فضائے بسیط میں بے شمار سورج ہیں اور ہر ایک کے گرد چھوٹے تاریک جہان ہمارے جہان کی طرح گردش کرتے ہیں - پس فوراً ہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں بھی بڑے بڑے بحر' بحیرے اور دریا موجود ہوں گے' اگرچہ ہم نے ان کو دیکھا نہیں ہے' ان کے پانی سورج سے جگمگاتے ہوں گے - اگر ایسا ہے اور شبہ کی کوئی وجہ بھی نہیں معلوم ہوتی تو پانی جو ہمارے کرے پر ہے اور لا انتہا ہے اس کی کچھ بھی حقیقت باقی نہیں رہتی جب کہ اس کا مقابلہ ہم اس زبردست تخیل میں بھی نہ آنے والی پانی کی مقدار سے کریں جو فضا کی گہرائیوں میں موجزن ہے —

اس امر کے متعلق بہت سی شہادتیں ہیں کہ پانی کی موجودہ مقدار گذشتہ زمانے کے مقابلے میں بہت کم ہے - صدیوں سے سمندر سکڑ رہے ہیں اور بالآخر ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ وہ صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائیں گے جیسا کہ چاند میں ہو چکا ہے - چاند میں پیشتر سمندر تھے پانی کے بڑے بڑے خطے تھے مگر اب ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں - سمندر کے نیست و نابود ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمین کے معدنی اجزا مسلسل طریقے سے سمندروں کا پانی جذب کر رہے ہیں —

ملتن چشمۂ حیات (The stream of life) میں بیان کرتا ہے کہ " پانی ہر ایک شے میں سرایت کر جاتا ہے .... تقریباً ہر قسم کی مٹی چقماق' چونا' پھٹکری' و میگنیشیا اس کے زیر اثر ہیں - ہر طرح کی زمین میں حتیٰ کہ سخت ترین زمین میں بھی پانی کی افراط ہے - بہت کم زمینیں ایسی ہیں جن میں پانی گیارھویں حصے سے کچھ کم ہے - بعض میں تو تقریباً ۵۰ فیصدی ہے - وہ ہر چٹان میں سرایت کرتا ہے یہاں

تک کہ ریگ کے پتھر اس سے اس قدر بھر جاتے ھیں کہ صرف ایک کنویں سے ایک دن میں ایک یا دو باہن گیلن پانی نکالا جاسکتا ھے اور چاک میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ ھوتا ھے ..... گریناٹ کے متعلق یہ خیال ھے کہ ھر مکعب گز میں دو گیلن پانی ھے "

معدنیات نے جس قدر پانی سمندروں کا جذب کیا ھے وہ آسانی سے قیاس میں آنیوالا نہیں ھے —

حساب لگا کر معلوم کیا گیا ھے کہ صرف اسی باعث ایک تہائی سے زائد پانی غائب ھو چکا ھے - سمندروں اور جھیلوں کی متصل سطح ارضی ٹپکتی رھتی ھے - اور اس کے سوراخوں سے پانی چھن چھن کر آھستہ آھستہ فوراً بھاپ میں منتقل ھو جاتا ھے اس لیے کہ یہاں انتہائی بار ھوتا ھے اور یہی آتش فشانی کا سبب محرک ھے - زیادہ تر آتش فشاں پہاڑ سمندروں کے یا بڑی بڑی جھیلوں کے قریب ھوتے ھیں —

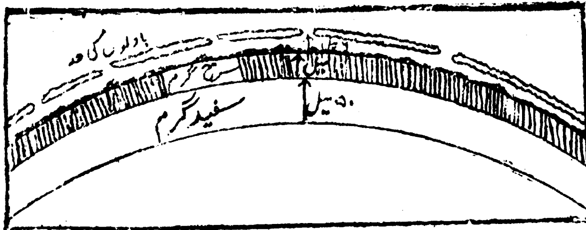
مسٹر گریو (Grew) اپنی دلکش کتاب " جدید علم الارض کی داستان (The romance of modern geology. pp.182,189,190) میں بیان کرتا ھے کہ کس طرح سے سمندر اس انتہائی بار کے باعث جو اس کے بہت گہرے حصوں میں ھے جذب ھورھے ھیں —

" چند سال گذرے کہ ریاستہائے متحدہ کے بعض بحری افسر سمندر کی پیمائش کر رھے تھے تو یہ معلوم ھوا کہ اگر موٹے شیشے کی ھوا بند کھوکھلی گیندوں کو بہت زیادہ گہرائی میں ڈالنے کے بعد نکالا جائے تو وہ کم و بیش پانی سے بھر جاتی ھیں - گیندوں میں پانی کی مقدار کا تناسب گہرائی بڑھنے سے زیادہ ھوتا جاتا ھے - گیندوں کو

بغور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ نہ ٹوٹی تھیں اور نہ چٹخی تھیں - بہترین خوردبین سے بھی ان میں کوئی نشان نہ معلوم ہو سکا - یا بہ الفاظ دیگر یہ ثابت ہو گیا کہ پانی آھستگی سے شیشے کی موٹی دیواروں میں ہو کر (۱۵۰۰۰ پاؤنڈ فی مربع انچ دباؤ پر) ایک گھنٹے سے بھی کم وقفے میں داخل ہوا تھا - لہذا شیشے جیسی شے میں اگر دباؤ کافی ہو تو پانی نفوذ کرسکتا ہے .... سمندر کی گہری جگہوں میں (سمندر کی تلی میں) بھری پانی کا دباؤ بہت زیادہ ہوتا ہے - یہ دباؤ شیشے میں پانی داخل کرنے کے واسطے کافی ہے - پس ظاہر ہے کہ ان میں بہت سے مدخل پیدا ہو جائیں گے اور زبردست بار کے باعث جو سمندر کی انتہائی گہرائیوں میں ہے اُن میں زیادہ تیزی و سرعت کے ساتھ پانی داخل ہوگا - یہ معلوم کرنے کے لیے کہ بار جو سمندر کی گہرائیوں میں ہے وہ پانی کو اپنی متصل سطح ارضی میں پہونچانے کے واسطے کس قدر کارگر ہے یہ ذہن نشین کرنا چاہئیے کہ قوت نفوذ کا انحصار سمندر کی گہرائی پر ہے - سمندر کی بعض گہرائیاں پانچ میل سے زائد ہیں اور زیادہ سے زیادہ گوام (Guam) کے قریب ہے جو کہ ۵۲۸۹ فیدم یا تقریباً چھہ میل ہے - اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جزیرۂ ایلوشین (Aleutian Island) قریب جاپان کے مشرق اور جنوبی امریکہ کے مغرب میں گوام کے قریب ساموا (Samoa) اور نیوزی لینڈ کے درمیان کی گہرائیوں میں سمندر کی

تہہ میں بڑے بڑے مدخل ہیں جو دنیا کو ہلا دینے والے
بڑے بڑے زلزلوں کا سبب محرک ہیں .... ذرا ایسے
مستقل آبی بار کا خیال کیجئے جس سے پانچ میل بلند
فوارہ چھوٹ سکے - ایسا بار بحیرۂ ٹسکرورا (Tuscarora)
میں ہے جو کہ سالہا سال سے صدی بہ صدی چلا آرہا ہے -
اسی بار ہی کے باعث پانی اس تیزی کے ساتھہ زمین
میں نفوذ کرتا ہے اور بڑے بڑے زلزلے اور سمندری
موجیں جن سے کہ جاپان کو مصیبتیں اٹھانا پڑتی ہیں اسی
سے پیدا ہوتی ہیں - صفحۂ ہستی پر موتی سے موتی پتھر
کی چٹان بھی اس بار کی تاب نہیں لاسکتی - پانی سخت
ترین دھات میں بھی سرایت کرتا ہوا امعاء ارضی میں
پھونچ جاتا ہے اور وہاں یہ بھاپ کی شکل میں جمع
ہوتا رہتا ہے تاوقتیکہ کوئی زلزلہ اس کو اس قید
سے آزاد نہ کردے "

زمین کا سفید گرم حصہ بیس تا چالیس میل کی گہرائی سے شروع ہو جاتا



شکل ۱ - طبقات ارض کی تراش

ہے - اس گہرائی کے بعد پانی اور زیادہ نیچے نفوذ نہیں کر سکتا

پانی جب اس حد پر پہونچتا ہے تو وہ بھاپ یا گیس کی شکل میں خارج ہو جاتا ہے —

زمین کا تمام حصہ اگر دفعتاً سرد ہو جائے تو اس کا پانی نہایت تیزی کے ساتھہ غرق ہونا اور غائب ہونا شروع ہوگا جیسے کہ وہ جاذب کاغذ یا روئی میں ہو جاتا ہے اور چند ہی صدیوں میں پانی سطح ارضی سے ایسا نیست و نا بود ہو جائے گا جیسا کہ ریگستانوں سے ہوا ہے - یہی حالت ہوا کی بھی ہوگی - تمام زمین بغیر ہوا اور پانی کا ایک ویرانہ ہو جائے گی - صرف پہاڑ اور میدان ضرور ایسے ہوں گے جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکے گی ہر جگہ چاند جیسی خاموشی ہی خاموشی ہوگی پس زمین کی اندرونی حرارت ہی ہے جو بیرونی سطح پر مدد و معاون حیات ہے —

ابتدائی زمانے میں زمین کا سفید گرم حصہ سطح کے زیادہ قریب تھا - اس پانی سے جو ٹپک ٹپک کر اب زمین کے مدخلوں میں نفوذ کر گیا ہے اس سے ابتدائی سمندر پر تھے - ابتداءً سطح سمندر پر خشکی کا نام و نشان بھی نہ تھا - تمام زمین متحرک پانی کا ایک ویرانہ تھی - دور کاربونیفیرس تک بڑے بڑے میدانوں میں وقت معینہ پر چند انچ یا چند فٹ پانی آجاتا تھا - بعض مرتبہ یہ خطے اتنے بڑے ہوتے تھے جیسے کہ آج کل فرانس ہے - ان کی دلدلیں بن جاتی تھیں جو کہ بڑی بڑی اور نہایت سرسبز و شاداب نباتات سے ڈھک جاتی تھیں - ہمارا کوئلہ اسی گئی گذری نباتات کی نشانی ہے - صدیوں سکڑنے کے بعد اب سمندر اس حد پر آ پائے ہیں جو کہ مناسب معلوم ہوتی ہے —

پانی ہر ذی حیات مادے کی ساخت میں شیر و شکر ہے - انسانی ڈھانچے کے متعلق گذشتہ صدی * کا ایک مصنف بیان کرتا ہے کہ " پانی کی مقدار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اگر کسی پیر زال کو جادوگری کے الزام میں جلائے جانے کا حکم ہوتا اور اُس کے ڈھانچے سے پانی کشید کرکے نکالا جاتا تو اس کا وجود کسی خاص توجہ کے قابل نہ رہا ہوتا - اسی طریقے سے اگر ایک اچھے خاصے قد و قامت کے آدمی کا پانی عمل کشید سے نکال کر خشک کیا جائے تو وہ ایک اچھی ملبوس ممی کے برابر رہ جائے گا اور مشہور ڈینیل لیمبرٹ جس کا وزن اس کی وفات کے وقت ۵۳ اسٹون یا تقریباً ۹ من تھا - کمر ۹ فٹ ۴ انچ ' ران ۳ فٹ تھی اور ۵ ھنڈرویٹ یا ۷ من وزن کو آسانی سے لے جا سکتا تھا اگر اس کو کشید کیا گیا ہوتا تو اس کا وزن اس قدر رہا ہوتا جتنا کہ ایک نوعمر آدمی کا جو کہ نیکر باکرس (Knicker bockers) پہنے ہوے ہو .... انسان روزانہ کھال اور پھیپھڑوں سے دو پاونڈ پانی خارج کرتا ہے - پانی بغیر اس کا کوئی عضو جنبش نہیں کرسکتا اور نہ اس کی کسی رگ میں احساس باقی رہ سکتا ہے - تعمیر سے قبل ہر ہڈی کے جواہر پانی میں ہی حل ہوے ہوتے ہیں - سب نسیج و بافت کی لچک و ملائمیت پانی ہی کی وجہ سے ہے جس کی مقدار $\frac{4}{5}$ ہوتی ہے جو حیوانی مادے کے ساتھ کیمیاوی طریقے سے نہیں بلکہ حیلی یا حیاتی طریقوں پر متحد ہوتا ہے - اگر اس میں سے پانی کو علحدہ کر دیا جائے تو حیات باقی ہی نہ رہے —

* Stream of life, p. 566

پودوں میں بھی پانی کی بڑی زبردست مقدار ہوتی ہے - آبی پودوں میں پانی ۹۵ - ۹۸ فیصدی ہوتا ہے اور خشکی کے پودوں میں تقریباً ۵۰ - ۷۰ فیصدی —

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پانی اس قدر افراط کے ساتھہ ذی حیات مادے کی ساخت میں موجود ہے - کیمیاداں اس سوال پر خاموش رہے گا اس لئے کہ کسی کیمیاوی اور طبعی طریقے سے پانی میں اور سیکڑوں دیگر مائعوں میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا - پانی کے جو خواص ہیں وہ کم و بیش دوسرے سیالوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور سوال کے صرف اس جواب پر اکتفا کیا جاسکتا ہے کہ یہ حسن اتفاق ہے یا پانی کی اس قدر زیادتی اس وجہ سے ہے کہ ایک زمانے میں تمام روے زمین پر اسی کا دوردورہ تھا —

حیات جیسے مبحث پر، جس کے متعلق وثوق کے ساتھہ کچھہ بھی معلوم نہیں، غور کرنا ایک قسم کی بیہودگی ہے لیکن اگر قیاس آرائی کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذی حیات مادے میں پانی کی افراط کا یہ سبب ہے کہ اس کے وجود کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے - اور خشکی دیکھنا اس کو بعد کو نصیب ہوا ہے - بہت ہی ابتدائی زمانے میں جب کہ سمندروں کا پانی زمین کی اندرونی حرارت کے باعث گرم تھا تو بھی وہ غالباً ایسے حیاتی مادے سے پر تھے جو بغیر کسی شکل وشباہت کے چیپ دار تھا - اس مادے کے جزیرے کے جزیرے ان سمندروں میں تیرتے پھرتے تھے - ماہرین حیوانات کے مطابق تمام موجودہ حیوانات اسی سادہ شے سے ارتقائی مدارج طے کرنے کے بعد بنے ہیں - اسکاٹ الیات اپنی کتاب میں بیان کرتا ہے کہ " یہ قرین

عقل ہے کہ اس جہان کا پہلا پودا یعنی سمندری گھاس یا کائی تھا -
جرمنی اور آسٹریا میں بعض چشمے ہیں جن میں پانی انتہائی گہرائی
سے آتا ہے اور اس کا درجۂ تپش بھی بہت زیادہ ہوتا ہے - ان چشموں
کے پانی میں صرف غسل ہی نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس میں اور بھی
بہت سی خوبیاں ہیں - ان کے متعلق یہ بھی بیان کرنا خالی از دلچسپی
نہیں کہ ان میں بعض پودے نہایت سرسبز و شاداب حالت میں پائے
جاتے ہیں اور بعض تو ۸۰ درجہ مئی یا ۱۷۶ درجہ فارن ہائٹ پر بھی
اپنے سلسلۂ حیات کو قائم رکھہ سکتے ہیں - ایسے پودے (کائی) زمانہ
ہائے گذشتہ کے گرم پانی میں بھی زندہ رہے ہوں گے جب کہ خشکی و تری
ہی میں تفریق نہیں ہوئی تھی بلکہ ارضی و فلکی آب میں بھی کوئی
حد فاصل نہ تھا ـــ

اگر حیات کی ابتدا پانی میں سے ہوئی تو یقیناً حیاتی مادے نے
اس شے کی کافی مقدار کو جذب کیا ہوگا جو چاروں طرف اس کا
احاطہ کئے ہوئے تھی - اس حیاتی مادے کی بھی ایسی نوعیت ہونی
چاہئے کہ اس کے ہر حصے میں پانی آسانی سے سرایت کر سکے ورنہ پانی
میں حل شدہ نمکوں کو جذب کرکے اپنی غذا کا اہتمام نہ کرسکتا -
واقعہ بھی یہی ہے - اس لئے کہ اس حیاتی مادے کا کوئی نظام ہضم
نہ تھا - وہ آہستہ آہستہ غذا سمندر سے حاصل کرتا تھا - ارتقائی صدیاں
اور زمانہ گذرنے کے بعد اب بھی کھانا ہمارے نظام ہضم میں محلول
شکل میں داخل ہوتا ہے اور پس اس امر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ
ابتدائی مخلوق محض ایک لیس یا چیپ دار شے تھی اس لئے کہ
ایسی شے میں پانی نہایت آسانی کے ساتھہ نفوذ کرسکتا ہے اور اس

میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی —

اگر ابتدائی دور کے سمندروں میں پٹرولیم یا الکوحل ہوتی تو مخلوق جو ایسے جہان میں عالم وجود میں آتی اس میں بجائے پانی کے یہ سیال ہوتے اس لئے کہ سائنس میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے جو اس خیال کی تردید کر سکے —

اب اگر ہم کسی ایسے ماحول کا خیال کریں جو ہمارے جہان سے قطعاً مختلف ہو تو ہم وثوق کے ساتھ یہہ نہیں کہہ سکتے کہ حیات وہاں ممکن نہیں تاوقتیکہ ہم حیات سے واقف نہ ہوں اس کے متعلق ممکن و غیر ممکن ہونے کا فیصلہ کس طرح دے سکتے ہیں - حیات و سیارے کا وہی تعلق ہے جو ظرف و پانی کا ہے - پانی ہمیشہ برتن کی شکل اختیار کر لیتا ہے حیات بھی سیارے کے ماحول کی پیروی کرتی ہے - اس کی تعمیر و نشو و نما ایسے غیر نامیاتی مادے سے وجود میں آتی ہے جس کی وہاں افراط ہو اور جو کہ آسانی سے حاصل ہوسکے - ہمارے سیارے میں اس کی ساخت کاربن ، ہائڈروجن ، آکسیجن و نائٹروجن سے عمل میں آئی ہے - دوسرے سیاروں میں وہ قطعاً مختلف عناصر سے عالم وجود میں آئی ہوگی - سرخ اور سفید گرم مادے مین بھی ہم حیات کی عدم موجودگی فرض نہیں کرسکتے البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے حیاتی مادے کی تعمیر ان عناصر سے نہیں ہوسکتی جن سے کہ ہمارے جہان کی ہوئی ہے —

اب کوئی شخص اس خیال پر قائم نہیں ہے کہ سورج جو زمین سے تین لاکھہ گنا بڑا ہے وہ صرف اس لئے موجود ہے کہ

اشرف المخلوقات یعنی حضرت انسان آرام و عافیت سے انفاس زندگی گذار سکیں اور نہ دنیا کا مقصد اولین یہ ہے کہ اس کا زیادہ تر حصہ ذی روح شکل میں تبدیل ہوجائے ۔ ممکن ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد اس قدر بالاتر ہوں کہ وہ کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکیں - دنیا و ما فیہا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ وہ انسان کے دائرۂ تخیل کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتیں —

یہ ضرور ہے کہ تمام حیات کا ایک ہی مقصد ہے - کائناتی عمل کی زبردست تجویز میں جو حدود خیال میں نہیں آسکتی تمام مخلوقات بحیثیت ایک حصے دار کے ہے اور اس بے پایاں سلسلے کے ہم صرف ذرات ہیں جس میں لاکھوں جہان شامل ہیں اور ہر ایک اپنی مخلوق سے پر ہے جو اپنے اغراض کی تکمیل میں ، جن سے کہ ہم خود ایسے ہی نا واقف ہیں جیسے دوسرے جانور نہایت چہل پہل و سرعت کے ساتھ جلوہ گر ہیں - موجودہ سائنس نے ان امکانات کی جھلک کو آشکارا کیا ہے —

بہت کم چیزیں ایسی عجیب و غریب ہوں گی جیسے سطح سیارے پر پانی کی مسلسل گردش - اُس وقت سے لے کر جب کہ پہلے قطرے نے ہمارے جہان کی شکل دیکھی اس وقت تک اس کی گردش ختم نہیں ہوئی ہے - حالانکہ براعظموں کی شکلیں بدل گئیں ، پہاڑوں کے میدان بن گئے ، میدانوں کی وادیاں ہوگئیں ، اس گردش کی مدد و معاون جو شے ہے وہ سورج کی حرارت ہے - اسی کے باعث پانی بخارات بن کر اُڑتا ہے اور بادلوں کی شکل اختیار کرنے کے

بعد مینھہ کی شکل میں برس کر زمین پر آجاتا ھے - چشموں ' نالوں اور دریاوں میں گلگشت کرتا ھوا پھر سمندر میں پھونچ جاتا ھے - زمانۂ گذشتہ میں کسی نے سچ کہا ھے کہ " بارش برف کے ان تودوں کے پگھلنے سے ھوتی ھے جنھوں نے صدیوں تک قطب ستارے پر اپنی آنکھوں کو جمائے رکھا ھے اور سوسن و نرگس و نیلوفر نے دریائے نیل کے اس پانی اور برف کے ان بخارات سے اپنی تشنہ لبی کو دور کیا ھے جو ھماری پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اپنا بسرام کئے ھوے تھا " بخارات کے پھیلانے اور پانی کی گردش قائم رکھنے کے لئے جو زبردست عامل شے ھے وہ مختلف قسم کی نباتات اور بالخصوص درخت ھیں - آب و ھوا کے خوشگوار ھونے کا راز بھی اسی میں مضمر ھے - بابل اور شمالی افریقہ ' جو زمانۂ گذشتہ میں اپنی زرخیزی کی مثال نہیں رکھتے تھے ' ان کی بیابانی کم از کم ایک یہ بھی سبب ھے کہ ان ملکوں سے درخت بالکل معدوم ھوگئے ھیں —

اسکاٹ الیاٹ کا بیان ھے کہ سب پودوں میں پانی کی بہت زیادہ مقدار ھوتی ھے - یہ مقدار آبی پودوں میں ۹۵ تا ۹۹ اور خشکی کے پودوں میں ۵۰ تا ۷۰ فی صدی ھوتی ھے - اس کے علاوہ پانی کی ایک رو جس کو رس یا عرق کہہ سکتے ھیں شاخوں سے ھوتا ھوا پتوں میں پھونچتا رھتا ھے - پتوں میں سیکڑوں چھوٹے چھوٹے سوراخ یا مسام (Stomata) ھوتے ھیں ' جن میں ھوکر پانی آبی بخارات کی شکل میں فضا میں غائب ھوجاتا ھے - بلوط کے صرف ایک پتے میں تقریباً بیس لاکھ مسام ھوتے ھیں - رس کی اس رو کی وجہ سے پتی سرسبز و شاداب رھتی ھے - اسی رو کی وجہ سے ھر ایک

زندہ خلیے کو پانی ملتا رہتا ہے اور وہ تندرست و توانا رہتا ہے - پانی کی مقدار جو اس طریقے پر صرف ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ہے - چار مہینے میں ایک ایکڑ گوبھی سے تقریباً ۳۲۸۱۲ $\frac{1}{2}$ من پانی بخارات بن کر نکل جاتا ہے - بلوط کے درخت میں تقریباً سات لاکھ پتے ہوتے ہیں - پانچ ماہ کے عرصے میں وہ تقریباً ۳۸۷۵ من پانی بخارات کی شکل میں خارج کریں گے *

درختوں کی عمر کا کوئی حساب نہیں - بلوط کے درخت کی عمر تقریباً ہزار برس ہوتی ہے بعض کیلیفورنیا کے بڑے بڑے درخت تین ہزار سال پیشتر سے موجود ہیں - جزائر کینیری میں اور وتاوا میں ایک تار کے درخت (Dragon tree) کی عمر کا تخمینہ بعض ماہرین نے آٹھ ہزار سال اور بعض نے دس ہزار سال لگایا ہے - پس وہ درخت اس وقت بھی کافی سن رسیدہ تھا جب کہ ہومر نے اپنے اشعار مرتب کئے یا جب کہ ابراهیم علیہ السلام اپنی بھیڑوں اور مویشی کی گلہ بانی کرتے تھے اور ان کو پانی پلاتے تھے —

اب اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ بلوط کا ایک درخت ایک ہزار سال میں ۲۵۰۰۰ ٹن یا ستر لاکھ من پانی خارج کرے گا (ایک ٹن ۲۸ من کا ہوتا ہے) بعض پرانے درختوں نے تقریباً دس لاکھ ٹن پانی خارج کیا ہوگا - اب اگر کوئی شخص بے شمار قسم کے درختوں ' پودوں ' پھولوں اور سبزے کے متعلق غور کرے جو غیر معین زمانے سے ہر سال سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں اور ہمیشہ پانی خارج کرتے رہتے ہیں تو آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کہ

* Romance of plant life, pp, 23 - 24

پانی کی کس قدر زبردست مقدار کو ان پودوں نے ہوا میں داخل کیا ہے۔ اس نباتی دنیا نے بڑے بڑے بحروں کو بہ اعتبار مقدار کتنی ہی مرتبہ ختم کیا ہوگا —

بساط زمین پر بڑی بڑی تبدیلیاں دریاوں اور جھیلوں سے عمل میں نہیں آتی ہیں بلکہ ان کا سبب محرک یہی نظر نہ آنے والا پانی ہے۔ دریائے گنگا، جو طغیانی کے زمانے میں ۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل کر سمندر میں سات ہزار ملین ٹن مٹی داخل کرتا ہے اور دریائے مسیسپی جو نہایت تیزی سے بہہ کر بہت زیادہ مٹی بہا لے جاتا ہے ایک سال میں اس سے کہیں کم تبدیلیاں کرتا ہے جتنی کہ چھوٹے چھوٹے چشموں اور دریاوں سے عمل میں آتی ہیں۔ بڑے بڑے دریا منطقۂ حارہ کے ممالک میں بھی کل بارش کا تقریباً ایک چھٹا حصہ لے جاتے ہیں —

پانی کا موازنہ جسم کے خون یا رس سے کیا جاسکتا ہے۔ بغیر اس کے حیات ممکن ہی نہیں۔ ہر جگہ ایک قیامت کا نمونہ ہوگا۔ قضا کا تسلط ہوگا، چہل پہل کی جگہ خاموشی اور سناٹا ہوگا۔ پہاڑیوں کا ڈھانا ختم ہوجائے گا۔ وادیاں اور میدان بھی نیست و نابود ہوجائیں گے۔ ہر ایک پتھر بغیر جنبش کئے ہوئے اور بغیر کسی تغیر و تبدل کے صدیوں پڑا رہے گا —

آبی بخارات کا آب و ہوا کو خوشگوار بنانے میں جو اثر ہوتا ہے وہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ آبی بخارات سورج کی تاریک شعاعوں کو جذب کرکے زمین کی حرارت کو فضا میں سے جلدی سے ضائع نہیں ہونے دیتے بلکہ اس کو قائم رکھتے ہیں وہ

مادر زمین کو مثل کمبل کے ڈھکے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے دن میں سورج کی سیدھی شعاعیں ہم کو نہیں جھلسا سکتیں اور رات کے وقت قطب شمالی جیسے کہر کی سردی سے پناہ میں رکھتی ہیں - چاند میں جہاں کرۂ ہوائی کا نہ تو پناہ دینے والا اثر ہے اور نہ آبی بخارات کی موجودگی ہے اس کی سطح کی تپش دن میں ۱۸۰ مئی ہوجاتی ہے اور رات کے وقت -۲۵۰ درجہ مئی تک گرجاتی ہے - وہاں گوشت دن میں صرف سورج کی روشنی سے پکایا جاسکتا ہے اور رات کے وقت سخت سردی کے باعث پھوار کی صرف اماعت ہی نہیں ہوسکتی ہے بلکہ وہ منجمد شکل میں حاصل کی جاسکتی ہے —

موسم ' جو ہماری خوش باشی اور شکوہ شکایت کے مبحث کے پیدا کرتا ہے ایسے کرے میں جہاں پانی قطعاً نہ ہو کوئی دلچسپی کا سامان پیدا نہ کرسکے گا - وہاں نہ بارش ہوگی ' نہ برف ہوگا ' نہ ژالہ باری ہوگی اور نہ کہرہ ہوگا - دن میں اندھا کرنے والی روشنی ہوگی اور رات کو انتہائی سردی —

پہلا سوال کیمیا کے طالب علم کے دماغ میں ' جب وہ پانی کا کیمیاوی مطالعہ کرتا ہے یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شے جس کی اس قدر افراط ہے اور جو اس قدر مفید ہے کن اجزا سے ملکر بنا ہے - جواب یہ ہے کہ نظر نہ آنے والی گیسوں سے ابتداءً اور بالخصوص جب کہ ہم ساحل سمندر کے تموج پرغور کریں تو یہ بات سمجھہ میں نہیں آتی کہ تمام پانی آکسیجن اور ہائڈروجن ' دو نظر نہ آنیوالی گیسوں سے بنا ہے - کیمیاوی الف کی زبردست طاقتوں کی بنا پر ان کی تکثیف اس طرح ہوئی ہے کہ ان کا حجم معمولی درجۂ تپش

ودباؤ کے مقابلے میں صرف $\frac{1}{1800}$ هوا - اس کے واسطے چار ملین پاؤنڈ فی مربع فٹ دباؤ کی ضرورت هوگی - اگر کسی کائناتی عمل یا اثر کی وجه سے، جس کا فضا میں دور دورہ هے، وہ طاقتیں جو آکسیجن و هائڈروجن کو پانی کے سالمه کے اندر مقید کئے هوے هیں دفعتاً سست هو جائیں تو تمام بحر اعظم فوراً هی بہت هی زیادہ دبی هوئی گیس میں منتقل هو جایں گے تو ایک زبردست کڑک و گرج کی آواز پیدا هوکر پھیلے گی - وہ ایسی زبردست طاقت سے اوپر کو اُٹھے گی که کوئی شے مقابله نه کرسکے گی اور اس کا حجم تمام روئے زمین سے بھی دو چند هو جائے گا اور اس کے اوپر هزاروں میل لمبا کرۂ هوائی هوگا۔ ایسے کرۂ هوائی کا دباؤ همارے جہاں پر تین ٹن فی مربع انچ هوگا - یه دباؤ اس قدر کافی هے که انسان کو پیس کر برادہ کر دے —

پانی هائڈروجن و آکسیجن گیسوں کے ملنے سے اس طرح بنا هے که هائڈروجن کے دو حصے آکسیجن کے ایک حصے سے متحد هوئے هیں - پانی کے ایک مکعب انچ میں هائڈروجن کے ۱۲۳۴ مکعب انچ آکسیجن کے ۶۱۷ مکعب انچ سے متحد هوتے هیں بشرطیکه دونوں گیسوں کو صفر درجه مئی کی تپش اور ۷۶۰ ملی میٹر دباؤ پر فرض کیا جائے —

پانی معمولی درجۂ تپش پر بہت هی هلکے نیلگوں رنگ کا هوتا هے - اس رنگ کا مشاهدہ اچھے طریقے سے سمندروں اور بعض جھیلوں کے پانی میں هوسکتا هے - اگر هماری زمین کو باهر سے دیکھا جائے تو سبز رنگ کا سیارہ معلوم هوگی لیکن اس کے قطبین پر سفید برفانی ٹوپیاں هوں گی —

پانی ایسی شے هے جس کو اور زیادہ نہیں دبایا جا سکتا - اگر

دباؤ دو چند کر دیا جائے تو اس کے ایک ملین حجم میں صرف ۵۰ کا فرق پڑے گیا - اگر چہ یہ تغلیظ (Compression بہت ہی کم ہے لیکن پروفیسر ٹیٹ (Tait) کا بیان ہے کہ اس کے نتائج بہت اہم ہیں - عمق سمندر کی تاریک تہہ میں چھ میل نیچے تقریباً ۱۰۰۰۰ ایٹما سفیر دباؤ ہوتا ہے - اس تغلیظ (Compression) کا یہ نتیجہ ہوگا کہ سمندر کی سطح تقریباً ۱۱۶ فٹ نیچے ہوجائے گی اگر اس کا مقابلہ اس حالت سے کیا جائے جب کہ پانی تغلیظ (Compress) کے قابل ہو - اگر پانی دفعتاً تغلیظ پذیر رہے تو وہ فوراً ہی ۱۱۶ فٹ اونچا ہو جاے گا اور کم اونچی جگہوں میں سیلاب عظیم کی طرح اُمنڈ آئے گا - تقریباً ۲۰۰۰۰۰۰ مربع میل یا کل کرے کا تقریباً چار فیصدی رقبہ غرق آب ہو جاے گا * - پہاڑیاں پانی میں مثل جزیروں کے نظر آئیں گی —

تالابوں اور جھیلوں کا پانی ہمیشہ سطح سے منجمد ہونا شروع ہوتا ہے - اگر ہم برف کے نیچے تپش پیما سے درجۂ تپش دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اوپر کے مقابلے میں زیادہ گرم ہے تقریباً ۴ درجہ ہوگا - اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کے سکڑنے کے واسطے عام قاعدہ یہ ہے کہ سردی سے سکڑتا ہے اور گرمی سے پھیلتا ہے - جب پانی سکڑتا ہے تو وہ زیادہ کثیف ہوجاتا ہے یعنی اسی قدر پانی کے حجم کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہوجاتا ہے - اسی وجہ سے جب کہ کرۂ ہوائی کی کم تپش کا اثر کسی تالاب یا جھیل کی سطح پر ہوتا ہے تو پانی سرد ہوکر وزنی ہو جاتا ہے اور نیچے بیٹھنا شروع ہوتا ہے - سطح کا پانی سرد ہوکر نیچے جانا شروع کرتا ہے اور اس کی جگہ نیچے کا گرم پانی حاصل کرتا

* " Challenger " report' "physics and chemistry" part 2nd p, 76

ہے یہاں تک کہ تمام پانی کا درجۂ تپش ۴ درجۂ مئی ہو جاتا ہے۔
اس درجۂ تپش پر تازے پانی کی کثافت زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے یا بہ الفاظ
دیگر پانی ۴ درجۂ مئی پر کسی اور تپش کے مقابلے میں زیادہ وزنی
ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ تہہ نشیں ہو جاتا ہے۔ اگر تازے
پانی کو اس درجے سے بھی زیادہ سرد کیا جائے تو وہ پھیلنا شروع
کرتا ہے۔ زیادہ سردی اس کو وزنی کرنے کے بجائے ہلکا کر دیتی
ہے۔ پس اگر پانی کو ۴ درجے سے بھی زائد سرد کیا جائے تو وہ
سطح آب پر تیرنے لگتا ہے۔ اور اگر وہ زیادہ عرصے تک کرۂ ہوائی
کی کم تپش میں رہے تو جامد شکل اختیار کر لے گا۔ اور اس پانی
کے اوپر اس کی سطح قائم ہو جائے گی جس کا درجۂ تپش ۴ درجۂ
مئی ہے لیکن سمندر کے پانی میں جس میں نمک حل ہوئے ہوتے ہیں
یہ بات نہیں ہے۔ سمندر کا پانی نقطۂ انجماد تک سکڑنا شروع ہوتا
ہے اور جس قدر زیادہ سرد کیا جائے اسی قدر زیادہ وزنی ہوتا
ہے۔ سمندر کا انتہائی سرد پانی تہہ نشیں ہونا شروع ہوتا ہے اور
یہی وجہ ہے کہ سمندر کی تاریک وادیاں برف سے بھی زائد
سرد ہوتی ہیں اس کا پانی سطح آب کی جانب کافی گرم ہوتا جاتا
ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سمندر کے پانی میں برف نیچے
سے بننا شروع ہوتا ہے اگرچہ ہمیشہ نہیں اس لئے کہ جب ایک مرتبہ
برف سطح پر بن گیا تو بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ قطب شمالی کے بحری
مسافر اور بحیرہ بالٹک کے ماہی گیر اس سے بخوبی واقف ہیں کہ
جب موسم تبدیل ہونا شروع ہوتا ہے اور برف بننے کا زمانہ آتا ہے
تو نیچے سے سطح پر چھوٹے چھوٹے برف کے قرص آنا شروع ہو جاتے

ہیں - بحیرۂ بالٹک یا ناروے کا ماہی گیر جب ان برف کی قرصوں کو جیلی مچھلی کی طرح نیچے سے آتا ہوا اور سطح پر تیرتا ہوا دیکھتا ہے اور اگر کشتی ساحل سے دور ہوتی ہے تو فوراً اس ڈر سے ساحل کی طرف روانہ ہوجاتا ہے کہ کہیں اس کی کشتی بھی ملجھد نہ ہوجاے - * برف خواہ سمندر میں بنے یا میٹھے پانی کی جھیلوں میں ایک اصولی بات باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ برف پانی سے ہلکا ہوجاتا ہے اور اسی وجہ سے سطح پر تیرتا ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو عجیب واقعہ پیش آتا - مثلاً لیجئے اگر برف پانی سے وزنی ہوتا تو وہ غرق ہوکر تہہ نشیں ہو جاتا اور موسم سرما میں سمندروں اور جھیلوں کی تہیں برف سے پر ہوجاتیں - آئندہ موسم گرما کی حرارت سے صرف سطح کا پانی گرم ہوتا اور زیادہ گہرائی کے پانی پر کچھہ اثر نہ ہوتا اس لئے کہ پانی حرارت کا بڑا موصل ہے ۔ وہ اس قدر بڑا موصل ہے کہ اگر برف کے ایک ٹکڑے کو سیسے کے تار سے لپیٹ کر ' تاکہ وہ غرق ہوسکے ' پانی کی ایک نلی میں ڈالا جائے اور نلی کے پانی کو اوپر سے جوش دیا جاے تو پانی بغیر برف کے ٹکڑے کے پگھلے ہوئے جوش دیا جاسکتا ہے - پس اگر موسم سرما میں ہمیشہ یہی حال رہے تو برف کی مقدار ہر سال بڑھتی رہے گی - یہاں تک کہ سمندر' جھیلیں ہی نہیں بلکہ بحراعظم بھی نیچے سے لیکر اوپر تک برف کی ایک چٹان بن جائیں گے —

موسم گرما کی حرارت سے سطح کے چند فٹ نیچے کا ہی برف

---

* Dr. carpenter's " science lectures for the people " 2 nd. series, 1870-71, pp. 116-17

پگھل سکے گا - سمندروں میں انتہائی دلدلیں بن جائیں گی - اور ان میں کہیں بڑے بڑے شگاف و سوراخ بھی ہو جائیں گے - جاڑے کے موسم میں پھر سب منجمد ہو جائیں گے - سمندر میں کوئی چیز نہ رہ سکے گی - مچھلیاں صرف منطقہ حارہ کے طبقے میں پائی جائیں گی - آب و ہوا منطقہ باردہ جیسی ہوگی - شمالی یورپ ایک غیر معلوم ملک ہوگا - اس میں بڑے بڑے برف کے چشمے ہوں گے اور ہمیشہ برف سے ڈھکا رہے گا - وہ بالکل ویسا ہی معلوم ہوگا جیسے قطب جنوبی کے قریب ایک ویران بر اعظم آج کل کے کھوج لگانے والوں کو معلوم ہوتا ہے - دنیا کے جہاں جہاں بڑے بڑے شہر مثلاً لندن ' پیرس ' برلن ' واقع ہیں وہاں برف سے ڈھکے ہوئے میدان ہوں گے اور ان پر سرد ہواؤں اور برف کے طوفانوں کا دور دورہ ہوگا - تہذیب و تمدن کا مرکز یورپ و شمالی امریکہ سے ہٹ کر ہندوستان ' افریقہ اور وسطی امریکہ جیسے ممالک میں آجائے گا - اور ان ممالک کی آب و ہوا اس وقت معتدل ہوگی —

یہہ کون خیال کرتا ہوگا کہ پانی میں اتنے گن موجود ہیں یعنی منجمد ہونے کے بعد اس کا پھیلنا ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن پر اس قدر اثر ڈالے گا —

منجمد ہوتے وقت برف پھیلتا ہے اور اس میں بھی دباو کی جلوہ گری ظہور میں آتی ہے - مٹی اور چٹانیں مسام دار ہوتی ہیں اور پانی کی بڑی مقداریں جذب کرتی ہیں کہر کی حالت میں یہ پانی منجمد ہو جاتا ہے اور ذرات کو باہر نکال پھینکتا ہے - برف پگھلنے کے وقت مٹی کا برادہ ہو جاتا ہے - جب پانی چٹانوں کے شگافوں میں منجمد

ہوتا ہے تو ان کو پھلا کر علحدہ کر دیتا ہے - رفتہ رفتہ سال بہ سال
جاڑے کے موسم میں ان چٹانوں کے شگاف بہت بڑے بڑے ہو جاتے ہیں
اور وہ ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور ایک کڑک اور گرج کے ساتھ نیچے
وادی میں دھنس جاتی ہیں - اسپٹس برگن (Spitzbergen) اور گرین لینڈ
کے بڑے بڑے پہاڑوں کی چوٹیاں اسی سبب سے نیست و نابود ہوگئی ہیں —

پانی کرۂ ہوائی کے دباو پر صفر درجہ مئی پر منجمد ہوتا
ہے لیکن زیادہ دباو کی صورت میں وہ کم درجۂ تپش پر بھی منجمد
نہ ہوگا - ۱۳۰۰۰ ایٹماسفیر دباو کی صورت میں وہ - ۱۸° مئی پر
منجمد ہوگا بہ خلاف اس کے زیادہ دباو اس کو ٹھوس شکل سے مائع
حالت میں تبدیل کر دیتا ہے - اگر برف کے ایک ٹکڑے کو بہت ہی
کم تپش تک ٹھنڈا کرنے کے بعد ۱۳۰۰۰ ایٹماسفیر کے دباو میں رکھا جائے
تو -۱۸° مئی پر وہ پگھلنا شروع ہو جائے گا اور دباو ہٹاتے ہی وہ
پھر منجمد ہو جائے گا - پس یہ دباو ہی ہے جو پانی کو صفر درجۂ
مئی پر بھی مائع شکل میں قائم رکھتا ہے - ان واقعات کی شمالی
خطوں میں خاص اہمیت ہے - قطبین پر کئی میل گہرے برف کے کھیت
ہوتے ہیں - اب ذرا ایسی گہرائی میں گرنے کا خیال کیجئے جو دو
میل ہو - برف میں شگاف و سوراخ بھی بہت ہوتے ہیں جو اس گہرائی
تک بھی پائے جاتے ہیں - یہ سوراخ برف کی مسلسل حرکت و جنبش
کا نتیجہ ہیں - اور جنبش کا انحصار اس واقعے پر ہے کہ زیادہ دباؤ
کی وجہ سے گہرائی میں برف پگھلنا شروع ہوتا ہے اور غیر قائم شکل
اختیار کر کے پہاڑوں اور پہاڑیوں سے بہہ کر آہستہ سمندر میں
جاتا ہے - برف کے ان بڑے بڑے دریاؤں کو گلیشیرس (Glaciers) کے نام

سے تعبیر کرتے ھیں - یہ دنیا کے ھر حصے میں جہاں پہاڑ بہت اونچے ھوتے ھیں پائے جاتے ھیں - جو زیادہ تیز ھوتے ھیں وہ چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بہتے ھیں اور آھستہ آھستہ بہنے والے دن اور بعض اوقات ھفتے میں چند انچ بہہ پاتے ھیں - برف کے ان زبردست تودوں کو ھم کو بغیر شکل وشباھت کا خیال نہ کر لینا چاھئے - برف کے ھر ایک ذرے کی اندرونی ساخت نہایت خوبصورت ھوتی ھے - اس کی فضا میں لاکھوں سالمات کی ترتیب ھوتی ھے جو نہایت تیزی سے متحرک ھوکر گردش کرتے ھیں - اگر عدسے سے سورج کی روشنی کو برف کے ایک ٹکڑے پر ڈالا جائے تو اس کی خوبصورت ساخت کا مشاھدہ کیا جاسکتا ھے - فوراً ھی اس برف میں، جس کی ظاھرا کوئی شکل نہیں معلوم ھوتی، بہت سے چھ پہلو والے ستارے معلوم ھوتے ھیں جو کچھ کچھ خالی ھوتے ھیں اس لئے کہ پگھلتے وقت پانی حجم میں کم جاتا ھے - اگر قلموں کو خوردبین سے دیکھا جائے تو ٹھوس پانی کی اندرونی ساخت کی عجیب و غریب کیفیت معلوم ھوتی ھے - آلپن کے سر کے برابر برف کے ایک ٹکڑے میں لاکھوں سالمات ھوتے ھیں جن کی خاص ترتیب ھوتی ھے اور وہ متوازی رخ میں گردش کرتے ھیں - برف کے ایک چھوٹے سے ذرے میں سالمات کی تعداد آسمان پر روشن ستاروں کی تعداد سے لاکھوں گنا زیادہ ھوتی ھے - تو ذرا غور کیجئے کہ برف کے بڑے بڑے پہاڑ جو سمندروں میں تیرتے ھیں ان کے سالمات کا کیا عالم ھوگا - ھماری حیرت کی انتہا نہیں رھتی جب ھم یہ خیال کرتے ھیں کہ بڑے بڑے برف کے پہاڑ اس برف کے ایک غیر اھم اور ناچیز جز ھیں جو ھمیشہ قطبین کو سفید چمکتے ھوئے جامے

سے ملبوس کئے ہوے ہے —

معمولی کرۂ ہوائی کے دباؤ پر پانی ۱۰۰° مئی پر جوش کھاکر نظر نہ آنے والی گیس یا بخارات میں جس کو بھاپ کہتے ہیں منتقل ہو جاتا ہے' اور اسی بھاپ کی تکثیف سے پانی کے بے شمار قطرات بنتے ہیں - سفید بادل جو بھاپ کے فوارے کے نزدیک بنتے ہیں اور جو آسمان پر چلتے پھرتے ہیں ان ہی چھوٹے چھوٹے قطرات سے بنتے ہیں جن کو در اصل بھاپ کہا جاسکتا ہے - وہ نظر نہیں آتی ہے - اس کی صراحت حسب ذیل تجربے سے ہوسکتی ہے - ایک جوشدان سے معمولی بھاپ کا دھارا تانبے کی نلی میں سے گزاریے جس کو گرم کرکے ہلکا سرخ کر دیا گیا ہو —

خارج ہونے والی بھاپ اس قدر گرم ہوتی ہے کہ معمولی بھاپ کے دھارے کی طرح اس کی تکثیف غیر مرئی سفید بادلوں میں نہیں ہوتی - اس کا درجۂ تپش اس قدر زائد ہوتا ہے کہ اس کی تکثیف ہوکر بھاپ کے بادل بن سکتے ہیں لیکن بجائے اس کے ہوا سے مل کر وہ اسی میں غائب ہو جاتی ہے یا یوں کہیے کہ حل ہو جاتی ہے لہذا ایسی بھاپ کی رو قطعاً نظر نہیں آتی - اس کی موجودگی اس امر سے ہم ضرور محسوس کرسکتے ہیں کہ اگر اس کے راستے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا حائل کردیں تو اس کی حرارت اس قدر زبردست ہوتی ہے کہ کاغذ ایسا جھلس جاتا ہے جیسے آگ میں —

اکثر سیاروں میں پانی بہت زیادہ گرم گیسی حالت میں ہو جاتا ہے - اور ایک زمانے میں تو وہ اس حالت میں ہماری زمین پر بھی تھا - ہم پانی کو ہمیشہ مائع تصور کرتے ہیں لیکن اگر ہم ایسے ماحول

میں رہے ہوتے جو ہمارے موجودہ ماحول سے بالکل مختلف ہوتا ' تو ہمارے ذہن میں پانی کا تصور جامد یا گیسی شکل میں ہوتا اور اس کے خواص موجودہ خواص سے بالکل ہی مختلف ہمارے ذہن نشیں ہوتے - مثلاً اگر مشتری ' زحل ' نپتون میں سمندر (Salamander) کی آبادی ہوتی جو چمکتی ہوئی سرخ حرارت پسند کرتے ہیں ' تو یہ گرم خون والے جانور پانی کی مائع شکل سے قطعاً واقف نہ ہوتے اس لئے کہ ان سیاروں کی حالت سرخ گرم ہوتی اور اُن کے یہاں پانی غیرمرئی گیسی شکل میں ہوتا اور ان کو وہ ایسا ہی معلوم ہوتا جیساکہ ہم کو معمولی درجۂ تپش پر بخارات معلوم ہوتے ہیں —

بھاپ یا آبی بخارات کا دباو تپش زیادہ ہونے سے بڑھتا ہے - صفر درجۂ مئی پر اس کا دباو پارے کے ۴۶۶ ملی میٹر کے دورے کے برابر ہوتا ہے - ۱۰۰° مئی پر ۷۶۰ ملی میٹر یا کرۂ ہوائی کے دباو کے برابر ہوتا ہے - ۳۷۰° مئی پر بھاپ کا دباو ۱۹۶ ایٹما سفیر یا $\frac{۱}{۳}$ ۱ ٹن فی مربع انچ ہوتا ہے - پانی اس وقت جوش کھاتا ہے جب کہ اس کا دباو اس کے سطح کے دباو کے برابر ہوتا ہے - اگر سطح کا دباو ۴۶۶ ملی میٹر ہو (جو اچھے ہوائی پمپ کے فانوس کے اندر ہوتا ہے) تو پانی واقعی اس تپش پر جوش کھانے لگے گا جس پر وہ منجمد ہوتا ہے یعنی صفر درجہ مئی پر - اس لئے کہ اس درجۂ تپش پر بھاپ کا دباو ۴۶۶ میلی میٹر ہوتا ہے ۱۰۰° مئی پر بھاپ کا دباو سطح سمندر کے کرۂ ہوائی کے دباو کے برابر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے معمولی حالت میں پانی ۱۰۰ درجے مئی پر جوش کھاتا ہے ۳۷۰ درجے مئی کی تپش پر بھاپ کا دباو ۱۹۶ ایٹما سفیر ہوتا ہے لہذا اگر اس

دباو پر پانی رکھا گیا تو ۳۷۰° کی تپش پر جوش کھاے گا یا بہ الفاظ دیگر یوں سمجھیے کہ تقریباً سرخ گرم حرارت پر اس سے چند لازمی نتائج حاصل ہوتے ہیں - بحر اعظم کی تہہ میں ' جہاں دباو کئی ہزار ایتھما سفیر ہوتا ہے ' پانی کم سرخ حرارت پر بھی جوش نہ کھاے گا - وہ سمندر کی گرم سرخ تہہ میں بھی بغیر دھوا کے بھاپ میں منتقل نہیں ہوگا بلکہ خاموشی سے وہیں برقرار رہے گا - بہ خلاف اس کے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر جہاں کرۂ ہوائی کا بار کم ہوتا ہے پانی ۱۰۰° مئی سے کم کی تپش پر بھی جوش کھانے لگے گا - پانی کوہ بلیفک کی چوٹی پر ۸۶۶۹° مئی پر جوش کھاتا ہے - ایوریست کی چوٹی پر وہ ۷۰ درجے مئی پر بھی جوش کھانے لگے گا - یوں اس درجے پر جوش ہوتے ہوے پانی میں انڈا بھی مشکل ہی سے ابل سکے گا —

مریخ جیسے سیارے کا کرۂ ہوائی بہت ہلکا اور لطیف ہے - وہاں پانی خون کی تپش پر ابلنے لگے گا لیکن چاند میں جہاں کے بڑے بڑے پہاڑ مکمل خلا کئے ہوئے ہیں پانی برف کے نقطۂ انجماد سے کم درجے کی تپش پر جوش ہوجاے گا - چاند میں برف بغیر پگھلے ویسے ہی غائب ہو جاے گا جیسے کہ معمولی درجۂ تپش اور بار پر کافور —

یہ بیجا نہ ہوگا اگر پانی کے ان خواص کے متعلق بیان کیا جاے جو بلند تپش کے تاثرات سے پیدا ہوتے ہیں - اس کے واسطے قارئین کو تاریخ دنیا کی اس ابتدائی حالت کے نقشے کا تصور کرنا ہوگا جب کہ سمندر جو کہ آج کل اس کے ارد گرد احاطہ کئے ہوے ہیں ان کی صرت ابتداہی ہوئی تھی - اس وقت کرۂ ہوائی کا بار موجودہ بار سیکڑوں گنا زائد تھا - لہذا اس دور کا پانی ۱۰۰° مئی پر جیسا

کہ فی زماننا مشاہدے میں آتا ہے جوش نہیں دیا جاسکتا تھا بلکہ اس کے واسطے بہت زیادہ بلند درجۂ تپش کی ضرورت تھی - ہمارے ابتدائی سمندروں کا درجۂ تپش ۳۰۰° تا ۳۷۰° مئی کے قریب ہوگا - آج کل بھی ایسے بہت سے سیارے ہونا چاہئیں جن کے سمندروں میں اس قدر زیادہ حرارت کا پانی ہو بہت ہی زیادہ گرم اور دبایا ہوا پانی جو زمین کے انتہائی اندرونی حصص یا امعاء زمین میں ہے وہ بھی بالکل اسی حالت میں ہے جیسے کہ کبھی زمین کے دور ابتدائی کے سمندروں میں تھا —

ایسے گرم اور دبائے ہوئے پانی کے خواص اس سے قطعاً مختلف ہوتے ہیں جو اس مفید اور بے ضرر مائع سے وابستہ ہیں - ایسی حالت میں وہ آبلہ انگیز ہوجاتا ہے - اس کے خواص مرتکز ترشہ یا ہلکائے ہوئے گندک کے ترشے (Oil of vitriol) جیسے ہوجاتے ہیں - اس پانی میں لوہا اور جست اسی طرح حل ہوجائے گا جیسے کہ مرتکز ترشے میں حل ہوکر ہائڈروجن کو آزاد کردیتا ہے —

ایسے پانی میں شیشے جیسی حل نہ ہونے والی چیز ایسی ہی آسانی سے حل ہوجائے گی جیسے کہ چائے میں شکر - اچھا ہوا کہ ہم ایسے زمانے میں نہیں ہوئے ورنہ لوہے کے ظروف اور شیشے کے آبخورے سے ہم فائدہ نہیں اُٹھا سکتے - گیکی (Geikie) بیان کرتا ہے کہ " معمولی درجۂ تپش پر پانی کمزور اساس اور ترشے کے خواص رکھتا ہے - ۱۸° پر وہ سلیسک ترشہ (Silicic acid) سے ۱۰۰ گنا ہلکا ہوتا ہے لیکن تپش زیادہ ہونے سے دونوں کے رشتے میں فرق آجاتا ہے اس لئے کہ ۳۰۰° کی تپش پر دونوں برابر مرتکز ہوتے ہیں لیکن ۱۰۰۰° کی تپش

پر ۸۰ گنا اور ۲۰۰۰° مئی کی تپش سلیسک ترشے سے ۳۰۰° گنا زائد
مرتکز ہوجاتا ہے لہذا ۱۰۰۰° اور ۲۰۰۰° کی تپش پر پانی بہت ہی
مرتکز اور زبردست ترشے کا کام دے گا *—

یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے اگر ہم یاد رکھیں کہ تمام
مائع جو معمولی درجۂ تپش پر تیز و زبردست ترشے ہوتے ہیں ' اُن
کی خاصیت کم درجۂ تپش پر قطعاً تعدیلی ہو جاتی ہے - تپش کم ہوجانے
سے ترشئی خواص کم ہوجاتے ہیں اور زائد ہوجانے سے ان میں اضافہ
ہوجاتا ہے - مثلاً لیجئے گندک نمک اور شورے کے ترشے جو معمولی
درجۂ تپش پر آبلہ انگیز چیزیں ہیں وہ -۱۰۵° مئی پر قطعاً تعدیلی
ہو جاتے ہیں —

پانی کی معمولی تپش پر وہی حالت ہوتی ہے جو ترشوں کی
کم درجۂ تپش پر - لہذا اگر کسی شے میں ترشئی خواص پیدا کرنا
ہوں تو صرف تپش بلند کرنے کی ضرورت ہے —

پس اے پانی تیری مدح سرائی کس حد تک کی جاے - تیرے
اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کو کہاں تک طول دیا جاے - تو
نعمت عظمیٰ ہے - تیرے بغیر کارزار ہستی کا نظام عمل ایک منٹ بھی
قائم نہیں رہ سکتا - تیرا فیض اور تیرے احسانات ہم پر عام ہیں
لیکن ہم اب بھی تجھہ سے بخوبی واقف نہیں - تیرے صرف چند
اوصاف سے ہم باخبر ہوپاے ہیں اور ان ہی پر اپنی عقل و دانش
کی داد چاہتے ہیں اور بیجا ناز کرتے ہیں —

—— o ——

* Text bcok of geology p 356 (1903)

فن دباغت

از

حضرت دباغ سیلانوی

(گذشتہ سے پیوستہ)

سلسلۂ مضامین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک کارخانہ یا سرمایہ دار نے کارخانے کی عمارت قسم قسم کی مشین اور چھوٹے موٹے اوزار کئی قسم کے حوض اور گودام وغیرہ تیار کر دئیے ہیں اور خام اشیاء کارخانہ از قسم کھال ' چھال ' پتی ' پانی ' چونا اور مختلف قسم کی دوائیں مہیا کر دی ہیں اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ ماہر فن سرمایہ دار کو عملی طور پر یہ ثابت کرے کہ جو اسباب مالک کارخانہ نے مہیا کئے ہیں اُن سے کیا بنایا جاسکتا ہے - اور سرمایہ دار یا حصے داروں کو اس سے کیا منفعت ہوسکتی ہے - اس مضمون کے سلسلے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ میدان عمل کے مختلف پہلوؤں کو کچھ تفصیل کے ساتھ لکھا جائے جس کی ایک علحدہ چھوٹی کتاب لکھی جاے گی مگر اُس کا وقت آنے تک آئندہ مضامین میں علمی اور عملی بحث کو ملا کر لکھا جائے گا-اکثر و بیشتر دواؤں کے وزن-ناپ وغیرہ تجربے میں آئے ہیں وہ درج ہوں گے - لیکن تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ایک ماہر فن جو مدراس

میں نہایت اچھا چمڑا بناتا ہے وہ پنجاب پہونچ کر ابتدائی زمانے میں وہی کارنامے پیش نہیں کر سکتا - اور کچھہ عرصے بعد اپنے ڈھنگ پر آتا ہے - غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ پنجاب کی آب و ہوا ' مویشی کی نسل' ہنرمند اور مزدور پیشہ لوگ مدراس سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں کوئی نہ کوئی فرق ہوتا ہے - جب تک ان اختلافات کے مطابق عمل میں کچھہ رد و بدل نہ کیا جائے تو مدراس کا جیسا تیار شدہ مال پیش کرنا مشکل ہے - مگر تھوڑے عرصے میں مزدور وغیرہ ماہر کے اصلی مطلب اور طریقۂ عمل سے واقف ہو جاتے ہیں - یا یوں سمجھنا چاہئیے کہ ماہر اپنے کاریگر وغیرہ کو اپنے مطلب کا بنا لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھہ عرصے کام کرنے کے بعد پنجاب میں بھی وہ کم و بیش وہی نمونے اور مال پیش کر سکتا ہے جس کو وہ مدراس میں آسانی سے تیار کرتا رہا ہے - مقصد یہ ہے کہ نسخوں کا وزن طریقۂ عمل کو حسب ضرورت معمولی کم و بیشی کے بعد استعمال کیا جا سکتا ہے - ہندوستان کے مختلف صوبوں کے مویشیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک صوبے میں بھینس کی کھال کا اوسط گیلا وزن پندرہ سیر ہوتا ہے تو دوسرے صوبے میں پچیس سیر اور اس سے بھی زائد ہوتا ہے - نسخے کے وزن کے متعلق علم عدد کی رو سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پندرہ سیر کی کھال کے لیے کم اور پچیس سیر کی کھال کے لیے زیادہ مقدار میں دوا کا استعمال ہونا چاہئیے - لیکن میدان عمل میں ایک دبلے پتلے لاغر جانور کی کھال پر وہی عمل نہیں کیا جا سکتا جو ایک موٹے تازے فربہ جانور کی کھال پر ہونا ضروری اور لازمی ہے - اسی طرح بخار کا عام ڈاکٹری علاج

کونین سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ بات ڈاکٹروں کے تجربے میں آئی ہے کہ یہ سب کو یکساں مفید ثابت نہیں ہوئی ہے۔ اور بعض مریضوں کے تمام جسم پر دانے اُٹھہ آتے ہیں اور بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جیسے ڈاکٹر اور حکیم مریض کی طبیعت اور مزاج کے مطابق اپنے نسخوں میں کمی و بیشی کرتے ہیں اسی طرح دباغت میں بھی رد وبدل کرنا ضروری سمجھنا چاہئے - اور پہلی مرتبہ اگر نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلے تو ہتیار ڈالنا نہیں چاہیے بلکہ خوب محنت سے کام لینا چاہئے۔ اور ہمت نہ ہارنا چاہئے۔ کھال کو پکا کرنے میں نہایت محنت و مشقت کی ضرورت ہے اور جس قدر مشقت اور ریاض کیا جائے گا اسی قدر نتیجہ بھی اچھا ہوگا - معمولی سے معمولی چمڑا بنانے میں چوٹی کا پسینا ایڑی تک آتا ہے تب کھال کسی کام کا چمڑا بنتی ہے۔ اس لیے جو محنت کے عادی نہیں ہیں اُن کا اس پر عمل کرنا مفید ثابت نہ ہوگا۔ جن کو محنت مشقت کی عادت نہیں ہے ان کو اس کی طرف توجہ کرنا بیکار ہے۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں ہے جس کو انسان نہیں کرسکتا ہے۔ انسان ہمت کرے تو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہوجاتا ہے۔ جب انسان بے پر کے ہوا میں اُڑ سکتا ہے اور پانی میں مچھلی کی طرح تیر سکتا ہے اور غیر ممکن بات کو ممکن کر دکھاتا ہے توکوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہمت اور استقلال سے کام لے تو کھال سے عمدہ چمڑا نہ تیار کرسکے۔ بلکہ بار بار ایک کام کو کرے تو اس میں ملکہ ہوجاتا ہے۔ فن دباغت میں جو موجودہ اور گذشتہ نسلوں نے ترقی کی ہے اور جس پر مختلف ممالک اور قومیں بجا فخر کرتی ہیں اس کو یہ سمجھنا کہ ایک یا دو نسل یا سو پچاس سال کی محنت کا نتیجہ ہے

بالکل غلط ہوگا - بلکہ آج جو اس فن کے بہترین نمونے پیش کیے جاتے ہیں یہ ہزارہا برس کی لگاتار محنت اور کوشش کا نتیجہ ہیں - کیونکہ انسان نے جب سے دنیا میں آکر ہوش سنبھالا ہے اسی وقت سے کوشش کرتے کرتے موجودہ نتیجے کو پہونچا ہے - اس لیے یہ خیال کر لینا کہ کسی مضمون یا کسی کتاب کو پڑھ کر کام چل جائے گا سخت غلطی ہے - اول تو بد قسمتی سے استاد بڑے بخیل کہے جاتے ہیں جنھوں نے غیر تو غیر اپنے عزیز اولاد تک کو اپنا ہنر بتانے میں بخل کیا اور اپنا ہنر سرکر اپنے ساتھ لے گئے، دویم، اگر کوئی اہل ہنر اپنا دل چیر کر بھی کتاب کی شکل میں رکھہ دے تو اس پر عمل کر کے ایک معمولی آدمی اس نتیجے تک ایک دم نہیں پہونچ سکتا جس کو ایک ماہر عمر بھر کرتا رہا ہے - استادوں کا یہ کہنا ہے کہ دنیا ہم کو ناحق بدنام کرتی ہے پہلے کام کا سیکھنے والا اہل تو ہولے کیونکہ جیسے ایک مرید (شاگرد) کو مرشد (اُستاد) کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ایک مرشد کو بھی ہونہار مرید کی تلاش رہتی ہے تاکہ اپنی تمام عمر کا اثاثہ کسی قابل شاگرد کے سپرد کر جائے - ان کا کہنا ہے کہ ہم ہنر کو اپنے ساتھہ لے کر نہیں مرجاتے ہیں بلکہ یہ تمنا لے کر دنیا سے جاتے ہیں کہ کوئی قابل ہونہار شاگرد نہیں ملا جس کو یہ اثاثہ دے جاتے مختصر یہ ہے کہ اس کشمکش میں ہندوستان کی آنے والی نسلوں کو خواہ وہ سب کی سب بی اے اور ایم اے ہی کیوں نہ ہوں کچہری، دفتر، ریل کی ملازمت اور اسی قسم کے اور کام چھوڑنا ہوں گے اور آستین چڑھا کر میدان عمل میں داخل ہو کر یہ ثابت اور عملی طور پر ثابت کرنا ہوگا کہ ایک روپیہ کے بارہ سیر گیہوں (سنه ۱۹۳۳ ع ماہ جون کا نرخ) سے

هندوستان بھی دو روپیہ اور ڈھائی روپیہ سیر والے بسکٹ بنا سکتا ہے اور بیرون ممالک کے بسکٹ جو سات سمندر پار سے هندوستان میں آکر فروخت ہوتے ہیں مقابلے میں اُن سے اچھے اور ارزاں فروخت کرسکتا ہے - اسی طرح پانچ چھ روپیہ میں لوہے سے کپڑا بننے اور سینے کی مشین - جنگل کی لکڑی جو نہایت افراط سے هندوستان میں پیدا ہوتی ہے اُس سے پینسل ' دیاسلائی ' کپڑا بننے کی نلی (Bobin) وغیرہ بناکر دوسرے ملکوں کے مقابلے میں عمدہ اور ارزاں مال فروخت کرسکتے ہیں اور اسی قسم کی اور ہزارہا صنعتیں اور حرفتیں ہیں جن سے کوڑیوں پیسوں کی چیز سے روپیہ اور اشرفیاں بن سکتی ہیں - ماہر لوگ اس کو کیمیا کا اصلی نسخہ بتاتے ہیں - اگر هندوستانی بد قسمتی سے یہ نہ کرسکے اور دفتر یا ریل میں بابو کے بابو ہی رہے تو کشمکش حیات میں ان کا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا —

کھال دھونا اور نرم کرنا

موجودہ سائنس کی ترقی میں کیڑے (جراثیم) اور ان کا فعل ایک جداگانہ سائنس مانا گیا ہے اور اس سائنس کے علما کا قول ہے کہ دنیا میں جس قدر اسباب خرابی اور بیماری پیدا کرنے کے ہوسکتے ہیں ان میں ان کیڑوں کو سب سے بڑا سبب سمجھنا چاہئیے- یہ کیڑے بلا امداد خوردبین دکھائی نہیں دیتے - لیکن کم و بیش ہر برائی بھلائی میں موجود ہوتے ہیں اور سائنس والوں نے برائی اور بھلائی کے ذمہ دار کیڑوں کے علحدہ علحدہ گروہ بتائے ہیں - اور ڈاکٹری کا تو یہ فتویٰ ہے کہ دنیا میں جس قدر امراض ہوتے ہیں اُن کی بنا صرف یہ کیڑے ہوتے ہیں اور مریض کا خون بلغم وغیرہ کو خوردبین میں جانچ کر کہتے ہیں کہ

مریض کو ملیریا ہے یا میعادی موتی جھرہ کا بخار ہے یا دق، سل وغیرہ -
سائنس داں پانی اور کھانے وغیرہ کی جانچ پرتال کرکے بتاتے ہیں کہ
ہیضہ اور اسی قسم کے وبائی امراض فلاں فلاں جراثیم کی وجہ سے
ہو جاتے ہیں اور اس کے بتانے میں ان سائنس کے اُستادوں نے بہت
محنت اور جانفشانی کے بعد یہ طے کیا ہے کہ مختلف امراض کے کیڑے
اس قسم کی شکل و صورت اور خاصیت کے ہوتے ہیں اور یہ اس قسم کی
آب وہوا میں زیادہ نشو و نما پاتے ہیں اور اُن کے لئے فلاں دوا
قاتل ثابت ہوئی ہے - چنانچہ اہل سائنس نے بہت تحقیقات کے بعد اب
بہت سے امراض کا علاج اپنے اصول پر پچکاری کے ذریعے سے کرنا
اختیار کیا ہے جس میں بعض معمولی دوائیں اور جراثیم کُش مصل
(Serum) وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ
جب کسی چیز کو کوئی مرض ہو جاتا ہے یا سڑنے یا خراب ہونے لگتی
ہے تو اُس کا سبب مختلف اقسام کے جراثیم وغیرہ ہوتے ہیں - یہ
کیڑے موزوں اور مناسب آب وہوا میں نہایت تیزی سے بڑھتے جاتے
ہیں اور لکھوکھا کی تعداد میں پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر اُن کی حیات
میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب اُن سے کوئی ایسا زہریلا مادہ
پیدا ہوتا ہے جو ان کا قتل عام کردیتا ہے —

کسان کو پرندوں وغیرہ سے بہت بڑی شکایت ہے کہ یہ اس کے
بیج اور فصل کو خراب کردیتے ہیں - سائنس کا بیان ہے کہ کسان
نادان ہے - اس کو مخلوق کے برے بھلے کی تمیز نہیں ہے - پرندے فصل
اور تخم کو نقصان پہنچانے سے پہلے وہ کیڑے مکوڑے کھا لیتے ہیں جو
امراض خلق کا باعث ہوتے ہیں - بعض پرند مچھلیاں مچھروں کو نہایت

شوق سے کھاتے ھیں اور یہی مچھر کئی امراض کا باعث خاص سمجھا جاتا ھے - کسی کھانے پینے یا اور استعمالی چیز کے بگڑنے' سڑنے اور ڈسنے کا افسوس ھوتا ھے - مگر شراب کھینچنے والے انگور' روغن سیاہ' جو وغیرہ کو ڈسا کر اس کی شراب بنانا یا اس سے موٹر چلانے کا تیل تیار کرنا اچھا سمجھتے ھیں - چمڑے کے کارخانے والے اس کا بہت اھتمام کرتے ھیں کہ کھال سڑ کر خراب نہ ھو - اور اُس کو بڑی محنت اور صرفہ کرکے خراب ھونے سے بچاتے ھیں - لیکن یہ بھی دیکھا گیا ھے کہ گیہوں کی بھوسی میں جب تک خمیر پیدا نہ ھو جائے یہ ان کے لئے کارآمد نہیں ھوتی اور چونے میں کھال کے بال وغیرہ' جب تک چونا پرانا نہ ھو' آسانی سے نہیں نکلتے اور نئے چونے کا کھال پر کم اثر ھوتا ھے - اسی طرح خشک کھال کو نرم اور تر کرنے کے لئے پرانا استعمالی پانی بعض موقع پر استعمال کیا جاتا ھے اور سبب یہ بتایا جاتا ھے کہ جب تک ان میں خمیر پیدا نہ ھو پرانے یا استعمال شدہ پانی' چونہ اور گیہوں کی بھوسی وغیرہ کا کھال پر وہ اثر نہیں ھوتا جس کی ماھر کو سخت ضرورت ھوتی ھے —

ایک زمانہ تھا جب چمڑے کے کارخانوں کی طرف سے گزرنا نہایت تکلیف دہ ھوتا تھا - اور اب بھی ھندوستان کے دیہات اور بعض قصبوں میں جہاں چمار دباغت کا کام کرتے ھیں' ان کے پاس سے نکلنا مشکل ھے - مگر سائنس کی ترقی نے ایسی بہت سی ناخوشگوار صورتوں کا قلع قمع کر دیا ھے اور جو کارخانے سائنس کے اصول پر تعمیر کئے جاتے ھیں ان میں یہ شکایات بہت کم پائی جاتی ھیں —

قدرت کا کارنامہ کہئے یا حضرت انسان کی خوش قسمتی سمجھئے کہ

میدان عمل میں جو کیڑے ایک درجے میں برائی یا بھلائی پیدا کرنے کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں وہ دوسرے درجے میں پیدا نہیں ہوتے - اور پہلے درجے سے دوسرے میں کھال کے ساتھہ چلے جاتے ہیں تو زندہ نہیں رہ سکتے - قدرت کا یہ حیرت انگیز قانون ہے کہ جو جراثیم ایک گودام میں ہوتے ہیں دوسرے میں نہیں ہوتے ہیں اور نہ زندہ رہ سکتے ہیں- قدرت کا یہ بھی عجیب کرشمہ ہے کہ ایک گودام کا کیڑا دوسرے گودام کے کیڑے سے شکل ' صورت ' شباهت اور فعل میں بالکل علحدہ ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کی شکل ' صورت اور فعل سے کوئی تعلق یا موافقت نہیں ہوتی اس لیے انسان نہایت آسانی سے یہ معلوم کرسکتا ہے کہ فلاں شکل ' صورت اور فعل کا کیڑا فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی تباہی ' بربادی یا فروغ کے یہ یہ اسباب ہوتے ہیں اور ان ان ذرائع سے ان کو قابو میں کیا جاسکتا ہے یا ان کا خمیر ڈال کر ان کو فروغ دیا جاسکتا ہے اور اپنی اس خداداد قابلیت سے نفع پہنچانے والے کیڑوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور نقصان دینے والوں سے بچتا ہے -اوپر جو بیان کیا گیا ہے یہ قابل سائنس والوں کا نہایت نازک خیال اور تجربہ ہے جو مشکل سے کھال کی دباغت کرنے والے کی سمجھہ میں آسکتا ہے - اور یہ اس وقت تک اسے اپنا مذہب سمجھتا ہے کہ یہ خداے برتر اور بزرگ کا اپنے بندوں پر بے حد احسان ہے کہ دنیا میں اس قدر وبال جان ہوتے ہوے بھی انسان ان سب زہریلے کیڑوں وغیرہ سے محفوظ ہے اور خوش و خرم زندگی بسر کرتا ہے ورنہ یہی کیڑے بعض اوقات وبال جان ہو جاتے ہیں- معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو قدرت کے کرشموں کا کچھہ علم عطا فرما دیا ہے - جس کی وجہ سے انسان خوش و

خرم رہ کر اپنی زندگی دنیا میں بسر کرتا ہے - حضرت انسان یہ سمجھتے ہیں کہ قدرت کی فضا میں رہتے رہتے اس نے اس کی توڑ لگالی ہے اور اس خیال میں بہت پھولا پھرتا ہے مگر اس وقت تک اصلیت سے بہت دور معلوم ہوتا ہے - خواہ کچھ بھی سمجھا جائے مگر یہ واقعہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کھال دھونے کے گودام میں ایک قسم کا کیڑا (جراثیم) ہوتا ہے جو کھال میں نقص پیدا کرنے کا اصلی باعث سمجھا جاتا ہے اور یہ قدرت کا کرم ہے کہ اس نے اس کی حیات یہیں تک محدود رکھی ہے - یا یوں سمجھنا چاہئے کی اُس کی بقا کے لئے اس کے آگے کی منزل یعنی چونہ گودام سخت قاطع ثابت ہوا ہے —

کسی باب میں یہ تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ کھال کو جب پانی میں ڈالا جاتا ہے تو یہ خوب پانی جذب کرکے پھول جاتی ہے اور ترشہ (ایسڈ) قلی (A!kali) دونوں اس کی اس فطرت یا خاصیت کو اور بڑھا دیتے ہیں - کھانے کا نمک کھاری وغیرہ کی خاصیت ہے کہ یہ کھال سے اس کی رطوبت نچوڑ کر نکال دیتے ہیں جس کی وجہ سے کھال جلد خشک ہو جاتی ہے - نمک کھال کو پھولنے سے روکتا ہے اس لیے دھلائی میں جس قدر نمک وغیرہ اس کے محفوظ کرنے میں استعمال ہوا ہے اس کو دھو کر بالکل صاف کرنا اور تازہ کھال میں جو قدرتی تری اور رطوبت تھی اس کا ہونا بھی ضروری ہے —

کھال خواہ کسی حالت میں کارخانے میں داخل ہو اُس کو سب سے پہلے دھو کر مٹی، نمک وغیرہ سے صاف کرنا ضروری ہے اور اس کی دھلائی جلد اور اس قدر ہونا چاہئے کہ یہ اپنی اصلی تازہ حالت

میں آجائے اس کے بعد دوسرا عمل شروع ہونا چاہئیے - اس میں اگر کمی کی گئی تو جو نقص یہاں رہ جاتے ہیں یا ڈھلائی میں ہو جاتے ہیں یہ چمڑا تیار ہونے تک رہتے ہیں اور جیسے جیسے منزل در منزل کھال بڑھتی جاتی ہے ویسے ہی یہ عیب کم نہیں ہوتے بلکہ بڑھتے جاتے ہیں —

کھال کی حفاظت کے باب میں لکھا گیا ہے کہ اس کو کس کس طرح تیار کیا جاتا ہے - اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ماہر فن کو کس کس طرح کی کھال سے سابقہ پڑتا ہے - اس کو اگر غور سے پڑھا گیا تو معلوم ہوگا کہ مختلف جانوروں کی کھال کارخانہ میں کم و بیش چار پانچ صورت میں داخل ہوتی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے —

(۱) تازہ گیلا مال جو قصاب خانہ سے آتا ہے اور جس کو تازہ کھیلہ کہتے ہیں —

(۲) نمکینی کھال جس کو کھانے کا نمک لگایا جاتا ہے اور کچھ خشک ہونے پر کارخانہ میں آتی ہے مگر اس میں نمی موجود ہوتی ہے -

(۳) پٹنہ یا کھاری سے محفوظ کی ہوئی کھال جو بالکل خشک ہوتی ہے —

(۴) فرمہ یا مصالحہ جو صبح کی دھوپ میں خشک کی جاتی ہے —

(۵) خشک مرداری جس کو سکتی بھی کہتے ہیں —

اس تقسیم میں کچھ اور کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے - لیکن یہ زیادہ تر نام کا فرق ہو سکتا ہے کھال جس حالت میں کارخانہ میں آتی ہے اس کے لئے یہ تقسیم بالکل کافی ہے - اضافہ کے خیال سے بھیڑی یا بکری کا پاپڑا (اون نوچ لینے کے بعد بھیڑی کی کھال کو خشک کرلیا جاتا

ہے اس کو پاپڑا کہتے ہیں) اور کمی کے لحاظ سے نرمہ مصالحہ خشک مال کو ایک ہی تصور کرنا بے جا نہوگا کیونکہ ان کو دھوکر نرم کرنے میں دونوں کے ساتھہ ایک ہی طرح کا عمل کیا جاتا ہے —

قبل اس کے کہ موجودہ جدید عمل کا ذکر کیا جائے یہ نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں جو قدیم طریقہ ہزارہا سال سے چلا آتا ہے اس کا ذکر کیا جائے تاکہ اس طریقے میں رد و بدل کرنے کی وجہ آسانی سے سمجھہ میں آجائے - عام طور پر ہندوستان کے اصلی دباغت کرنے والے لوگ چمار، ریگرہ اور کھٹیک کہے جاتے ہیں - ان کی مالی حالت نہایت نازک ہوتی ہے - ان غریبوں کو تازہ حلالی نمکینی اور قیمتی کھال خریدنا بہت کم نصیب ہوتا ہے - اس لئے اکثر یہ لوگ مردار اور گرا پڑا مال استعمال کرتے ہیں اور سوائے ان کسانوں کے گھرانوں کے جن کا کام یہ چہار پشت در پشت سے کرتے آے ہیں اور جس کے صلے میں کسان کا کوئی جانور مرگیا تو اس کی کھال ان کا حق موروثی سمجھا جاتا ہے، بہت کم تازہ مال خریدکر پکا کرنے کا موقعہ ملتا ہے - مگر چونکہ جدید طریقے سے دباغت کرنے والے مردار کھال بالکل استعمال نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو بہت ہی کم کرتے ہیں، اس لئے موضع موضع میں پھر پھرا کر مردار کھالیں جمع کرتے ہیں اور اس کو پکا کرنا یہ اپنا کمال فن سمجھتے ہیں - ان کے گھر اور کارخانے سب ایک چھوٹا جھونپڑا ہوتا ہے جس میں ایک دو گڑھے کھودکر وہ اپنا کارخانہ تصور کرتے ہیں - ان گڑھوں کو ان کا حوض کہنا چاہئے اور اس میں جو مال دھوتے یا چونہ اور درخت کی چھال وغیرہ کا پانی ہوتا ہے

وہ اگر برسوں کا نہیں تو کئی کئی مہینوں سے جمع رہتا ہے ' اور
صرف بارش اس کو بدلتی تو بدلتی ہو ورنہ اس کے لئے دور سے
پانی لانا اور جس پانی میں کچھہ چونا یا چھال کا رنگ وغیرہ
باقی ہے اس کو حوض سے نکال کر بے دردی سے پھینک دینا بھی
مالی نقصان سے کم نہیں ہوتا - آس پاس سے جو مردار کھالیں یہ
جمع کرکے لاتا ہے وہ کم و بیش تپتی دھوپ میں سکھائی جاتی ہیں
اور عرصہ کے بعد جب اس کا اُدھر گزر ہوتا ہے تب اس کو خرید
لاتا ہے اور آتھہ روز میں دوسرا ہات لگنے سے پہلے اس کو پکا
کرکے فروخت کر آتا ہے - اس میں جو کچھہ نفع ہوتا ہے اس سے
شکم پری کرتا ہے - آنے والے ہات تک پھر آتھہ روز میں دوسری
کھال کی دباغت کرتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ اس کا عمر بھر جاری
رہتا ہے - اس کے پاس اس قدر کافی سرمایہ کہاں ہے کہ یہ مال
کو چونے وغیرہ میں ہفتہ عشرہ رکھے اور چھال کے گودام میں اس
کی مہینوں اوت پھیر کرتا رہے - اس لئے دنیا کی کشمکش میں یہ
اس نتیجہ کو پہنچا کہ سرمایہ کو مد نظر رکھتے ہوے اس سے جلد نبانی
دباغت نہیں ہوسکتی - مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس دباغت میں
کھال پختہ نہیں ہوتی اور جوتی بنانے والے موچی اس کو خود تیل
وغیرہ لگاکر کسی کام کا کرلیتے ہیں - اس قسم کا چمڑا زیادہ ترمشک '
موتھہ ' چرس وغیرہ جیسے زراعتی کام میں آتا ہے اور کسان کو اس
کا دیہاتی جوتا بنادیتا ہے تو دباغ کا رہا سہا کچھہ کام تو جوتے
بنانے والا موچی کرتا ہے اور باقی ماندہ غریب کسان خود انجام
دیتا ہے جو اس کو کئی چھٹانک تیل پلا دیتا ہے تاکہ کم تکلیف دہ

ہو- اس وقت تک ہاتھہ میں اٹھاے پھرتا ہے - جن کی مالی حالت اچھی ہے وہ بڑے پیمانہ پر کام کرتے ہیں مگر وہی پندرہ بیس روز میں دباغت ختم ہو جاتی ہے - ان کے اس طریقہ میں جو جو خوبیاں ہیں ان کو کسی مناسب موقع پر تفصیل سے لکھا جائیگا —

مواضعات سے جو کھالیں آتی ہیں ان کو ایک حوض میں ڈال دیا جاتا ہے جس میں عرصۂ دراز کا استعمال شدہ پانی جمع ہوتا ہے - اس کو تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تازہ عمدہ پانی کے مقابلہ میں اس حوض کے پانی میں جس میں کئی کئی مرتبہ کھال دھوئی جاچکی ہے دھوپ میں خشک کئے ہوے سخت لکڑی کے تختہ کے مانند کھالیں بہت جلدی نرم ہو جاتی ہیں - سائنس اس کی وجہ یہ بتاتی ہے کہ اگر ایک ہی حوض کے پانی کو مدت تک استعمال کیا جاے اور اس عرصۂ دراز میں یکے بعد دیگرے کھالیں بھگوئی جائیں تو کھال کا کچھہ حصہ گھل کر اس پانی میں شریک ہو جاتا ہے - کچھہ عرصہ میں جراثیم کی غذا کے سب اجزا موجود ہو جاتے ہیں - اس لئے اس میں ایک قسم کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو کھال کے حصہ پر اپنا ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ گھل کر پانی میں مل جاتا ہے - جو کھال دنوں میں نرم ہوتی ہے اس سے گھنٹوں میں نرم ہو جاتی ہے - مگر بڑے پیمانہ پر جہاں کام کئے جاتے ہیں وہاں اس پر عمل کرنا سخت خطرناک سمجھا جاتا ہے اور ان کارخانوں میں جہاں پچاس سے ہزار کھال روزانہ استعمال ہوتی ہوں وہاں اس پر عمل نہیں کیا جاتا ہے —

رہا معاملہ موضع کے چمار کا ' جب دیکھا کہ کھال بگڑتی ہے اور اگر کچھہ عرصہ اس میں اور رہی تو بیکار ہو جائیگی تو اس کو

فوراً دھلائی کے حوض سے نکال کر چونے کے حوض میں ڈال دیتا ہے -
اور چونے کا کھال پر کچھہ اثر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو فوراً کسی چیز سے
کھرچ کر جس قدر بال ممکن ہوں نکال دیتا ہے - اور اس کو جلد از جلد
درخت کی چھال کے پانی میں ڈال دیتا ہے - اور خوب اس پانی میں
مل کر اس کا رنگ کھال پر جلد چڑھانے کی کوشش کرتا ہے - کیونکہ
اس کو تجربے سے معلوم ہوگیا ہے کہ درخت کی پتی' چھال کا پانی
کھال کو گلنے سے روک دیتا ہے - جب کھال کے باہری حصہ پر چھال کے
پانی کا خوب اثر ہوجاتا ہے اور کھال گلنے سے رک جاتی ہے تو یہ
اس کھال کی مونجھ' بان یا کسی گھانس یا کسی درخت کے ریشہ سے
ایک مشک یا تھیلہ سی ڈالتا ہے' جس کا ایک رخ کھلا رکھا جاتا ہے -
اس کُھلے ہوئے دھانہ سے کُٹی ہوئی چھال بھر کر اس تھیلے کو بلیوں
پر چھال کے حوض پر لٹکا دیتا ہے اور اس کے کُھلے دھانہ میں چھال
کا پانی منہ تک بھر دیتا ہے - گھر کا آدمی' بچہ' وغیرہ جو ادھر
سے گذرتا ہے حوض سے چھال کا پانی اس میں ایک آبخورہ سے بھر
دیتا ہے - اس طرح کھال کا باہری حصہ ہمیشہ تر رہتا ہے - کھال کے
تھیلے یعنی مشک میں جو چھال اور اُس کا پانی منہ تک بھرا ہوتا
ہے وہ کھال پر سے بہ کر اور اُس کے مساموں سے گذر کر نیچے کے حوض
میں جمع ہوتا رہتا ہے اور اسی کو بار بار مشک کے دھانہ سے ڈالتے
رہتے ہیں - چھال اور چھال کے پانی کا وزن زور کرکے کھال کے مساموں
میں سے باہر نکل آتا ہے - اسی طرح جلد از جلد اپنا رنگ کھال کے
ریشہ ریشہ پر چڑھا دیتا ہے - جب مشک کے نیچے کے حصے پر چند یوم
کے بعد چھال کا رنگ پار ہوجاتا ہے یعنی اندر سے باہر تک یک ساں

ہلکا کتھئی سرخ رنگ ہوجاتا ہے اور کھال کا موٹے سے موٹا حصہ بھی چاقو سے کاٹ کر دیکھنے پر یکساں رنگ دکھلائے اور درمیان میں بال کے برابر بھی سفید نہ ہو تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ کھال پختہ ہوگئی ہے - تب مشک کے نیچے کے حصے کی سلائی کو کاٹ دیتے ہیں اور پانی چھال نکال کر اس کو خالی کر دیتے ہیں - اس کے بعد مشک کو بلیون پر سے اوتار دیتے ہیں اور اوپر کے دہانے کو سی کر مشک کو پھر بلیون پر لٹکا دیا جاتا ہے اور اس میں چھال اور اس کا پانی بھر دیا جاتا ہے - اب اوپر والا حصہ مشک کا نیچے ہوجاتا ہے اور نیچے والا حصہ دہانہ ہوجاتا ہے - اس میں چھال پانی کا وہی عمل جاری رکھا جاتا ہے جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے - جب یہ حصہ بھی پختہ ہوگیا تو اب یہ کھال کھال نہیں بلکہ کھال اور چمڑے کے درمیان ایک صورت اختیار کر لیتی ہے - قدیم طریقے کی رو سے یہ چمڑا کہلاتا ہے - جدید طریقے کی دباغت میں اس کو پکا نہیں کہتے ہیں بلکہ حسب معمول اس کو دیسی پکا آدھ (آدھا) پکا وغیرہ کہتے ہیں - مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اب یہ کھال بھی نہیں رہتی ہے اس لئے اس کو چمڑا کہنا بے جا نہ ہوگا کیونکہ اب یہ مال کھال کی طرح سڑتا گلتا نہیں ہے اور اس پر آب وہوا کا کم اثر ہوتا ہے کیونکہ چھال وپتی کے اثرات نے اب اس کی کایا کو پلٹ دیا ہے —

اس قسم کا چمڑا بیشتر زراعت اور زراعت پیشہ لوگوں کے کام آتا ہے اور معمولی بازاری بوٹ شو وغیرہ میں بھی تلے کا کام دیتا ہے - اس طریقۂ عمل میں کھال ایک ہفتہ سے لے کر تین ہفتے میں پکا چمڑا ہوجاتی ہے اور اس میں تیل چربی وغیرہ کا بالکل استعمال

نہیں کیا جاتا۔ لیکن وزن بڑھانے اور چمڑا سخت نہ ہونے کے لئے سکھاتے وقت اس میں کئی سیر نمک لگا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے چمڑا نرم اور وزنی ہو جاتا ہے —

پنجاب کے صوبے میں اور خاص کر جالندھر میں اس کام کو نہایت خوبی سے انجام دیا جاتا ہے اور بعض عمل بالکل موجودہ سائنس کے مطابق ہوتے ہیں - یہاں ہر کام نہایت صفائی اور احتیاط سے انجام دیا جاتا ہے ۔ اور چمڑا بھی پکا ہونے پر جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے ' اس سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے ۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دباغت میں زیادہ وقت دیتے ہیں اور چونے کے حوض میں سجی مٹی کے ملا دینے سے چونے کا کام بھی بہت جلد ہو جاتا ہے - چونا اور سجی مٹی کے ملانے سے سوڈا کا سٹک بن جاتا ہے جو چونے کے اثر کو تیز کر دیتا ہے - اور اس کا استعمال موجودہ سائنس کی رو سے بھی خشک کھال کو جلد نرم کرنے اور چونے کے عمل کو تیز کرنے میں نہایت مفید اور بہتر ہے - پکا کرنے میں بھی چھال کو خوب لکڑی کی میخوں سے کچل کر استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے چھال کا رنگ اچھی طرح سے پانی میں آجاتا ہے اور چمڑے میں صفائی بہت اچھی ہوتی ہے —

زمانۂ جنگ میں جب چمڑے کی مانگ بہت زیادہ اور آمد کم تھی تو پنجاب ' کانپور وغیرہ کے بعض کارخانوں نے پنجاب کا یہ چمڑا لاکر اپنے کارخانوں کے حوضوں میں پھر پکا کرکے چرمی سامان بہت کثرت سے بناکر سرکار کی ضرورت کو پورا کیا اور جدید طرز کے کارخانوں نے بھی مانگ کی زیادتی کی وجہ سے اس طرح تھیلے یا مشک لٹکا کر کھالیں پکا کرنا اختیار کیا تھا - اس کے بعد چمڑے کی اچھی طرح

باقاعدہ دباغت کرکے استعمال میں لایا جاتا تھا - اس قدیم طریقے کو جدید طریقۂ دباغت والے اچھا نہیں سمجھتے ھیں - لیکن ضرورت باولی ھوتی ھے اس لئے جو کھال چار چھہ ماہ سے پہلے پختہ نہیں ھوتی ھے ' اس کو اس دقیانوسی طریقے کی امداد سے دو تین مہینہ ھی میں کارآمد بنا لیا گیا تھا —

جدید سائنس بھی نباتی دباغت کے زمانے کو کم کرنے کی فکر میں نہایت کوشاں ھے اور کچھہ کامیابی بھی اس میں ھوگئی ھے - لیکن اس وقت تک خاطر خواہ کامیابی اس کو نصیب نہیں ھوئی ھے اور تجربہ جاری ھے (جو کامیابی اس وقت تک حاصل ھوئی ھے اس کا کسی اور جگہ ذکر کیا جائے گا) جس کے نتائج کا بہت انتظار ھے کیونکہ اگر یہ کامیابی ھوگئی تو زمانۂ دباغت میں کمی ھونے کی امید کی جاتی ھے اور اگر دباغت جلدی ھونے لگی تو سرمایے وغیرہ میں بھی بہت بڑی کفایت واقع ھوگی —

گا ے بیل کی کھال بھی اسی طرح پکی کی جاتی ھے -فرق صرف یہ ھوتا ھے کہ بھینس کے مقابلے میں یہ وزن میں کم اور پتلی ھوتی ھے ' اس لئے جلدی تیار ھوجاتی ھے - مگر جہاں نرم اور لوچدار چمڑا بنانا منظور ھوتا ھے اس کو بھی کافی وقت درکار ھوتا ھے —

ھندوستان کے مختلف صوبوں میں جو کھالیں قدیم طریقے پر پکائی جاتی ھیں وہ کم و بیش جہاں تیار ھوتی ھیں وھیں اُن کا استعمال بھی ھوتا ھے - اور باھر ایک صوبہ سے دوسرے میں فروخت نہیں ھوتی - مگر پنجاب میں جو بھینس کا چمڑا کثرت سے کلکتہ اور اور آگرہ وغیرہ میں جوتے کے تلے کے لئے استعمال کیا جاتا ھے اور

جنگ کے زمانے میں بیشتر اس کا بھی استعمال کیا جاتا تھا مگر جب سرکار نے اپنی ضرورت کی وجہ سے کانپور وغیرہ کے جدید طریقے کے کارخانوں کا کل مال جو اُن کے کام کا ہوتا تھا اس کو اپنا سمجھکر کارخانہ داروں سے ایک نرخ قائم کرکے خرید لیا تو بازار کی ضرورت پورا کرنے کے لئے تلے کے علاوہ اس سے زین بھی بنایا جاتا تھا - پنجاب کے علاوہ بمبئی کے احاطے میں بھی یہ طریقۂ دباغت بڑے پیمانے پر جاری ھے - مگر اس احاطے میں تلے کے علاوہ ھمیشہ اس چمڑے کو تیل چربی لگاکر اس کے گلوں کے پٹے ' پٹوں کے تسمے وغیرہ بنائے جاتے ھیں جس کو اب پنجاب بھی اختیار کرتا جاتا ھے - اور جیسے جیسے پارچہ بافی وغیرہ کے کارخانہ بڑھتے جائیں گے ویسے ھی اس کا رواج بھی بڑھتا جاے گا —

گاے بیل کا چمڑا زیادہ تر جوتوں کے ابرے اور تسمے وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ھے —

قدیم طریقے کی دباغت کے سلسلے میں بھیڑ بکری اور خاص کر بھیڑ کی اون نکالنا اور کھال کی دباغت قابل ذکر معلوم ھوتی ھے - بھیڑ بکری کی کھال کو چمار بہت کم بلکہ بالکل ھی نہیں پکاتے ھیں - ان کی دباغت کرنے والوں کو کھٹیک کہتے ھیں - یہ لوگ عجیب طرح سے اون نکالتے ھیں - تازہ بھیڑ کی کھالوں کو مکان پر لاکر اس کو ایک کوٹھری میں ڈھیر لگادیا جاتا ھے اور ٹاٹ وغیرہ سے اس کو ڈھانک دیا جاتا ھے جس کی وجہ سے کھالیں گرم ھوجاتی ھیں یا یوں سمجھنا چاھئیے کہ گرما جاتی ھیں - یہ گرمی کھالوں کے ڈھیر میں اسی طرح خود بخود پیدا ھوجاتی ھے جیسے نم اور سبز گھانس کو کہیں جمع کیا جاے تو

اس کے اندر کا حصہ گرمی سے سیاہ ہو جاتا ہے - جب کھال کافی گرم ہو جاتی ہے اور ہاتھ سے اون آسانی سے نکلنے لگتی ہے تو کھٹیک اون کو نوچ کر جمع کر لیتا ہے - یہ اون اچھی قیمت سے فروخت ہوتی ہے - کارخانے والے اس کو اس طریقے سے نکالتے ہیں کہ کھال کے گوشت والے رخ پر سلفائڈ اس احتیاط سے لگاتے ہیں کہ اس کا اثر اون پر نہیں ہوتا اور صبح کو نوچ کر اُسے جمع کر لیتے ہیں - وہ اون جو کتر کے حاصل کی جاتی ہے یا ایسی ترکیب سے جس میں چونا اس پر اثر نہیں کرتا ' زیادہ قیمت سے فروخت ہوتی ہے - اسی وجہ سے کھٹیک اور کارخانے والے بلا چونے کی امداد کے اون نکالتے ہیں - چونے میں اگر اون دار کھال ڈال دی جائے تو اون کی وہ خاصیت جس کی وجہ سے یہ نمدہ وغیرہ بنانے میں چپک جاتی ہے زائل ہو جاتی ہے —

سائنس والے اس گرمی کی وجہ کھال میں جراثیم کا پیدا ہونا بتلاتے ہیں - اس گرمی سے کھال کے ڈھیر میں ایک قسم کی گیس پیدا ہوتی ہے جس کو ایمونیا کہتے ہیں - عام طور پر یہ گیس فوری استعمال کے لئے معمولی چونے اور نوسادر کے ملانے سے پیدا ہوتی ہے اور زکام میں اس کو سونگھتے بھی ہیں - ان ہی اجزا کو ان کی لطیف حالت میں چھوٹی سی شیشی میں بند کرکے اس میں چند قطرے کسی خوشبو کے ڈالنے سے سونگھنے کا نمک (Smelling salt) تیار کیا جاتا ہے —

یہ گیس جب کھال گرم ہوتی ہے تو اس میں قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہے - اس کی بو بہت تیز ہوتی ہے اور چھینکیں لاتی

ہے- یہ گیس کھال کے اس حصے کی قوت کو، جو بال اور اون کو جلد میں مضبوطی سے پکڑے رهتا ہے، بے کار کردیتی ہے جس کی وجہ سے بال اور اون نہایت آسانی سے نوچنے پر نکل جاتے ہیں- کھال اگر زیادہ دیر تک ڈھیر میں گرم رہے اور مناسب وقت پر توجہ نہ کی جاے تو کھال کے خراب ہونے کا سخت اندیشہ ہے- اور کسی وجہ سے زیادہ دیر تک رہ جاے تو مال سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے- پس ایک حد تو یہ مفید ہوتا ہے لیکن اس حد سے اگر بڑھ جاے تو نہایت نقصان دہ ہوتا ہے —

اون نکالنے کا قدیم طریقہ تو عجیب ہے ہی لیکن اس کی دباغت اس سے عجیب تر ہے- چنانچہ ہم مختصراً اس کو یہاں درج کرتے ہیں —

ایک بڑی ناند میں جنگلی بڑے بیروں (گھونٹ، گھٹ بیر وغیرہ نام سے مشہور ہیں) کو خوب کوٹ کر ڈال دیا جاتا ہے- اور حسب ضرورت اس میں پانی ڈال دیا جاتا ہے - جب دو چار روز کے بعد اس میں سے ٹینین (Tannin) جو درخت کی چھال، پتی اور پھل کا جز اعظم سمجھا جاتا ہے، گھل کر پانی میں کافی آجاتا ہے تو اس میں جوار کا نمکین حریرہ پکاکر شریک کر دیا جاتا ہے اور اوپر سے اکوے یعنے مدار کا کچا دودہ بھی شریک کردیا جاتا ہے - اور ان سب چیزوں کو ناند میں خوب ھلاکر ایک جان کردیا جاتا ہے - اب یہ دباغت کا حوض بالکل تیار ہو جاتا ہے —

اون نوچنے کے بعد کھال کو اس ناند میں داخل کر دیا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً ھاتھہ سے اس کو ملا جاتا ہے اور چند یوم کے بعد اس کی دباغت ہوجاتی ہے- اگر بھیڑ کو استر کے لیے فروخت کرنا ہے تو

اس میں صرف کھانے کا نمک لگا کر بازار بھیج دیا جاتا ہے اور موچی اس کو تیل وغیرہ لگا کر اپنے کام کا بنا لیتا ہے - اگر اس کا ابرا بنانا منظور ہے تو اس کو لاکھ کے رنگ سے سرخ رنگ کر فروخت کر دیا جاتا ہے -

سرخ اور زنگاری رنگ کے علاوہ بھیڑ بکری کے چمڑے پر سونے چاندی یا پیتل رانگے کے ورق جن کو پنی کہتے ہیں چڑھا کر سنہرے روپہلے رنگ کا چمڑا بنایا جاتا ہے - بکری کا چمڑا عام طور پر نری اور بھیڑ کا میسی کہلاتا ہے - اس طریقے کی دباغت میں چونا استعمال نہیں ہوتا ہے —

ہندوستان کے بعض علاقوں میں بھیڑ بکری کی کھال کی دباغت مشک کے طریقے سے کی جاتی ہے - ریاست جودھپور میں اس طریقے کی دباغت بہترین ہوتی ہے —

زلزلۂ بہار

از

جناب سید اسرار حسین ترمذی صاحب حیدرآباد دکن

بہار کے شمال اور نیپال میں ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۳۴ ع کو تقریباً ۲ بجے زلزلہ نے اس قدر نقصان عظیم پہونچایا ہے کہ آج تک اُس کی نظیر ہندوستان میں مشکل سے ملتی ہے - سنہ ۱۸۹۷ ع میں آسام کا زبردست زلزلہ اور سنہ ۱۹۰۵ ع میں کانگڑے کا تباہ کن زلزلہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا - اِس کی تباہ کاریاں اب تک اخبارون میں آتی رہتی ہیں -اِس کی وجہ سے بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں اور پل منہدم ہوگئے - ریل کی پٹریاں اکھڑ گئیں - سڑکیں تباہ ہوگئیں - تار برقی اور ٹیلیفون کے سلسلے منقطع ہوگئے - زمین میں زبردست عمیق غار نمودار ہوگئے جن میں سے بعض تو $1\frac{1}{2}$ فرلانگ لمبے تھے جن سے پانی کے چشمے اُبل پڑے اور ریت اور مٹی نے بہہ بہہ کر ایک کثیر رقبے کو ریتیلا بنا دیا - بہت سے کنویں ریت سے بند ہوگئے اور اکثر کا پانی خشک ہوگیا - ترائی کی زمینوں میں ہر طرف پانی کے چشمے جاری ہوگئے - ایک مقام پر تو گرم گندھک آلود چشمہ ابل

پڑا جس سے یہہ خوف لاحق ہوگیا که آتش فشاں نمودار ہونے والا ہے - غرض که چند منٹ میں تقریباً ایک لاکھہ مربع میل زمین کا حلیه بدل گیا - اِس آفت ناگہانی سے جو کچھہ بھی نقصان جان و مال پہونچا اُس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے - سرکاری خبروں سے ظاہر ہوتا ہے که ۷۰۰۰ جانیں ضایع ہوئیں اور مجروحیں کی تعداد تو اور بھی زیادہ ہے - مالی نقصان کا اندازہ کروروں میں کیا جاسکتا ہے - گورنمنٹ نے بہت سی امدادی کمیٹیوں کی مدد سے بے خانمانوں کی امداد کی اور ان کے لیے پانی کی قلت اور صفائی کو قائم رکھنے میں انتہائی کوشش اور جانفشانی سے کام لیا —

علاقۂ ترہٹ میں بنگال نارتھہ ویسٹرن ریلوے لائین کئی مقامات پر سے غائب ہوگئی - تار برقی سلسله اور ٹیلیفون کے تار ٹوٹ کر گرگئے - بہت سے پل اور پشتے منہدم ہوگئے - مونگیر ' جمال پور ' پور نیا ' مظفر پور ' دربھنگه ' موتی ہاری ' سیتا مڑھی ' سمستی پور وغیرہ میں زیادہ تر مکانات بالکل کھنڈر ہوگئے - اس صوبے کی تقریباً نصف شکر کی کرنیاں (ملیں) شدید نقصان کا شکار ہوگئیں جس کی وجه سے نیشکر کے کثیر رقبے کو سخت نقصان پہونچا - اخباروں سے ظاہر ہوتا ہے که سیتا مڑھی اور مادھو بانی جو که نیپال کی سرحد پر واقع ہیں سخت ترین نقصان کا مرکز ہیں —

کھٹمنڈو اور نیپال کے قرب و جوار کے مقامات میں بھی نقصان عظیم واقع ہوا —

موتی ہاری اور مونگیر کے درمیان کا علاقه شدید ترین زلزلے کے جھٹکوں کا مرکز رہا - مونگیر تو بالکل ته و بالا ہوگیا - معلوم

ہوتا ہے کہ مونگیر زلزلہ کا خاص مرکز رہا - اور جانگ میں
بھی شدید زلزلہ آیا لیکن وہاں زیادہ نقصانات نہیں ہوے —

بہت سے اتفاقی مشاہدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ زلزلہ کا جولان
گاہ موتی ہاری سے مونگیر تک کا علاقہ رہا جس کا فصل تقریباً ۱۵۰ میل
شمار کیا جاتا ہے - اس کی تباہ کاریاں یہیں تک محدود نہیں

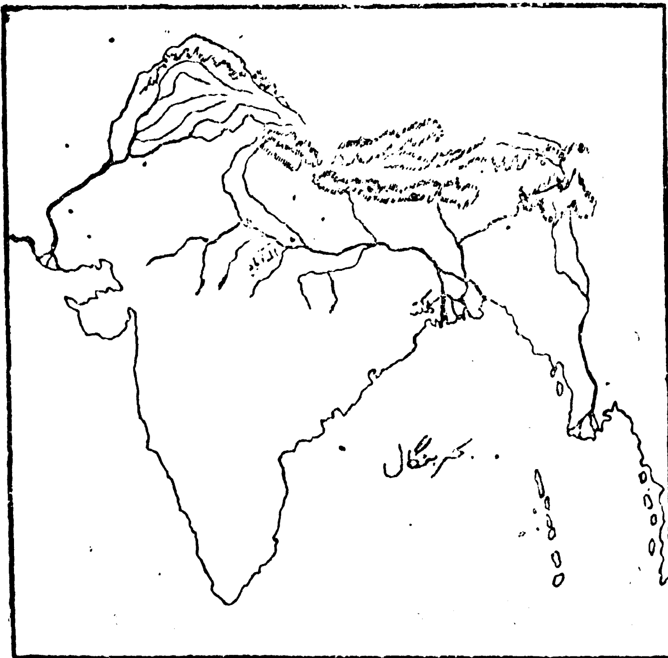
شکل نمبر ۱

رہیں بلکہ اُس نے ایک دوسرا راستہ بھی اختیار کیا جس کا رخ

پورنیا کی طرف تھا —

جب تک کہ ہم کو زلزلی خطوط بہم نہ پہونچ سکیں پوری طور پر اس کا راستہ نہیں بتلایا جاسکتا تاہم ایک ناہموار دائرہ شکل نمبر ۱ میں اُس مقام کو بتلاتا ہے جہاں زلزلہ کی شدت رہی ہے —

ذیل کے مرکزی فاصلے زلزلہ پیما اسٹیشن سے وصول ہوے ہیں -



شکل نمبر ۲

بمبئی ۹۵۰ میل ، کوڈیکنال ۱۴۰۰ میل ، دہرہ دون ۱۰۰ میل ، آگرہ ۴۵۰

میل ، منگلور ۱۲۵۰ میل ، کیو ۴۶۰۰ میل - ان مختلف مقامات میں مختلف اوقات میں کم و بیش جھٹکے محسوس ہوے - ظاہر ہے کہ جو مقامات قریب ترین تھے وہ پہلے متاثر ہوے اور جو دور تھے وہ بعد میں متاثر ہوے —

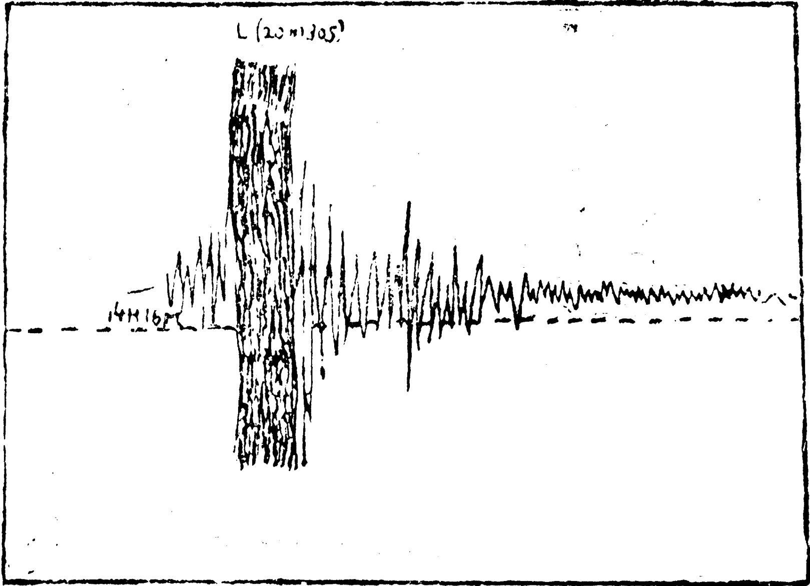
شکل نمبر ۲ میں سیاہ نشانات اُن مقامات کا پتہ دیتے ہیں جو سنہ ۱۹۰۳ ع سے سنہ ۱۹۰۹ تک زبردست زلزلوں کا مرکز رہے - اس زلزلے کا راستہ میکسیکو اور اینٹلیس (Antles) سے شروع ہوکر بحر قلزم اور ایشیاے کوچک سے گذرتا ہوا پامیر ، ترکستان ، ہمالیہ آسام اور بحر ہند تک پہونچتا ہے —

زلزلہ نگار کا ریکارڈ

اس وحشت انگیز زلزلہ کا ریکارڈ ہندوستان میں کوئی زلزلہ نگار (Seismograph) قائم نہیں رکھہ سکا - کلکتہ میں زلزلہ کی شدت اس قدر تھی کہ جملہ زلزلہ نگار ٹوٹ کر بے ترتیب ہوگئے - آگرے میں ملنے شا (Milne Shaw) زلزلہ نگار جوڑ پر سے ٹوٹ جانے کی وجہ سے ناکارہ ہوگیا - ہاں کسی قدر اوموری ایونگ (Omori Ewing) زلزلہ نگار شروع کے جھٹکوں کا ریکارڈ قائم رکھہ سکا - لیکن وہ بھی زبردست جھٹکوں کی تاب نہ لاکر ٹوٹ گیا —

بمبئی میں تو ملنے شا زلزلہ نگار کے مشرقی اور مغربی جز پہلے ہی جھٹکے میں ناکارہ ہوگئے اور دوسرے شدید جھٹکوں میں شمالی اور جنوبی جز بھی ٹوٹ گئے - بہر حال کسی قدر بہتر ریکارڈ اوموری ایونگ زلزلہ نگار سے حاصل ہوا - ملنے شا زلزلہ نگار کی تو یہہ حالت ہوئی کہ وہ کوڈیکنال جیسے دور مقام پر بھی دوسرے

جھٹکوں میں بے کار ہوگیا - بمبئی میں اوموری ایونگ زلزلہ نگار



شکل نمبر ۳

سے جو ریکارڈ قائم ہوسکا اس کا خاکہ شکل نمبر ۳ میں ملاحظہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لکیریں کسی کپکپاتے ہوے ہاتھ سے بنائی گئی ہیں - تاہم یہہ ریکارڈ بہت سے وجوہات سے نہایت اہم خیال کیا جاتا ہے - اصلی اور ثانوی جھٹکوں کی وسعت مقابلتاً کمزور رہی جب کہ سطحی جھٹکوں کی لہریں ایک سرے سے دوسرے سرے تک بہت پیچیدہ طریقے پر محسوس کی گئیں - اس پیچیدگی کا سبب کچھہ یہہ بھی ہوسکتا ہے کہ زلزلہ پیما کا رقاص دونوں جانب سے رکاوٹوں کی

وجہ سے پوری طور پر متحرک نہ رہ سکا - دوسرے یہہ کہ زلزلہ کی شدت اور طویل وقفہ کی وجہ سے سطحی لہریں دیر تک قائم رہیں —

غیر مقصورہ رقاص ہونے کی وجہ سے اصلی اور ثانوی موجوں کا وقت دوران اُس کے آزاد وقت دوران کے تقریباً مساوی ہوتا ہے جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے —

مائنے شا زلزلہ نگار (نسبت تقصیری ۲۰ تا ۱) کے شمالی جنوبی جز کے مطابق اصلی موجوں کے اوقات دوران تیز ہوتے ہیں - یعنی اوسطاً تین ثانیہ - کم و بیش اسی قسم کے خط و خال اُس نقشہ سے ظاہر ہوتے ہیں جو اوموری ایونگ کے آلہ سے آگرے میں حاصل کئے گئے —

مرکزی علاقہ میں ہیجان کی نوعیت

مرکز پر زلزلہ کی شدت کا تخمینہ کس طرح کیا جا سکتا ہے اس کا طریقۂ کار فلاسفیکل میگزین نمبر ۴۹ بابت سنہ ۱۹۲۵ ع میں ڈاکٹر ایس کے بینرجی ڈی ایس سی نے بتلایا ہے - انہوں نے اُس پرچہ میں بتلایا ہے کہ اگر مرکز کی گہرائی ۳۰۰ یا ۴۰۰ ملی میٹر ہو جیسا کہ ٹرنر (Turner) کا نظریہ ہے تو سطحی زلزلی موجیں اصلی اور ثانوی موجوں کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوں گی - اس طریقۂ کار کے صحیح ہونے کی نسبت مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ بالکل درست پایا گیا —

مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ چند گہرے مرکزوں پر سطحی موجیں کمزور پائی گئیں - بہار کے زلزلے کی اصلی اور ثانوی موجوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں ہیجان سطح سے بالکل قریب واقع ہوا ہے - اس سے یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ اتنے وسیع رقبہ میں زلزلہ

کا احساس کیونکر ہوا - کیونکہ سطحی موجوں کا حیطہ (Amplitude) فاصلہ کے ساتھہ ساتھہ گھٹتا جاتا ہے چنانچہ اس کمی کا کلیہ یہ ہے (فاصلہ $^{-\frac{1}{2}}$) جب کہ صحیح تفصیلات اس امر کی دستیاب ہوں گی کہ زلزلے کے مرکزی مقامات پر کس قدر نقصان واقع ہوا تو اس وقت زلزلہ کی شدت رفتار اور مرکز پر زمین کے اسراع کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے - سنہ ۱۸۹۷ ع میں آسام کے زلزلہ کی رفتار ۱۶ فیٹ فی ثانیہ اور اسراع (Acceleration) ۸ فیٹ فی ثانیہ رہا - حالات جو اب تک وصول ہوے ہیں ان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بہار میں بھی کسی طرح اس سے کم حرکت نہیں رہی —

زلزلہ کے اسباب

یہہ معلوم ہوا ہے کہ تمام روے زمین پر ہر سال تقریباً ۱۰۰۰۰ زلزلہ آتے رہتے ہیں جو کسی نہ کسی زلزلہ نگار پر ریکارڈ کئے جاتے ہیں - ان میں سے صرف ایک فی صدی لوگوں کو محسوس ہوتے ہیں اور بہت کم ایسے شدید ہوتے ہیں کہ ان کی نوبت اتلاف جان و مکان تک پہونچے - موجودہ بہار کا زلزلہ آخری قسم کا تہا - زلزلے زیادہ تر زمین کے قشر کی اضافی حرکت کی وجہ سے آتے ہیں - تمام دنیا میں صرف دو ہی راستے ایسے ہیں جو کہ زلزلہ کے مرکز بنے رہتے ہیں - (۱) بحرالکاہل میں ساحل کے کنارے کنارے کے مقامات (۲) ہمالیہ اور الپائین کے پہاڑی سلسلے - یہہ دونوں راستے عجیب و غریب طور پر زلزلے کے مرکز بنے رہتے ہیں —

ہندوستان کی حالت کو خاص طور پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مغرب میں ہمالیہ اور بلوچستان کے پہاڑی سلسلے اور مشرق

میں برھما اور ملایا کے پہاڑی سلسلے زلزلے کے اکثر شکار ہوتے رہتے ہیں - ھمالیہ میں بعض طبقے بہت بے ترتیب واقع ہوے ہیں جن میں سے خصوصیت کے ساتھہ سوالک سلسلہ (Siwalik Range) ہے —

ماہرین ارضیات ہند اس سلسلے کو (Main Soundry Fault) کے نام سے موسوم کرتے ہیں ' جو کہ پنجاب سے لے کر آسام تک ھمالیہ کے سارے طول پر بہت نمایاں ہے —

ھمالیہ پہاڑ پر پتھر برابر ٹوٹتے پھوٹتے اور گھستے رہتے ہیں - اور یہ مادہ دریاوں کے ذریعہ میدانوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے - ھم سکونی اُصول پر زمین کی اصلی سطح کچھہ نیچے واقع ہوی ہے اور اس طرح کے مادہ کی منتقلی ایک بلاک سے دوسرے بلاک میں زلزلہ پیدا کرتی ہے —

زلزلہ کے وجوہات اب تک سخت زیر بحث رہے ہیں ' لیکن ھم کو یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ زلزلہ ایک لچکدار عمل ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے کسی حصے پر بوجھہ اور دباو پڑتا ہے - جب یہ دباو انتہا کو پہونچ جاتا ہے تو زمین کے کمزور طبقے شق ہو جاتے ہیں جس سے زمین میں زلزلہ پیدا ہوجاتا ہے - شمالی بہار کے سبب کی توجیہ کے سلسلے میں خیال قدرتاً ھم سکونی تلافی کے خلل کی طرف جاتا ہے - ھم سکونی کا دعوی یہ ہے کہ اگر ھم چٹان کا ایک کالم لیں ' جو ھمالیوی سلسلے کی چوٹی سے نیچے کی طرف قشر زمین کی خاص سطح تک جس کو سطح تلافی کہتے ہیں (جو زمین کی سطح سے تقریباً ۱۲۰ کلومیٹر نیچے ہوتی ہے) اور اُسی تراش کا دوسرا کالم لیں جو اُسی سطح تک شمالی بہار کے میدانوں کے نیچے

پہیلا ہوا ہو تو دونوں کالموں کا ایک ہی وزن ہونا چاہئیے —

اگر یہ بھی فرض کرلیا جاے تو بھی بر بناے واقعات حالات میں تغیر کی توقع رکھنی چاہئیے کیونکہ بارش' ہوا اور برف کی چٹانیں وغیرہ برابر پہاڑوں کی چٹانوں کو حرکت دیتی رہتی ہیں - بایں ہمہ ارض پیماوں (Geodesist) کا خیال ہے کہ کالموں کے وزن اب بھی برابر ہوں گے - لیکن یہ صرف اُسی صورت میں واقع ہوگا جب کہ کسی نہ کسی طریقے پر تلافی ہوتی رہے یعنی کوھی کالم میں چٹان داخل ہو اور میدانی کالم سے خارج ہو - چٹانوں کا اس طرح منتقل ہونا آس پاس کے رقبوں میں زبردست فساد (Strain) پیدا کردیتا ہے اور جب برداشت کی انتہا ہوجائے اور فساد دور ہوجائے تو پہاڑ کا اُتھہ جانا لازمی نتیجہ ہوتا ہے - اب تک جو شہادت بہم پہونچی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے رقبوں مثلاً براعظم کے لیے ہم سکونی تلافی کا اصول صحیح ہے لیکن چھوٹے رقبوں کے لیے اس کا صحیح ہونا محل نظر ہے اور متعدد جاذبی بے ضابطگیوں کی وجہ سے اس اعتراض میں قوت پیدا ہوگئی ہے —

یہ معلوم ہے کہ پہاڑی سلسلوں پر ج (جاذبی اسراع بوجہ جاذبۂ زمین) کی قیمت زاید ہوتی ہے اور پہاڑ کے دامن اور وادیوں میں اس کی قیمت کم ہوتی ہے - ہندوستان میں تازہ مشاہدات سے اس نتیجہ کی تائید ہوتی ہے اور مشاہدہ بتلاتا ہے کہ شمالی بہار میں جاذبہ کی قیمت خاص طور پر کم ہے - بظاہر یہ نتیجہ اُس نتیجے سے مختلف ہے جو ہم سکونی نظریہ سے حاصل ہوتا ہے - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمالی

بہار میں جو مادہ موجود ہے اس کے کم از کم اوپر کے طبقوں میں کثافت بہت کم ہے اور اس وجہہ سے غالباً وہاں وزن ضرورت سے کم ہے لہذا اس طبقہ میں اُوپر اُٹھنے کا اقتضا ہوگا اور اس لیے پہاڑ اور میدان کے سنگم پر اس کی وجہ سے زبردست فساد پیدا ہو جائے گا - مگر یہ پھر بھی سمجھہ میں نہیں آتا ہے کہ یہ فساد وقت کے ساتھہ کیونکر بڑھ کر حد لچک تک پہونچ جاتا ہے - ایس جی برارڈ کا قول ہے کہ جاذبی بے ضابطگیوں سے مجھے اکثر سابقہ پڑا ہے جو پریٹ (Pratt) کے نقطۂ نظر کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن تفصیلی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بے ضابطگیاں پریٹ کی تائید کرتی ہیں —

یہ معلوم نہیں ہے کہ وادی گنگا میں دریائی زمین (Alluvium) کس گہرائی تک ہے اور نیچے کے طبقوں میں کس حد تک دبا ہوا ہے - یہ قرین قیاس ہے کہ کمتر کثافت سطحی طبقوں تک محدود ہو اور جتنا ہم نیچے جائیں اتنی ہی یہ کثافت زیادہ سے زیادہ ہوتی جائے - اور اس لیے جاذبی بے ضابطگی کے باوجود تلافی کا اصول قائم رہے اور فی الحقیقت برارڈ نے ان بے ضابطہ کثافتوں کو شمار میں لیا ہے اور تلافی کو مکمل سمجھہ کر ایسی گہرائیاں اخذ کی ہیں جن سے ان مشاہدہ کردہ واقعات کی توجیہ ہو جاتی ہے —

ہمالیہ میں چار اہم زلزلہ کے طبقوں یعنی آسام، نیپال، پنجاب اور کشمیر کو ہم ا - ب - س - د سے ظاہر کریں تو بڑے بڑے جھٹکوں کا وقوع ذیل کی ترتیب میں نظر آتا ہے —

د ۱۸۲۸ —— س ۱۸۳۲ —— ب ۱۸۳۳ —— ا ۱۸۹۹

د ۱۸۸۵ —— س ۱۸۷۵ —— ب ۱۸۹۹ ——————

—————— س ۱۹۵۵ —— ب ۱۹۳۴ —— ا ۱۸۹۷

یعنی د سے ا تک اور پھر د تک ایک مسلسل نقل ہوتا رہتا ہے جس کے بعد سنه ۱۸۹۷ ع میں مشرق کی طرف اهتزاز پیدا هوا اور پھر شمال مغرب کی جانب سنه ۱۹۰۵ ع میں جو موجودہ سال میں طبقۂ اوسط پر آکر ختم ہوا - اس سے تو کچھه اس امر کا پته چلتا ہے که زلزلے کے جھٹکے برابر اُس طبقے کی طرف منتقل ہوتے رہے جہاں مرور زمانه کے ساتھه ہم سکونی تلافی میں خلل بدرجۂ اعظم واقع ہوا ہے —

زلزله چاند کے مہینوں کی شروع تاریخوں میں آیا اُس وقت اُس خطے پر فضا میں سردی کی ایک لہر گذر رہی تھی - بعض لوگوں نے یه لکھا ہے که زلزله کا سبب قریب ممکن ہے که سیاروں کا اثر ہو یا فضائی دباو کا خلل - اتنا معلوم ہے که زمین کے ٹھوس لچکدار مادہ میں سورج اور چاند کے عمل کی وجه سے چاند کی پہلی تاریخوں میں سب سے بڑا مد پیدا ہوتا ہے - صورت موجودہ میں مطابقت کی وجه سے اس قول کی تردید ذرا مشکل ہے که جس میں مد یا دباو کی وجه سے بوجھه کا تغیر فساد کے فوری دفعیه کے لیے متحرک ہو گیا ہو - لیکن تا حال زلزله اور فضائی دباو یا زمین میں مدِ جسمی کے درمیان کوئی علاقه دریافت نہیں ہوا ہے - اگر ہم سکونی تلافی کا خلل ان زلزلوں کا سبب ہو تو ممکن ہے که چند برس بعد ہمالیه کے کسی نه کسی خطے میں اس قسم کے قشری زلزلے پیدا ہوں - بنا بریں اپنے شہروں کے بنانے میں ہم کو خاص طور پر ایسی

عمارتیں بنانا چاهئیے کہ وہ زلزلہ کا مقابلہ کرسکیں اور هر بڑی عمارت میں جہاں تک هوسکے زلزلہ سے آگاہ کرنے والا آلہ لگائیں مثلاً ایک سادہ رقاص جس کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ زلزلہ کے وقوع کے ساتھہ هی وہ برقی تماس پیدا کردے جس سے گھنٹیاں بجنے لگیں اور مکان میں رهنے والے فوراً باهر نکل کر خطرہ سے محفوظ هو جاویں —

ابو موسیٰ جابر بن طرسوسی

از

(جناب دوست محمد خان صاحب)

اگر آپ دوسری تیسری اور چوتھی صدی کے علمی مرقع کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو چند ایسی شخصیتیں نظر آئیں گی جن کے احسان سے علم کیمسٹری یا کیمیا اب تک ممنون و مرھون ھے - سائنس کی دنیا ترقی کررھی ھے اور آگے بڑھتی چلی جارھی ھے - وہ خواہ کتنی ھی ترقی کرجائے مگر ان شخصیتوں کو کبھی بھی نہ بھولے گی - خالد بن یزید نے حکمرانی کو پس پشت ڈال کر علمرانی کی ، کیمیا سازی کے کارخانے قائم کئے اور علم کیمیا کو روشناس خلق کیا - امام جعفر صادق (رض) علوم اھل بیت کے ساتھ ساتھ اپنے خاص خاص شاگردوں کو اسرار کیمیا بھی تعلیم کرتے تھے ؛ ابن بدرون کی ھمت اور جولانی نے تصعید اور تقطیر کے طریقے نکالے ، ابواسحق الانصاری نے گیس کے فوائد دریافت کئے ، ابوبکر رازی فن دوا سازی کی طرف متوجہ ھوئے . اس طرف متوجہ ھوئے ھی تھے کہ کیمیا نے بھی ان کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرلیا ، چنانچہ زیت الزاج والکحل انھی کی ایجاد ھیں ؛ جابر بن حیان کے فرق مبارک پر کیمیا کی دیوی نے

"موجد فن کیمیا" کے خطاب کا تاج لا رکھا - جب اس نے دیکھا کہ حرارت کے ذریعہ خشک چیزوں کا ارتفاع دریافت کرنے ' نائٹرک ایسڈ بنانے اور تحلیل و ترکیب کے قواعد منضبط کرنے میں اُنھوں نے کمال حاصل کر لیا ھے- یہی وہ خیر و برکت کا زمانہ تھا جب مسلمانوں نے علم کیمیا کی طرف توجہ کی اور ایسی توجہ کی کہ صاحب فن مشہور ھوے- ان کی کتابیں لاطینی زبان میں کہ اس وقت یورپ کی علمی زبان تھی' ترجمہ ھوئیں اور اب بھی پاپاے روم کے کتب خانہ میں دیدۂ دل کو روشن کر رھی ھیں-

اھل یورپ جابر کو جبیر کہتے ھیں اور علم کیمیا کا موجد تسلیم کرتے ھیں- مگر کس قدر افسوس کا مقام ھے کہ اب تک ان کا سنہ ولادت بھی ٹھیک معلوم نہیں ' واقعات سے پتہ چلتا ھے کہ یہ یگانۂ روزگار ھشام بن عبدالملک کے زمانہ میں تولد ھوے تھے ' اور یہ وہ زمانہ تھا جب ترکوں کی جنگ میں اسلامی لشکر نے بسر کردگیٔ عمرو بن سعید حرشی فغفور چین کے بیٹے کو شکست دی تھی' اور جس سال ولید بن یزید مسند خلافت پر متمکن ھوا' اس وقت جابر عمر کی دس منزلیں طے کر چکے تھے اور مذھب کی مختصر تعلیم سے فراغت پا چکے تھے- اس حساب سے ان کا سنہ ولادت سنہ ۱۱۵ ھ اور سال تکمیل سنہ ۱۲۵ ھ ھوگا! جنم بھومی کا بھی صحیح طور پر مذکور نہیں - کوفہ' دمشق اور الجزیرہ کو اس توقیر کا ادعا ھے' مگر مشہور ھے کہ طرسوس کو ان کی جاے پیدائش ھونے کا شرف حاصل ھے! دمشق کی ابتدائی اقامت کے بعد کوفہ میں جابر نے بود و باش اختیار کر لی تھی ' جابر کی علمی زندگی کا آغاز اُس وقت ھوا جب آپ کو خالد بن یزید کے دربار میں رسائی حاصل ھو گئی - اپنی خداداد ذھانت اور بذلہ سنجی

سے جابر نے اچھا خاصا رسوخ پیدا کر لیا، اس زمانہ میں فلسفہ اور
حکمت کی نئی نئی کتابیں عربی میں داخل ہو رہی تھیں ' جابر نے
اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اپنی استعداد علمی کو اور
بھی چمکایا - ان دنوں مصریوں اور کلدانیوں کے اختلاط نے عربی
دلوں میں بھی سونا چاندی بنانے کا شوق تخلیق کر رکھا تھا ' شہزادہ
خالد کو اس میں خاص انہماک و اہتمام تھا ' ان ہی سے جابر کو بھی
اس کا شوق ہوا ' اور ناقص فلزات کو چاندی سونے میں منتقل کرنے
کے عالمانہ شغف کا یہ نتیجہ ہوا کہ اجزا کی تحلیل و ترکیب کے ایسے
ایسے قواعد مرتب ہوے جو یورپ کی جدید کیمسٹری کے اصول اولیں
سمجھے جاتے ہیں - اس فن میں جابر کو امام جعفر سے بہت بڑی امداد
ملی اور ان کی کیمیاری تعلیمات کو بھی شایع کیا جو " رسائل جعفر صادق "
کے نام سے مشہور عالم ہے - لیکن ان کا طرز تحریر بہت ادق ہے اور
اصطلاحیں فلزات و معادن کے لیے ایسی قرار دی ہیں کہ بصد مشکل
سمجھ میں آتی ہیں ' چاہیے تو یہ تھا کہ ایسا شخص طبعاً تنک مزاج
اور زاہد خشک ہو مگر یوں نہیں تھا ' عرب کے عام مذاق سخن نے اس
کو بھی زندہ دل بنا رکھا تھا اور اپنے جذبات نہایت آزادی سے نظم کیا کرتے
تھے - جابر کی مولفات پانسو کے قریب ہیں مگر ان میں کا کثیر حصہ
تلف ہو چکا ہے اور اب صرف نام ہی نام باقی رہ گیا ہے- جابر کی بعض
قلمی کتابیں، " کشف الاسرار و ہتک الاستار" " اخراج مافی القوۃ الی الفعل"
اور " الصنعۃ الالہیۃ والحکمۃ الفلسفیہ " مصر کے کتبخانۂ خدیویہ میں موجود
ہیں، ساربون یونیورسٹی (فرانس) میں " مختصر الاکسیر الکامل " کا ایک
نسخہ پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ اٹنبرا ' لندن ' پیرس ' اور لیڈن کے

کتب خانے بھی جابر کی تالیفات سے مزین ھیں -

جابر کا نظریہ تھا کہ تمام معدنیات عالم عناصر متشابہ سے مرکب ھیں ' یورپ کی سائنس کی دنیا بھی سولھویں صدی تک اسی نظریہ کی تائید میں رطب اللسان تھی مگر بعدہ لافوازیہ ڈاکٹر (Lavoisier) کی تحقیقات نے ان مسئلوں کی صورت بدل دی ' لیکن اگر بنظر غور دیکھا جاے تو زمانۂ حال کے علماے کیمیا کا نظریہ بھی بہت کچھہ نظریۂ جابر سے ملتا جلتا ھے - یورپ میں یہ بات تسلیم شدہ ھے کہ وہ عناصر جنھیں ھم بسیط سمجھتے ھیں اور جن سے مواد تکوین کی ترکیب ھوتی ھے خود بھی ایک عنصر سے مرکب ھیں اور ان کے خواص ظاھری کے اختلافات ' درجات ترکیب کے تفاوت اور وضع جواھر کی کیفیت کے نتائج ھیں - یعنی مواد تکوین کا مرجع فقط ایک عنصر ھے ' ھاں باھمی ترکیب کے اختلاف سے عناصر بسیط کی تکوین ھوئی اور انھیں عناصر کی ترکیب سے اجسام کا ظھور ھوا جن سے زمین اور تمام اجرام فلکی وغیرہ مرکب ھیں - عناصر اربعہ جابر سے پہلے دریافت ھو چکے تھے' جابر کو خود ان میں تجزیہ کا اعتراف ھے مگر تجزیہ تحلیلی نہ کہ تقویمی' یعنی مانتے ھیں کہ عناصر مرکب ھیں لیکن جن اجزا سے مرکب ھیں اُن سے ذات کا قوام نہیں —

جابر قائل ھیں کہ

(۱) جتنے مادیات ھیں یا تو وہ بسیط ھوں گے یا مرکب

(۲) ھر مرکب کی انتہا کسی بسیط پر ھونی چاھئے ورنہ تسلسل لازم آئے گا

(۳) مادیات کا قوام عناصر سے ھے

(۴) عناصر کا حقائق میں ایک دوسرے سے تخالف ھے -

(۵) مجموعۂ اجزا کی حقیقت بعینہ کل کی حقیقت ھے- جیسے مجموعۂ حیوان

ناطق بعینہ انسان ہے

مثلاً ہوا ایک عنصر ہے ضرور ہے کہ یہ عنصر یا تو مرکب ہوگا یا بسیط ، اگر مرکب ہوا تو اس کے اجزا یا توہوائی ہوں گے یاکسی اور عنصر کے ہوں گے اگر کسی اور عنصر کے ہوئے تو اُس عنصر کے سب اجزا کو چاہئیے کہ ہوائی ہوں - (۵) حالانکہ دونو کی حقیقت میں تخالف ہے - (۴) اور اگر وہ اجزا بھی ہوائی ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرکب ہیں بسیط ؟ مرکب تو ہو نہیں سکتے، نہ بالذات نہ بالغیر ، لا محالہ بسیط ہوں گے !

یہ تو تھا جابر کا نظریہ ، اور موجودہ تحقیقات نے گو اس کی صورت بدل دی ہے مگر نفس الامر سے انکار نہیں ہوسکتا ! علماے یورپ کی راے میں جسم دو قسم کے ہیں ، ایک ذی روح اور ایک غیر ذی روح - اجسام ذی روح کو " ذوات الاعضا " کہتے ہیں اور اجسام غیر ذی روح کو " اجسام عضویہ " یا " اجسام آلیہ " - یہ تمام اجسام قریباً چار بسیط جسموں سے مرکب ہیں :-

(۱) کوئلہ (کاربن)

(۲) ہائیڈروجن ، جس سے پانی کی تولید ہوتی ہے

(۳) آکسیجن ، جس سے گیس کی تولید ہوتی ہے اور احتراق پیدا ہوتا ہے

(۴) نائٹروجن ، ہوا کا اساسی عنصر ہے -

ان عناصر اربعہ کو " عناصر عضویہ " کہتے ہیں ، کیونکہ اجسام عضویہ و اجسام ذوات الاعضا کی ان سے تکوین ہوتی ہے - اگرچہ ان عناصر میں بھی بعد از تحلیل بعض اجزا مثلاً گندھک اور فاسفورس

دریافت ہوئے ہیں مگر اجزاے تحلیلی کو اجزاء کہنا ہی مسامحہ ہے اس لئے کہ نہ ان سے ذات کا قوام ہوتا ہے اور نہ ترکیب میں مدد ملتی ہے —

علماے یورپ کی یہ بھی راے ہے کہ معدنیات میں قریب قریب ۷۰ بسیط جسم پائے جاتے ہیں مثلاً سونا ' چاندی ' پلاٹینم ' لوہا ' تانبا ' پارہ ' توتیا ' گندھک ' فاسفورس ' سوڈا اور پوٹاس وغیرہ -اس ایسے عناصر عضویہ سے تکوین ہوتی ہے (۱) ہوا کی
(۲) تمام اجسام ذی روح کی
(۳) اُن اجسام کی جو ذی روح جسموں سے بنتے ہیں

باقی عناصر بسیط سے ' جن کی تعداد ۷۰ یا ۸۰ کے قریب ہے ' طبقات الارض کی تکوین ہوتی ہے ' پس بلا تامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ جابر اور لافوازیہ کے نظریوں میں اختلات تو ہے مگر بہت کم ' اتنا کم کہ اسے کوئی اهمیت نہیں دی جا سکتی - بلکہ یوں کہئے کہ دونو کی رائیں قریباً ایک ہیں ' کیونکہ عنصر خاک کاربن کے عنصر کے مشابہ ہے اور عنصر آب ہیڈروجن کا دوسرا نام ہے جس سے پانی کی تولید ہوتی ہے - ہوا اور نائٹروجن ' جو ہوا کا اصلی و اساسی عنصر ہے ' گویا ایک ہیں اور آگ اور آکسیجن میں کوئی ظاہری فرق نہیں -

جابر نے سونے اور چاندی کا پانی نکالا - جدید فن کیمسٹری میں یہ دونو کام بہت اہم سمجھے جاتے ہیں - جابر ہی نے گیس کی خاصیت بھی دریافت کی اور پوٹاس ' امونیا ' حجر جہنم ' سلیمانی ' راسب احمر وغیرہ بھی جابر ہی نے بنائے اور معلوم کئے - تقطیر '

تصعید ، ترشیح ، تبلور ، اور تذویب وغیرہ کے طریقے بھی جابر ھی کی عقل و فہم کے مرھون منت ھیں —

جابر سے قبل سرکہ تیزاب کی خدمات سر انجام دیتا تھا ، موجودہ تیزاب کی ایجاد کا تاج زرین جابر ھی کے فرق مبارک پرضو افشاں ھے ! سب سے پہلے اُسی نے دریافت کیا کہ اگر سیسہ ، تانبا ، یا لوھے کے ایک ٹکڑے کو کسی کھلے برتن میں گرم کیا جاتے تو گرم ھونے کے بعد اُس کا وزن بڑھ جائے گا - گیس کے متعلق اُس نے معلوم کیا کہ اگر پانی کو جوش دیا جاے تو جو بھاپ اُس سے اُوپر کو اُٹھتی ھے اُسے علحدہ برتن میں جمع کرسکتے ھیں ، یہی بھاپ یا گیس اعمال کیمیا کی جان ھے اور محض اسی لئے جابر کی تصنیفات میں "روح" کے نام سے اس کا ذکر ھے !

بارود کی ایجاد بھی جابر ھی سے منسوب ھے ! دنیاے جنگ اور دنیاے امن اُس کے اُس نسخہ کو تاقیامت نہ بھولے گی جو اُس نے گندھک کوئلہ اور شورے کے سفوف کی ترکیب کے متعلق درج کیا ھے - دنیاے خمر کی انتہائی بدقسمتی ھے کہ اُسے اتنا بڑی معلوم نہیں کہ یہ ابن جابر ھی تو تھا کہ جس نے شراب سے الکحل بنانے کا طریقہ دریافت کیا اور اسپرٹ ایجاد کی ! -

یہ دریافت بھی جابر کی بارگاہ میں شکریہ کا خراج پیش کرتی ھے کہ اگر کافور کو کسی بوتل میں رکھکر آگ لگادیں اور حرارت پہنچائیں تو کافور غائب ھوجائے گا اور بہت جلد سیال ھوجانے کی وجہ سے گیس کی صورت میں آجائے گا ، یہ طریقہ جس سے ٹھوس یا منجمد چیزوں کی گیس بن سکتی ھے جابر ھی کی ایجاد ھے ! ارباب

فن کی اصطلاح میں اس عمل کو تصعید کہتے ہیں مگر جابر اس کو ارتفاع اشیاے منجمدہ بذریعہ حرارت لکھتا ہے! اُس نے حرارت پہنچا کر شنجرف کی بھی گیس نکالی اور علحدہ جمع کرکے اُس کا خشک پارہ بنالیا!

جس طرح آپ کے سنہ ولادت کا صریحاً کہیں ذکر نہیں یونہی سنہ وفات کا بھی ٹھیک ٹھیک کہیں مذکور نہیں، البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ مہدی عباسی کو تخت نشیں ہوے دو برس کچھہ اُوپر گذرے ہوں گے کہ جابر کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، مہدی خلیفہ کا سنہ جلوس ذی الحج سنہ ۱۰۹ ھ ہے۔ اس لئے سنہ ۱۶۱ ھ تاریک قسمت وہ سال ہوگا جس میں یہ سانحۂ عظیم علمی دنیا کو پیش آیا —

یہ ہے مختصر سی سوانح عمری اُس شخصیت کی جو دنیاے سائنس کا عظیم الشان محسن تھا اور آج بدقسمتی سے مسلمان جس کے احوال و اعمال سے تو کیا نام تک سے نا آشنا ہیں!

اضافیت کا ایک نیا نظریہ

از

(" هندو " مدراس)

(سید عبدالنعیم غازی صاحب سال دوم (ریاضی) عثمانیہ کالج)

نیوٹن نے یہ فرض کیا تھا کہ قوت جاذبہ ہر ایک شے پر خواہ وہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو ایک فوری اثر رکھتی ہے یعنی اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اس کی رفتار لامتناہی ہوتی ہے - پھر اس نے یہ بھی فرض کیا کہ ایک ہی کلیہ کا اطلاق دو اجسام کے درمیان ہوتا ہے - خواہ وہ حالت سکون میں ہوں یا اضافی رفتار میں - لیکن بعد کے مشاہدات سے یہ ثابت ہوا کہ اس کا اطلاق متحرک اجسام کے لئے صحیح نہیں ہے —

آئنسٹائن (Einstein) نے کسی قدر صحیح تر کلیہ پیش کیا - لیکن نیوٹن کے اصول کی قربانی کرکے - اضافیت مکان ' زمان اور حرکت کی مطلقیت کا انکار کرتی ہے لیکن زاوی حرکت یا حرکت کے فوری تغیر کی مطاقیت کا انکار نہیں کرسکتی —

" جدید نظریہ کے مطابق کوپرنیکس (Copernecus) اور اس کے پیشرووں کے درمیان جو اختلاف تھا وہ دراصل اضافیت

ھی کا اختلاف ھے - دونوں کے دعووں میں کوئی فرق نہیں -
یعنی اگر یہ کہا جائے کہ زمین دن بھر میں ایک مرتبہ
گھومتی ھے یا یہ کہ آسمان زمین کے گرد ایک مرتبہ گردش
کرتا ھے تو دونوں کا ایک اور صرف ایک ھی مطلب
ھوتا ھے " (برٹرانڈ رسل)

لیکن جب ایک لڑکا لٹو پھراتا ھے تو کیا وہ لٹو کو گردشی حرکت دیتا ھے یا وہ تمام کائنات کو لٹو کے مخالف سمت میں حرکت کرنے پر مجبور کرتا ھے - ایک موٹر چلانے والا جب موٹر کو یکایک روکتا ھے تو کیا وہ موٹر ھی کو روکتا ھے یا پوری دنیا کو پیچھے کی طرف ڈھکیلتا ھے —

اضافیت نور کی رفتار کو مطلق قرار دیتی ھے اگرچہ اس کی ایک معلومہ محدود رفتار ھے (۳×۱۰^{۵} کلومیٹر فی ثانیہ) تاھم لاتناھی کے خواص سے اس کو متصف کیا گیا ھے - اب کوئی سی رفتار خواہ وہ کتنی ھی بڑی کیوں نہ ھو اس میں جمع کی جاے یا اس میں سے تفریق کی جائے تو اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ھوتا —

ریڈیم سے نکل کر ایک " بیٹا " (Beta) ذرہ ۲۰۰،۰۰۰ کلومیٹر فی ثانیہ کی رفتار سے حرکت کر سکتا ھے کوئی شاھد اسی رفتار سے حرکت کرے تو بھی اس کی اضافت سے نور کی رفتار ۳۰۰،۰۰۰ کلومیٹر فی ثانیہ مانی جاتی ھے - (ایڈنگٹن)

یہ نظریہ زمان اور کمیت کو رفتار پر منحصر بتلاتا ھے - بایں‌ھمہ جسم کا شاھد سے قریب ھونا یا دور ھونا اس کے نزدیک برابر ھے —

" اگر ا، ب، دو توام بھائی ہوں اور وہ اپنے سفر سے واپس آئیں تو ب چھوٹا ہوگا الف سے - یہ واقعی عجیب و غریب استخراج ہے - جس کو کسی طرح کی لفاظی سے رد نہیں کیا جا سکتا - ہم کو اس سے مفر نہیں " (میکس بارن)

اس نظریہ کی رو سے حرکت کی سمت میں طول منقبض مانا جاتا ہے جس کا اظہار گھومتے ہوے پہیے میں نہیں ہوتا - کیونکہ پہیے کی کناری (Rim) تو سکڑ جاتی ہے لیکن تنقے یا تیلیاں اسی نسبت میں نہیں سکڑتیں —

بعد چہارم

اضافیت زمان کو نہ صرف چوتھا معدد (Coordinate) گردانتی ہے بلکہ اس کو مکان کا چوتھا بعد بھی بتلاتی ہے- اس طرح مکان میں انحناء بتلاتی ہے اور اس کو خواص سے متصف مانتی ہے - باوجودیکہ اس کو خلاء تسلیم کرتی ہے نہ کہ ایتھر جیسا واسطہ - اس نے مکان کو محدود مانا ہے - اس پر بھی اس کے محدود حدود کو ناقابل رسائی گردانا ہے - بایں‌ہمہ زمان محدود میں یہ ممکن ہے - اس کے ایسے زمان کو فصل کے ساتھ ساتھ بطی گردانا گیا ہے جس سے زمان بالاخر ساکن ہو جاتا ہے - اس نے ذیٹا غورث کے مسئلہ کا اطلاق چار بعدوں پر کیا ہے اور یہ فرض کر لیا ہے کہ دو واقعات کے درمیان وقفہ بعد مکانی اور روشنی کے طے کردہ فاصلے کے مربعوں کا فرق ہے —

" فرض کیجئے کہ آپ ایک شعاع نور ہیں - نظام شمسی کے گرد کی مسافت طے کرنے کے لیے آپ لندن سے ۱۰ بجے صبح چلے- منعکس ہو کر مشتری سے زحل تک پہنچے وعلی ھذا یہاں تک کہ منعکس ہو کر آپ ایڈنبرا ساڑے چھ بجے شام کو پہنچے - تو آپ کو

یہ کہنا ہوگا کہ اس سفر میں ذرا سا وقت بھی صرف نہیں ہوا " - (رسل) *

اس نظریہ کی رو سے فطرت کے تمام کلیے صرف خلاء میں غیر تغیر ہیں - اس پر بھی اضافیت ان اصولوں کو تجاذبی مکان پر عائد کرتی ہے - اس نے دو اجسام کے درمیان دفع کی ایک کونی قوت (Cosmic force of repulsion) کا خیال بھی ایجاد کیا ہے جو نہ صرف بلا واسطہ ایک فصل سے عمل کرتی ہے بلکہ اس کی حدت ناقابل ادراک طریقہ پر درمیانی فاصلہ کے ساتھہ ساتھہ بڑھتی جاتی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کائنات کو ایک نہایت زبردست رفتار کے ساتھہ پھٹ جانا چاہئیے - لیکن فطرت کا محبوب نظام کہکشانی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے- چنانچہ درمیانی فاصلہ کے متناسب رفتاروں کے ساتھہ تارے ایک دوسرے سے دور ہوتے نظر نہیں آتے - اضافیت کے لیے یہ ایک بدقسمتی ہے کہ کم از کم پانچ سحابیے (Nebulae) ایک دوسرے سے ایسی رفتاروں کے ساتھہ قریب ہو رہے ہیں کہ جن کو اتفاق سے خاص طور پر صحت کے ساتھہ دریافت کر لیا گیا —

" پورے ضابطہ میں کوئی ایسی رقوم نہیں ہیں جو معقول شرائط کے تحت مبداء کی طرف حرکت کی تائید کریں۔ اور اس لیے استثنائی مظاہرہ کی حیثیت سے بھی ان حرکتوں کی توجیہ مشکل ہے " (ایڈنگٹن)

چونکہ اضافیت ہر ایک جسم کو ایک خاص اور غیر تابع وقت رکھنے پر مجبور کرتی ہے اس لیے بہ یک وقت حرکت کرنے والے دو سے زیادہ اجسام کے باہمی عمل کا مسئلہ لاینحل ہو جاتا ہے —

" برقیہ کا وجود ان برقی مقناطیسی کلیات کی تردید
کرتا ہے جن سے فی الحال ہم کو کام لینا پڑتا ہے پس اس
نقطۂ نظر سے ایک برقیہ کا بیرونی میدانی قوت کی عدم
موجودگی میں ساکن ہونا دراصل ایک اعجاز ہے - برقیہ
کا قوت کے بیرونی میدان میں اسراع حاصل کرنا ایک دوسرا
اعجاز ہے (ایڈنگٹن) —

چند خامیاں

یہ ظاہری غیر تشفی بخش مفروضات کئی سال تک
نامقبول رہے - تا آنکہ آئنسٹائن کی مساواتوں کی تصدیق
تین قابل لحاظ صورتوں میں نہ ہولی - وہ صورتیں یہ ہیں :-

(۱) تارے کی روشنی کا انحراف جب کہ وہ سورج کے قریب
سے گذرتا ہو -

(۲) خطوط فران ہوفر (Fraunhofer) کا نقل مکان -

(۳) عطارد کے مدار کے قریب ترین نقطہ کا آگے بڑھ جانا -

اگر یہ تصدیقیں نہ ہوگئی ہوتیں تو اضافیت اتنے عرصہ تک
میدان میں نہ رہ سکتی - کسی اچھے بدل کی عدم موجودگی میں
اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اسی کو مان لیا جائے - لیکن اب یہ معلوم
ہوا ہے کہ یہ تصدیقیں بالکلیہ درست نہیں ہیں —

(الف) نیوٹن کے نظریہ کے مطابق نور کا انحراف ۰٫۸۷" ہونا چاہئے اور
آئنسٹائن کے مطابق اس کو ۱٫۷۵" ہونا چاہئے - لیکن فرائنڈلش (Frundlich)
نے سنہ ۱۹۳۳ میں دریافت کیا کہ وہ تقریباً ۲٫۱۸" ہے -

(ب) آئنسٹائن کے مطابق نیلی روشنی کا نقل مکان ۰٫۰۰۸۴ ہونا چاہئے
لیکن سینٹ جان (St. John) نے مشاہدہ کیا کہ وہ صرف ۰٫۰۰۳۶ ہے —

اس سال وی ساتشی (Vyssotshiy) کے مشاہدہ سے معلوم ہوا ھے کہ شعری (Sivius) کے ساتھی کی کثافت کم اور اس لئیے اس کا نصف قطر مفروضہ نصف قطر سے بڑا ھے - اس سے بھی آئنستائن کے نظریہ سے حاصل کردہ قیمت اور مشاہدہ کی قیمت میں اختلاف نظر آتا ھے -
(ج) آئنستائن نے مدار کے نقطہ کی آگے کو بڑھنے کی قیمت ۴۲۶۹ء" نکالی تھی اور یہ نظری قیمت اضافیت کے بہت پہلے ھی معلوم کی جا چکی ھے - لیکن مشاھدات سے محسوب شدہ قیمت تقریباً ۴۰۰۰۰ء" آتی ھے - اگر یہ ثابت کیا جاسکے کہ حرکت کے معمولی اصولوں کا اطلاق جب متحرک اجسام پر کیا جاتا ھے تو اس سے مساواتیں ترمیم شدہ صورت میں حاصل ھوتی ھیں - تقرب پہلا لیا جاے تو یہ مساواتیں تحلیل ھوکر نیوٹنی مساوات بن جاتی ھیں اور دوسرا تقرب ھو تو مساواتیں ائنستائنی مساواتوں کی شکل میں حاصل ھوتی ھیں - یہ صورت ھو جائے تو نیوٹنی میکانیات (Newtonian mechanics) کو پھر وھی مقام حاصل ھو جاتا ھے - جہاں سے اضافیت نے اس کو گرا دیا تھا - اور پھر ان غیر ضروری دعووں کو ماننے کی ضرورت نہیں رھتی جن پر اضافیت کا دارو مدار ھے - اگر مساوات سے اخذ کردہ قیمتیں مشاہدہ کردہ قیمتوں کے بالکل مطابق ھوں اور انحراف نور نیوٹن کے کلیہ کے تحت انحراف سے ڈھائی گنا ھو اور نقل مکان اضافیت کے کلیہ کے تحت نقل مکان کا آدھا ھو اور مدار کے آگے بڑھنے کی نظری قیمت مشاھدہ سے حاصل شدہ قیمتوں کے قریب قریب آئے - اور سحابیوں کے لئے تباعد (Recession) اور تقارب (Approach) کی رفتاریں قبول کرلی جائیں تو اس صورت میں اضافیت کے مفروضات غلط ثابت ھوجائیں گے -

یہاں یہی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ایسی مساواتیں حاصل کی جاسکتی ہیں —

سر شاہ سلیمان (چیف جسٹس الہ آباد) کا دعویٰ ہے کہ مشاہدات کی مطابقت کی رو سے ان کی مساوات سے انحراف نور نیوٹن کے کلیات کا ڈھائی گنا اور طیفی خطوط کا نقل مکان آئنسٹائن کی دی ہوئی قیمت کا آدھا آتا ہے - ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان کے نظریہ کی رو سے کوئی دفع کی قوت تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں - اور ان کی مساواتوں کے تحت سحابیوں کے لئے ایسی رفتاریں نکلتی ہیں جو فاصلے کے متناسب ہوتی ہیں - اس لئے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دنیا قیام پذیر ہے (Stable) اور پھٹ نہیں رہی ہے —

معلومات

از

(ادیٹر)

دیمک دور کرنے کا ایک بہترین طریقہ

دیمک کی آبادی کو تباہ کرنے کے لیے ایک جدید طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے - زیر زمین دیمک کی آبادی میں ۴ انچ کا گڑھا ان کے جمع شدہ کھانے کے ذخیرہ تک پہونچا دیا جاتا ہے - اس کے بعد اس کو ڈائنامائٹ بھر کر اڑا دیا جاتا ہے - دیمک کے بھاگنے کی کوشش بے سود ثابت ہوتی ہے - کیونکہ ڈائنامائٹ کے پھٹنے سے جو گیس پیدا ہوتی ہے وہ ان کے لیے ہلاکت کا باعث ہوتی ہے - اس طرح دیمک کے انڈے بھی غارت ہو جاتے ہیں - پیشتر زہریلی گیس سے یہ کام لیا جاتا تھا - لیکن معلوم ہوا کہ اُس سے دیمک کے انڈے پوری طرح نہیں غارت ہوتے تھے - جدید طریقۂ کار کم خرچ اور موثر ہے —

مچھلیوں کو زندہ رکھنے کی ترکیب

ماہی گیروں کو اب ناامید نہیں ہونا چاہیے کہ ان کی مچھلیاں ٹب میں جلدی مر جاتی ہیں - ڈاکٹر پال نے ایک پمپ اس قسم کا ایجاد کیا ہے جس میں ایک نلکی اور ربر کا گیند

لگا ہوا ہے جس کی ذریعے سے آکسیجن پہنچائی جاتی ہے - اس ایجاد سے جب کبھی بھی ضرورت لاحق ہو تازہ ہوا پہنچائی جاسکتی ہے اور مچھلیوں کو زیادہ عرصے تک زندہ رکھا جاسکتا ہے —

گرمیوں میں استعمال کے لیے دیرہ اونس کے هیٹ

حال ہی میں گرمیوں میں استعمال کے لیے جدید ہیٹ ریشہ (Fiber) سے طیار کئے گئے ہیں - ان کا استعمال گرم ممالک میں زیادہ ہوتا ہے - ان ٹوپیوں میں ایک اندرونی ہاتھہ اس قسم کے لگایا گیا ہے جس کي وجہ سے وہ سر کو بالکل نہیں بند کردیتیں بلکہ دوران ہوا کے لیے گنجایش باقی رہتی ہے - یہ ٹوپیاں صرف ایک ہی سائز کی بنائی جاتی ہیں - لیکن اُس اندرونی ہاتھہ کے ذریعہ سے گھٹائی اور بڑھائي جاسکتی ہیں- اس طرح یہ ہر ایک شخص کے سر پر درست ہو سکتی ہیں —

جنگلی جانوروں کو زندہ پکڑنے کے لیے گیس کا استعمال

امریکہ میں ایک گروہ بہ معیت ڈاکٹر ولف گینگ وسط اور جنوبی امریکہ میں شکار کی غرض سے جانے والا ہے جہاں ایسی بندوق کا استعمال رکھا جاے گا جو بجاے کارتوس کے گیس پھینکتی ہے- اس کا مقصد یہ ہے کہ جنگلی جانوروں کو زندہ گرفتار کر لیا جاے تاکہ وہ نمائش گاہ کی زینت ہو سکیں اور ان سے افزایش نسل بھی ہوسکے- گیس وقتی طور پر جانور کو معذور کردیتی ہے جس کی وجہ سے اس کی تندرستی پر کوئی خاص اثر نہیں واقع ہوتا - یہ گیس ۱۵۰ گز تک پوری طور پر اپنا اثر دکھلاتی ہے [س-ا-ح] —

——) * (——

مکھی کے پروں کو چھال اور لکڑی کے گودے وغیرہ کے ہمراہ ملا کر بہترین لکھنے کا کاغذ طیار کیا جاتا ہے —

تجربہ کاہ میں امتحان سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہم ۱۹۰۰ برس تک زندہ رہ سکتے ہیں اگر ہم کسی طرح اپنے بدن کی تپش ۴۵ فارن ہیٹ پر رکھہ سکیں —

——) * (——

ایک بھنبھنانے والی چڑیا اپنے جسم کے تناسب سے آدمی سے زیادہ دماغ رکھتی ہے - اُس کا دماغ اس کے جسم کا بارھواں حصہ ہے جبکہ انسان کا دماغ اس کے جسم کا صرف پینتیسواں حصہ ہے —

——) * (——

نیویارک کی ایک فلک نما عمارت میں اس قدر سکونی برق جمع کی جاسکتی ہے جس سے کہ ایک نیان لمپ (Neon lamp) روشن کیا جا سکتا ہے -

——) * (——

مکڑیوں نے عدالت کی ایک گھڑی کے اندر پرزوں میں جالا تن کر اُسے روک دیا —

——) * (——

کیلیفورنیا میں ایک عینک اس قسم کی ایجاد ہوئی ہے جس کو پہن کر پانی میں بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے —

——) * (——

فرانس میں بیماروں کی رگوں میں جلا ہوا گوشت بذریعہ پچکاری پہنچایا جاتا ہے جو جراثیم کو مار کر صحت بخشتا ہے —

——) * (——

تجربہ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ جانور رنگ کور (Colour blind) ہوتے ہیں ان کو سرخ سیاہ دکھلائی دیتا ہے - یہی وجہ ہے کہ سرخ رنگ ایک

سانڈ کو پاگل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اُس رنگ کو دیکھ ہی نہیں سکتا -

——) * (——

بحر سارگیسو میں بعض اس قسم کی مچھلیاں پائی گئی ہیں جن کے ہاتھ ہوتے ہیں - ان کے پروں میں ہاتھ کی جیسی پکڑنے کی قوت ہوتی ہے جس سے وہ سمندر کی گھاس پکڑ سکتی ہیں —

——) * (——

جنوبی افریقہ میں مغلظ ہوا (Compressed air) درازوں میں سے ہیرا بر آمد کرنے کے کام میں لائی جاتی ہے —

——) * (——

انگور کے چھلکوں سے ایک قسم کا تیل طیار کیا جاتا ہے جس سے خوشبوئیں طیار کی جاتی ہیں — [س - ا - ح]

——) * (——

مستقبل میں دن کی درازی

موجودہ زمانے میں دن ۲۴ گھنٹہ کا ہوتا ہے - یہ وقت کی وہ مقدار ہے جو کرۂ ارض کے اپنے محور پر گھومنے میں صرف ہوتی ہے - لیکن ہمیشہ دن چوبیس ہی گھنٹہ کا نہ رہے گا بلکہ بقول علماے فلکیات دلائل عقلیہ کے مطابق اس وقت میں تدریجی اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ مستقبل میں ایک دن آج کل کے ایک مہینہ کے برابر یا اس سے بھی زیادہ کا ہوجاے گا - اس کا سبب زمین میں مد و جزر کی تاثیر میں پنہاں ہے کیونکہ زمین کی حرکت دوری آہستہ آہستہ سست ہوتی جارہی ہے - اس لئے بجاے اس کے کہ زمین کو اپنی گردش پوری کرنے میں ۲۴ گھنٹہ لگیں عنقریب وہ زمانہ آجاے کا جب اس سے زیادہ وقت اس کی گردش میں صرف ہوگا - علماے فلکیات نے حساب لگایا ہے کہ کئی کرور برس بعد ایک دن کی درازی ایک مہینہ

کے برابر ہو جائے گی۔ اور اس دن زمین اور چاند اپنے اپنے محور پر مہینہ میں ایک ہی دور کریں گے —

تصویر کشی کے لئے عجیب ایجاد

ایک موجد نے فوٹوگرافی (عکسی تصویر کشی) کے لئے ایک ایسا سیال ایجاد کیا ہے کہ جب اس سے فوٹو کو تر کیا جائے تو تصویر کے نقوش زائل ہو جاتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں اور جب انہیں پھر ابھارنا مقصود ہو تو معمولی پانی میں اسفنج کی مدد سے تر کر کے دوبارہ نمایاں کر لیتے ہیں۔

طبی اغراض کے لئے نیا شیشہ

معمولی شیشہ طبی ضروریات کے کام کا نہیں ہوتا کیونکہ بالا بنفشئی شعاعیں اس سے پار نہیں ہوتیں۔ مگر حال ہی میں جو علمی خبریں آئی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وسٹنگ ہاوس کمپنی امریکہ جو دنیا میں سب سے بڑی برقی شرکت ہے اس قسم کا معمولی اور ارزاں شیشہ ان اغراض کے لیے تیار کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ بالا بنفشئی شعاعیں اس شیشہ سے گزر سکتی ہیں اس لیے کوارٹز سے بنے ہوے لمپوں کے بجاے جو شعاعوں سے علاج کرنے کے سلسلہ میں استعمال کیے جاتے ہیں ان کا استعمال ممکن ہو گیا ہے —

کروی شکل کی گھڑی

سوئٹزرلینڈ کے ماہر فن صناع نے ایک عجیب گھڑی ایجاد کی ہے جو کرۂ ارض کی شکل سے مشابہ ہے۔ طلبا جغرافیہ کا درس لیتے وقت اس سے مدد لیتے ہیں۔ یہ کرہ ایک گول معدنی پنجرہ کے اندر گردش کرتا رہتا ہے اور پنجرہ کی دو سلاخیں وقت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً جو سلاخ شہر لندن پر واقع ہے وہ دس بجے کا وقت بتلا رہی ہے اور جو سلاخ شہر قاہرہ پر ہے اس سے وہ وقت ظاہر ہو رہا ہے جو لندن کے وقت کے مقابل ہے یعنی اس سے یہ معلوم ہوتا

رهتا هے کہ جس وقت لندن میں دس بجتے هیں اس وقت قاهرہ یا دوسرے شہروں میں کیا وقت هوتا هے -

اٹلی میں هیلیم گیس

هیلیم گیس تمام عناصر میں خفت وزن وغیرہ کے اعتبار سے هائڈروجن کے قریب قریب هے- دونوں میں فرق یہ هے کہ هائڈروجن شعلہ گیر هے اور هیلیم غیر شعلہ گیر- اسی لیے غباروں میں استعمال کرنے کے لیے هیلیم کو هائڈروجن پر ترجیح دی جاتی هے -

اس قیمتی گیس کا سب سے بڑا مخزن یا مصدر پہلے امریکہ تھا - اس نے اپنے عساکر وغیرہ کے تمام غبارے اس سے بھر لیے مگر اب وهاں اس کی مقدار زیادہ نہیں رهی - البتہ حالیہ خبروں کے مطابق اهل اٹلی نے لارڈا لیرو کے کنووں میں اس گیس کا پتہ لگا لیا هے اور وہ ان کنووں سے هر سال تقریباً چار هزار میٹر مکعب گیس نکال لیتے هیں- توقع هے کہ عنقریب اس مقدار میں اتنا اضافہ هوجائے گا کہ اٹلی کے تمام غباروں کے لیے کافی هوسکے —

هوائی جہازوں کے لیے ربر کے پہیے

آج کل طیاروں کے لیے گول (کروی شکل کے) پہیے بننے لگے هیں- یہ هوا بھری هوئی ربر سے بنائے جاتے هیں- ان کے صانعوں کا بیان هے کہ یہ پہئے هوائی جہازوں کے مروجہ پہئیوں سے بہت اچھے هیں کیونکہ یہ پہئے جس وقت هوائی جہاز زمین پر یکایک گرنے لگتا هے اس وقت کسی صدمہ کی حدت کی وجہ سے هلکے هوجاتے هیں- اوران پہیوں کی بدولت هوائی جہاز پانی میں بھی اتر سکتے هیں اور انهیں ڈوبنے نہیں دیتے کیونکہ ان کی وجہ سے جہاز پانی پر تیرتا رهتا هے —

آکسیجن کے استعمال کے لیے نئی ایجاد

آکسیجن زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری عنصر ہے، انسان بغیر اس کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ امریکیوں نے ایک خود کار آلہ ایجاد کیا ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی غرق شدہ شخص کا تنفس رک جاے تو یہ آلہ خود بخود ضرورت کے مطابق آکسیجن کی مقدار انسانی جسم میں پہنچا دیتا ہے - اس کام کے لیے کوئی خارجی جد و جہد نہیں کرنی پڑتی - تنفس کی طبیعی سرعت یا رفتار کے ساتھ آکسیجن بڑی سہولت سے بدن میں پہنچتی رہتی ہے —

جرمنی میں شادیوں کے اعداد و شمار

جمعیت الاقوام کے فراہم کردہ اعداد و شمار سے واضح ہے کہ شادیوں کا تناسب مشرق اقصیٰ کے تمام شہروں میں بڑھ رہا ہے - جزائر اوقیانوس میں البتہ اس تناسب میں کمی آرہی ہے —

جرمنی کے سوا تمام یورپ کے اطراف میں بھی شادیوں کا تناسب رو بہ انحطاط ہے مگر جرمنی اس خصوص میں بہت بڑھا ہوا ہے - یعنی جرمنی میں سنہ ۱۹۳۲ ع میں جتنی شادیاں ہوئی تھیں سنہ ۱۹۳۳ ع میں ان سے چالیس ہزار شادیاں زیادہ ہوئیں —

شادیوں کے ساتھ شرح ولادت کے بھی اعداد فراہم کیے گئے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اکثر اطراف مشرق میں نسبت ولادت زیادہ ہے اور بیشتر اطراف مغرب میں کم - اس موقع پر یہ یاد رہنا چاہئیے کہ علماے اقتصادیات کا مسلمہ قول ہے کہ ولادت کا تناسب مفلس طبقات میں زیادہ رہتا ہے اور خواص یعنی امرا وغیرہ میں کم - گویا نسل کی کمی مدنی و اجتماعی ترقی کے لیے لوازم سے ہے —

پروفیسر لوس نے حال ھی میں بھاری پانی کے متعلق ایک اور تجربہ کیا ھے جو چوھوں کی زندگی سے متعلق ھے - پروفیسر موصوف نے ایک چوھیا لے کر اسے قطرہ ٹپکانے والے آلہ (ڈراپر) سے بھاری پانی پلایا - اس کا سبب یہ تھا کہ اس قسم کے ایک پونڈ پانی کی قیمت وزنی ھائڈروجن کی کمیابی کی وجہ سے پندرہ سو گنی ھوتی ھے اور یہ گیس بڑی مشکل سے دستیاب ھوتی ھے - اس کے ساتھ ھی دو اور چوھوں کو معمولی پانی پلایا - تجربہ کا نتیجہ یہ ھوا کہ جن چوھوں کو معمولی پانی پلایا گیا تھا وہ تو اچھے خاصے رھے - ان کے خواب و بیداری وغیرہ افعال پر کوئی اثر نہیں پڑا مگر چوھیا جسے بھاری پانی پلایا گیا تھا اس نے عجیب عجیب حرکتیں کیں ' نئی نئی ترکیبوں سے کودی اور اپنے پنجرے کے شیشے کی دیواریں چاٹنے لگی - جب اسے بھاری پانی پلایا جاتا تھا تو اس کی پیاس بڑہ جاتی تھی - اگر یہ پانی ختم نہ ھوجاتا تو پروفیسر لوس کے نزدیک چوھیا پانی برابر پیے ھی جاتی اور کبھی سیراب نہ ھوتی —

سوڈا اور جنسیت اولاد

ولایات متحدہ امریکہ میں حال ھی میں جو عجیب خبریں اھمیت کے ساتھ شہرت پارھی ھیں ان میں سے ایک دلچسپ اطلاع یہ ھے کہ جو حاملہ عورت یہ چاھتی ھو کہ اس کا بچہ مذکر پیدا ھو تو اسے چاھئے کہ اپنی غذا میں کاربونیٹس آف سوڈا اضافہ کرلیا کرے - اس سے اس کا مقصد حاصل ھوجاے گا —

اس قول یا شہرت پر پروفیسر ڈی - امور (D'Amour) نے کولوراڈوکی ڈینور یونیورسٹی میں جانچ کی اور چوھوں پر تجربہ

کرکے معلوم کیا کہ مولود کی جنسیت میں کاربونیت آت سوڈا کو مطلقاً دخل نہیں ہے جیسا کہ امریکی رسالہ "سائنس" میں لکھا ہوا ہے - پروفیسر موصوف نے ۳۵ چوہیاں لیں اور انہیں ایسی غذا کھلائی جس میں مذکورہ قسم کا سوڈا شامل ہے - جب چوہیوں نے بچے دیے تو شمار کرنے سے ان میں ۱۱۵ مادہ اور ۱۱۰ نر بچے پائے گئے —

اس سلسلہ میں پروفیسر نے ۳۸ جفت چوہیاں اور لیں اور انہیں ایسی غذا دی جس میں ترش دودھ تھا - ان کے بچے دیکھے گئے تو ان میں ۱۱۳ مادہ اور سو نر نکلے - پھر ۱۴ جفت چوہوں کو معمولی غذا دیکر ان کے بچوں کو دیکھا تو ان میں ۱۰۳ مادہ اور ایک سو نر تھے - پہلی قسم کی چوہیوں کو جو غذا دی تھی اس میں میں تہائی فی صدی وزن سے کاربونیت سوڈا ملا دیا گیا تھا اور دوسری قسم والیوں کو جو دودھ دیا گیا تھا ان میں ۵ فی صدی وزن دودھ کا تھا —

سورج میں فاسفورس

اب تک علماے طبعیات و کیمیا سورج میں فاسفورس کے وجود میں شک کرتے تھے کیونکہ شعاعوں کی تحلیل سے اس عنصر کا پتہ نہ مل سکا - مگر حال ہی میں پرنسٹن یونیورسٹی کے رصد خانہ کے ناظم ڈاکٹر مور نے ایک تازہ اعلان میں واضح کیا ہے کہ ہم نے رصد خانہ میں شمسی شعاعوں کا مطالعہ و معائنہ کرنے کے بعد اس کا ثبوت پالیا ہے کہ انسٹھواں عنصر یعنی فاسفورس سورج میں موجود ہے - اس دعوے کے دلائل بکثرت ہیں اور علما کا ایک گروہ ہمارے ساتھ ان کو تسلیم کرتا ہے - مخفی نہ رہے کہ علماے فلکیات کا عقیدہ ہے کہ وہ تمام عناصر جو

ہمارے عالم ارضی میں مشہور ہیں ان سب کا سورج میں موجود ہونا لازمی ہے کیونکہ کرۂ ارض اصل میں کرۂ شمس ہی سے علحدہ ہوا ہے —

ہوا میں ریڈیم حال کے علمی تجربات نے ثابت کردیا ہے کہ جو ہوا کرۂ ارض کو محیط ہے اس میں نہایت کم نسبت کے ساتھہ ریڈیم پایا جاتا ہے اور جس وقت بارش ہوتی ہے تو جو ریڈیم فضا میں ہوتا ہے وہ زائل ہوجاتا ہے - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول کہ آسمان کبھی کبھی ریڈیم کا عنصر برساتا ہے صحیح ہے —

گولی سے نہ توتنے والا شیشہ ایک امریکی موجد کو ایک نئے قسم کا کانچ ایجاد کرنے میں کامیابی ہوئی ہے جو بندوق کی گولی سے توتنے نہ پاے گا - امریکی حکومت نے تمام جنگی ہوائی جہازوں میں اسی شیشہ کے لگانے کے احکام نافذ کردیے ہیں خصوصاً ان طیاروں کے لئے زیادہ تاکید کی ہے جو جاسوسی وغیرہ کے فرائض انجام دیتے ہیں تاکہ دشمنوں کی بندوقوں سے انہیں کوئی گزند نہ پہنچے - معلوم ہوا ہے کہ یہ کانچ اس دھات سے زیادہ ہلکا اور زیادہ مضبوط ہے جس سے طیارے بناے جاتے ہیں - ایک ہوائی جہاز میں یہی کانچ لگاکر دیکھا گیا تو اس کی انتہائی سرعت پرواز دو سو بیس میل فی گھنٹہ ثابت ہوئی —

سورج کی روشنی کی نقل ماہرین کیمیا ایسے برقی لمپ بنانے میں کامیاب ہوگئے ہیں جن کی روشنی طیفی ترکیب میں سورج کی شعاعوں کے مشابہ ہوگی - یہ لیمپ معمولی پارہ کے مرکب سے جلتے ہیں - اس میں روبیدیم نامی عنصر $\frac{1}{20}$ ڈرام شامل ہے - یہ عنصر مشہور عناصر میں سب سے زیادہ کمیاب و نادر

ہے - اس کے ایک ڈرام کی قیمت تقریباً ایک پونڈ ہے - یہ وہی لیمپ ہے جسے شعاعوں سے علاج کرنے والے ڈاکٹر کام میں لاتے ہیں- اس مرکب میں اب سے پہلے تھوڑا سا پوٹاسیم ملادیا جاتا تھا تاکہ اس لیمپ کی روشنی ترکیب کے لحاظ سے سورج کی روشنی سے مشابہ ہوسکے - لیکن اب تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ پوٹاسیم لیمپ کو خراب کردیتی ہے —

مستقبل کی حیاتین

ڈاکٹر مکولم امریکی جو حیاتین کی سب سے پہلی قسم سنہ ۱۹۱۳ ع میں دریافت کرچکے ہیں کہتے ہیں کہ علماے کیمیا مستقبل قریب میں کم از کم حیاتین کی غذا سے تعلق رکھنے والی دو قسمیں اور معلوم کریں گے اور سائنس عنقریب حیاتینوں کے مزید خواص واضح کر سکے گا جواب تک علم میں نہیں ہیں- اسی طرح سوڈیم' کیلسیم ' میگنیشیم ' کلورین ' آیوڈین ' گندھک ' فولاد ' پیتل وغیرہ معدنیات کی حقیقت عمل بھی روشن ہوجاے گی جن کے متعلق ہمارا علم ہے کہ جسم ان سے بے نیاز نہیں ہے مگر ہم اس کے اسباب سے اب تک بے خبر ہیں — [م-ز-م]

" ھمایوں "

پنجاب کا قدیم ترین ماھوار ادبی رسالہ

اگر آپ " ھمایوں " کے ششماھی خریدار بن جائیں تو آپ کو " ھمایوں " کا ایک بہترین اور دلچسپ " افسانہ نمبر " مقررہ ششماھی چندہ میں بلا زاید قیمت کے مل جاے گا - اگر آپ سالانہ خریدار بن جائیں تو نہ صرف " افسانہ نمبر " بلکہ ایک شاندار اور ضخیم سالگرہ نمبر بھی آپ کو مقررہ سالانہ چندہ میں بلا زائد قیمت کے مل جاے گا -

" ھمایوں ' کے مضامین نظم و نثر کے علاوہ اس کی تصاویر اور دیگر ظاھری محاسن کا بلند معیار بھی مسلم ھے - ھمایوں کے چند خصوصیات حسب ذیل ھیں :-

۱ - " ھمایوں " ھر مہینے مختلف قسم کے مذاق کو مدنظر رکھہ کر مرتب کیا جاتا ھے اس لئے اس میں مضامین اور معلومات کا جتنا تنوع ھے اور کسی رسالہ میں نہیں ھوتا -

۲ - یہ رسالہ چونکہ یادگار کے طور پر نکالا گیا ھے اس لئے اس کی کتابت طباعت کاغذ اور دیگر ظاھری محاسن پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا جاتا ھے- یہ رسالہ ایک مستقل سرمایہ سے جاری ھوا ھے (۳) - بارہ سال میں آج تک کبھی یہ رسالہ ایک دن کی دیر سے بھی شائع نہیں ھوا - ھندوستان کا کوئی رسالہ " ھمایوں " کی طرح اس باقاعدگی کا دعوے نہیں کرسکتا -(۴) ھمایوں کا سٹاف بہترین ھے اس لئے اس کا معیار مضامین بلند ھے اور زبان نہ صرف پنجاب بلکہ ھندوستان بھر میں مستند ھے اور کوئی رسالہ اتنی توجہ اور محنت سے مرتب نہیں کیا جاتا - (۵) - ھندوستان کے بہترین ' سحر طراز ادیب ' معجز بیان شاعر

اور افسانہ نگار صرف " ہمایوں " میں اپنے بہترین مضامین شائع کراتے ہیں اس لئے اس رسالہ کا ہر عام نمبر بھی عام رسائل کے خاص نمبروں سے بہتر ہوتا ہے۔ (۶) ۔ " ہمایوں " کے خاص نمبرون کی الگ قیمت نہیں لی جاتی بلکہ سالانہ چندہ ہی میں تمام خاص نمبر مل جاتے ہیں ۔ (۷) ۔ " ہمایوں " کی نظمیں ' مضامین ' افسانے اور تصاویر پاکیزہ ہوتی ہیں اور اس رسالہ کا معیار اخلاق اتنا بلند ہے کہ اس میں قابل اعتراض اشتہارات بھی درج نہیں کئے جاتے خواہ کتنا ہی مالی نقصان اُٹھانا پڑے(۸)۔ " جہاں نما " اور " محفل ادب " کے زیر عنوان ہر مہینے اس میں اردو انگریزی رسائل کے بہترین انتخابات درج ہوتے ہیں یہ رسالہ پڑھنے کے بعد کسی دوسرے رسالہ کی ضرورت نہیں رہتی ۔(۹) ۔ " ہمایوں " میں نہ صرف لطیف ادب کے دلچسپ مضامین اور نظمیں ہی شائع ہوتی ہیں بلکہ علمی ' تاریخی ' تمدنی اور معاشری مسائل پر بھی پراز معلومات مضامین شایع ہوتے ہیں ۔ یہ رسالہ صرف دلچسب ہی نہیں بلکہ مفید بھی ہے ۔

ہمایوں کی یہ چند خصوصیات بیان کرنے کے بعد میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کم ازکم اس کا مفت نمونہ ضرور منگوائیے اگر آپ کو قدیم نمونہ پسند آیا تو نئے پرچے اوربھی پسند آئیں گے کیونکہ یہ رسالہ روزبروز ترقی کرتا ہوا اب بہت بلند معیار کو پہنچ چکا ہے ۔

تازہ ترین اشاعت !! تازہ ترین اشاعت !

کتاب الطبیعیات

جلد سوم

کتاب النور

برائے

انٹر میڈیٹ

(جامعہ عثمانیہ)

از

مولوی محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ' ایم ' اے ' بی ایس - سی (علیگ)

معلم طبیعیات کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

حیدرآباد دکن

عالیجناب مولوی محمد عبد الرحمن خان صاحب بی ایس - سی (لندن) اے آر ' سی ' ایس ' صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ' اس کتاب کی نسبت فرماتے ہیں —

کتاب النور زبان اردو میں اپنے طرز کی ایک نئی کتاب ہے —

مولوی محمد نصیر احمد صاحب معلم طبیعیات کلیہ جامعہ عثمانیہ نے اس کتاب کی تیاری میں ہند کی جامعات کے امتحانات انٹر میڈیٹ سائنس کے نصابوں کا پورا لحاظ رکھا ہے اور بڑی محنت سے طلبہ کی دقتوں کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے - مجھے اُمید قوی ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر مبتدی نہ صرف نور کے مسائل بخوبی سمجھ سکیں گے ' بلکہ ان کو اس مضمون سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوگا - ۲۰۸ شکلیں ۳۳۷ صفحہ -

قیمت (تین روپے)

ملنے کا پتہ :— محمد سلیمان خان نمبر ۹۱۷ کلب روڈ ' چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

دیگر تالیفات از مولوی محمد نصیر احمد صاحب عثمانی

(۱) کتاب الطبیعات - برائے انٹر میڈیٹ

جلد اول - کتاب الخصواص والحرکت ...... (زیر تیاری)

جلد دوم - کتاب الحرارت والصوت ...... (زیر تیاری)

جلد سوم - کتاب النور ...... قیمت تین روپے

جلد چہارم - کتاب المقناطیس والبرق ...... (زیر طبع)

عنقریب شایع ہو جائے گی -

(۲) حرکت - برائے - بی - اے - شائع کردہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

(۳) افکار عصریہ - ترجمہ از انگریزی - اس کتاب میں مادہ، برق، روشنی، مقناطیس، اثیر وغیرہ کی ماہیت نہایت آسان پیرایہ اور سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے دارالمصنفین اعظم گڈہ کی طرف سے شایع ہورہی ہے عنقریب شایع ہوجائےگی (زیر طبع)

(۴) حلقہ مسموم - سر آرتھر کانن ڈائل، مشہور انگریزی افسانہ نویس کے ایک دلآویز علمی قصہ کا ترجمہ، قابل دید - بار دوم ۱۲ آنے

(۵) وادی خوت - سر آرتھر کے ایک دوسرے ناول کا ترجمہ، اس میں شرلاک ہومز، مشہور سراغ رساں کے کارنامے ہیں، قابل دید باردوم ایک روپیہ ۴ آنے

منظورہ تعلیمات سرکارعالی برائے مدارس و کتب خانہ جات

(۶) خاندانی آسیب - سرآرتھر کے ایک تیسرے ناول کا ترجمہ اس میں بھی شرلاک ہومز کے کارنامے ہیں - قابل دید ایک روپیہ ۴ آنے

(۷) دی پرابلم آف رورل آپلفٹ (انگریزی)

از محمد بشیر احمد، آئی، سی، ایس - دیہاتی ترقی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بے نظیر کتاب ہے .... دو روپیہ ۸ آنے

ملنے کا پتہ :- محمد سلیمان خان- نمبر ۹۱۷ کلب روڈ، چادر گھاٹ حیدر آباد دکن

اردو

انجمن ترقیء اُردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے —

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے۔ رسالے کا حجم ڈیڑھ سو صفحے ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ —
قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی[آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ]

المشتہر : انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد - دکن

نرخ نامۂ اجرت اشتہارات اُردو و سائنس

کالم	ایک بار کے لئے	چار بار کے لئے
دو کالم یعنی پورا ایک صفحہ	۱۰ روپے سکۂ انگریزی	۴۰ روپے سکۂ انگریزی
ایک کالم (آدھا صفحہ)	۵ روپے سکۂ انگریزی	۲۰ روپے سکۂ انگریزی
نصف کالم (چوتھائی صفحہ)	۲ روپے ۸ آنے سکۂ انگریزی	۱۰ روپے سکۂ انگریزی

رسالے کے جس صفحہ پر اشتہار شائع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونے کے لئے بھیج دیا جائے گا - پورا رسالہ لینا چاہیں تو اس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ انگریزی برائے رسالۂ اُردو و رسالۂ سائنس اس کے علاوہ لی جائے گی —

المشتہر : انجمن ترقیء اُردو اورنگ آباد - دکن

سائنس

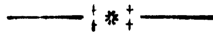
۱ - یه رساله انجمن ترقی اُردو کی جانب سے جنوری' اپریل' جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ھے —

۲ - یه رساله سائنس کے مضامین اور سائنس کی جدید تحقیقات کو اُردو زبان میں اھل ملک کے سامنے پیش کرتا ھے - یورپ اور امریکه کے اکتشافی کارناموں سے اھل ھند کو آگاہ کرتا اور اِن علوم کے سیکھنے اور ان کی تحقیقات میں حصه لینے کا شوق دلاتا ھے —

۳ - ھر رسالے کا حجم تقریباً ایک سو صفحے ھوتا ھے —

۴ - قیمت سالانه محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی ھے (آٹھه روپے سکۂ عثمانیه)

۵ - تمام خط و کتابت :- آنریری سکریٹری - انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے ھونی چاھیے —



(باھتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اُردو پریس اُردو باغ اورنگ آباد دکن میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سے شایع ھوا)



سائنس

انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ

اطلاع

(۱) اشاعت کی غرض سے جملہ مضامین اور تبصرے بنام ایڈیٹر سائنس ۹۱۷، کلب روڈ، چادر گھاٹ حیدر آباد دکن روانہ کئے جانے چاہئیں —

(۲) مضمون کے ساتھ صاحب مضمون کا پورا نام مع ڈگری و عہدہ وغیرہ درج ہونا چاہیے تاکہ ان کی اشاعت کی جاسکے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی ہدایت نہ کی جاے —

(۳) مضمون صاف لکھے جائیں تاکہ ان کے کمپوز کرنے میں دقت واقع نہ ہو- دیگر یہ کہ مضمون صفحے کے ایک ہی کالم میں لکھے جائیں اور دوسرا کالم خالی چھوڑ دیا جائے - ایسی صورت میں ورق کے دونوں صفحے استعمال ہوسکتے ہیں —

(۴) شکلوں اور تصویروں کے متعلق سہولت اس میں ہوگی کہ علحدہ کاغذ پر صاف اور واضح شکلیں وغیرہ کھینچ کر اس مقام پر چسپاں کردی جائیں - ایسی صورت سے بلاک سازی میں سہولت ہوتی ہے —

(۵) مسودات کی ہر ممکن طور سے حفاظت کی جاے گی - لیکن اُن کے اتفاقیہ تلف ہو جانے کی صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی -

(۶) جو مضامین سائنس میں اشاعت کی غرض سے موصول ہوں اُمید ہے کہ ایڈیٹر کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ شائع نہ کیے جائیں گے -

(۷) کسی مضمون کو ارسال فرمانے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ صاحبان مضمون ایڈیٹر کو اپنے مضمون کے عنوان، تعداد صفحات، تعداد اشکال و تصاویر سے مطلع کر دیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کے لیے پرچے میں جگہ نکل سکے گی یا نہیں - کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی مضمون پر دو اصحاب قلم اٹھاتے ہیں - اس لیے توارد سے بچنے کے لئے قبل از قبل اطلاع کردینا مناسب ہوگا .

(۸) بالعموم ۱۵ صفحے کا مضمون سائنس کی اغراض کے لئے کافی ہوگا -

(۹) مطبوعات براے نقد و تبصرہ ایڈیٹر کے نام روانہ کی جانی چاہئیں - مطبوعات کی قیمت ضرور درج ہونی چاہئے —

(۱۰) انتظامی امور و اشتہارات وغیرہ کے متعلق جملہ مراسلت منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاہئے —

سائنس

نمبر ۲۸ — اکتوبر سنہ ۱۹۳۴ع

مرتبۂ مولوی نصیر احمد صاحب عثمانی ایم اے - بی ایس سی (علیگ) علم طبیعیات
کلیۂ جامعۂ عثمانیۂ حیدرآباد دکن

فہرستِ مضامین

مقالہ فی الضوء لابن الہیثم

مترجمہ ڈاکٹر جے بارمن ' برلن

از

جناب فضل الدین صاحب قریشی پروفیسر طبیعیات' اسلامیہ کالج لاہور

تمہید | دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں عربوں کے تراجم جو خاص کر ہندی و یونانی کتابوں کے متعلق تھے اختتام کو پہنچے تو عربوں نے بجا طور پر اس بیش بہا علمی ذخیرے سے ' جو ریاضی ' طبعیات ' طب اور فلسفے کی کتابوں میں جمع ہو چکا تھا ' استفادہ کرنا شروع کر دیا اور اس پر اپنے آئندہ علوم کی عمارت کی بنیاد رکھدی - خلفاے اسلام کی فیاضیوں سے خاص کر ایران میں ریاضی و ہیئت کی تحصیل کی ایک اہم تحریک ظہور پذیر ہوئی - مجھے صرف الکرخی اور اطیاسی کے نام یاد ہیں - اور ہم ایف ووپکے (F. Woepcke) کے تراجم سے اول الذکر کی " کافی فی الحساب " (مترجمہ ھاک ھائم (Hock heim) اور "جبر المقابلہ " پر الفخری کی اور موخرالذکر کی " مکعبی مساوات کے حل" (Solutionsof Cubical Equations) اور " مسئلہ ثنائی مثبت صحیح قوت نماء کے لئے " (Binomial theorem for positive whole number exponents) سے روشناس ہوے ہیں-

طبعیات میں بھی اُنھوں نے نہایت اعلی کام کیا - ان سب میں نمایاں حیثیت البیرونی کی ہے - وہ سب سے پہلا عرب مصنف ہے جس کے "کثافت اضافی کی صحیح صحیح تعیین (Correct Determinations of Specific Gravity)"- ہم تک پہنچتی ہے - الخازنی کی کتاب " میزان الحکمت " البیرونی کی تصانیف کی ایک کڑی ہے - اور سب سے آخر میں ابن الہیثم ہے جو سب سے

بڑا ماہر علم المناظر (Optician) گذرا ہے - مدت دراز تک لوگ اس شبہ میں رہے کہ موخرالذکر ہی مشہور "کتاب المناظر" (Optics) کا مصنف الحزین (Al hazen) نامی ہے - جس کو رزنر (Risner) نے سنه ۱۸۷۲ع میں ایک پرانے لاطینی ترجمه سے دوبارہ شایع کیا - نارد کسی (Narducci) نے رساله سوانح حیات وغیرہ { Bulletino di Bibliographic a etc) مطبوعه سنه ۱۸۷۰ع جلد چہارم صفحه ۱ - ۴۸ میں واضح طور پر ثابت کردیا ہے که ایک ہی شخص ان دونوں ناموں سے موسوم ہے - ابن الہیشم جس کا پورا نام بقول "ابن ابی اُثیبیه" "ابو علی محمد ابن الحسن ابن الہیشم" ہے اپنے قول کے مطابق بصرہ میں سنه ۳۵۴ھ (سنه ۹۶۵ع) میں پیدا ہوا - اور اپنے آخری ایام جوانی میں خلیفه الحاکم (سنه ۹۹۶ع تا ۱۰۲۱ع } کی دعوت پر مصر پہنچا - اور وہاں اس خدمت پر مامور ہوا که دریاے نیل کی طغیانی پر قابو پانے کے ایسے ذرائع تجویز کرے جو بارش کی احتیاج سے بے نیاز کردیں - اس نے اس تجویز کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا - لیکن جب وہ مقام سائن (Syne) کے قریب آبشار نیل پر پہنچا تو اس کو اس تجویز کے لاحاصل ہونے کا علم ہوا - شاہی عتاب سے بچنے کے لئے وہ دیوانه بن گیا اور جامعه ازہر میں جاکر پناہ لے لی - کچھه عرصه بعد وہ حکیم بطلیموس (Ptolemy) اور اقلیدس (Euclid) کے مطالعه میں مصروف ہو گیا - اور موخرالذکر کی کتاب مبادیات ' (Elements) پر ایک شرح لکھی - اس کے قیام مصر میں اس کی تصانیف کا ایک بیش قرار مجموعه معرض وجود میں آگیا - ابن ابی اُثیبیه نے ریاضی اور ہیئت میں اُس کے مقالوں کے قریباً ایک سو عنوانات لکھے ہیں - بقول (Caussin) کاسین ڈیز نیئر اکاڈیمی کی سوانح جلد نمبر ۷ مطبوعه سنه ۱۸۲۲ع

(Memiors de'l 'cad desineer, vi, 1822) میں بحوالہ بطلیموس کی کتاب " علم المناظر " (Sur l'optique de Ptolemie) کتب خانہ لائڈن (Leyden) جس کی تائید (Cassiri) کسیری نے بھی کی ہے ابن الہیثم کا سن وفات سنہ ۴۳۰ھ (مطابق سنہ ۱۰۳۸ع) یا ۱۰۳۹ع یا جلد ہی اس کے بعد کا ہے - ابن ابی اُثیبیہ بھی یہی سنہ لکھتا ہے -

ابن ابی اُثیبیہ کا قول ہے کہ علوم ریاضی اور طبعیات میں کبھی کوئی اس کا ہمسر نہیں ہوا - چاسلر (Chasler) کہتا ہے کہ "ہمیں ابن الہیثم کو اپنے علم المناظر کا سرچشمہ سمجھنا چاہیے اور یہ عرب عظیم اس تعریف کا مستحق ہے - مجھے تراجم میں اس کی بیشمار تصانیف میں سے صرف دو کا علم ہے - ایک علم ہندسہ پر (The two Books of the given things) اور دوسری محولہ بالا کتاب المناظر (Book on Optics) - تاہم یہ دونوں تصانیف اس فاضل کے علمی تبحر کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں -

برلن کے ڈاکٹر اشٹائن شنائڈر (Steinschneider) نے مجھے اس قلمی نسخہ کی طرف توجہ دلائی جس کا میں نے یہاں ترجمہ کیا ہے - اور جس کے لئے میں اُن کا تہ دل سے سپاس گذار ہوں - متن کا پڑھنا اور ترجمہ کرنا جس میں برلن کے پروفیسر ڈایاترسی (Dietrici) نے از راہ مہربانی میری مدد کی اس وجہ سے زیادہ مشکل ہو گیا کہ مجھے اس کا کوئی دوسرا نسخہ مل نہ سکا - جس سے میں مسخ شدہ حصوں کا مقابلہ کرسکتا اور نیز اُن حصوں کی تصحیح کرسکتا جن کی کتابت یقینی طور پر غلط ہوئی تھی - اسی مضمون پر اس کا دوسرا قلمی نسخہ بھی جس کا تذکرہ لوتھہ کی فہرست (Loth's Catalogue) بہ تحت نمبر ۷۳۴ جلد چہارم فرو نمبر ۷ - ۱۲ میں درج ہے مجھے دستیاب نہ ہو سکا -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحسن ابن الحسین ابن الهیثم کا روشنی پر مقالہ

(۱) روشنی کی ماہیت کا بیان علوم طبعیات سے متعلق ہے - اور روشنی کی اشاعت کا ذکر اُن خطوط کی وجہ سے جن پر وہ ممتد ہوتی ہے علوم ریاضی کا محتاج ہے اور اسی طرح شعاع کی ماہیت پر گفتگو علوم طبعیات سے تعلق رکھتی ہے - اور اس کی وضع و شکل پر بحث کا اطلاق علوم ریاضی پر ہوتا ہے - اور یہی حال شفاف اجسام کا ہے جن میں روشنی نافذ ہوتی ہے - اُن کی شفافیت کی ماہیت ایک طبعی مسئلہ ہے - اور اس کے امتداد کی کیفیت مسئلہ ریاضیہ ہے - پس روشنی، شعاع اور شفافیت کی بحث طبعیات ریاضیہ (علوم ریاضی کی مشق طبعیات) کے تحت میں آتی ہے —

(۲) یہ طے ہو جانے کے بعد ہم اب ان مباحث کی توضیح کرتے ہیں - اور بطور قاعدہ کلیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ہر ایک مادی جسم کا وہ خاصہ جو اس جسم کی ماہیت کا ایک جزو ہے اُس کا ذاتی جوہر کہلاتا ہے - کیونکہ ہر ایک جسم کی ماہیت اس کے ان تمام ذاتی جواہر کی محتاج ہے جو اس وقت تک اس کا

جزو لاینفک رہتے ہیں جب تک کہ خود ان کی ماہیت تبدیل نہیں ہو جاتی - اسی طرح روشنی ہر ایک منور جسم کا جوہر ذاتی ہے جس پر اس جسم کی ماہیت کا دارومدار ہے - پس روشنی منور اجسام کا ایک جوہری خاصہ ہے - اور وہ عارضی روشنی جو دوسرے اجسام سے ممتد ہوکر اجسام کثیف پر ظاہر ہوتی ہے اُن اجسام کا ایک عارضی خاصہ ہے اور یہ راے محققین علوم فلسفہ کی ہے —

(۳) اصحاب ریاضی اس روشنی کو جو منور اجسام سے ممتد ہوتی ہے اور جو اُن کا خاصۂ جوہری ہے حرارت ناری کی ایک صورۃ تصور کرتے ہیں جو ان میں پائی جاتی ہے - اور اس میں شک نہیں کہ اگر سورج کی روشنی مقعر (Concave) آئینے سے منعکس ہوکر ایک نقطے پر مجتمع ہو اور اگر اس نقطے پر کوئی مشتعل ہونے والی شے رکھہ دی جاے تو وہ روشنی کے اس اجتماع سے فوراً جل اُٹھے گی - اور اگر سورج کی روشنی ہوا میں سے گذرے تو ہوا بھی گرم ہو جاے گی - اور اگر یہ روشنی کسی جسم کثیف پر کچھہ عرصہ پڑتی رہے تو یہ جسم بھی خاصا گرم ہو جاے گا - ان سب مظاہر سے ہم بخوبی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سورج کی روشنی در اصل ایک حرارت ناری کی صورۃ ہے —

(۴) پس ان کی راے میں ہر طرح کی روشنی ایک ہی قسم کی ہے اور وہ سب حرارت ناری ہی کی صورۃ ہیں - اور وہ صرف اپنی شدت اور ضعف کی وجہ سے مختلف ہیں - کسی شے کا روشنی

میں جل اُٹھنا یا نہ جلنا ہی اس روشنی کی شدت یا ضعف کی دلیل ہے - اور جس طرح حرارت ناری کا تقاضا ہے کہ وہ قریب والی ہوا کو اُس ہوا کی نسبت جو اس سے دوری پر ہو زیادہ گرم کر دیتی ہے اور اگر اس ہوا میں جو آگ سے زیادہ فاصلے پر ہو کوئی جل اُٹھنے والی چیز رکھدی جائے تو وہ نہیں جلتی - لیکن اگر وہی شے آگ کے قریب لائی جائے اور اس ہوا میں رکھدی جائے جو آگ کے گرد پیش ہو تو وہ شے جل اُٹھے گی - جلتی ہوئی چیز کے قریب اور دور والی ہوا میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ جلتی ہوئی چیز کے قریب والی ہوا میں حرارت شدید موجود ہے - ان دونو قریب اور دور والی ہواؤں میں جو حرارت ناری سے پر ہوں صرت اسی قدر فرق ہے کہ ایک جلا دینے کے قابل ہے اور اس میں شدید حرارت ہے اور دوسری جلانے کے قابل نہیں کیونکہ اس میں ضعیف حرارت ہے - پس اسی طرح روشنی حرارت ناری کی ایک صورۃ ہے - وہ جو کہ شدید ہو جلا دیتی ہے اور وہ جو ضعیف ہو جلانے سے قاصر رہتی ہے - اس لئے اصحاب ریاضی کی راے میں ہر طرح کی روشنی حرارت ناری ہی کی ایک صورۃ ہے اور وہ ایک منور جسم میں اُسی طرح واضح ہے جس طرح کہ ایک روشن جسم کی آگ میں نمایاں ہے —

(۵) جن منور اجسام کا احساس ہمیں حس بصری سے ہوتا ہے دو قسم کے ہوتے ہیں - یعنی ستارے اور آگ - ان سب اجسام کی روشنی ان کے گرد و پیش کی اشیا پر پڑتی ہے اور اس کا احساس

هميں حس بصری سے ہوتا ہے - هم نے اپنی کتاب ' المناظر ' کے
پہلے باب میں بیان کیا ہے کہ ہر منور جسم کی روشنی خواہ وہ
اُسکا ذاتی جوہر ہو یا عرضی اس سے نکل کر ہر اُس شے پر جو
اس کے مقابل ہو پڑتی ہے اور اُس میں ہم نے اس مظہر کی مفصل
تشریح کی ہے - ظاهر ہے کہ اس مسئلے کی تشریح اب محتاج
بیان نہیں کہ ہر ایک جسم کثیف جو کسی منور جسم کے
مقابل ہو اُس وقت تک نظر نہیں آتا جب تک کہ منور جسم
کی روشنی جسم کثیف پر نہ پڑے اور اسے واضح نہ کردے -
اِلا یہ کہ ان دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہو یا وہ
ایک دوسرے سے زیادہ فاصلے پر ہوں یا منور جسم کی روشنی
ضعیف تر ہو - تمام مادی اجسام خواہ وہ شفاف ہوں یا کثیف
روشنی کو قبول کرنیکی صلاحیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے
وہ منور اجسام کی روشنی قبول کرلیتے ہیں - لیکن شفاف
اجسام میں روشنی کو قبول کرلینے کی صلاحیت کے علاوہ ایک
اور صلاحیت روشنی کے امتداد کی بھی ہوتی ہے - اس صلاحیت
کو شفافیت (transparency) کہتے ہیں - اور شفاف اجسام وہ ہیں
جن میں روشنی کے امتداد کی یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے - اور
جس کی وجہ سے آنکھ ان اجسام کے پیچھے رکھی ہوئی اشیاء کو
دیکھ سکتی ہے - ایسے اجسام کی دو قسمیں ہیں کیونکہ روشنی
ان میں سے دو طریقوں سے گذر سکتی ہے - ان اجسام کی ایک
قسم وہ ہے جن میں سے روشنی کلیتاً گذر جاتی ہے - اور دوسری قسم
وہ ہے جن کے بعض حصوں میں سے تو روشنی گذر جاتی ہے - اور

بعض حصے روشنی کے گذرنے میں حائل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے اجسام جن میں سے روشنی کلیتاً گذر سکتی ہے ہوا ، پانی ، بلور اور اسی قسم کے دوسرے اجسام ہیں - اور ایسے اجسام جن کے بعض حصوں میں سے تو روشنی کا گذر ہوسکتا ہے (اور بعض حصوں میں سے نہیں مثلاً) باریک کپڑا اور اسی قسم کی دوسری اشیاء - باریک کپڑے کے توروں کے درمیان سوراخوں میں سے روشنی گذر جاتی ہے لیکن توروں میں سے نہیں گذر سکتی - اس لئیے کے وہ کثیف اجسام سے ہیں - لیکن چونکہ باریک کپڑے کے تورے نہایت باریک ہوتے ہیں اس لئیے روشنی ان میں سے گذرتے وقت مختلف حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے - اور اس کے سوراخوں میں سے تو گذر جاتی ہے لیکن وہ شعاعیں جو توروں سے رک کر واپس منعکس ہوجاتی ہیں آنکھ تک نہیں پہنچتیں - اس طرح پر صرف وہی شعاعیں آنکھ تک پہنچتی ہیں جو کپڑے کے مقابل کی طرف سے سوراخوں میں سے گذرتی ہیں اور وہ شعاعیں جو توروں سے رک کر منعکس ہو جاتی ہیں آنکھ تک نہیں پہنچتیں - اور آنکھ توروں اور سوراخوں کے باریک ہونے کی وجہ سے ان شعاعوں میں تمیز نہیں کرسکتی - کیونکہ آنکھ ہر اُس شے کا احساس نہیں کرسکتی جو نہایت ہی باریک ہو - پس ہوا ، پانی اور بلور کی شفافیت باریک کپڑے کی شفافیت سے مختلف ہوتی ہے - دراصل اجسام کی شفافیت سے یہ مراد ہے کہ روشنی ان میں سے کلیتاً گذر جاتی ہے جیسے ہوا ، پانی اور بلور وقس علی ہذا - تاہم باریک کپڑے اس لئے شفاف کہلاتے ہیں کہ وہ روشنی کے گذارنے میں ایسے اجسام

کے مشابہ ہوتے ہیں —

(۶) شفاف اجسام کا دوسرے اجسام سے فرق معلوم ہو جانے کے بعد ہمیں یہ بتانا ہے کہ شفاف اجسام میں جن میں سے روشنی کاپیتاً گذرسکتی ہے ' روشنی کے قبول کرنے کی ویسي ہی صلاحیت ہے جیسی کہ کثیف اجسام میں ہے - میری رائے میں یہ صلاحیت کثیف اور شفاف اجسام جن میں سے روشنی کا گذر ہو سکتا ہے یکسان طور پر موجود ہے - کثیف اجسام میں روشنی کی قبولیت کی صلاحیت کی یہ وجہ ہے کہ ہر کثیف جسم سے ایسی صورت میں جبکہ وہ کسی منور جسم کے بالمقابل ہو اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہو یا مؤخرالذکر کی روشنی ضعیف ترنہو روشنی ممتد ہوتی ہے - اور جب تک جسم منور جسم کثیف کے مقابل رہے خود ایک لمحہ کیلئے ہی کیوں نہو ہم کثیف جسم پر پڑتی ہوئی روشنی کا احساس کر سکتے ہیں - بشرطیکہ جسم کثیف ہماری آنکھہ سے زیادہ فاصلے پر نہو - یا اُس جسم سے زیادہ دور نہو جس کی روشنی میں وہ نظر آرہا ہو - اس کثیف جسم کا جس پر روشنی متواتر پڑرہی ہو آنکھہ کا ایک لمحے کیلئے بھی احساس کر لینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان اجسام میں روشنی کے قبول کر لینے کی صلاحیت موجود ہے - پس اجسام کثیف کا اُس روشنی میں جو اُن پر پڑرہی ہو نظر آنا اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ اُن میں روشنی کو قبول کر لینے کی صلاحیت موجود ہے —

(۷) شفاف اجسام کی ماهیت کو واضح کرنا اس سے بھی آسان تر ہے - جو روشنی شفاف اجسام میں نافذ ہوتی ہے وہ اُن کثیف اجسام

پر ظاهر ہوتی ہے جو انکے پیچھے رکھے ہوں - یعنی جبکہ جسم شفاف ' جسم منور اور جسم کثیف کے درمیان ہو - اور یہ روشنی اس وقت تک جسم شفاف میں موجود رہتی ہے جب تک کہ وہ جسم منور سے نکلکر جسم شفاف سے گذرتے ہوئے جسم کثیف پر پڑتی ہوئی نظر آتی ہے ' اس روشنی کا جسم شفاف میں موجود رہنا جبکہ وہ اس میں سے گذر رہی ہو اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب کوئی جسم کثیف جسم شفاف کو کسی مقام پر جہاں ہم چاہیں قطع کرے تو یہ اُس جسم کثیف پر ظاہر ہو جائیگی - اور یہ بات اور بھی واضح ہوجاتی ہے جب کہ جسم شفاف ہوا یا پانی ہو - پس روشنی کا کسی ایسے جسم شفاف پر ظاہر ہونا جو جسم شفاف کو کسی مقام پر جہاں ہم چاہیں قطع کرتا ہو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ روشنی جسم شفاف میں موجود ہے اور اگر روشنی جسم شفاف میں موجود ہو تو جسم شفاف میں جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں روشنی کے قبول کرنیکی صلاحیت بھی ضرور موجود ہوگی - متذکرۂ صدر بیان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر ایک جسم خواہ وہ لطیف و شفاف ہو یا کثیف ہو روشنی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے -

۸ - یہ بالکل واضح ہوچکا ہے کہ جسم شفاف میں روشنی کے امتداد (Transmission) کی ایسی قوت موجود ہے جو جسم کثیف میں نہیں پائی جاتی کیونکہ روشنی جسم شفاف ہی میں نفوذ کرتی ہے اور وہ جسم کثیف میں نافذ نہیں ہوتی - اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ جسم شفاف میں ایک ایسی خاصیت موجود ہے جو

جسم کثیف میں موجود نہیں - اور چونکہ روشنی کا نفوذ صرف
جسم شفاف ہی میں ہوتا ہے اور جسم کثیف میں نہیں ہوتا
جس میں کوئی شفافیت نہ ہو پس یہ صرف اسی شفافیت ہی کا
خاصہ ہے جس کی وجہ سے روشنی کا جسم شفاف میں امتداد
ہوتا ہے اور چونکہ شفافیت جسم شفاف کا ایک ذاتی جوہر ہے
جو اس کی ماہیت میں مضمر ہے اس لئے شفافیت جسم شفاف
کا ایک لازمی خاصہ ہے -

۹ - جو کچھہ ہم اُوپر بیان کرچکے ہیں اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا
ہے کہ ہر ایک مادی جسم میں روشنی کے قبول کرنے کی صلاحیت
ہے اور ان میں سے شفاف اجسام میں اس صلاحیت کے علاوہ
روشنی کے امتداد کا خاصہ بھی موجود ہے -اور یہ بھی واضح
ہوگیا کہ شفافیت جسم شفاف کا ایک ذاتی جوہر ہے جو اس کی
ماہیت کا ایک جز و لا ینفک ہے - شفاف اجسام سب مختلف ہوتے
ہیں - اُن کی شفافیت ، اُن کی روشنی کے قبول کرنے کی صلاحیت
اور روشنی کے امتداد کی قوت سب جدا جدا ہوتی ہیں -
روشنی کے متعلق مکمل بحث کرنے کے بعد ہم ان سب کا فرداً
فرداً بیان کریں گے - ہم اُوپر بتاچکے ہیں کہ روشنی ہر ایک
منور جسم سے نکل کر اُس جسم پر پڑتی ہے جو اس کے بالمقابل
ہو اور اس کے گرد و پیش کی تمام اشیاء پر ظاہر ہوتی ہے -
ہمیں اب یہ واضح کرنا باقی رہتا ہے کہ روشنی بالمقابل رکھی
ہوئی اشیاء پر کس طرح ظاہر ہوتی ہے - اور کس طرح اس
کے گرد و پیش کے شفاف اجسام میں نفوذ کرتی ہے - اس کے متعلق

ہمارا اِدعا ہے کہ روشنی جسم منور سے چل کر ہر ایک جسم شفاف میں نافذ ہوتی ہے - اور اس جسم کثیف کے جو اُس کے بالمقابل ہو سب حصوں پر نمودار ہوتی ہے - یہ بات صاف عیاں ہے اور کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ سورج، چاند اور ستاروں کی روشنی شفاف اجسام سماوی میں سے ہوکر اجسام ہوائی میں کہ وہ بھی اسی طرح شفاف ہیں نافذ ہوتی ہوئی زمین کی سطح (بالائی) پر اور دیگر ارضی اشیاء پر نمودار ہوتی ہے - اور پانی میں نفوذ کرجاتی ہے اور ہر ایسے جسم کثیف پر ظاہر ہوتی ہے جو کسی شفاف برتن کے جس میں پانی ہو پیچھے رکھا ہو اور اسی طرح جب روشنی شفاف معدنیات مثلاً کانچ، بلور اور ان دونو کے مشابہ اجسام پر پڑتی ہے تو ایسے اجسام کثیف پر جو اُن کے پیچھے رکھے ہوں ظاہر ہوتی ہے - ان مثالوں کے بیان سے یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ روشنی شفاف اجسام میں نفوذ کرجاتی ہے -

۱۰ - روشنی کا نفوذ شفاف اجسام میں اس طرح پر ہوتا ہے کہ وہ ان اجسام میں سیدھے خطوں پر چلتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ خطوط بالکل سیدھے ہوتے ہیں اور روشنی منور اجسام کے ہر ایک نقطے سے ان تمام سیدھے خطوں پر چلتی ہے جو اس نقطے سے گرد و پیش کے شفاف اجسام میں کھینچے جاسکتے ہیں - ہم نے اس مسئلہ کا مفصل ذکر اپنی کتاب المناظر میں بھی کیا ہے - لیکن ہم یہاں اس سے متعلق صرف اسی قدر بیان کریں گے جو ہمارے مذکورۂ بالا بیان کو واضح کرنے کے لئے کافی ہو -

روشنی کا سیدھے خطوں میں امتداد اس روشنی سے واضح ہوجاتا ہے جو کسی سوراخ سے ایک تاریک کمرے میں داخل ہو جس وقت سورج، چاند یا آگ کی روشنی کسی تاریک کمرے میں ایک تنگ سوراخ سے داخل ہو اور کمرے میں گرد و غبار کے ذرے پہلے سے موجود ہوں یا کمرے کی ہوا میں منتشر کردیے جائیں تو یہ روشنی ہوا میں معلق ذروں پر صاف صاف نظر آے گی- اور فرش اور سوراخ کے بالمقابل دیوار پر بھی ظاہر ہوگی- اور سوراخ سے فرش تک یا بالمقابل دیوار تک یہ روشنی سیدھے خطوں پر چلتی معلوم ہوگی- اور اگر ہم ایک سیدھی لکڑی اس مرئی روشنی کی سمت میں رکھیں تو یہ اس لکڑی کی سیدھ میں چلتی ہوئی نظر آے گی- لیکن اگر کمرے میں گرد و غبار نہ ہو اور روشنی کمرے کے فرش اور بالمقابل دیوار پر ہی نمودار ہو اور اس مرئی روشنی اور سورج کے درمیان ایک سیدھی لکڑی رکھہ دی جاے یا ان دونو کے درمیان ایک دھاگہ کھینچکر پکڑے رہیں- اور اب کوئی جسم کثیف روشنی اور سوراخ کے درمیان حائل کردیا جاے تو یہ روشنی اس جسم کثیف پر نظر آنے لگے گی اور جس مقام پر روشنی پہلے نظر آتی تھی اس سے اوجھل ہوکر اس جسم کثیف پر چمکنے لگے گی- اب اگر اس جسم کثیف کو لکڑی کے ساتھہ ساتھہ اس کی ارد گرد کی فضاء میں حرکت دی جاے تو یہ روشنی ہر مقام پر جسم کثیف کی سطح پر نظر آتی رہے گی اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ روشنی سوراخ سے اس مقام تک جہاں وہ نظر آرہی ہو

(۱۲) وہ روشنی جو شفاف اجسام میں سیدھے خطوں میں چلتی ہے "شعاع سیدھے خطوں میں چلتی ہے- روشنی کا شفاف اجسام میں سیدھے خطوں پر چلنا ہم نے اپنی کتاب "المناظر" میں تجربات اور مشاہدات سے واضح کردیا ہے - یہاں اس کا اسی قدر بیان کافی ہے-

۱۱ - روشنی کا شفاف اجسام میں امتداد ہر ایک قسم کی روشنی کا طبعی خاصہ ہے - بعض اصحاب کا قول ہے کہ روشنی کا شفاف اجسام میں سیدھے خطوں پر چلنا ان اجسام ہی کا خاصہ ہے - لیکن یہ قول تجربے اور مشاہدے کے خلاف ہے- اور اول الذکر قول صحیح ہے - اگر جسم شفاف میں روشنی کا امتداد اُس جسم کا خاصہ ہوتا تو یہ امتداد معینہ خطوں ہی میں ہوتا- لیکن ایسا ظہور پذیر نہیں ہوتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جسم شفاف میں ایک ہی قسم کی روشنی کا امتداد بہ یک وقت ایسے خطوں میں ہوتا ہے جو یا تو ایک دوسرے کے متقاطع ہوں یا ایک دوسرے کے متوازی ہوں یا خطوط متلاقیہ * (Convergent) یا غیر متلاقیہ † (Divergent) ہوں اور بلا شبہ اس کی وجہ یہ ہے کہ روشنی منور جسم سے ہر ایسے سیدھے خط کے ساتھ ساتھ چلتی ہے جو ان اجسام کے ہر ایک نقطے سے کھینچے جاسکتے ہیں - اور اس طرح پر روشنی کی شعاعیں جو جسم منور کے دو مختلف نقطوں سے نکلتی ہوں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہیں - یعنی وہ خطوط جو ایک نقطے سے ہر سمت میں کھینچے جائیں ان خطوں کو منقطع کریں گے جو دوسرے نقطے سے ہر سمت میں کھینچے گئے ہوں - اب اگر چند

---

* اس کی بجائے اب " مستدق "کہتے ہیں -† اس کو اب "متسع" کہتے ہیں —

منور اجسام ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو رکھے ہوئے ہوں اور روشنی بہ یک وقت ہر ایک سے منتشر ہو رہی ہو تو ان تمام خطوں کا جائے وقوع جن میں روشنی ممتد ہو رہی ہو مختلف ہو گا - پس یہ امر ضمناً واضح ہو جاتا ہے کہ اگر دو منور اجسام جن سے روشنی نکل رہی ہو کسی جسم شفاف کے بالمقابل اطراف میں واقع ہوں تو ان سے روشنی کا امتداد دو مختلف سمتوں میں ہوگا - اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مخصوص خطوں میں روشنی کی اشاعت (Propagation) کا مفروضہ (hypothesis) غلط اور بے بنیاد ہے - اور جسم شفاف میں کوئی ایسے مخصوص خط متعین نہیں جن میں روشنی کا امتداد ہو- علاوہ بریں دو حرکات طبیعی بہ یک وقت دو مختلف سمتوں میں واقع نہیں ہوسکتیں - پس اگر امتداد روشنی کا مظاہرہ جسم شفاف کا طبعی خاصہ ہوتا جس کی وجہ سے یہ امتداد صرف مخصوص خطوں ہی میں ہو تو وہی روشنی بہ یک وقت دو مختلف سمتوں میں جو بہت ہی ایک دوسری سے مماثل ہوں کبھی ممتد نہ ہوتی - اور اگر روشنی کسی جسم شفاف میں دو مخالف سمتوں میں چل سکتی تو شفاف اجسام میں روشنی کا سیدھے خطوں میں امتداد شفاف اجسام کا خاصہ نہ ہوتا - اور جب کہ روشنی کا امتداد صرف شفاف اجسام ہی میں ہوتا ہے اور یہ امتداد ان اجسام میں صرف سیدھے خطوں ہی کی سمت میں ہوتا ہے۔ پس روشنی کا سیدھے خطوں میں امتداد شفاف اجسام کا خاصہ نہیں ہو سکتا - اور یہ صرف روشنی ہی کا خاصہ ہے کہ وہ سیدھے خطوں کی سمت میں چلتی ہے - اور شفافیت کا صرف یہ خاصہ ہے کہ وہ شفاف اجسام میں روشنی کے نفوذ میں حائل نہ ہو -

کہلاتی ہے - یا یوں کہئیے کہ شعاع وہ روشنی ہے جو کسی منور جسم سے چلکر جسم شفاف میں سیدھے خطوں میں ممتد ہوتی ہے- تاہم یہ سیدھے خط جن میں روشنی چلتی ہے محض فرضی خط ہوتے ہیں جن کا احساس حواس خمسہ سے نہیں ہو سکتا یہ فرضی خط معہ اس روشنی کے جو ان میں چلتی ہے "شعاع" کے نام سے موسوم ہیں- پس شعاع وہ جوہری خاصہ ہے جو سیدھے خطوں میں ہوتا ہے- اصحاب ریاضی اسی لئے شعاع بصری کو شعاع کہتے ہیں کہ وہ سورج آگ اور اسی قسم کے دوسرے اجسام کی شعاعوں کے مشابہ ہوتی ہیں - اور متقد میں اصحاب ریاضی کی راے ہے کہ کوئی شے اس وقت نظر آتی ہے جب کہ شعاع آنکھہ سے چلکر اس شے تک پہنچے اور پھر آنکھہ تک واپس آئے - اور یہی شعاعیں کسی شے کے نظر آنے کا باعث ہوتی ہیں - یہ شعاع جن میں طاقت تنویری (Illuminating power) ہوتی ہے - روشنی کی ایک قسم (genus) ہے - ان ہی میں قوت مرئی ہوتی ہے - اور یہ آنکھہ کے مرکز سے نکلکر سیدھے خطوں میں چلتی ہیں - اور جب یہ قوت نوری آنکھہ تک پہنچتی ہے تو مرئی شے کا ادراک ہوتا ہے - اور اس قوت نوری کو معہ ان سیدھے خطوں کے جن پر یہ آنکھہ سے نکلکر چلتی ہیں اصحاب ریاضی شعاع بصری کہتے ہیں کیوں کہ جن لوگوں کی یہ راے ہے کہ مرئی شے کا اِدراک اس وقت ہوتا ہے - جب کہ اس سے شعاع چلکر آنکھہ تک پہنچے - وہ سمجھتے ہیں کہ شعاع وہ روشنی ہے جو مرئی شے سے سیدھے خطوں پر چلکر آنکھہ کے مرکز پر ملتی ہے - اور ان لوگوں کی یہ راے اس لئے ہے کہ روشنی مرئی شے کے

ہر نقطے سے نکلکر سیدھے خطوں میں چلتی ہے - اور یہ راے اس
لئے صحیح ہے کہ آنکھہ کسی مرئي شے کو اس وقت دیکھہ سکتی ہے
جب کہ اس کي ذاتی یا عرضی روشنی ان خطوں میں چلے جو اس
شے کے ہر ایک نقطے سے آنکھہ تک کھینچے جا سکیں - وہ روشنی
جو آنکھہ سے چلکر مرئی شے تک جاتی ہے لا تعداد سمتوں میں کھینچے
ہوے خطوط میں چلتی ہے - اور ایسے فرضی سیدھے خط آنکھہ کے
مرکز سے مرئی شے تک کھینچے ہوے ہوتے ہیں - اور روشنی
انہی خطوں پر چلتي ہے - اور آنکھہ مرئی شے کا احساس اس
روشنی سے کرتی ہے جو آنکھہ تک ان خطوں میں منعکس ہوکر
پہنچتے ہیں - کیوں کہ وہ لوگ جن کی یہ راے ہے یقین
رکھتے ہیں کہ فطرت نے آنکھہ کو ایسا بنایا ہے کہ وہ صرف اس روشنی کا
احساس کرے جو اُس تک ان خطوں میں منعکس ہوکر پہنچے -
اور اس روشنی کو وہ محسوس نہیں کرسکتی جو ان کے علاوہ
دوسرے خطوں میں منعکس ہو - ہم اس روشنی کو معہ ان خطوں
کے جن پر چلکر وہ آنکھہ کے مرکز کی طرف رجوع کرتی ہے شعاع
کہتے ہیں - پس جملہ اصحاب ریاضی کے نزدیک شعاع نوری وہ
روشنی ہے جو سیدھے خطوں میں چلکر آنکھہ کے مرکز کی طرف
رجوع کرے - اور یہ خطوط جو محض فرضی ہوتے ہیں من حیث
الذت خطوط شعاعی کہلاتے ہیں - اور اول‌الذکر قول کے مطابق شعاع وہ
روشني ہے جو سیدھے خطوں پر چلتی ہے خواہ وہ روشنی سورج کی

هو یا چاند کی - ستاروں کی روشنی هو یا آگ کی اور یا آنکهه
کی روشنی هو - اور یه تعریف شعاع کی هے - تاهم طبیعیین کے هاں
شعاع کے متعلق کوئی اور مفروضہ نہیں -
[۱۳] اس امر کی وضاحت کے بعد هم پهر ایک مرتبه شفاف اجسام کے
متعلق بحث کرتے هیں - شفافیت شفاف اجسام کی اس خاصیت کو
کهتے هیں جن کی وجهہ سے ان میں روشنی کا امتداد هوتا هے - شفاف
اجسام دو قسم کے هوتے هیں - اول سماوی دوم دون السماوی
(celestial and sub-celestial) - ان میں سے اجسام سماوی صرف ایک
هی قسم کے هوتے هیں کیونکه یه ایک هی اصل سے هیں - اور
دون السماوی اجسام تین قسموں کے هیں - اول هوا' دوم پانی اور
شفاف رطوبات مثلاً انڈے کی سفیدی اور آنکهه کے پردے اور
ان کے مشابه دیگر اجسام - سوم شفاف پتهر مثلاً کانچ بلور اور شفاف
جواهرات اور یه سب مختلف قسموں کے شفاف اجسام هیں - یه
سب اپنی شفافیت (Transparency) میں ایک دوسرے سے مختلف
هیں اور هر ایک کی شفافیت سوائے سماوی اجسام کی شفافیت
کے مختلف هوتی هے - اسی طرح هوا کی شفافیت بهی مختلف هے -
بعض هوا کثیف (باعتبار نور) (Denser) اور بعض لطیف (Rarer)
هوتی هے - مثلاً دهواں کہر' گرد آلود یا دخانی هوا کثیف هیں -
اور مثلاً سماوی کروں کی درمیانی هوا - یا آسمان کے قریب کی
هوا یا وه هوا جس میں کوئی اور شے مخلوط نه هو لطیف هیں
اور لطیف هوا زیاده شفیف هوتی هے - اسی طرح جاری پانی اس
پانی سے زیاده شفیف هے جو رنگ آلود هے - اور اسی طرح شفاف

رطوبات دوسری رطوبات کی نسبت زیادہ شفیف ہوتی ہیں -
اور یہی حال شفاف پتھروں کا ہے- مثلاً بلور یاقوت کی نسبت
زیادہ شفیف ہے- اور یہ سب فرق حواس سے محسوس کیا جاسکتا
ہے - لیکن اجسام سماوی کی شفافیت میں کوئی فرق نہیں معلوم
ہوتا - تاہم یہ ظاہر ہے کہ وہ سب شفیف اجسام ہیں - کیوں کہ
ستارے باوجود اس کے کہ زمین سے مختلف فاصلوں پر واقع ہیں
آنکھہ سے دیکھے جاسکتے ہیں- اور آسمان کی گہرائیوں میں آنکھہ اُن
کے مختلف محل وقوع کا اِدراک کر سکتی ہے - اور تمام دون
السماوی شفاف اجسام میں کچھہ نہ کچھہ کثافت ہوتی ہے -
کیوں کہ جس وقت سورج کی روشنی ان پر پڑتی ہے تو ان
میں سے ہر ایک سے ایک روشنی ثانی نکلتی ہے - جس طرح کہ
یہ ثانی روشنی کثیف اجسام سے نکلتی ہے جس وقت کہ سورج
کی روشنی اُن پر پڑ رہی ہو - ان دونوں میں فرق صرف اس
قدر ہوتا ہے کہ شفاف اجسام سے نکلی ہوئی روشنیء ثانی نسبتاً
ضعیف تر ہوتی ہے - ہم نے اس موضوع کو تفصیلاً اپنی کتاب
'المناظر' کے پہلے باب میں بیان کیا ہے- اور وہاں ہم نے ایسے
طریق پر بحث کی ہے جس سے یہ مسئلہ ان سب قسم کی روشنیوں
کے متعلق واضح ہوجاتا ہے جو کثیف اجسام سے نکلتی ہیں - اور
شفاف اجسام میں پائی جاتی ہیں - اس مقام پر ہم اس بحث
کے صرف چند پہلوؤں کا اِعادہ کریں گے- ہوا سے ایک ثانی روشنی
کا اخراج ہوتا ہے - جو صبح تڑکے ظاہر ہوتی ہے - طلوع آفتاب
سے پہلے صبح سویرے یہ روشنی سطح ارضی کو منور کردیتی

ھے۔ اور سطح ارضی ھمیں رات کی نسبت زیادہ روشن نظر آتی ھے پیشتر اس کے کہ ھمیں سورج نظر آئے اور زمین کے بالمقابل ھو۔ کیوں کہ روشنی منور اجسام سے نکل کر صرف سیدھے خطوں ھی پر چلتی ھے۔ اس مسئلہ کی وضاحت ھم نے اپنی کتاب 'المناظر' میں دلائل اور مشاھدات سے کردی ھے۔ اور سورج اور سطح ارضی کے درمیان جس پر ابھی سورج نہیں چمکتا کوئی شعاع نہیں ھوتی۔ کیوں کہ شعاع ھمیشہ سیدھے خطوں میں چلتی ھے۔ اور نہ ھی اُن کے درمیان کوئی اور ارضی شے حائل ھوتی ھے۔ پس وہ روشنی جو سطح ارضی پر نمودار ھوتی ھے سورج کے قرص سے براہ راست مستفد نہیں ھوتی۔ اُس وقت سطح ارضی کے بالمقابل کسی اور منور جسم کا ھونا بھی ممکن نہیں جس کی روشنی اس کی سطح پر پڑرھی ھو۔ سوائے ھوا کے اُن طبقوں کے جو سطح ارض اور آسمان کے درمیان واقع ھیں۔ اور جو سورج کی روشنی سے منور ھوتے ھیں۔ اور یہی ھوا سورج کے قرص کے بالمقابل ھوتی ھے۔ اور سورج اور اس کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ھوتی ارر یہی وہ ھوا ھے جو علی الصبح منور ھوتی ھے۔ اور اس کی روشنی حس بصری سے محسوس ھونے لگتی ھے۔ پس وہ روشنی جو صبح صادق کے وقت سطح ارضی پر نمودار ھوتی ھے اُس ھوا کے نور سے پیدا ھوتی ھے جو اس وقت سطح ارضی کے بالمقابل ھو۔ اور یہی صورت پانی کانچ اور شفاف رطوبات کی بھی ھے کہ جس وقت سورج کی روشنی اُن پر پڑتی ھے اس روشنی کے ساتھہ ساتھہ جو اُن میں نافذ ھوتی ھے اُن سے ایک

روشنی ثانی بھی نکلتی ھے - جو حس بصری سے محسوس ھوتی ھے-
اور جس وقت کوئی شے پانی یا شفاف پتھروں کے قریب اس
سمت کے مقابل لائی جاے جس میں کہ نافذ شدہ روشنی ممتد
ھو رھی ھو تو اس سفید شے پر ھم ایک نئی روشنی کا مشاھدہ
کرتے ھیں جو اس سے پہلے اس پر موجود نہ تھی - گو یہ روشنی
ضعیف تر ھوتی ھے - اور ھم نے اِس مسئلہ کی تشریح تجربوں اور
مشاھدات سے کتاب 'المناظر' میں تفصیلاً کی ھے - اور اس مقام پر
ھم اسی قدر وضاحت پر اِکتفا کرتے ھیں- جس وقت سورج کی روشنی
دون السماوی شفاف اجسام پر پڑتی ھے تو اُن میں سے ھر ایک
سے اُسی طرح ایک روشنی ثانی نکلتی ھے جس طرح کہ اُن
کثیف اجسام سے نکلتی ھے جن پر سورج کی روشنی پڑ رھی ھو - ان
میں فرق صرف اس قدر ھوتا ھے کہ جو روشنی شفاف اجسام سے
نکلتی ھے اُس روشنی سے ضعیف تر ھوتی ھے جو کثیف اجسام سے
نکلتی ھے- ھم اوپر بالوضاحت بیان کر چکے ھیں کہ اجسام کثیف میں
شفاف اجسام کی مانند روشنی کو قبول کرنے کی قوت یا صلاحیت
ھوتی ھے - اور ھم یہ بھی واضح کر چکے ھیں کہ شفاف اجسام میں
نافذ شدہ روشنی کے علاوہ ایک روشنی ثابت ھوتی ھے - اب ھم
یہ بتانا چاھتے ھیں کہ جو روشنی شفاف اجسام سے نکلتی ھے وہ روشنی
ثانی ھے نہ کہ وہ روشنی جو اُس میں نافذ ھورھی ھو - کیونکہ شفاف
جسم میں نافذ روشنی اُس جسم کی روشنی کی مخالف سمتوں میں چلتی
ھے جس سے کہ وہ نکل رھی ھو- اور یہ ان سمتوں کے علاوہ دوسری سمتوں
میں نہیں چلتی- اور ھم اس روشنی ثانی کو جو ان اجسام سے نکلتی ھے

ان سمتوں کے مخالف سمتوں میں چلتا ہوا پاتے ہیں - پس ثابت ہوا کہ جسم شفاف سے روشنی ثانی کا اشعاع (Radiation) نفوذ شدہ روشنی کا اشعاع نہیں - جسم شفاف میں سوائے نافذ شدہ روشنی کے اور اس روشنی کے جو اس میں ثابت ہو کوئی اور روشنی نہیں ہوتی- پس جسم شفاف سے جو روشی ثانی نکلتی ہے وہ اسی روشنی سے پیدا ہوتی ہے جو اس میں ثابت ہوتی ہے- اور کسی جسم مادی میں روشنی ثابت اس کی کثافت کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس کے خاصۂ شفافیت کے بر عکس ہے - کیونکہ کسی جسم میں کثافت کا نہ ہونا ہی اس کے شفاف ہونے کی دلیل ہے - جب کوئی جسم شفاف ہو تو روشنی اس میں نافذ ہوتی ہے - اور جب وہ جسم نہایت ہی شفاف ہو تو اس میں کسی طرح کی کثافت نہیں ہوتی - اور روشنی اس میں مکمل طور پر نافذ ہوتی ہے - اور اس میں نہیں ٹھیرتی - پس شفافیت ہی اس روشنی کی وجہ ہے جو اس میں نافذ ہوتی ہے نہ کہ اس روشنی کی جو اس میں ثابت ہو- اور چونکہ روشنی جسم کثیف میں ٹھیرتی ہے - اور شفاف جسم میں نافذ ہوتی ہے پس روشنی کا کسی جسم میں ٹھیرنا سوائے اس کی کثافت کے اور کسی وجہ سے نہیں ہوتا- اور جس طرح یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک دون السماوی جسم شفاف میں جب تک کہ روشنی اس پر پڑتی رہے روشنی ثابت موجود رہتی ہے اُسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ دون السماوی جسم شفاف میں اس کی شفافیت کے علاوہ کچھہ نہ کچھہ کثافت بھی ضرور ہوتی ہے - اور یہ بھی واضح ہوچکا کہ ان شفاف اجسام کی شفافیت بھی

مختلف هوتی هے- اور جس طرح ان شفاف اجسام کی شفافیت مختلف هوتی هے اور جیسا که اوپر بیان هوا ان جمله اجسام میں کچهه نه کچهه کثافت بهی ضرور هوتی هے اسی طرح یه ظاهر هے که ان اجسام کی شفافیت کا اختلاف ان کی کثافت کی وجه سے هوتا هے- ان میں جس قدر زیاده کثافت هوگی اسی قدر ان کی شفافیت کم هوگی- اور ان میں جتنی کثافت کم هوگی اتنی هی ان کی شفافیت زیاده هوگی —

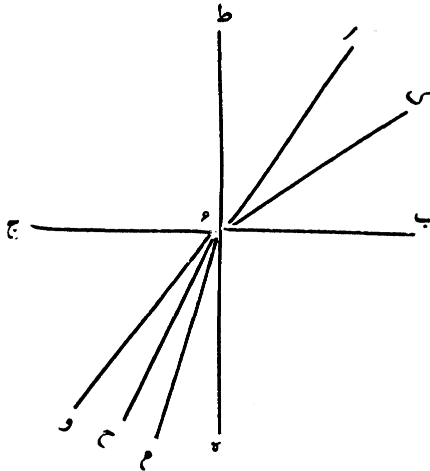
۱۴ - اجسام سماوی کی شفافیت کے متعلق صاحب منطق (حکیم ارسطو) کی یه راے هے که ان کی شفافیت جمله اجسام کی شفافیت کی نسبت زیاده لطیف (باعتبار نور) هے - ان کی شفافیت لطیف ترین درجے کی هوتی هے- یه ناممکن هے که کوئی جسم ان سے زیاده شفاف هو. متاخرین اصحاب ریاضی میں سے ایک "ابو سعد العلاء ابن سهیل" نامی نے بهی اس مسئله کی وضاحت کی هے- اور اپنے ایک مقالے میں اس کا هندسی ثبوت پیش کیا هے- هم ذیل میں اس کے دلائل کا ملخص پیش کرتے هیں - اور اس کی تشریح کو زیاده واضح طور پر بیان کرتے هیں - تجربے سے یه بات ظاهر هے که هر ایک قسم کی روشنی جو کسی جسم شفاف پر پڑتی هے اس میں سیدهے خطوں میں نافذ هوتی هے . اور جب روشنی ایک جسم شفاف سے گذر کر کسی دوسرے جسم شفاف پر پهنچے جس کی شفافیت اول الذکر سے مختلف هو اور ان دونو اجسام کی سطح مشترک پر عمود سے جهکی هوئی سمت میں وارد هو تو وه جهک (منعطف هو) جاتی هے - اور سیدهے خطوط میں نافذ نهیں

ہوتی- یہ مسئلہ ہم نے اپنی کتاب ''المناظر'' کے ساتویں باب میں بیان کیا ہے - اور اس میں یہ بتایا ہے کہ کس طرح اس کی تصدیق ہر ایک شفاف جسم سے متعلق تجربات سے کی جا سکتی ہے - اور وہیں ہم نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ انعطاف معینہ زاویوں میں واقع ہوتا ہے- اور جب روشنی کسی لطیف تر (باعتبار نور) جسم سے کسی کثیف تر (باعتبار نور) جسم میں منعطف ہوتی ہے تو یہ انعطاف اس عمود کی جانب ہوتا ہے جو نقطۂ انعطاف پر کثیف تر جسم کی سطح کے ساتھ زاویۂ قائمہ بناتا ہو- اور اگر کسی کثیف تر جسم سے کسی لطیف تر جسم میں انعطاف ہو تو وہ اس عمود سے دوری پر ہوتا ہے - اور اگر روشنی کسی لطیف تر جسم سے کسی کثیف تر جسم میں ممتد ہو تو وہ جسم کثیف میں منعطف ہوگی اور نقطۂ انعطاف پر ایک ایسا زاویہ بنائے گی جو اس زاویے کے برابر ہوگا جو اس صورت میں جب کہ وہ کسی کثیف تر جسم سے لطیف تر جسم کی طرف منعطف ہوتے وقت شعاع واقع (Incident ray) اور شعاع منعطفہ (Refracted ray) کے درمیان بناتی ہے- اور اسی طرح جب روشنی کسی لطیف تر جسم سے دو اور کثیف تر اجسام میں منعطف ہو جو اول الذکر سے کثیف تر ہوں اور دونو کی کثافت (باعتبار نور) بھی آپس میں مختلف ہو تو یہ انعطاف کثیف تر جسم میں اور بھی زیادہ ہوگا - میری رائے میں جب روشنی کسی ایسے جسم کی طرف منعطف ہوتی ہے جو پہلے جسم سے کثیف تر ہے تو وہ نقطۂ انعطاف پر کھینچے ہوئے عمود سے قریب تر ہوگی - لیکن اگر روشنی کسی کثیف تر جسم شفاف سے دوسرے دو لطیف تر اجسام

کی طرف منعطف ہو جن کی لطافت (باعتبار نور) آپس میں بھی مختلف ہو تو یہ انعطاف لطیف ترجسم میں اس عمود سے جو نقطۂ انعطاف پر قائم کیا گیا ہو زیادہ دوری پر ہوگا - حکیم بطلیموس (Ptolemy) نے بعینہ اسی طرح اس مسئلہ کی اپنی کتاب "المناظر" (Optics) کے پانچویں باب میں "شعاع بصری" سے متعلق تشریح کی ہے - وہ یوں بیان کرتا ہے کہ جب "شعاع بصری" کسی جسم شفاف سے گذرکر کسی دوسرے جسم شفاف سے جس کی شفافیت پہلے جسم سے مختلف ہو جا کر ملے اور شفاف اجسام کی مشترک سطح پر کسی مائل سمت میں وارد ہو تو وہ منعطف ہو جاتی ہے - اور سیدھے خط میں نافذ نہیں ہوتی - اُس نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ "شعاع بصری" کا انعطاف ہواسے کانچ کی طرف، ہوا سے پانی کی طرف انعطاف کی نسبت زیادہ ہوتا ہے - کیونکہ کانچ پانی کی نسبت کثیف تر (باعتبار نور) ہوتا ہے - اور اسی طرح اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ جب آنکھ کسی لطیف ترجسم میں واقع ہو تو اس کی شعاع کثیف ترجسم میں اُسی زاویہ پر منعطف ہوگی جس پر کثیف تر جسم میں واقع سرئی شے سے منعطفہ شعاع منعطف ہوگی- اس تمام بحث سے واضح ہوجاتا ہے کہ ہر ایک شعاع جو کسی جسم شفاف سے گذر کر کسی دوسرے جسم شفاف سے جاکر ملے جس کی شفافیت پہلے جسم کی نسبت جس سے کہ وہ گذرچکی ہو زیادہ ہو تو وہ دوسرے جسم میں اس طرح منعطف ہوگی کہ اس کا دوسرے جسم میں انعطاف اس جسم کی کثافت (باعتبار نور)

کے مطابق ہو گا - (یعنی شفیف تر جسم میں زاویۂ انعطاف بڑا ہو گا) اور وہ شعاع جو ایک جسم شفاف سے گذر کر دوسرے جسم شفاف سے جس کی شفافیت اول الذکر کی نسبت کم ہو تو دوسرے جسم میں اس کا انعطاف اس جسم کی لطافت (باعتبار نور) کے مطابق ہو گا -

۱۵- اب ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں جو اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت کردے گی- دو شفاف اجسام جن کی شفافیت آپس میں مختلف ہے دیے ہوے ہیں - نقطۂ ا لطیف ترجسم میں واقع ہے - نقطۂ ا سے ایک سطح مستوی گذرتی ہے جو جسم کثیف کی سطح کے ساتھ زاویۂ قائمہ بناتی ہے



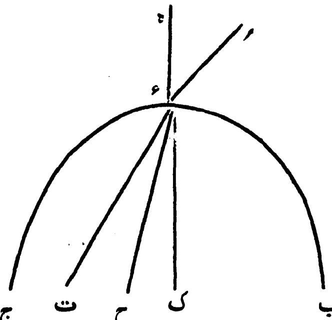
فرض کرو کہ ان دونو سطحوں یعنی سطح مستوی اور جسم کثیف کی سطح کی فصل مشترک خط مستقیم ب ج ہے- نقطۂ ا سے شعاع اء نکلتی ہے جو خط ب ج پر مائل گرتی ہے - اور خط ء ح پر منعطف ہوتی ہے- نقطۂ ء سے ہم جسم کثیف کی سطح پر عمود ء ہ گراتے ہیں- اور خط ا ء کو نقطۂ و تک بڑھاتے ہیں - اس طرح پر زاویہ ء بنتا ہے جو زاویہ انعطاف کو ظاہر کرتا ہے - اب اگر کوئی شعاع خط ح ء پر نکلے تو وہ خط ء ا پر منعطف ہوگی - اب ہم عمود ط ء کھینچتے ہیں اب اگر جسم لطیف جس میں نقطۂ ا واقع ہے لطیف تر ہو تو اس

میں شعاع ح ء ایسے خط میں منعطف ہوگی جو عمود ء ط سے دوری
پر ہوگا - اور اس جسم میں ' جو زیادہ شفاف ہوگا ' انعطاف خط ء ک
میں ہوگا - اور وہ شعاع جو جسم کثیف تر سے گذر کر خط ء ا پر
منعطف ہوگی عمود ءہ سے قریب تر ہوگی اور یہ شعاع ع ء ہے جو
خط ء ا پر منعطف ہوتی ہے اور اگر شعاع اس دوسرے جسم لطیف سے جو شفیف
تر ہے خط ا ء پر گذرے تو وہ خط ء ع پر منعطف ہوگی - اور جب کہ
یہ جسم لطیف جس میں نقطۂ ا واقع ہے اس دوسرے جسم سے بھی
نسبتاً شفیف تر ہو تو وہ شعاع جو جسم کثیف تر سے گذر کر خط ء ا پر
منعطف ہوتی ہے اس جسم کثیف ترمیں عمود ءہ سے خط ء ع کی
نسبت قریب تر ہوگی - اور یہی صورت اس وقت ہوگی جب کہ جسم
شفاف پانی ہو- جتنی زیادہ جسم لطیف کی لطافت (بہ اعتبار نور)
اور شفافیت (بہ اعتبار نور) ہوگی اتنا ہی انعطاف عمود ءہ کے
قریب ہوگا - اور جتنی شعاع منعطفہ خط ءہ کے قریب ہوگی اُتنا ہی
زاویہ ہ ء ع چھوٹا ہوگا - اور وہ زاویہ جو شعاع منعطفہ اور عمود کے
درمیان واقع ہوتا ہے لطیف تر جسم کی شفافیت کے متناسب ہوتا ہے-
اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کسی جسم کی شفافیت کا معیار اُس زاویے
کے متناسب ہوتا ہے جو نقطۂ انعطاف پر واقع ہو —

(۱۶) اصحاب ریاضی اور محققین طبیعیات دونو کا اس بات میں اختلاف
نہیں کہ تمام زاویے لا محدود حد تک تقسیم کئے جاسکتے ہیں - اس
طرح پر کہ اگر اُس نقطے کو جس پر کہ زاویہ واقع ہو مرکز مان کر
اس سے کچھ فاصلے پر دائرے کا ایک ایسا قوس کھینچا جائے جو
زاویے کے بالمقابل ہو اور یہ قوس بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے حصوں

میں تقسیم کیا جاے جو لا محدود ہوں اس طرح پر کہ زاویے کے بالمقابل قوس بھی لا تعداد چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جاے - اور ان نقاط تقسیم سے نقطۂ زاویہ تک خط کھینچے جائیں تو زاویہ لا انتہا چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہوجاے گا - اور ان تمام زاویوں سے بھی چھوٹا زاویہ ہونا ممکن ہے - اب اگر کسی جسم کی شفافیت زاویۂ منعطفہ کے متناسب ہو اور کوئی ایسا زاویہ بنایا نہ جا سکے جو ان زاویوں سے بھی چھوٹا ہو تو کوئی شفافیت ایسی فرض نہیں کی جاسکتی جو اس سے بھی لطیف تر ہو - اور جو لطیف تر شفافیت فرض کی جا سکے گی - شفافیت کی انتہائی حد شمار نہیں کی جا سکتی - پس شفافیت کی کوئی حد نہیں جو قیاس میں آ سکے —

(۱۷) حکیم بطلیموس نے بھی بیان کیا ہے کہ شعاع بصری کرۂ سماوی کی مقعر جانب منعطف ہوتی ہے - اور چونکہ کرۂ سماوی بہ نسبت ہوا کے کثیف تر ہوتا ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سورج اور ستاروں کی



روشنی کرۂ سماوی کی جانب مقعر منعطف ہوتی ہے اور اس کی مثال وہ یوں دیتا ہے- فرض کرو کہ جسم کثیف تر کروی ہے - اور نقطۂ ا سے گذرتی ہوئی سطح مستوی اور سطح کروی کی فصل مشترک قوس ب ء ج ہو جس کا مرکز ک ہے - جسم کثیف مرکز کی جانب ہے اور جسم لطیف قوس کی محدب (Convex) جانب ہے - نقطۂ ا جسم لطیف میں ہے اور شعاع ا ء جو اس سے نکلتی ہے سطح کروی پر مائل گرکر خط ء ح میں منعطف ہوتی ہے -

ہم خط ک کھینچ کر اسے نقطہ ہ تک بڑھاتے ہیں - پس ء ہ کرہ ی جسم کی سطح پر عمود ہوگا - اب ایک شعاع خط ح ء میں چلکر خط ء ا میں منعطف ہوگی - اور اگر وہ جسم جس میں ا ہے شفیف تر ہوتو وہ شعاع جو خط ا ء پر چلتی ہے ایسے خط میں منعطف ہوگی جو عمود ک ہ سے قریب تر ہوگا - اور دوسری شعاعوں کی بھی بعینہ یہی صورت ہوگی - لیکن وہ زاویہ جو شعاع منعطفہ اور عمود ہ ک کے درمیان واقع ہے - زاویہ ح ء ک سے چھوٹا ہوگا - اور زاویہ ح ء ک کا غیر محدود حد تک چھوٹا ہونا ممکن ہے - اور یہ بھی ممکن ہے کہ جسم لطیف کی شفافیت جس میں ا واقع ہے غیر محدود حد تک شفیف تر اور لطیف تر قیاس کی جا سکے - اور اگر لطیف تر جسم سماء ہو اور سورج نقطہ ا کے پاس ہو اور اس کی شعاعیں خط ا ء میں ممتد ہوں تو وہ خط ء ح میں منعطف ہونگی - اور اگر سماء کی شفافیت صاف تر اور لطیف تر ہو تو شعاع ا ء ایسے خط میں منعطف ہوگی جو خط ح ء اور ح ک کے درمیان واقع ہو - اور یہ بھی ممکن ہےکہ خط ء ح و ء ک کے درمیان خطوں کی غیر محدود تعداد ہو اور یہ بھی قیاس کرلینا ممکن ہے کہ سماء کی شفافیت غیر محدود حد تک اس سے صاف تر اور لطیف تر ہو جو امر واقعہ ہے -

(۱۸) اصحاب ریاضی کی بھی وہی راے ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے - میری راے میں کسی جسم کی شفافیت بہ لحاظ لطافت (Rarity) اور باریکی (Fineness) غیر محدود حد تک بڑھ سکتی ہے یعنی، ہر ایک جسم شفاف کی شفافیت اس سے بھی شفاف تر قیاس کی جاسکتی ہے جو اس میں موجود ہے -

لیکن ماہرین طبعیات کا قول ہے کہ ہر ایک جسم مادی کا یہ خاصہ کسی غیر محدود حد تک تبدیل نہیں کیا جاسکتا - اور وہ زاویے جو لا محدود حد تک تقسیم ہوسکتے ہیں محض قیاسی ہوتے ہیں جو فرضی خطوط سے بنتے ہیں - لیکن وہ زاویے جو مادی اجسام کا جزو ہوں اور جو محض مادی اجسام ہی میں فرض کئے جاسکتے ہیں لا محدود حد تک تقسیم نہیں کئے جاسکتے اس وقت تک جب کہ وہ جسم جس میں وہ واقع ہوں اپنی اصلی حالات پر قایم رہے - کیونکہ وہ جسم جس میں ایسے زاویے فرض کئے جائیں لا محدود حد تک منقسم نہیں ہو سکتے - کیونکہ کوئی مادی جسم ایک حد تک ہی تقسیم کیا جاسکتا ہے درآں حالیکہ وہ اپنی حالت پر قائم رہے- اور اگر اس کا تجزیہ متواتر جاری رکھا جاے تو وہ اپنی حالات چھوڑ کر دوسری حالت اختیار کر لیتا ہے- اس کی مثال پانی پر صادق آتی ہے - ایک ایسی حد تک اس کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے جس حد تک اس کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ قائم رہ سکے اور اگر اس کا اور زیادہ تجزیہ کیا جاے تو یہ پانی کی صورت چھوڑ کر ہوا کی صورت اختیار کر لیتا ہے - اسی طرح اگر ہوا کا بھی چھوٹے سے چھوٹے ذرہ تک تجزیہ کیا جاے اور یہ عمل تقسیم اس کے بعد بھی جاری رکھا جاے تو یہ اپنی ہوائی صورت چھوڑ کر آگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے - پھر اگر آگ بھی اسی طرح اپنے چھوٹے سے چھوٹے ذروں میں تقسیم کردی جاے تو اس کے بعد اس کا تجزیہ ہونا ناممکن ہے کیونکہ آگ سے لطیف تر کوئی اور صورت نہیں - تاہم سماء کی صورت آگ

سے نسبتاً لطیف تر ہے - اور یہ ممکن ہے کہ آگ سماء ہی کی جنس (Genus) سے ہو پس آگ بھی جب چھوٹے سے چھوٹے حصوں میں تقسیم کی جاے تو یہ سماء کی صورت میں متبدل ہو جاتی ہے - پس ظاہر ہوا کہ سماء نا قابل تقسیم ہے - اور اگر ہم اسے قیاساً چھوٹے سے چھوٹے حصوں میں تقسیم کریں ایک ایسی حد تک جس کے بعد وہ ناقابل تقسیم ہو جاے تو اس کے لئے صورت سماوی کے سوا لطیف تر کوئی اور صورت نہیں - اور اگر ہم اپنے تخیل ہی میں اس عمل تقسیم کو اس کے بعد بھی اسی حد تک جاری رکھیں جبکہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے ہو سکیں اگر ایسی حد تک اس کا تجزیہ ممکن بھی ہو تو ہم محض اپنے تخیل اور تصور ہی میں سماء کا تجزیہ اس سے زیادہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں نہیں کر سکتے - اور اگر ہم ان اجسام کا اس سے زائد تجزیہ تصور بھی کر ایں تو یہ محض قیاسی ہوگا امر واقعی نہ ہوگا - اور صاحب منطق کا یہ قول کہ سماء شفیف ترین جسم ہے صرف اسی حد تک صحیح ہے کہ مادی اجسام میں سے کوئی جسم ایسا نہیں جو سماء کی نسبت شفیف تر ہو - نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی ایسا جسم عالم وجود میں ہو بھی سکتا ہے - کیونکہ اس کا خیال ہے کہ ہر جسم جس کی ہستی کا تصور کیا جاسکتا ہے در اصل اس عالم وجود میں موجود ہے -

(۱۹) میری راے میں یہ دونوں اصول صحیح ہیں کہ شفافیت تخیل میں لا محدود ہے - اور اس کے لئے مادی اجسام میں ایک حد ہے جیسے کہ سماء کی شفافیت - اور جو کچھ ہم نے شفافیت

اور شفاف اجسام کے متعلق بیان کیا ہے ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جن کا جاننا ان کی ماہیت معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے۔

(۲۰) اب ہم ان تمام تصورات (conceptions) کا بیان جن کی تشریح کا سر انجام دینا ہم نے اس مقالہ میں اپنے ذمہ لیا تھا ختم کرتے ہیں اور جو کچھہ ہم بیان کر چکے ہیں اس کا اعادہ کرتے ہیں تاکہ ان کے دلائل اور ثبوتوں کو زیر بحث لائے بغیر ان خیالات کے ذہن نشین کرنے میں آسانی ہو۔ جو کچھہ ہم نے اس مقالے میں بیان کیا ہے کہ حکماء کے نزدیک ہر ایک جسم منور کی روشنی ان کی ماہیت کا ایک ذاتی جوہر ہے۔ اور عارضی روشنی ایک جوہر عرضی جو کثیف اجسام پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جس وقت ان پر روشنی پڑ رہی ہو۔اور منور اجسام میں یہ روشنی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح کہ آگ اُن اجسام میں مرئی ہے جو اس کے حامل ہوں اور ''شعاع'' وہ روشنی ہے جو کسی شفاف جسم میں سیدھے خطوں میں چلتی ہے، خواہ وہ سورج کی روشنی ہو یا چاند کی۔ ستاروں کی روشنی ہو یا آگ کی یا آنکھہ کی روشنی ہو۔ شفاف اجسام وہ ہیں جن میں روشنی نافذ ہوسکے اور حس بصری سے ان کے ماورا اشیاء کا احساس ہو سکے۔ ہم ایسے اجسام کی دو قسمیں کرتے ہیں، اول وہ جن میں روشنی کا نفوذ کلیتاً ہو سکے دوم وہ جن کے بعض حصوں میں سے تو روشنی کا گزر ہو سکے اور بعض میں سے نہ ہو سکے۔ ان میں سے وہ جن میں سے روشنی کلیتاً گزر سکتی ہے دو قسموں میں منقسم ہیں۔ اجسام سماوی اور اجسام دون السماوی۔ پھر موخرالذکر کی تین اقسام

ہیں - مثلاً ہوا پانی اور ایسے اجسام جو شفاف رطوبات کے مشابہ ہوں - اور شفاف پتھر مثلاً کانچ اور شفاف جواہرات اور شفاف اجسام کی شفافیت وہ خاصہ ہے جس سے روشنی کا امتداد ہوتا ہے اور شفافیت میں بھی مختلف مدارج ہیں - اور یہ اختلاف زوایائے انعطاف سے واضح ہوتا ہے - اگر دو شفاف اجسام مختلف الشفیف ہوں اور ان دونو میں سے ایسی شعاعیں گزریں جو نقاط انعطاف سے کھینچے ہوے عمودوں کے ساتھہ ان اجسام میں مساوی زاویے بنائیں تو یہ دونو شعاعیں جسم کثیف تر میں منعطف ہوں گی اور ان دونوں کا انعطاف جسم کثیف میں مختلف الوضع خطوں میں ہوگا اور یہ جسم کثیف میں کھنچے ہوے عمودوں کے ساتھہ مختلف زاویے بنائیں گی - اور وہ جسم جس سے چھوٹا زاویہ نکلے گا شفاف تر ہوگا -

یہ وہ سب مبحث ہیں جو ہم نے اس مقالے میں بیان کئے ہیں - اور اب ہم اس مقالے کو ختم کرتے ہیں -

و اللہ نستعین تمت المقالۃ فی الضوء

فاسفورس

از

جناب رفعت حسین صدیقی صاحب ایم ایس سی' ایل ایل بی' علیگ
ریسرچ انسٹی ٹیوٹ - طبیہ کالج - دھلی

—*—

آج هم ناظرین کا تعارف عنصر فاسفورس سے کراتے هیں - اس عنصر نے دیا سلائی کی صنعت میں بہت کچھہ حصہ لیا ھے - مرگھٹوں میں اس کی روشنی نے بسا اوقات صرف جہلا کو ھی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی محو حیرت کیا ھے - اس کے انکشاف کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ھے —

برانڈ (Brand) نامی کیمیا گر هیمبرگ (Hamburg) کا رھنے والا تھا - سنہ ۱۶۷۴ع * میں اُس نے ایسا راز قدرت معلوم کیا جس سے ایک بڑی صنعت کی بناء پڑ گئی اور جس نے کہ تیرہ صدی بعد هزاروں بے روزگاروں کو کاروبار سے لگا دیا اور آگ حاصل کرنے کے طریقہ کو اس قدر سستا اور آسان کر دیا کہ هر کس و ناکس اُس سے مستفید هوا - ایک دن وہ خشک کئے هوے پیشاب کے ثفل اور سفید ریت کے آمیزہ کو قرع انبیق میں اس

---

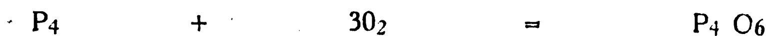
* بعض کا خیال ھے کہ یہ واقعہ سنہ ۱۶۶۹ ع کا ھے —

اُمید میں گرم کر رہا تھا کہ اس سے ایسی مائع چیز حاصل ہوگی جس سے چاندی سونے میں تبدیل ہو سکے گی - جب قرع انبیق بہت ہی زیادہ گرم ہوا تو اس نے دیکھا کہ کچھ بخارات اُٹھ رہے ہیں جن کی تکثیف آلہ کے ٹھنڈے حصوں میں مومی نیم شفاف جامد شکل میں ہو رہی ہے - اس نے جب اس نئی شے کے خواص دریافت کئے، جس کو کہ آج کل فاسفورس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس میں عجیب و غریب خاصیت ہے - اندھیرے میں اس کی ایسی ڈراؤنی اور بھیانک چمک ہوتی ہے جیسے زرد چاندنی کی اور اگر دیوار سے اس کو رگڑا جائے تو ایک چمکتا ہوا نشان باقی رہ جاتا ہے - مزید برآں یہ شے ضرورت سے زیادہ آتش گیر تھی - خفیف سی گرمی حتیٰ کہ صرف ہاتھ کی حرارت اس کو پگھلانے، آگ پکڑنے، شعلہ اُٹھانے اور انتہا سے زیادہ سفید دھواں و بخارات پیدا کرنے اور خارج کرنے کے واسطے کافی تھی - اگر شومیء قسمت سے ذرا بھی یہ شعلہ انگیز شے تجربہ کرنے والے کی کھال پر لگ جاتی تو ایسے مہلک اور گہرے زخم پڑتے جو کہ مہینوں میں جا کر اچھے ہو پاتے —

فطرتاً اس عنصر کے انکشاف نے سائنٹفک دنیا میں شوق و دلچسپی، حیرت و تعجب کا ایسا تلاطم پیدا کر دیا جیسا کہ آج کل ریڈیم نے کیا ہے - شہرت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ کیمیا داں کرافت (Krafft) نے اس راز کو خرید کر یورپ کا سفر کیا اور فاسفورس کو عجائبات قدرت میں شامل کر کے تمام امرا و وزرا کو اس کی زیارت کرائی - بادشاہان وقت بھی اس کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوے - چارلس دوئم کے دربار میں بھی اس کا تماشہ ہوا - اور اس مشاہدے کو دیکھ کر بیگمات کی

خوشی و تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی - بوائل بھی اس موقع پر تھا - بعد ازاں بوائل اور کنکل نے بھی اس مخفی طریقہ کو معلوم کیا - شیل نے اس عنصر کو ھڈیوں میں کیلسیم فاسفیٹ کی شکل میں پایا اور گہان نے اس کو ھڈیوں کی خاک میں سے حاصل کیا - اس عنصر کو دریافت ھوے اب دو صدیوں سے زیادہ زمانہ گذر چکا ھے اور فاسفورس ایک بیش قیمت شے ھے - حالانکہ سونا ایک معمولی شے کا درجہ حاصل کر چکا ھے لیکن اب بھی ھم اس کی ٹھنڈی چمکتی ھوئی روشنی کو تعجب و حیرت سے دیکھتے ھیں - روشنی بغیر آگ کے مظاھر کے عجیب و غریب ھونے میں شک نہیں لیکن دراصل یہ بہت سی حیرت افزا چیزوں کی جلوہ گری ھے - ذرا غور کیجئے کہ فاسفورس کی روشنی پیدا ھونے کے واسطے چھوٹے چھوٹے جواھر کو، جن سے فاسفورس کے جواھر کی تعمیر ھوئی ھے، اپنے سالمی محور پر دس ھزار بلین (دس ھزار کھرب) فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کرنی چاھیے - کیسی خارج از قیاس رفتار ھے! اس پر ناظرین کو سخت تعجب ھوگا لیکن وہ یقین رکھیں کہ یہ سلسلہ بعض مرتبہ مہینوں اور برسوں تک اس وقت تک جاری رھتا ھے جب تک کہ فاسفورس تاریکی میں چمکتا رھتا ھے - تجربات سائنس شاھد ھیں کہ مادی شے کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے ھی میں نہیں بلکہ اُس شے میں بھی جس کو ھم خالی جگہ تصور کرتے ھیں ایسی قوی ھیکل و زبردست قوتوں کا سدا بہار عمل جاری ھے جن کے سامنے ان معمولی طاقتوں کی جن سے کہ ھم واقف ھیں قطعاً وقعت باقی نہیں رھتی - جدید کیمیاوی تحقیقات نے واضح کر دیا ھے کہ تزھر (Phosphorescence) آھستہ آھستہ کیمیاوی اتحاد ھونے کے سبب سے وقوع پذیر ھوتا ھے - ھم کو فاسفورس

کو ایسی شے تصور کرنا چاہیے جس سے بخارات نکلتے ہوں۔ جب ہم اس کو بہت ہی ہلکا چمکتا ہوا دیکھتے ہیں ہم کو خیال کرنا چاہیے کہ ہزارہا سالمات اس کی سطح سے علحدہ ہوکر ہوا میں داخل ہو رہے ہیں اور وہاں وہ آکسیجن کے بے شمار ہزارہا سالمات سے جو کہ ہر سمت میں گردش کر رہے ہیں اور محو رقص ہیں، ٹکراتے ہیں۔ اس باہمی ٹکر اور مڈبھیڑ کی بناء پر دونوں قسم کے جواہر متحد ہوکر سفید چمکدار دھویں کے بخارات بناتے ہیں جو ہم کو فاسفورس کی سطح سے ہر طرف سے نکلتے ہوے نظر آتے ہیں۔ اس عمل کو حسب ذیل مساوات سے ظاہر کیا جا سکتا ہے —



$$P_4 + 3O_2 = P_4O_6$$

(فاسفورس) (آکسیجن) (فاسفورس آکسائڈ)

سب سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی خوبی فاسفورس کی آتش گیری ہے۔ اگر اس کا ایک ٹکڑا ہوا میں چھوڑ دیا جاے تو آہستہ آہستہ عمل تکسید کی وجہ سے اس کا درجۂ تپش زیادہ ہونا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ ۴۴۰۳ درجۂ مئی پروہ پگھل جاتا ہے اورفوراً ہی۴۵ درجۂ مئی پر آگ پکڑکے بھڑک اُٹھتا ہے۔ ہلکی سی رگڑ بوی با لخصوص انگلیوں کی حرارت اس کے بھڑکانے کے واسطے کافی ہے۔ چونکہ یہ بہت ہی خطرناک شے ہے اس لیے اس کو پانی میں رکھا جاتا ہے۔ فاسفورس کی آتش گیری نے ہی یہ خیال پیدا کیا کہ آگ حاصل کرنے کا یہ بہت آسان طریقہ ہوسکتا ہے لیکن اس کی گرانی نے اس لیے کہ نصف چھٹانک کی قیمت پچیس تا چالیس روپیہ تھی، اس کو عملی جامہ پنہانے سے باز رکھا۔ سنہ ۱۷۷۱ ع میں شیل (Scheele) نے ثابت کیا کہ ارزاں طریقہ پر اس کو ہڈیوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور پس عملی صورت اختیار کرنا

بھی ممکن تھا لیکن پھر بھی اس مقصد کے واسطے پچاس سال بعد پیرس میں اس کی تیاری شروع ہوئی- ھڈیوں کی کیمیاوی ترکیب میں فاسفورس کیلشیم اور آکسیجن ہوتے ہیں اور اس باہمی اتحاد سے جو شے حاصل ہوتی ہے اس کو کیلسیم فاسفیٹ کہتے ہیں جس کا کہ ضابطہ حسب ذیل ہے -



$Ca_3(PO_4)_2$

کیلشیم فاسفیٹ

اب فاسفورس کو اس طریق پر حاصل کیا جاتا ہے جس کو وھلر نے معلوم کیا تھا- اس طریقہ میں مشکل سے حل ہونے والے فاسفیٹ کام میں لائے جاتے ہیں - برقی بھٹی جس کو ریڈمین ' پار کر ' رابن سن نے سنہ ۱۸۸۸ع میں ایجاد کیا تھا' اس عمل میں استعمال ہوتی ہے- فاسفیٹ' ریت اور کوئلہ کا آمیزہ ایک جگہ سے بند برقی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے - بھٹی میں اوپر کی طرف گیسوں اور فاسفورس کے بخارات نکلنے کے واسطے ایک راستہ ہوتا ہے اور نیچے کثافت اور میل نکلنے کے واسطے ایک سوراخ ہوتا ہے -سلیکا یعنی ریت کی وجہہ سے ۱۱۵۰ درجہ مئی پر فاسفیٹ کا تجزیہ ہوجاتا ہے- مساوات حسب ذیل ہے -



$$Ca_3(PO_4)_2 + 6\,SiO_2 + 10C = P_4 + 10\,Co + 6ca\,SiO_3$$

(کیلسیم سلیکٹ)(کاربن مانا کسائڈ)(فاسفورس) (کاربن)(سلیکا یا ریت) (کیلسیم فاسفیٹ)

کیلسیم سلیکیٹ میل میں چلا جاتا ہے - فاسفورس پنٹیا کسائڈ کے بخارات اوپر اٹھتے ہیں - جن کا تجزیہ کاربن مانا کسائڈ سے ہو جاتا ہے- اس طریقے سے ۸۰ — ۹۰ فیصدی فاسفورس حاصل ہو جاتا ہے جب کہ ٹھنڈی کی ہوئی گیسیں پانی میں گزاری جاتی ہیں - اس وقت فاسفورس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے- اس کو کرومک ترشہ کے محلول سے

صاف کیا جاتا ہے - کچھہ بیل کرومک ترشہ میں حل ہوجاتا ہے اور کچھہ علیحدہ ہوکر اس کے اوپر آجاتا ہے - اس عمل کے بعد فاسفورس کی قلمیں بنائی جاتی ہیں - اس کو پگھلا کر شیشہ کی نلیوں میں جن کو پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے گزارا جاتا ہے - نلی کے دوسرے سرے کی طرف سے چھڑیں کھینچ لی جاتی ہیں ۵۰۰۰ ٹن فاسفورس سالانہ بنایا جاتا ہے - اس کا بیشتر حصہ دیا سلائیوں کی صنعت میں کام میں آتا ہے - کچھہ فاسفورس برونز کے بنانے میں جو چوہے مارنے کا زہر ہے ' کام میں لاتے ہیں - کچھہ حصہ فاسفورس پنٹیاکساڈ ' فاسفورس ٹرائی کلورائڈ اور فاسفورس پنٹیا کلورائڈ تیار کرنے میں بھی صرف ہوتا ہے -

فاسفورس جو اس طریقے سے حاصل ہوتا ہے اس کو زرد یا سفید فاسفورس کہتے ہیں یہ موم جیسی شے ہے - چاقو سے کٹ جاتا ہے - پانی کے اندر رکھا جاتا ہے - اگر بوتلوں میں پانی نہو تو آگ لے اٹھتا ہے - پانی میں برائے نام حل ہوتا ہے - ٹرپنٹائن ' سلفر ٹرائی کلورائڈ اور کاربن بائی سلفائڈ میں حل ہوجاتا ہے - مرتکز شورے کے تیزاب میں حل ہوجاتا ہے - ہوا سے عمل تکسید ہوتا ہے جب کہ سبز رنگ کی چمک پیدا ہوتی ہے - جب ہوا میں آگ لے اٹھتا ہے تو فاسفورس پنٹیاکساڈ بنتا ہے - فاسفورس بہت زہریلی چیز ہے - زرد فاس فورس کی دو قسمیں اور بھی ہیں - ایک کو سفید فاسفورس کہتے ہیں - یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ فاسفورس کو ۷۹۶ درجہ تک ٹھنڈا کرتے ہیں اور دوسری قسم کا ما سفید فاسفورس کہلاتی ہے - یہ اس وقت حاصل ہوتی جب کہ مائع فاسفورس کو آہستہ آہستہ ٹھنڈا کیا جاتا ہے -

جب فاسفورس کو ارزاں طریقہ پر حاصل کرنے کا مسئلہ حل ہوگیا

تو فوراً ھی اس کو تجارتی پیمانہ پر دیاسلائی بنانے کے کام میں لانے کی کوشش کی گئی - بہت سے تجربہ داں اس میں شریک ھوے - بالآخر سنہ ۱۸۳۳ع میں کوششیں کامیابی کے ساتھہ بارآور ھوئیں اور مشہور چمکتی ھوئی دیاسلائیاں (lucifer matches) وسیع پیمانہ پر بنائی جانے لگیں - سلائیوں کو ایک پیرافین بھرے اُتھلے برتن میں دبایا جاتا تھا اور پھر دوسرے میں جس میں جلانے والا مسالہ ھوتا تھا - مسالہ کے اجزا میں خاص طور پر نہایت ھی باریک فاسفورس، گوند یا سریش، پوتاشیم کلوریت، سندور یا ایڈ نائٹریت ھوتے تھے تاکہ اس کی آتش گیری زیادہ ھوسکے اور کچھہ رنگ مثلاً شنگرف اینلین رنگ بھی ملایا جاتا تھا تاکہ آنکھہ کو خوشگوار معلوم ھوں - سلائیوں کو پھر بالکل خشک جگہ میں رکھا جاتا تھا تاکہ ان کے مسالے والے سرے بالکل خشک ھوجائیں - اس کے بعد ان کو شمار کر کے ڈبیوں میں بھر دیا جاتا تھا - یہ سب کام تجارتی پیمانہ پر ھوتا تھا - ایک کارخانہ میں صرف ایک دن میں ۶۰ ھزار تا ایک لاکھہ سلائیاں تیار ھوتی تھیں -

ھر نئی شے کے خواص ھوتے ھیں - بعض بہت خطرناک قسم کے ھوتے ھیں - اور اکثر یہ ھوتا ھے کہ جب تک اس پر معمل میں تجربے ھوتے ھیں یہ مخفی خطرناک خواص پوشیدہ رھتے ھیں - اُن کا علم پورے طریقہ پر اس وقت ھوتا ھے جب کہ اس شے کا استعمال تجارتی پیمانہ پر ھونے لگتا ھے اور لوگ ان کے خطرناک خواص کے شکار ھوتے ھیں - فاسفورس کا شمار بھی اسی قسم کی چیزوں میں ھے - اس کے خراب خواص بڑی عجیب و غریب طریقے سے معلوم ھوے - فاسفورس کو دیاسلائیوں میں استعمال ھوتے ھوے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا

کہ ایک بہت ہی مہلک اور مخفی مرض جس کے متعلق طب قطعاً خاموش تھی مزدوروں میں پھیلنا شروع ہوا - ابتدا دانت کے درد سے ہوئی - دانت خراب ہو کر گر گئے- پھر جبڑا خراب ہونا شروع ہوا اور اس قدر درد ہوتا تھا کہ انسان بے چین ہوجاتا تھا- نجات آپریشن سے یا موت سے ملتی تھی - اس سلسلہ میں اگر ایک غریب عورت کا بیان جس نے کہ ایک کارخانہ میں پانچ برس کام کر کے اس مرض کو حاصل کیا تھا قلمبند کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا - " میرے دانتوں میں درد ہونا شروع ہوا اور پھر اوپری جبڑے میں- میں نے اس کا کچھہ خیال نہ کیا یہاں تک کہ فیکٹری والوں نے مجھے ڈاکٹر کے پاس ایک خط دے کر بھیجا- اس نے مجھہ سے کہا کہ مکان جاؤ اور کمرے میں میرے آنے تک رہنا- جب وہ آیا اس نے چار دانت نکال دیے مگر اس سے بھی کچھہ افاقہ نہیں ہوا بلکہ درد میں اور زیادتی ہوگئی- اس خیال سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے- میں پاگل ہوئی جاتی تھی- ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص میرے رخساروں کی ہڈیوں کو کھرچ رہا ہے- اس کے بعد ڈاکٹر کی ہدایت ہوئی کہ بچوں کو اور میرے شوہر کو میرے کمرے میں نہیں رہنا چاہیے اس لیے کہ بو بہت زیادہ تھی- ڈاکٹر رخصت پر گیا ہوا تھا- میرے رخسار کی ہڈیوں کے ٹکڑے باہر نکل کر آ گئے- زخم برے طریقے سے پک رہا تھا- ہڈی میں نے ڈاکٹر کے دکھانے کے واسطے رکھہ لی-...... .. " اس سے یہ نتیجہ ضرور نکالا جاسکتا ہے کہ تکلیف کس قدر ہوتی ہے - بعض مرتبہ مرض میں اوپری جبڑا اور ناک کا اندرونی حصہ سب ختم ہوجاتا ہے - جب اور زیادہ پھیلتا ہے تو بصارت ختم ہوجاتی ہے اور جبڑوں کی ہڈیاں بالکل غائب

ہوجاتی ہیں - صرف اتنا ہی نہیں ہوتا بلکہ جگر بڑھ جاتا ہے اور اس میں زخم پڑ جاتے ہیں اور زیادہ تر اِنساں ان تمام مصائب برداشت کرنے کے باوجود بھی ختم ہوجاتا ہے - اس مرض کو جس نے کہ طبی سائنس کو ششدر کردیا تھا مزدور فاسی جبڑا (Phossy jaw) اور ڈاکٹر (Necrosis) کہتے ہیں - یہ فاسفورس کے بخارات میں سانس لینے سے پیدا ہوتا ہے اس لئے بہت سے کارخانوں میں غضب ڈھایا ہے - عوام نے بھی اس پر بہت شور مچایا ہے - صفائی اور تازہ ہوا ابتدائے مرض میں مفید ثابت ہوئیں - لیکن معمولی یا زرد فاسفورس کے استعمال میں باوجود تمام احتیاطوں کے کبھی نہ کبھی یہ مرض ضرور حملہ آور ہوتا تھا -

دیا سلائیوں میں زرد فاسفورس کے استعمال میں اور بھی بڑی بڑی خرابیاں تھیں - اندھیرے میں چمکتی تھیں - ذراسی گرمی سے جل اٹھتی تھیں - رطوبت کو جذب کرتی تھیں اور زیادہ عرصہ تک رکھنے پر خراب ہوجاتی تھیں - سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ چونکہ فاسفورس بہت ہی زہریلی شے ہے جب کبھی بچوں نے اتفاقاً ان کے خوش رنگ ہونے کی وجہ سے ان کو لیلیا تو ان کو چوس کر وہ مر گئے - لوگ مسالہ دار حصہ کو مارنے اور خود کشی میں استعمال کرنے لگے - چنانچہ ڈاکٹر بلایتھ (Blyth) نے سنہ ۱۸۸۴ ع میں لکھا ہے - "فاسفورس ہر دل عزیز زہر ہے - عوام اس کو یورپ میں خود کشی میں استعمال کرتے ہیں - وجہ یہ ہے کہ اس تک ہر ایک شخص کی پہونچ ہے - ہر شخص اس کی ڈبی کو آسانی سے خرید سکتا ہے - وہ لوگ جو تعلیم یافتہ ہیں اور فاسفورس کی زہریلی خوراک کے مہلک تاثرات سے آگاہ ہیں وہ کبھی بھی

خود کشی کے واسطے ایسے ذرایع کو پسند نہیں کریں گے" * -

فاسفورس کے زهر کی پہلی علامت یہ ہے کہ معدہ میں درد ہونا شروع ہوتا ہے - اس کے بعد قے ہوتی ہے اور اس میں ایسی چیزیں نکلتی ہیں جن میں لہسن جیسی بو ہوتی ہے اور اندھیرے میں چمکتی ہیں - اگر مریض اس حد تک پہونچنے کے بعد بھی سلامت رہے تو یرقان شروع ہوجاتا ہے اور مریض تشنج اور بیہوشی میں مبتلا ہوکر ختم ہوجاتا ہے - بعض مرتبہ ابتدا ہی سے حالت اس قدر خراب ہوتی ہے کہ مریض مرجاتا ہے - بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ چھہ دن کی تکلیف و مصیبت کے بعد آنکھوں سے ناک سے پھیپھڑوں سے اور پیشاب میں خون آکر خاتمہ ہوتا ہے -

اس بناء پر فوراً ہی مہذب دنیا کی حکومتوں نے اس نئی تہذیب کے مصائب و آلام کے خلاف عملی کارروائی شروع کی - ڈین مارک اور سوئزرلینڈ نے تو یہاں تک کیا کہ زرد فاسفورس کا استعمال دیاسلائی میں ممنوع و ناجائز قرار دیدیا - لیکن علاج بھی فوراً ہاتھہ آگیا - اس لئے کہ سنہ ۱۸۴۵ ع میں فان شراٹر (Schrotter) نے یہ معلوم کرلیا کہ زرد فاسفورس کو غیر زہریلی قسم میں کیسے تبدیل کیا جاے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن وہ معمولی فاسفورس کو ایک برتن میں بغیر ہوا کے ۲۴۰ اور ۲۵۰ درجہ مئی پر گرم کر رہا تھا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس نے جامد شکل اختیار کرلی اور سخت ہوکر اس کا رنگ سرخ ہوگیا - یہ قسم زرد فاسفورس سے بالکل مختلف تھی - اس سے نہ بخارات اٹھتے تھے ، نہ اس میں بو تھی ، نہ یہ زہریلی تھی اور نہ

* از "Poisons, Their Effects and Detection" صفحہ ۱۹۹ سنہ ۱۸۸۴ ع -

اندھیرے میں چمکتی تھی - اس کی آتش گیری بھی اس قدر کم تھی کہ ۲۶۰ درجہ تک بھی آگ نہ پکڑتی تھی - اور زیادہ درجہ تپش پر اس کا کچھہ حصہ معمولی فاسفورس میں پھر تبدیل ہوجاتا تھا -

سرخ فاسفورس اس وقت بھی بنتا ہے جب کہ سفید فاسفورس ہوا میں یا پانی کے اندر آکسیجن میں جلایا جاتا ہے - تیاری اس طرح عمل میں آتی ہے کہ ایک ٹن فاسفورس ایک بڑے لوہے کے برتن میں گرم کیا جاتا ہے- برتن ڈھکن دار ہوتا ہے اور اس میں ایک سوراخ ہوتا ہے جس میں چھہ فٹ لمبی ایک نلی ہوتی ہے - برتن کو ہوشیاری سے ۲۴۰ — ۲۵۰ درجہ تپش پر گرم کیا جاتا ہے - کچھہ فاسفورس آکسیجن کی وجہ سے جو برتن کے اندر ہوتی ہے جلتا ہے - اس کے بعد عمل تکسید شروع ہوتا ہے - ثفل جو برتن میں باقی رهتا هے اس کو پانی میں پیسا جاتا ہے اور کاسٹک سوڈے کے محلول میں گرم کیا جاتا ہے تاکہ سفید فاسفورس باقی نہ رہے - اس کے بعد اس کو گرم پانی سے کئی مرتبہ دھویا جاتا ہے - اور بھاپ میں خشک کر لیا جاتا ہے- اس کی کثافت اضافی ۲٫۲۵ ہے- خود نہیں جلتا - اس کا نہ کوئی ذائقہ ہے اور نہ کوئی بو ہوتی ہے - ہوا میں رکھنے سے برائے نام تبدیلی ہوتی ہے - اس کا نقطہ اماعت ۵۰۰ تا ۶۰۰ درجہ مئی ہے - جب اس کو زیادہ گرم کیا جاتا ہے تو اس کے بخارات بنتے ہیں جو ٹھنڈے ہوکر سفید فاسفورس کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں - بہت عرصہ تک یہ خیال رہا کہ سرخ فاسفورس قلمی شکل کا نہیں ہے بلکہ سفوف ہے لیکن پیڈلر اور ریٹ گرنے سنہ ۱۸۹۰ ع میں ثابت کیا کہ اس کی چھوٹی چھوٹی قلمیں ہوتی ہیں جو کاربن بائی سلفائڈ میں حل نہیں ہوتی ہیں اور برق کی کم موصل ہیں -

زرد فاسفورس کو اگر ۷۹٫۵ درجہ مئی تک ٹھنڈا کیا جاے تو وہ بیٹا سفید فاسفورس میں منتقل ہو جاتا ہے - اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاے تو رفتہ رفتہ سرخ فاسفورس میں ۴۴ درجہ مئی پر منتقل ہوجاتا ہے- یہ سرخ فاسفورس ۵۸۹٫۵ درجہ کے بعد گیسی حالت میں منتقل ہوجاتا ہے- اس حالت کے بعد پھر یہ سفید یا زرد فاسفورس میں تبدیل ہوجاتا ہے- اس طریقہ سے ہم زرد سے سرخ اور سرخ سے زرد فاسفورس حاصل کرسکتے ہیں —

سرخ فاسفورس کے ان خواص کی بناء پر اس کو دیاسلائیوں کی صنعت میں زرد فاسفورس کے بجاے استعمال کیا گیا اور اس طریقہ سے جو زہر کا خطرہ تھا وہ جاتا رہا- اس کی بنی ہوئی دیاسلائیاں بہت بہتر ہوئیں- وہ اندھیرے میں نہ چمکتی تھیں، نہ گرمی سے آگ پکڑتی تھیں- نمی پکڑتی تھیں اور نہ زیادہ عرصہ تک رکھے رہنے پر خراب ہوتی تھیں —

مگر ایک دقت اس میں بھی پیش آئی- پوٹاشیم کلوریٹ اور سرخ فاسفورس کے آمیزے میں ذراسی رگڑ بھی دھماکہ پیدا کرنے اور دیاسلائی بنانے والے کو اور اس کی سلائیوں کو ہوا میں اُڑا دینے کو کافی ہے- ان کی لئی (Paste) بنانے کی بیکار کوششیں کی گئیں اور جس میں کچھہ حادثات بھی پیش آے اور موتیں بھی واقع ہوئیں- بالآخر یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا- اس کامیابی کا سہرہ سوئڈش کارخانہ والے گنڈ اسٹرویم (Gundstrom) کے سر ہے- اس نے ثابت کیا کہ سرخ فاسفورس کی لئی بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ خاص اجزا کو اس حصہ میں ہونا چاہیئے جس سے سلائی کو رگڑا جاتا ہے- اسی اصول پر سیفٹی دیاسلائیاں بنائی گئیں- ان کی ابتدا شہر

جان کوپنگ (Jonkoping) سے ہوئی جو سوئیڈن میں واقع ہے اور پھر وہاں سے یہ تمام دنیا میں پھیل گئیں —

معمولی سلائی میں آتش گیری مسالہ سلائی کے سرے پر ہوتا ہے اور اس کو کسی کھردری جگہ پر گھس کر جلایا جاسکتا ہے۔ سیفٹی دیاسلائی میں کچھہ مسالہ سلائی کے سرے پر ہوتا ہے اور کچھہ اس حصہ پر جس پر کہ سلائی کو رگڑا جاتا ہے۔ سلائی پر جو مسالہ ہوتا ہے اس میں فاسفورس بالکل نہیں ہوتا لہذا وہ قطعاً زہریلی نہیں ہوتی۔ اس میں پوٹاشیم کلوریٹ، پوٹاشیم بائکرومیٹ، ریڈ ایڈ، اینٹی منی سلفائڈ ہوتا ہے اور رگڑنے والے کاغذ پر سرخ فاسفورس اور اینٹی منی سلفائڈ کا آمیزہ ہوتا ہے —

بہت سے ملکوں میں جن میں انگلستان بھی شامل ہے رگڑنے والی سلائیوں میں زرد فاسفورس کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور اُن سلائیوں میں جو کسی خشک سطح سے رگڑ کر جلائی جاسکتی ہیں ان میں بجائے فاسفورس کے شینک کا گلناری فاسفورس (Schenk's Scarlet phosphorus) یا فاسفورس سیسکوئی سلفائڈ (Sesquisulphide) استعمال ہوتا ہے۔ ایسی دیاسلائیوں میں آتش زنی کا خطرہ نہیں رہتا اور مزدوروں پر کوئی زیادہ زہر کا اثر بھی نہیں ہوتے پاتا —

فاسفورس کی دو قسمیں اور بھی ہیں۔ ایک کو دھاتی یا سیاہ فاسفورس (Metallic phosphorus) کہتے ہیں اور دوسری کو بیلجنی فاسفورس۔ سیاہ فاسفورس کو ہٹارت نے معلوم کیا تھا۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ ایک بند شیشہ کی نلی میں سفید فاسفورس ۵۳۰ درجۂ تپش پر گرم کیا جاتا ہے۔ اس کی نہایت چمکدار غیر شفاف قلمیں

ہوتی ہیں- کثافت اضافی ۲٫۳۱۶ ہے- ہوا میں اُس کی تکسید نہیں ہوتی- برق کا موصل بھی نہیں ہے- لیکن اسی کی دوسری قسم بیتا سیاہ فاسفورس جس کی کثافت اضافی ۲٫۶۹ ہے برق کی موصل ہے- یہ قسم سفید فاسفورس سے ۲۰۰ درجہ تپش، اور ۱۲۰۰۰ کلو گرام فی مربع سینٹی میٹر دباؤ پر حاصل ہوتا ہے—

بینفجئی فاسفورس بھی سفید فاسفورس کو گرم کرنے سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس میں سوڈیم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی شامل کر لیتے ہیں- اس کو بہت زیادہ دباؤ کے تحت بنایا جاتا ہے—

اب ناظرین ذرا غور کریں کہ آگ روشن کرنے کا طریقہ دیاسلائیوں کی ایجاد سے قبل کا تھا اور اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ذرا غور فرمائیں کہ ان کی مشکلات میں دیاسلائیوں نے کس حد تک اُن میں آسانیاں پیدا کیں- جب انسان نے کھانا پکانا یا خود کو گرم رکھنا چاہا تو تجربہ نے اس کو ایسی اشیا بہم پہنچا دیں کہ جن سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا- مگر اس میں دقتیں پیش آئیں- چنانچہ بعض لوگوں نے تو اُس کی پرستش ہی شروع کر دی اور آگ کا روشن رکھنا مذہب میں داخل کر لیا- ایک عرصہ تک آگ جلانے کے واسطے فولاد اور چقماق پتھر کا ٹکڑا استعمال کیا گیا- کچھ دنوں بعد اس میں ترقی ہوئی اور رگڑ بتیاں ایجاد ہوئیں- ان کا موجد جان واکر تھا- یہ شخص اسٹاکٹن کا رہنے والا تھا- ان کو اس طریقہ پر بنایا جاتا تھا کہ لکڑی کے ٹکڑوں پر پوٹاشیم کلوریٹ اور انٹی منی سلفائڈ کا آمیزہ لگایا جاتا تھا اور ان کو ایسے کاغذوں کے درمیان گھسا جاتا تھا جن پر شیشہ لگا ہوتا تھا- اس کے بعد انٹی منی سلفائڈ کی جگہ زردہ

فاسفورس نے حاصل کی- زرد فاسفورس کو سرخ فاسفورس نے نیچا دکھایا- اب اس کے ہمت قدم کو گلناری فاسفورس نے توڑا ہے- آئندہ چل کر دیکھیے کہ کیا کیا اور تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں- دیاسلائی کے مسالے میں پوٹاشیم کلوریٹ یا میگنز ڈائی آکسائڈ اس لئے شامل کیا جاتا ہے کہ معین تکسید بن سکے- سریش چپک اور بندش کے واسطے ملائی جاتی ہے- رگڑ کے واسطے شیشہ اور خوشرنگی کے واسطے زرد یا نیلا رنگ شامل کیا جاتا ہے-

دیاسلائی کے کارخانہ کو اگر ناظرین دیکھیں تو یقیناً ان کو لطف آئے گا- اس میں بڑے بڑے ہال ہوتے ہیں- جن میں انسان کی عالی ہمتی اور روشن دماغی کے عجائبات یعنی بڑی بڑی مشینیں لگی ہوتی ہیں جو لکڑی کے بڑے بڑے لٹھوں کو دیاسلائیوں میں منتقل کر دیتی ہیں اور وہ سب کام ایک ہی مرتبہ میں پورا ہو جاتا ہے جس میں پہلے آٹھ یا نو مراحل پیش آتے تھے-

ذیل میں ایک عبارت نقل کی جاتی ہے جو کہ بریانٹ (Bryant) اور مے (May) نے ایک رسالہ میں شایع کی تھی- اس رسالہ کا عنوان ارتقاے دیاسلائی ہے- اور اس میں ایک کارخانہ کا حال درج ہے-

"ایک بڑے کمرے میں سولہ مشہور مشینیں ہوتی ہیں جو لکڑی کے ٹکڑوں کی دیاسلائیاں بناتی ہیں- ان کو پیرافین میں ڈبوتی ہیں- ان کے سروں پر مسالہ لگاتی ہیں اور پھر ان کو ڈبیوں میں بھر دیتی ہیں- ان سب کاموں میں ہاتھ لگانے کی نوبت نہیں آتی- کام کے آغاز پر آدمی صرف مشین میں لکڑیاں لگاتا جاتا ہے- اس کے بعد بقیہ سب کام مشین خود کرتی ہے-

آدمی کے ہاتھ سے مشین لکڑی لے کر اپنے بیلنوں میں دبا لیتی ہے اور تیز تراشندوں کی قطار میں اس طرح رکھتی ہے کہ ذراسی بھی لکڑی ضائع نہیں ہوتی - یہ تراشندے بالعموم ۴۸ ہوتے ہیں اور ایک ہی قد و قامت کی سلائیاں کاٹتے ہیں - اس کے بعد یہ سلائیاں ایک لوہے کے حلقے کے سوراخوں میں سے اپنے سروں کو باہر نکالتی ہیں - یہ متحرک آہنی حلقہ ۷۰۰ فیٹ لمبا ہوتا ہے اور اس کا راستہ پیچ در پیچ ہوتا ہے - جس میں ابتدا سے لے کر انتہا تک نصف گھنٹہ لگتا ہے - رفتار کو درجۂ تپش کے مطابق رکھا جاتا ہے - تاکہ ڈبیوں تک پہنچتے پہنچتے سلائیاں خشک ہو جائیں - جب یہ آخری سرے پر آتی ہیں تو ایک فولادی دستہ ان کو ڈبیوں کو اندر بھردیتا ہے - ڈبیاں مسلسل ہلتی رہتی ہیں تاکہ جگہ خالی نہ رہنے پائے اور سلائیاں اچھی طریقہ سے بھرجائیں - جب یہ بھرجاتی ہیں تو ایک فولادی ہاتھ ان کا ڈھکن لگا دیتا ہے اور اس کے بعد ایک ایک درجن ہو کر ایک برتن میں جمع ہوتی ہیں جہاں مشین ان کو کاغذ میں باندھ کر مہر لگا دیتی ہے - اس کے بعد بہت تیز دست لڑکیاں بارہ بارہ درجن کے پارسل بنا کر دوکانوں کو روانہ کردیتی ہیں .... ان لوگوں کی معلومات کے واسطے جن کو اعداد و شمار سے دلچسپی ہے ہم کچھ دیر کے واسطے سکوت اختیار کرتے ہیں اور اپنے توسن خیال کو اعداد کے دشت میں دوڑاتے ہیں ۴۸ تراشندے ایک ہی مرتبہ میں ۴۸ سلائیاں کاٹتے ہیں اور ایک منٹ میں ان کی ضربیں ۱۵۰ تا ۲۳۰ یا اوسطاً دو سو ہوتی ہیں لہذا ہر ایک مشین ایک منٹ میں ۹۶۰۰ یا ایک گھنٹہ میں ۵۷۶۰۰۰ سلائیاں کاٹے گی - اگر دس گھنٹہ یومیہ یہ سولہ مشینیں کام کریں تو کارخانہ کے ایک ہی کمرہ میں

۹٬۲۰٬۰۰٬۰۰۰ سلائیاں روزانہ بنیں گی - یہ کارخانہ کے صرف ایک کمرہ کے حالات ھیں - اگر لورپول کی صرف ایک دن کی سلائیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھا جاے تو ان کی لمبائی ۷۰۰۰ ھزار میل کے برابر ھوگی- یہ صرف ایک قسم کا ذکر ھے - اگر اس میں لندن کی مختلف قسم کی دیاسلائیوں کا اضافہ کیا جاے تو اعداد اس قدر عظیم ھوں کہ ایک معمولی دماغ کے انسان کے دائرۂ تمیز سے باھر ھوجائیں گے —

ایک کارخانہ ایک سال میں ۹۰٬۰۰۰ ملین دیاسلائیاں بناتا ھے - ھر سال ھزارھا بڑے بڑے صنوبر کے درخت جو جنوبی امریکہ کے جنگلوں کی زینت کا سامان ھیں ' کٹ کر دیا سلائیوں میں تبدیل ھو جاتے ھیں - کمپنی کے پاس ایسے جنگلات کا ٹھیکہ ھوتا ھے - صرف کیلی فورنیا میں انگریزی کمپنی کے پاس ۷۵۰۰۰ ایکڑ صنوبر کے جنگلات ھیں - یہ صرف ایک کارخانہ کے حالات ھیں - ایسے ھی بڑے بڑے کارخانے سویڈن ' جرمنی ' روس اور امریکہ میں بھی ھیں —

فاسفورس نہایت ھی مہلک زھر ھے لیکن کوئی حیوان اس سے خالی نہیں - ایک طرف تو وہ جان کے واسطے اس قدر مہلک ھے تو دوسری طرف بقاے حیات کے واسطے لازمی شے ھے - ایک آدمی میں تقریباً اتنا فاسفورس ھوتا ھے جتنا کہ ۸٬۰۰٬۰۰۰ زرد فاسفورس کی دیاسلائیوں میں ھوگا - اس میں سے صرف تین سلائیاں آدمی کو ھلاک کرنے کے واسطے کافی ھیں - اس لحاظ سے ایک آدمی میں جس قدر فاسفورس نکلے گا وہ ڈھائی لاکھ آدمیوں کو مارنے کے واسطے کافی ھے - جسم میں یہ کیلشیم فاسفیٹ کی شکل میں ھوتا ھے - ھڈی کا سخت حصہ اسی کا بنا ھوتا ھے - دماغ ' رگوں وغیرہ میں اس کی مقدار بہت زیادہ ھوتی ھے -

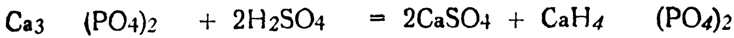
ہر حیوانی خلیہ کے مرکزے (nucleus) کی ساخت میں فاسفورس موجود ہے۔ حیات کے پوشیدہ تعاملات میں فاسفورس کے جواہر کسی نہ کسی طریقہ پر حصہ لیتے ہیں۔ ان کا تعلق بالخصوص تولید و تناسل کے خلیوں سے اور ان تراکیب سے ہے جو عصبی خواہشات کو مسلسل طریقہ پر دماغ اور رگوں میں لے جاتی ہیں —

حیوان فاسفورس نباتات سے حاصل کرتے ہیں۔ نباتات کے خاص خاص حصوں میں اور خاص کر پھلوں اور بیجوں میں یہ عنصر پایا جاتا ہے۔ نباتات اس کو زمین سے جذب کرتی ہیں۔ زمین ہی ہر ایک جاندار شے کی ماتا ہے۔ اس میں وہ سب عناصر موجود ہیں جو بقاے زندگی کے واسطے ضروری ہیں۔ صرف یہ بات کہ فاسفورس ہر ذی حیات شے میں خواہ وہ نباتی ہو یا حیوانی پایا جاتا ہے، اس امر کی کافی دلیل ہے کہ فاسفورس زمین میں ہے۔ زمین کی مرفع حالی اور مرصع کاری کے واسطے یہ جز و خاص ہے۔ اگر کسی زرخیز زمین یا چراگاہ سے فاسفورس کے مرکبات کو نکال دیا جاے تو وہ ویران و اوسر ہوجاے گی اور اس میں کوئی پودا نہ اگے گا تا وقتیکہ اس کمی کو کھاد سے پورا نہ کر دیا جاے۔ اگر فاسفورس زمین میں پایا جاتا ہے تو اس کو پانی میں بھی ہونا چاہئیے۔ پانی میں یہ دریاؤں اور چشموں میں ہوتا ہوا سمندر میں پہنچتا ہے۔ وہاں بحری پودے اس کو جذب کرتے ہیں۔ ان بحری پودوں سے یہ سمندری مچھلیوں کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے —

جرمن کیمیادان لیبگ نے یہ بات ثابت کی کہ یہ نباتات اور سبزے کے واسطے بہت ضروری شے ہے۔ وہ کھاد جس میں اس عنصر کی افراط ہوتی ہے کھیتی باڑی کے واسطے بہت ہی زیادہ مقدار میں

استعمال کی جاتی ہے - ناظرین کو سن کر تعجب ہوگا کہ پسی ہوئی ہڈیوں کا سفوف جس میں زیادہ تر کیلشیم فاسفیٹ ہوتا ہے، بہت اچھی کھاد ہے - جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو قدرت ہی اس کو کہیں نہ کہیں سے پیدا کرتی ہے - جب اس عنصر کی ضرورت پیش آئی تو وہ چیزیں حاصل ہوگئیں جن میں ان کی مقدار زیادہ ہے - بہت عرصہ سے ایک خاص قسم کی کھاد استعمال کی جا رہی ہے جس کو گوانو (Guano) کہتے ہیں - جنوبی امریکہ میں پیرو کے ساحلی حصہ پر کچھہ جزائر ہیں جن پر بارش نہیں ہوتی ہے اور بالکل ویران ہیں - ان جزائر پر لکھو کھا بحری چڑیاں ایک غیر معین زمانہ سے بغیر خوف و خطر یا بغیر انسان و حیوان کے ستائے ہوے رہتی چلی آئی ہیں - یہ اپنی غذا سمندر کی مچھلیوں سے حاصل کرتی ہیں - ان جزائر پر ان پرندوں کی بیٹ جمع ہوتی رہی ہے - اور اس قدر زیادہ ہوگئی ہے کہ بعض جگہ ۱۸۰ فٹ موٹی تہ بن گئی ہے - اس کھاد میں ۳۰ فیصدی کیلشیم فاسفیٹ ہے - اور نائٹروجن اور دیگر ایسے عناصر بھی ہیں جو حیات نباتات کے واسطے ضروری ہیں - ایک عرصہ تک گوانو کھاد کے انبار وسیع پیمانہ پر کھد کر یورپ سے زراعت پیشہ لوگوں کے واسطے بھیجے گئے - جب ان میں کمی آئی تو دوسری چیزوں کی تلاش ہوئی - اور قدرتی فاسفیٹ دستیاب ہوگئے - انگلستان میں جو فاسفورس بنتا ہے وہ ایک کچدھات سومبریرائٹ (Sombrerite) سے حاصل کیا جاتا ہے - یہ کچدھات جزائر غرب الہند کے جزیرے (Sombrero) میں پائی جاتی ہے - اس کے علاوہ اسپین کے صوبہ اسٹریمیڈورا (Estremadura) میں خالص فاسفیٹ کے ذخائر ہیں - جن کو فاسفورائٹ (Phosporite) کہتے ہیں - فاسفورائٹ

سے بہت سی کھادیں تیار کی جاتی ہیں - ان کچدھاتوں کو گندھک
کے ترشے سے ملایا جاتا ہے جس سے وہ حل پذیر مانو کیلشیم فاسفیٹ میں
تبدیل ہو جاتی ہیں - اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ حل پذیر ہو جاتی
ہیں اور پھر پودے ان کو آسانی سے ہضم کر لیتے ہیں - مساوات
حسب ذیل ہے —



$$Ca_3(PO_4)_2 + 2H_2SO_4 = 2CaSO_4 + CaH_4(PO_4)_2$$

ٹرائی کیلسیم فاسفیٹ — گندک کا تیزاب — کیلسیم سلفیٹ — مانو کیلسیم فاسفیٹ

فاسفورس کی دوسری کچدھات ایپےٹائٹ (Apatite) ہے - اس کا
ضابطہ حسب ذیل ہے - اس میں ۵ - ۷ فیصدی عنصر فلورین بھی ہوتا
ہے [$3Ca_3(PO_4)_2 + Cacl_2$] - اس کا وہ حصہ جس میں
فاسفورس کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے فولاد بنانے کے کام میں آتا ہے -

ایک عرصہ سے مشہور ہے کہ انگلستان کی وہ زمین جس کو لوئر
گرین سینڈ کہتے ہیں گیہوں کی کاشت کے واسطے بہت مشہور ہے - لیکن
یہاں صرف ایک پتلی سی پٹی ہے جو زرخیز ہے ورنہ گرین سینڈ کے
بڑے بڑے خطے ویران ہیں - کاشت کے قابل نہیں تو ایک ہی جگہ زمین
میں اس فرق کی کیا وجہ ہو سکتی ہے - اس کی وجہ اس وقت معلوم
ہوئی جب کہ ایک کسان ڈاکٹر ہنسلو (Henslow) کے پاس کچھ متحجرات
لایا جو اس زمین میں پائے گئے تھے - اس نے ان کو غور سے دیکھا اور
معلوم کیا کہ وہ ایسے متحجرات نہیں ہیں جن میں کیلشیم کاربونیٹ
ہوتا ہے بلکہ ان کی ساخت میں کیلشیم فاسفیٹ ہے - اس نے کسان سے
کہا کہ تم نے ایک خزانہ معلوم کر لیا ہے - اگرچہ یہ سونے کی کان نہیں

ہے لیکن یہ غذاؤں کی کان ضرور ہے - اگر تم کو وہ کافی مقدار میں مل گئے تو تم انگلستان کی زراعت کو بہت کافی ترقی دے سکو گے - اور لڑائی کے زمانے میں انگلستان بغیر دوسرے ممالک کی محتاجی کے اپنی خوراک آپ پیدا کر سکے گا - دوسرے ممالک سے فاسفیٹ منگانے کی ضرورت نہ رہے گی - اس کی نصیحت پر عمل کیا گیا - اب کھاد کے واسطے وہاں فاسفیٹ کھودے جاتے ہیں - ان کو سنگ پیخال (Coprolite) کہا جاتا ہے - ماہرین ارضیات کا خیال ہے کہ یہ کھاد ان مچھلیوں کی بیٹ سے جمع ہو کر بنا ہے جو لاکھوں برس پہلے بحیرہ لیاس (Lias Sea) میں موجود تھیں - یہ نام دو یونانی لفظوں سے مشتق ہے - کوپراس (Kopros) جس کے معنی پاخانہ یا گوبر کے ہیں اور لیتھاس (Lithos) جس کے معنی پتھر کے ہیں - ایک بات یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ انگلستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ زرخیز پٹی کیسے قائم ہوگئی - یہ ہو سکتا ہے کہ متحجرات ساحل کی طرف ڈھلک کر آ گئے ہوں لیکن وہ کون سی بات ہوئی جس سے تمام جاندار مخلوق ختم ہو گئی ابھی تک ایک معمہ ہے * —

قارئین اگر ذرا غور کریں تو عجیب کیفیت پیدا ہوگی - فاسفورس جو ہم نے گیہوں سے حاصل کیا وہ گیہوں نے سنگ پیخال سے حاصل کیا تھا اور کسی زمانے میں وہ ان خوفناک مچھلیوں اور بڑے بڑے رینگنے والے جانوروں کا جزو تھا جو کروڑھا برس پہلے سمندر میں رہتے تھے اور اب مر کھپ گئے ہیں - جس زمانہ کا یہ قصہ ہے اس وقت وہاں

---

* از Half Hours Underground صفحہ ۲۶۲ —

انسان تو انسان حیوان بھی نہ تھا بلکہ انگلستان کا بوی وجود نہ تھا۔

فاسفورس ان جگہوں میں بھی پایا جاتا ہے جہاں آتش فشانی ہوتی ہے۔ وہاں کی چٹانوں میں یہ فاسفورس پنٹیاکسائڈ کی صورت میں ہوتا ہے اور تقریباً ۰٫۲۲ فی صدی اس کی مقدار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے آتش فشاں پہاڑوں کے اردگرد کی زمین بہت زرخیز ہوتی ہے۔ آتش فشاں پہاڑ ان چٹانوں کو پگھلاکر باہر نکال پھینکتے ہیں اور ان کی کئی انچ موٹی تہ سیکڑوں میلوں کے رقبہ میں پھیل جاتی ہے جس سے زمین زرخیز ہوجاتی ہے۔ شروع میں لاوا پگھلی ہوئی حالت میں ہوتا ہے لیکن پھر اس کی تہ جامد اور سخت ہوجاتی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو رفتہ رفتہ فاسفیٹ حل ہوکر عمدہ کھاد کی شکل میں تمام کھیتوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اس طرح پر آتش فشاں پہاڑوں کی چٹانوں سے فاسفورس معمولی مٹی کی چٹانوں میں آجاتا ہے۔ ان سے یہ کیچڑ اور مٹی میں اور بالاخر پودوں اور ان جانوروں میں جو ان پودوں کو کھاتے ہیں پہونچ جاتا ہے۔ اس طریقہ سے قدرت نے ہماری رگوں میں وہ چیز موجزن کردی جو کسی زمانے میں آتش فشاں پہاڑوں سے شعلہ کی شکل میں نکلی تھی —

اب ہم فاسفورس کے چند مرکبات کا حال مختصر طور بیان کریں گے۔ فاسفین یہ گیس ہے اور فاسفورس ترشہ کے محلول کو گرم کرنے پر نکلتی ہے۔ یہ اس وقت بھی بنتی ہے جب کہ ایلومینیم فاسفائڈ پر ہلکا یا ہوا گندک کا ترشہ ڈالا جائے۔ اس کو ہائڈروجن اور نائٹروجن کی طرح نیچے کے ہٹاؤ سے شیشہ کی اسطوانیوں میں جمع کیا جاتا ہے۔ یہ گیس پانی میں حل نہیں ہوتی۔ کلورین گیس کی

موجودگی میں فوراً جل اٹھتی ہے۔ بہت ہی جلنے والی گیس ہے۔ جل کر اس کے حاصلات پانی اور فاسفورک آکسائڈ بناتے ہیں۔ یہ گیس اس وقت بھی تیار ہوتی ہے جب کہ گرم قلوی چیزوں پر فاسفورس عمل پیرا ہو۔

فاسفورس آکسائڈ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ فاسفورس کی ہوا میں آہستہ آہستہ تکسید ہوتی ہے یا جب کم ہوا میں اس کو جلایا جاتا ہے۔ یہ سفید رنگ کی موسی لیکن قلمی شے ہے۔ یہ بہت زہریلا مرکب ہے پانی میں حل ہوجاتا ہے اور فاسفورس ترشہ بناتا ہے۔

فاسفورس پنٹیاکسائڈ اس وقت بنتا ہے جب کہ ہوا یا آکسیجن میں فاسفورس جلایا جاتا ہے۔ بڑے پیمانہ پر اس کو یوں بناتے ہیں کہ ایک اسطوانی لو جس کے پہلو میں ایک سوراخ ہو اور نچلا حصہ بالکل کھلا ہوا ہو۔ اس حصہ کو قیف میں رکھتے ہیں اور قیف ایک صراحی پر رکھی ہوتی ہے۔ اسطوانی کے سوراخ سے فاسفورس اندر داخل کرتے ہیں۔ وہ جل کر نیچے جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اور فاسفورس داخل کیا جاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً استوانی کو بھی ہٹاتے جاتے ہیں تاکہ کچھ ہوا داخل ہوسکے۔ یہ بغیر رنگ کا سفوف ہوتا ہے۔ ہوا میں رکھنے سے نم ہوجاتا ہے۔ پانی میں حل ہوکر اس سے فاسفورک ترشہ بنتا ہے۔ اگر اس کو پانی کے ساتھ جوش دیا جائے تو آرتھو فاسفورک ترشہ تیار ہوتا ہے۔

آرتھو فاسفورک ترشہ کے بنانے میں ۱۰۰ حصہ ہڈی کی راکھ کو مرتکز گندک کے ترشہ ۹۶ حصوں اور پانی کے ۱۰۰ حصوں میں حل کیا جاتا ہے۔ کیلشیم سلیفٹ جو علحدہ ہوتا ہے اس کو چھان لیا جاتا ہے۔

چھاننے کے بعد محلول سے آرتھو فاسفورک ترشہ حاصل ہوجاتا ہے۔ یہ پانی میں حل ہوجاتا ہے - اس کا اثر ترشئی ہے - اس ترشے سے تین قسم کے نمک حاصل ہوتے ہیں - نخستیں (Primary) ثانوی (Secondary) ثلاثی (Tertiary) - ان تینوں کی پہچان یہ ہے کہ نخستیں ترشئی ہوتے ہیں اور ثلاثی قلوی لیکن ثانوی تعدیلی ہوتے ہیں - نخستیں میں سے صرف ایک ہائڈروجن کا جوہر علیحدہ ہوتا ہے لیکن ثانوی دو اور ثلاثی سے تینوں علحدہ ہوجاتے ہیں —

فاسفورس سلفائڈ اس وقت بنتا ہے جب کہ فاسفورس اور گندک کو ایک ڈھیلی کاگ لگی صراحی میں گرم کیا جاتا ہے —

فاسفورس ٹرائی کلورائڈ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ سرخ فاسفورس پر خشک کی ہوئی کلورین گیس گذاری جاتی ہے - ہوا میں اس کے دخان بنتے ہیں - سیال شے ہے - سر بہ مہر بند بوتلوں میں رکھا جاتا ہے - اس کی بو بہت تیز اور ناقابل برداشت ہوتی ہے -

فاسفورس پنٹیا کلورائڈ کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بڑی صراحی لو - اس کو برتن میں رکھہ کر ٹھنڈا کرو اور ایک قیف کے ذریعہ سے فاسفورس ٹرائی کلورائڈ ڈالو اور اس پر خشک کلورین گیس گزارو - یہ سبزی مائل سفید رنگ کا مرکب ہے —

ناظرین اب میں آپ کو فاسفورس کے صرف ایک جوہر کی داستان سناوں گا - ہڈی کے ایک ٹکڑے میں یا دیا سلائیوں میں اس کے بے شمار جواہر ہیں - فاسفورس کا جوہر بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے - کسی انسان نے آج تک اپنی آنکھہ سے اس کو نہیں دیکھا ہے - یہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ وہ کروڑوں کی تعداد میں ایک چھوٹے سے ناخن

پر جمع کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس حقیر شے کی داستان بہت ہی دلچسپ ہے۔ اس کا قصہ ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ انسان کی شاندار مہم و فتوحات، دلچسپ سیر و سیاحت، خوفناک مصائب و آلام اور ضرب المثل عشق و محبت کے فسانوں کی بھی اس کی آپ بیتی کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ اب فاسفورس کی کہانی فاسفورس کی زبانی سنیے —

میں کہاں پیدا ہوا تھا؟ آہ یہ نہیں بتا سکتا - زمانہ کا تعین ممکن نہیں۔ وہ ایسا وقت تھا جب کہ یہ زمین جس پر کہ تم آباد ہو سورج جو آج کل اپنی چمک دمک دکھا رہا ہے اور ہزارہا ستارے جو آسمان پر درخشاں و تاباں ہیں اور اس کی زینت کا سامان بنے ہوے ہیں وجود میں بھی نہ آئے تھے۔ اگر وجود کہا جاسکتا ہے تو ان اجسام کا بخارات کی شکل میں تھا - یہ بخارات نظر نہ آتے تھے۔ تمام فضا ان سے بھری ہوی تھی موجودہ نظام قایم ہونے سے پہلے بہت سے مراحل طے ہو چکے ہیں۔ بہت سے جہان ختم ہوچکے ہیں۔ جب کہیں یہ دنیا قایم ہوئی ہے۔ اس اثیر (Ether) کے بحر بے کنار میں جو ایک ستارے سے دوسرے تک۔ ایک جسم سے دوسرے جسم تک پھیلا ہوا ہے اس میں میری تخلیق ہوئی اور یہ کیوں کر ہوئی؟ اس کی کیا وجہ تھی؟ وہ کونسی قوتیں تھیں، وہ کونسی طاقتیں تھیں جو اس بحر بے کنار میں تغیر پیدا کر کے مجھے عالم وجود میں لائیں؟ وہ خیال و گمان و وہم سے بالا تر ہیں۔ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ بس میں وہاں آویزاں ہوکر رہ گیا۔ وہ بہت ہی سرد تھا - بہت ہی تاریک تھا۔ بہت سے جہانوں کی بہت سے سیاروں کی آتش غضبناک اس تاریکی میں مجھے اپنی چمک دمک دکھا رہی تھی۔ کتنے عرصے تک میں وہاں لٹکا رہا مجھے یہ

معلوم نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ لاکھوں برس گزر گئے تب ایک تبدیلی رونما ہوئی - جواہر میرے آس پاس جمع ہونا شروع ہوے - ان کے ہزاروں حلقے میرے ارد گرد بن گئے - اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں ایک بڑے شہاب میں پھنسا ہوں، مقید ہوں، گرفتار ہوں - وسعت کا اندازہ آسان نہیں - کروڑھا میل کے اندر تھا اور پھر ہر طرف اس کی برق انگیز تلواریں اس تاریک غلاف میں خاص لطف پیدا کر رہی تھیں میں اس میں بھی ایک مدت دراز تک رہا - پھر کہیں ایک نوعی تبدیلی پیدا ہوئی - شہاب نے ایک خاص شکل اختیار کرنی شروع کی - ابھی تک تپش نہ تھی - درجۂ حرارت زیادہ نہ تھا - لیکن اب اس میں روزافزوں ترقی ہوئی - رفتہ رفتہ وہ مشتعل آگ کے گولے کی طرح ہوگیا - ہم جواہر کی آفت آگئی - شامت آگئی - آپس میں ٹکرانے لگے اور بہت تیزی کے ساتھ مختلف اطراف میں اُڑنے لگے - کوئی سیکنڈ، کوئی لمحہ، کوئی پل ایسا نہ تھا کہ میرا مقابلہ کروڑھا جواہر سے نہ ہوتا ہو - اس حالت کو بھی ایک زمانہ گزر گیا - تب مجھے معلوم ہوا کہ میں مشتعل آتش کا ایک جزو ہوں - اس حالت میں بھی پڑے پڑے ایک زمانۂ دراز گزر گیا - تب ایک قسم کا عجب تلاطم پیدا ہوا اور یہ خیال نہیں آیا کہ کوئی ہیبت انگیز واقعہ پیش آنے کو ہے - وہ شدنی امر انجام کو پہونچا - جو قسمت میں لکھا ہو وہ کیسے مٹ سکتا ہے - دیکھا تو ایک دنیا بن گئی تھی - یہ اُس دھکتی ہوئی آگ کے ٹھنڈے ہونے سے بنی جو کروڑھا صدیوں سے روشن تھی - اس عمل میں بہت سے گولے پھٹے بے حساب دھماکے ہوئے اور بالآخر میں اس آتشی دنیا میں داخل ہوا - اس وقت طوالت کی وجہ سے میں یہ بیان نہیں کروں گا کہ کیونکر

داخل ہوا - دنیا نے رنگ بدلنا شروع کئے جو وقت بھی گزرتا تھا دلچسپی بڑھتی جاتی تھی - رفتہ رفتہ زندگی کے آثار شروع ہوے - چہل پہل معلوم ہونے لگی - ہوتے ہوتے تمدن بھی تھا تہذیب بھی تھی اور اخلاق بھی موجود تھا - میں اس وقت یہ معرض بحث میں نہیں لاؤںگا کہ دنیا کس طرح بڑھی ہوی - اس کی کایا کیسے پلٹی، وہ کیسے ریگستان میں منتقل ہوئی اور وہ پھر کیسے مشتعل ہوگئی - اس وقت میں اس بحث کو بھی نہیں چھیڑوںگا کہ میں اس دنیا سے پھر دوسری دنیا میں کس طرح جا پہونچا اور پھر وہاں سے دوسری میں - اور اسی طریقے سے ہزاروں مرتبہ میرا یہ سلسلہ کیسے قایم رہا - بالآخر میں اُس آگ میں پہونچا جس میں سے تمہاری دنیا ٹھنڈی ہو کر نکلی ہے - تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب تمہارا جہان عالم وجود میں آیا اس وقت بھی میری عمر بہت زیادہ تھی بلکہ بہت ہی زیادہ تھی - اس کیفیت کو بھی زمانہ گزر گیا - میں ان واقعات و کیفیات و مشکلات کو جو اب تک پیش آئیں بیان نہیں کروںگا لیکن اب میں زمین کی بہت زیادہ گہرائی میں تھا میرے رفیق میرے غمخوار میرے مونس پگھلے ہوے مائع، دھکتے ہوے شعلے جیسی حالت میں تھے - میں بھی ان کا ساتھی تھا۔ دوست ہی نہ تھا بلکہ یکذات تھا - میں اپنی اس حالت پر قانع تھا - میرے اوپر حفاظت کے واسطے نہایت سخت مگر ٹھنڈا غلاف تھا - مگر زمانے نے مجھے یہاں بھی چین نہ لینے دیا - ہوا، بارش، طوفان نے معلوم نہیں کہاں کہاں کے بدلے لئے - مجھ پر حملہ آور ہوے - میرے مکان کو ڈھا ڈالا - اس کو رفتہ رفتہ نیست و نابود کردیا، بر اعظم یکے بعد دیگرے ختم ہوے - اور یہ سب بحر اعظم کی آغوش میں جا پہونچے - ارے میرے گھر پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ مجھے بھی ذالکہاں برباد کیا -

مجھے بھی نیلے سمندر میں بہاکر پہنچا دیا - اس سمندر میں عجیب و غریب قسم کے جانور تھے جن کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں - یہاں بحری پودے بھی تھے - بحری تاک میں تھے مجھے ہضم کرنے کو تیار بیٹھے تھے - خیال تھا کہ یہاں آرام و چین سے گزرے گی مگر انھوں نے مہلت نہ دی مجھ کو چوس گئے - تجربہ نے بتایا ہے کہ دنیا میں سچے جاں نثار ' وفادار دوست بہت کم بہت ہی کم ہوتے ہیں - حقیقی دوست کم ہیں مگر دشمن زیادہ - ایک مچھلی اس پودے کو کھا گئی جس نے مجھے جذب کیا - اب میں سمندر سے اس مچھلی کے پیٹ میں تھا - اس مچھلی کو مگر مچھ ہڑپ کر گیا - اتفاقاً یہ پانی سے باہر نکلا مگر دلدل میں پھنس کر رہ گیا - وہیں سڑ گل گیا - خاک میں مل گیا - یہاں مجھے ایک دوسرا پودا کھا گیا - بدقسمتی سے اس کو بھی ایک جانور نے کھا لیا - اب میں اس کے جسم میں داخل ہوا - اور اس کی ہڈیوں کا ایک جزو بنا - ایک دن مطلع صاف تھا سورج چمک رہا تھا ' میرا آقا جس کی ہڈیوں کا میں حصہ تھا ایک دریا کے پاس سے گذر رہا تھا وہاں اس پر ایک اژدہا ٹوٹا اور اس کو مار کر نکل گیا مگر اس کی زندگی نے بھی کچھ وفا نہ کی اور وہ اس سبزہ زار میں ایک نشیبی دلدلی زمین میں مرکر خاک ہوگیا - بارش نے مجھے یہاں سے بہاکر پھر سمندر میں پہونچا دیا - اب میں سمندر کی تہہ میں مٹی میں جا کر مل گیا - میرے اوپر ریت اور مٹی کی ہزاروں فٹ موٹی تہہ لگ گئی - میں یہاں مدتوں پڑا رہا - دنیا کے تغیرات کو دیکھتا رہا اور ان پر غور کرتا رہا - ایک آتا تھا - دوسرا جاتا تھا - ہزاروں بڑے بڑے پہاڑ ختم ہوگئے - ہزاروں قسم کے نباتات و حیوانات اس آے دن کی جنگ و جدال میں برکھپ

گئے - ان کا اب وجود تو در کنار نام و نشان بھی باقی نہیں مگر میری آنکھوں میں ان کی شکلیں گھوم رہی ہیں - میرے دماغ میں وہ سب واقعات تازہ ہیں -اب زمانہ کے رد و بدل نے میرے اوپر چٹانیں بنادی تھیں اور ان چٹانوں کے پہاڑ بن گئے تھے - میں سمندر میں بھی تھا اور سمندر سے باہر بھی - اب مجھے سیر و تفریح کی عادت پڑگئی تھی - مجھے جیل خانہ ناگوار تھا - میرے سینہ میں بہت آگ تھی - بڑی بے چینی تھی - دامن و گریباں چاک کرنے کو طبیعت چاہتی تھی - مجبوری نے یہ بھی کر دکھایا - دفعتاً آتش انگیزی شروع ہوئی - دروازہ کھلتے ہی قید خانہ سے رہا ہوکر سبزہ زار پر آگرا -اور کچھ دنوں بعد اناج سے دوستی پیدا کرکے اس کا شریک حال بنا - اس اناج کو ایک وحشی انسان نے کھالیا - اب میں اس میں منتقل ہوگیا - وہ بہت ہی وحشی تھا - مشکل سے انسان کہلائے جانے کا مستحق تھا - مگر وہ بہت تند خو تھا - بہادر تھا دلیر تھا - یہ بات بہت عرصہ کی ہے - زمانہ کا اندازہ میں نہیں کرسکتا - بہر حال پھر زمین میں پہونچا اور جب سے برابر سیر و سیاحت میں مشغول ہوں - میں مچھلیوں کا جزو ہوکر سمندر میں تیرتا پھرا ہوں - میں نے مینڈکوں میں اپنا مسکن بنایا ہے - سانپوں اور مگر مچھوں کو بھی اپنا دوست بنایا ہے -ایک پرندہ کو مشیر بناکر ہوا میں بھی اڑتا پھرا ہوں- درندہ بن کر جنگلوں میں مارا مارا پھرا ہوں - انسان کی بابتہ تو میں عرض ہی کرچکا ہوں- بہت سے درختوں کا جزو بن کر ان کو میں نے سرسبز و شاداب کیا ہے- یہ تو میں نے آپ کو صرف بڑی بڑی باتیں شمار کرائی ہیں- کوئی کیڑا

کوئی جرثومہ ' خواہ وہ ایک خلیہ کا ہو یا زیادہ خانوں کا ایسا نہیں ہے جہاں میری پہونچ نہ ہوئی ہو - بہت سی بیماریوں کے جراثیم میں بھی میں رہا ہوں - ان کے ستم ' ان کے ظلم اور ان کی غارت گری سے میرا دل دکھتا تھا - میں کانپ اٹھتا تھا - غرض یہ کہ آپ کو معلوم ہوگیا کہ میں نے ارتقا کے سب مدارج طے کئے ہیں - حیوانات میں ابتدا سے لے کر انتہا تک کسی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ نباتات میں - صفحۂ ہستی پر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں میری بزم میری محفل میری مجلس نا و نوش گرم نہ رہی ہو —

قصہ مختصر کچھہ عرصہ ہوا کہ مجھے ایک بیل کھا گیا - اس وقت میں گھاس میں لہلہا رہا تھا - اب میں اس کی ہڈی میں شامل ہوگیا - اس کو بھی ایک دن آدمیوں نے ذبح کر ڈالا - اس کا گوشت کھا گئے - اس کی ہڈیوں کو جلاکر خاک کر ڈالا - اس خاک کو بھٹی میں کشید کیا گیا - اس میں سے نکل کر میں فاسفورس کا جوہر دیا سلائی کے کارخانہ میں پہونچا اور اب میں تمھارے سامنے میز پر اس دیا سلائی کے بکس میں موجود ہوں - کیا میرا سفر ختم ہوگیا - نہیں پیارے - ابھی نہیں - معلوم نہیں کہ اس کو کتنا زمانہ اور چاہیئے - میں ایسا ہی سفر کرتا رہوں گا - میرا یہ رقص صدیوں رہے گا - میری انتہا کچھہ نہیں - جب یہ جہان اور تمام نظام فنا ہو جائے گا تو میں پھر اسی حالت میں جلوہ گر ہوں گا جو کہ میری پیدائش سے قبل تھی - اب میں صرف اتنا کہہ کر قصہ کو ختم کرتا ہوں کہ میرا مستقبل میرے ماضی سے کہیں زیادہ دلچسپ اور خوش گوار ہوگا —

ضرب و تقسیم کے جدید طریقے

از

جناب مرتضیٰ راؤ صاحب بی اے، ایل ایل بی، ایم، ایس سی،
لکچرار طبیعیات جامعۂ عثمانیہ

کچھ دنوں قبل دارالتجربہ طبیعیات میں میرے ایک معزز دوست نے ایک ایسے طریقۂ ضرب کا تذکرہ کیا جو کہتے ہیں کہ ملک روس میں رائج ہے۔ یہ طریقہ بلحاظ عمل کے کسی قدر طویل ہے۔ اس میں جدت یہ ہے کہ بجز دو کے پہاڑے کے دوسرے پہاڑوں کے یاد رکھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ یہ طریقہ حسب ذیل ہے:—

مثال۔ فرض کرو ہمیں ۲۶ × ۴۵ کا حاصل ضرب مطلوب ہے۔

اعداد بالا کو اس طرح لکھو —>

یا (۴۵ × ۲۶) بھی لکھ سکتے ہیں:-

سیدھے جانب کے عدد کو دو سے تقسیم، اور بائیں خانے کے عدد کو دو سے ضرب کر کے لکھو مکرر وہی عمل کرو۔ ۱۳ کو دو سے تقسیم کرنے پر ایک جو بچے گا اس کو چھوڑ دو۔ اسی عمل کو پھر دہراو۔ اسی طرح ۳ کو ۲ سے تقسیم کر کے ایک باقی چھوڑ دو تو

۲۶	×	۴۵
۱۳		۹۰
۶		۱۸۰
۳		۳۶۰
۱		۷۲۰
		۱۱۷۰ (اعداد بالا کا حاصل جمع)

(یہ تدریجی تقسیم و ضرب کا عمل اُس وقت موقوف کردیا جاے گا جب کہ بالآخر سیدھے جانب ایک کا عدد حاصل ہو جائے) —

اب سیدھے جانب جتنے جفت اعداد ہیں (مثلاً مثال بالا میں ۲۶، ۶) اُن کے مماثل بائیں جانب کے اعداد کو (یعنی ۴۵ اور ۱۸۰ کو) کاٹ دو- اور مابقی بائیں جانب کے اعداد کو جمع کر لو- اِس طرح حاصل جمع ۱۱۷۰ جو حاصل ہوگا ۲۶ × ۴۵ کے حاصل ضرب کو تعبیر کرے گا —

میں نے اپنے دوست کی خواہش پر اِس عمل کے ریاضی جواز کو دو مختلف طریقوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے- طریقہ استدلال بیشتر استقرائی ہے جس کا مصنف بہ حیثیت مبتدی علم طبیعات رہا ہے —

پہلا طریقہ : بادی النظر میں ایک استدلال حسب ذیل ہے :-

فرض کرو ہمیں $ا_۱ \times ب$ کا حاصل ضرب مطلوب ہے سیدھے جانب کا عدد $ا_۱$ اگر جفت ہو تو $ا_۱ = ۲ا_۲$ جہاں $ا_۲$ (طاق یا جفت) کوئی صحیح عدد ہوگا- پس ہم $ا_۱ \times ب$ کے بجائے $۲ا_۲ \times ب$ یا $ا_۲ \times ۲ب$ لکھہ سکینگے:-

اگر $ا_۲$ طاق ہو تو اُس کو ہم $۲ا_۳ + ۱$ کی شکل میں لکھہ سکیں گے- لیکن طریقہ مصرحہ صدر کی رو سے ہم صرف $ا_۳$ کو لیتے اور ۱ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اُس کے مماثل بائیں جانب ۴ب ہوگا؛

لیکن $ا_۳ \times ۴ب$ برابر نہیں ہے $ا_۲ \times ۲ب$ کے

		تصحیح
$ا_۱ \times ب$		
$ا_۲ \times ۲ب$	$(\because ا_۱ = ۲ا_۲)$	۰
$ا_۳ \times ۴ب$		$+ ۲ب$

$$\text{کیونکہ}\ ا_{۲} \times ۲ب = \{(۲ا_{۳} + ۱)\ ۲ب\}$$
$$= ۴ا_{۳} \times ب + ۲ب$$
$$= ا_{۳} \times ۴ب + ۲ب$$

پس $ا_{۳} \times ۴ب$ کو اوپر کے جملہ کے مساوی بنانے کے لئے ہمیں ۲ب جمع کرنا ہوگا جو طاق عدد $ا_{۲}$ کا مماثل ضرب کنندہ ہے یہ غور طلب ہے کہ ۲ب ہم کو اس لئے جمع کرنا پڑا ہے کہ ہم نے $ا_{۲}$ کو طاق اور $۲ا_{۳} + ۱$ کے مساوی فرض کیا ہے - اگر $ا_{۲}$ جفت ہوتا تو وہ $۲ا_{۳}$ کے مساوی ہوتا اور ($ا_{۳} \times ۴ب$) $ا_{۲} \times ۲ب$ کے یعنی $ا_{۱} \times ب$ کے مساوی ہی رہتا —

اسی طرح اگر $ا_{۳}$ بھی طاق ہو تو $ا_{۳} = ۲ا_{۴} + ۱$
لیکن $ا_{۴} \times ۸ب$ برابر نہیں ہے $ا_{۳} \times ۴ب$ کے

$$\text{کیونکہ}\ ا_{۳} \times ۴ب = \{(۲ا_{۴} + ۱) \times ۴ب\}$$
$$= ۸ا_{۴} \times ب + ۴ب$$
$$= ا_{۴} \times ۸ب + ۴ب$$

∴ تصحیح = + ۴ب جو کہ طاق عدد $ا_{۳}$ کے مماثل ضرب کنندہ ہے اور بموجب اشارات بالا محض اُس کے طاق ہونے کی وجہ سے لازم آتی ہے -

اگر $ا_{۴}$ جفت ہو اور $= ۲ا_{۵}$ کے تو $ا_{۴} \times ۸ب$
$$= ۲ا_{۵} \times ۸ب$$
$$= ا_{۵} \times ۱۶ب$$

		تصحیح
$ا_{۴}$	× ۸ب	+۴ب
$ا_{۵}$	× ۱۶ب	+ ۰

تصحیح	۳۲ ب	۱۲ ×
	....	....
	....	....
	۲ ب ن - ۱	ان ، ۱ ×

یعنی تصحیح = صفر =

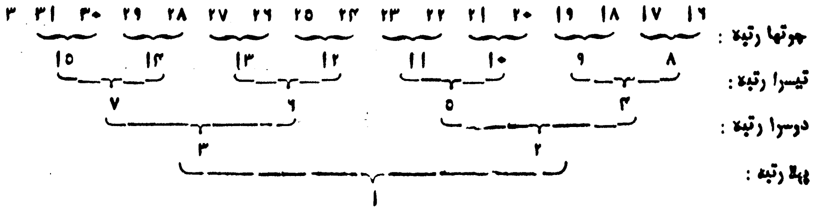
یہ عمل اس وقت تک جاری رکھا جاتا ہے جب تلک کہ ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ... اپنی اپنی بتدریج گھٹتی ہوی (طاق یا جفت) قیمتوں سے گذر کر آخر عدد ان = ۱ پر پہونچ جائیں - پس آخری یا (ن) ویں درجہ پر ب کا سر ۲ ن - ۱ ہوگا جب اس میں متروک شدہ تصحیحات یعنی طاق اعداد کے مماثل ضرب کنندہ اعداد (۲ ب ، ۴ ب ... وغیرہ) جمع کرلیے جائیں تو حاصل جمع لازماً ا اور ب کے حاصل ضرب کو تعبیر کرے گا —

—— :*: ——

دوسرا طریقہ اگر ہم اپنے عمل کو جو ہم اس ضرب کے طریقے میں اختیار کرتے ہیں بغور دیکھیں تو یہ امر صریحاً واضح ہوگا کہ ہر ایک عدد طاق اور جفت اعداد کے ایک مخصوص سلسلے سے گذر کر ایک پر پہونچیگا ، جب ہم اس کو بتدریج ۲ سے تقسیم کرتے اور باقی ماندہ ایک کو ترک کرتے چلے جائیں - پس ایک سے آغاز کرکے ایک جدول بنائی جاسکے گی جس سے یہ معلوم ہو کہ مختلف اعداد کے ایک پر پہونچنے کا کیا طریقہ ہے - یعنی بزبان ریاضی ہم ہر ایک عدد کو ۲ کی صعودی قوتوں کے ایک خاص جملہ سے تعبیر کرسکتے ہیں -

جدول ذیل گو استدلال کے لئے لازمی نہیں تاہم نہایت مفید اور دلچسپ ثابت ہوگی -

ن وان رتبہ : 2^n، $2^n + 1$، $2^n + 2$، $2^n + 3$ .... 2^n رقموں تک —



جدول بالا کے بعض دلچسپ خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) سیدھے جانب کی انتہائی شاخ صرف جفت اعداد یعنی ۲ کی قوتوں پر مشتمل ہے اور بائیں جانب کی انتہائی شاخ صرف طاق اعداد پر۔

(۲) ہر ایک رتبہ کے اعداد میں رقموں کی وہی تعداد ہے، جس عدد سے کہ وہ رتبہ آغاز ہوتا ہے۔ (مثلاً دوسرے رتبہ میں ۴ تیسرے رتبہ میں ۸ وغیرہ)۔

(۳) ہر ایک رتبہ کی آخری رقم، اس رتبہ کے اور اس کے تمام سابقہ رتبوں کے پہلے عددوں کے حاصل جمع کو تعبیر کرتی ہے۔ (مثلاً ۱۵ = ۸ + ۴ + ۲ + ۱)۔

(۴) ہر ایک عدد، ایک نہ ایک رتبہ میں داخل ہے اور اس کے ایک پر پہونچنے کے لئے ایک خاص راستہ معین ہے۔

وغیرہ وغیرہ ....

جدول بالا کی مدد سے ہم کسی عدد کو بآسانی ۲ کی صعودی قوتوں میں ظاہر کرسکتے ہیں۔

مثلاً اگر ہم وہی مثال لیں جس کو پہلے حل کیا ہے یعنی 26×45

تو $26 = 16 + 10 = 16 + 8 + 2 = 2^4 + 2^3 + 2$

	تصحیح	
پس $26 \times 45 = 45 \times \{2^4 + 2^3 + 2\}$		جفت
$= 2 \times 45 \times \{2^3 + 2^2 + 1\}$	$+ 0$	طاق
$= 2^2 \times 45 \times \{2^2 + 2\}$	$+ 2 \times 45$	جفت
$= 2^3 \times 45 \times \{2 + 1\}$	$+ 0$	طاق
$= 2^4 \times 45 \times 1$	$+ 2^3 \times 45$	

عمل بالا کے دیکھنے سے واضح ہوگا کہ جب قوسین کے اندر کا عدد جفت ہو تو ہم مشترک جز ضربی ۲ کو باہر نکال لے سکتے ہیں اور کسی تصحیح کی ضرورت لاحق نہ ہوگی - لیکن اگر قوسین کے اندر کوئی طاق عدد ہو اور ہم دو کو باہر نکالنا چاہیں تو ہمیں ضرب کنندہ عدد کو ملا لینا پڑے گا -

پس آخری ضرب کنندہ $2^4 \times 45$ میں ہم تصحیحات $2^3 \times 45$ اور 2×45 جمع کریں تو یہ عمل مترادف ہوگا اس کے کہ $(2^4 + 2^3 + 2)$ کو ۴۵ سے ضرب دیا جائے یعنی یہ کہ ۲۶ اور ۴۵ کا حاصل ضرب معلوم کیا جائے -

—— :*: ——

پس طریقہ بالا اس امر پر مشتمل ہے کہ تمام اعداد کو ۲ کی صعودی قوتوں میں ظاہر کیا جائے - اسی لئے اس میں ۲ سے زیادہ

پہاڑے جاننے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی

—— :*: ——

تقسیم کا مماثل طریقہ

راقم الحروف نے انہیں شرایط کے تحت (صرف دو کے پہاڑے کی مدد سے) تقسیم کا ایک مماثل طریقہ اختراع کرنے کی کوشش کی ہے - مجھے معلوم نہیں کہ آیا یہ طریقہ بھی ملک روس میں یا اور کہیں رائج ہے یا نہیں -

مختصر نظریہ :- چونکہ تمام اعداد دو کی صعودی قوتوں میں بآسانی ظاہر کئے جاسکتے ہیں ' کسی عمل تقسیم کے خارج قسمت کو بھی ۲ کی قوتوں میں لکھا جا سکتا ہے - تو خارج قسمت کی شکل حسب ذیل ہوگی:-

$$۲^{ا} + ۲^{ب} + ۲^{ج} + \dots\dots\dots$$

جہاں ا ' ب ' ج ' مثبت صحیح اعداد ہیں اور ا > ب > ج > ...

اگر مقسوم علیہ م ہو تو مقسوم = $م\,۲^{ا} + م\,۲^{ب} + م\,۲^{ج} + \dots\dots$

پس اگر مقسوم علیہ کو ۲ سے بتدریج ضرب دیتے چلے جائیں حتیٰ کہ وہ مقسوم سے بڑھ نہ جائے تو ہمیں $م\,۲^{ا}$ حاصل ہوگا - اور ہم $۲^{ا}$ کو خارج قسمت کے خانے میں لکھ سکیں گے - پس اسی عمل کو دہرانے سے ۲ کی دوسری قوتیں جو کہ خارج قسمت میں شامل ہیں حاصل ہوتی جائیں گی جن کو جمع کرنے سے خارج قسمت حاصل ہو جائے گا - یہ اصول طریقہ عمل کے ملاحظہ سے واضح ہوجائے گا :-

مثال :- ۲۲۲۳ کو ۵۷ پر تقسیم کرو -

تشریح عمل	مقسوم علیه	مقسوم		
	۵۷ ۲ ×	۲۲۲۳		
	۱۱۴ ۲ ×			
	۲۲۸ ۲ ×			
	۴۵۶ ۲ ×			
	۹۱۲ ۲ ×			
اس حاصل ضرب کو ۲ سے ضرب دیا جاے تو وہ مقسوم سے بڑہ جاے گا اس لئے مزید ضرب دینے کی ضرورت نہیں - اس کو مقسوم سے تفریق کر دو تو حاصل ہوا ۳۹۹ - اب مقسوم علیه کا بڑے سے بڑا حاصل ضرب جو ۳۹۹ سے تفریق ہو سکتا ہے = ۲۲۸ اسی طرح باقی ماندہ ۱۷۱ سے مقسوم علیه کا جو حاصل ضرب قابل تفریق ہے وہ = ۱۱۴ اسی طرح باقی ماندہ ۵۷ سے صرف مقسوم علیه ہی قابل تفریق ہے نه که اُس کا کوئی حاصل ضرب —	۱۸۲۴	۱۸۲۴ (-) ۳۹۹ ۲۲۸ - ۱۷۱ ۱۱۴ ۵۷ ۵۷ باقی = صفر	۳۲* + ۴ * ۲ § ۱ ۳۹	* ۱۸۲۴ کے اوپر × ۲، ۵ مرتبه نظر آے گا ان کو باہم ضرب دیکر ۲ × ۲ × ۲ × ۲ × ۲ = ۳۲ آخری خانے میں لکھ دو † - ۲۸۸ کے اوپر × ۲ دو مرتبه نظر آے گا - ان کو ضرب دیکر آخری خانے میں ۴ لکھ دیا گیا - * چونکه ۱۱۴ کے اوپر صرف ایک ہی × ۲ ہے آخری خانے میں وہی لکھا گیا - § چونکه ۵۷ کے اوپر کوئی × ۲ نہیں ہے اور خود ۵۷ ہی مقسوم علیه ہے آخری خانے میں لکھا گیا آخری خانے کے اندراجات کا حاصل جمع خارج قسمت کو تعبیر کرتا ہے —
		اگر آخری عدد مقسوم علیه سے چھوٹا ہے تو اس کو باقی کہتے ہیں -		

پس اس تقسیم کے عمل کو حسب ذیل عام قاعدہ کی شکل میں
ادا کیا جاسکتا ہے :-

قاعدہ :- مقسوم علیہ کو دو سے ضرب دو - اس طرح حاصل شدہ ' حاصل ضرب کو مکرر ۲ سے ضرب دو اور علی ھذا اس مسلسل ضرب کے عمل کو اُس حد تک جاری رکھو کہ مزید عمل ضرب کی صورت میں حاصل ضرب مقسوم سے بڑا ہو جائے اس آخری حاصل ضرب کو مقسوم سے تفریق کردو - آخری حاصل ضرب کے اُوپر جتنے " × ۲ " ھیں اُن کو باھم ضرب دے کر آخری خانے میں لکھہ دو —

اب مقسوم کا جو حاصل تفریق بچ جائے ' اُس سے مقسوم علیہ کا بڑے سے بڑا (ممکنہ) حاصل ضرب تفریق کردو - (یہہ تمام حاصل ضرب پہلے خانے میں موجود نظر آئیں گے) - اُس حاصل ضرب کے اُوپر جتنے " × ۲ " ھوں اُن کو باھم ضرب دے کر آخری خانے میں درج کردو —

تفریق کے دیگر حاصلوں سے بھی یہی عمل جاری رکھو —

اس عمل کے جاری رکھنے پر ' اگر ایک نوبت ایسی آجائے کہ باقی ماندہ عدد سے صرف مقسوم علیہ ھی (نہ کہ اُس کا کوئی حاصل ضرب) قابل تفریق ھو ' تو مقسوم علیہ کو اُس سے تفریق کرکے آخری خانے میں ایک کا عدد لکھہ دو —

آخری خانے کے اندرجات کا حاصل جمع عمل تقسیم کے خارج قسمت کو تعبیر کرے گا - اگر آخری حاصل تفریق صفر نہ ھو بلکہ ایک ایسا عدد ھو جو مقسوم علیہ سے چھوٹا ہے تو اُس کو

عمل تقسیم کا باقی خیال کرنا چاہیے —

راقم الحروف نے اسی أصول کو وسعت دے کر اعداد کے جذر اور جذرالکعب دریافت کرنے کے قاعدے بھی بنائے ہیں - لیکن چونکہ ان طریقوں کی دلچسپی محض اُن کی جدت پر مبنی ہے نہ کہ کسی عملی مفاد پر ، اس مضمون کو مزید طوالت دینا غیر ضروری خیال کیا جاتا ہے - پھر بھی اس امر سے انکار نہ ہوسکے گا کہ اعداد بہ حیثیت اعداد ، اور اُن کے باہمی رشتے عمیق انہماک اور بہترین تفریح کا سامان ہیں -

سنہ فصلی میں مماثل تاریخ اور دن کی دریافت

از

جناب مرتلچے راؤ صاحب بی - اے ' ایل - ایل - بی ' ایم - ایس - سی
لکچرار طبیعیات کلیہ جامعہ عثمانیہ]

بخدمت مدیر صاحب رسالۂ "سائنس"

جناب من !

جنتری نویسی کا فن کوئی نیا فن نہیں ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ اصول جنتری نویسی کے تمام مروجہ طریقوں میں کارفرما ہے کہ جنتری ماہ بماہ و سنہ بسنہ اور سلسلہ وار تیار کی جاے۔ لیکن اگر اس سلسلۂ عمل کو ملحوظ نہ رکھتے ہوے یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں سنہ میں فلاں ماہ کی فلاں تاریخ کس دن واقع ہوگی تو شاید اس کا جواب بآسانی نہ دیا جا سکے گا - اس میں شک نہیں کہ بعض دوامی جنتریاں جنتری کے متوالی خواص کے اصول پر ' متراکز دائروں یا جدولوں کی شکل میں تیار کی گئی ہیں اور راقم الحروف کے یہاں بھی ایک مخترعہ دوامی جنتری موجود ہے لیکن اس میں بھی اسی تسلسل عمل کو ایک کم و بیش حیلی تدبیر (Mechanical Device) کے ذریعہ جاری رکھا جاتا ہے اور پھر اس تدبیر کی حاجت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اس لئے مضمون زیر اشاعت

میں مسئلہ بالا کے ذہنی حل کا ایک نیا طریقہ پیش کیا گیا ہے
ممکن ہے کہ جناب کی راے میں یہ کسی حد تک نظری دلچسپی
کا سامان سمجھا جاے - اگر اس قسم کے مضامین کے لئے " سائنس "
میں جگہ ہے اور یہ مضمون موزوں سمجھا جا سکتا ہے- تو
راقم اس کی اشاعت کا خواستگار ہے -

---:*:---

قاعدہ ۲ :— (۱) دئے ہوے سنہ کے آخری دو اعدد کو ۷ سے
تقسیم کرو - خارج قسمت کو چھوڑ دو اور
باقی "ب" کو نوٹ کر لو :- 　　ب

(۲) دئے ہوئے سنہ کے آخری اعداد کو ۴ پر
تقسیم کرو - باقی کو چھوڑ دو اور خارج
قسمت "خ" کو نوٹ کر لو :- 　　خ

(۳) دئے ہوے مہینہ کی قیمت "م" جدول ذیل
سے معلوم کر کے نوٹ کر لو :- 　　م

دیا ہوا مہینہ	آذر	دے	بہمن	اسفندار	فروردی	اردی بہشت	خورداد	تیر	امرداد	شہریور	مہر	آبان
عام سنین کے لئے 'م'	۰	۲	۳	۵	۰	۳	۶	۲	۵	۱	۴	۶
کبیسہ سنین کیلئے 'م'	۰	۲	۴	۶	۱	۴	۰	۳	۶	۲	۵	۰

(۴) دی ہوئی تاریخ کی قیمت "ت" بھی نوٹ کرلو:- ت

(۵) ب، خ، م، ت کو جمع کر لو اور اس حاصل جمع کو
۷ پر تقسیم کردو - خارج قسمت کو چھوڑ دو - باقی
ماندہ عدد "ع" کو "یکشنبہ" میں جمع کر لو تو
یوم مطلوبہ حاصل ہوگا —

مثال :- ۱۳ آبان سنہ ۱۳۴۳ف کس دن واقع ہوگی ؟

(۱) ۴۳ کو ۷ سے تقسیم کرو - خارج قسمت ۶ چھوڑ دو باقی ۱ نوٹ کر لو :-

(۲) ۴۳ کو ۴ سے تقسیم کرو- خارج قسمت دس نوٹ کر لو (باقی ۳ چھوڑ دو) :-

(۳) ۴۳ف عام سنہ ہے - جدول میں آبان کی قسمت ۶ ہے - اس کو لکھ لو :- ۶

(۴) تاریخ ۱۳ بھی نوٹ کر لو :- ۱۳

جملہ ۳۰

(۵) اعداد بالا کا حاصل جمع ۳۰ اس کو ۷ پر تقسیم کرنے سے باقی ۲ حاصل ہوگا - پس یوم مطلوب یکشنبہ + ۲ = سہ شنبہ -

---

عکسی مسئلہ :- طریق عمل بالا کے سمجھنے کے بعد عکسی مسئلہ کا حل بھی نہایت آسان ہو جاتا ہے - مثلاً اگر یہ سوال ہو کہ ماہ آبان سنہ ۴۳ف کے پہلے شنبہ کو کیا تاریخ ہوگی ؟ تو بطریق ذیل معلوم کیا جا سکتا ہے - معلوم کرو کہ یکم آبان کس دن واقع ہوگا - طریق بالا کی رو سے یوم پنجشنبہ حاصل ہوگا - پس پہلے شنبہ کو آبان ۴۳ف کی تیسری تاریخ ہوگی —

تجزیۃ النفس

تعبیر خواب

(۲)

از

جناب عبدالحی صاحب جمیل علوی بی اے - گوجرانوالہ

ہم گذشتہ نمبر میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ خواب ہماری ممتنع خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ بچوں کے خواب بالکل صاف اور واضح ہوتے ہیں۔ یعنی ان کی تکمیل کا ذریعہ خواہش نمایاں ہوتی ہے۔ بالغ آدمیوں کے خواب بھی بعض اوقات، جب کہ ان کا باعث کوئی طبعی مہیج جیسے بھوک، پیاس وغیرہ ہو، اسی طرح صاف ہوتے ہیں۔ لیکن بالعموم یہ خواہش تبدیل ہو کر کوئی اور شکل اختیار کر لیتی ہے۔ "محتسب" (Censor) جو حالت بیداری میں بے شعور خیالات یعنی ممتنع خواہشات کو شعور میں داخل نہیں ہونے دیتا، حالت نیند میں اتنا طاقتور نہیں رہتا۔ اور بے شعور خیالات اس موقع سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا کر شعور میں خواب کی صورت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ ایسا نہ کرتے تو ایسے خیالات کے باہمی تنازع سے سونا محال

ہو جاتا - یہ سب "محتسب" کی مہربانی ہے - جس کے خوف سے یہ اپنی اصلي صورت تبدیل کر لیتے ہیں - اور نیند میں مخل نہیں ہو سکتے - بالغ آدمیوں کے خواب اکثر خلط ملط ہوتے رہتے ہیں - اگرچہ خواہش ان میں بھی موجود ہوتی ہے - لیکن خواب دیکھنے والے کو بغیر تعبیر کے خواہش کا پتہ نہیں چل سکتا - اس پر فعل خواب کا اثر پڑتا ہے —

فعل خواب وہ طریقہ یا وہ قانون جس سے اصل خواب موجودہ صورت میں ظاہر ہوتا ہے "فعل خواب" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - اور برعکس اس کے جس طریقہ سے خواب کو حل کیا جاتا ہے یعنی اصل خواب کا مطلب معلوم کیا جاتا ہے اس کا نام "تعبیر" ہے - فعل خواب کی چند ایک صورتیں ہیں —

الف - "اختصار" فعل خواب کی یہ پہلی صورت ہے - خواب کا ایک عنصر بہت سے بے شعور خیالات پر مبنی ہوتا ہے - بعض اوقات خواب کے چند ضروری عناصر بالکل ہی مفقود ہوتے ہیں - اور اکثر اوقات تمام بے شعور خیالات یکجا ہوتے ہیں - ہمارے اکثر خوابوں میں بہت سے اشخاص کی صفات ایک ہی شخص میں پائی جاتی ہیں - یعنی اس شخص کا نام "م" ہے - لیکن اس کی شکل "ح" سے ملتی جلتی ہے - اور اس کے کپڑے "ص" کی طرح کے ہیں - اور وہ شخص "ع" کا پیشہ اختیار کئے ہوے ہے - چار اشخاص کی صفات ایک ہی شخص میں موجود ہیں —

اس طریقہ سے خواب بہت ہی مختصر ہو جاتا ہے - حالانکہ اس کی تعبیر بہت ہی طویل ہوتی ہے - مثلاً اگر خواب نصف صفحہ پر

آئے - تو اس کی مکمل تعبیر تقریباً دو تین صفحے لے گی - باوجود اس کے پھر بھی یہ دعوی سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تعبیر بالکل مکمل ہے - اختصار کا عمل اس وقت بہت زیادہ ہوتا ہے جب خواب میں کسی شخص کا نام یا کوئی مقام موجود ہو - نیز یہ کسی خاص قانون کے ماتحت کام نہیں کرتا - خیالات بالکل مہمل معلوم ہوتے ہیں - اس نقطہ کو میں اپنے آج رات کے خواب سے واضح کرتا ہوں - ۶ ستمبر سنہ ۳۴ ع -

"خوشنما مناظر کا خواب"

" میں مفتی صاحب کے ساتھ بائیسکل پر سوار کہیں جا رہا ہوں - راستے میں ایک بنگلہ نما مکان نہایت ہی خوبصورت دکھائی دیتا ہے - میں اس کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہوں - قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک گاؤں ہے - اس کے مشرق کی جانب مکان سے ملحق ایک نہایت ہی خوبصورت مختصر سی مسجد ہے - گاؤں کے باہر فصیل بھی موجود ہے ... ... مفتی صاحب کہیں غائب ہو جاتے ہیں ... ... میں ایک شخص سے جو گاؤں کا باشندہ معلوم ہوتا ہے مخاطب ہوتا ہوں - میں تمہارا یہ گاؤں دیکھنا چاہتا ہوں - وہ جواب دیتا ہے - 'ضرور - لیکن اس طرح نہیں ' میں کل یا پرسوں آپ کو مدعو کروں گا - پھر دیکھ لینا - ... ..." گاؤں کے باہر ایک طرف ایک اور خوشنما عمارت ہے - معلوم ہوا کہ یہ مدرسہ ہے - میرے ساتھ "ع" اس وقت موجود ہے - یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس اسکول کے طلبا کا

دماغی معائنہ کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں - لیکن وقت کی قلت کے باعث اس ارادے کو ملتوی کرتے ہیں - اور پھر آنے کا وعدہ کرتے ہیں ... ... اسی گاؤں کو دیکھنے کے لیے اپنے دوست "الف" کے ہاں جاتا ہوں - وہاں اور بھی بہت سے حضرات چارپائیوں پر لیٹے ہوے ہیں - میرے پاس علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ والا پہلا سیپارہ ہے - ایک صاحب سیپارہ کو مجھ سے لے کر دیکھتے ہیں - کچھ عرصہ دیکھنے کے بعد مجھ سے اس کے متعلق پوچھتے ہیں - میں جواب دیتا ہوں - انگریزی ترجمہ تو بلا شک و شبہ بہترین ہے - لیکن متن میں بہت سی غلطیاں ہیں ' ... ... "

" تعبیر " - کل مفتی صاحب میرے مہمان تھے - میں ان کو الوداع کہنے کے لیے ایک میل تک بائیسکل ساتھ لے کر گیا - سڑک پر جہاں ایک سکھ ٹھیکہ دار نے ایک خوشنما کوٹھی بنائی ہے وہاں پہنچ کر مفتی صاحب چلے گئے اور میں وہاں سے سیدھا بھٹی بھنگو کے مدرسے کے طلبا کا دماغی معائنہ کرنے کے لیے گیا - میرے پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد میرے ایک رشتہ دار " ع " بھی وہاں پہنچ گئے- خواب میں جو بنگلہ دیکھا ہے وہ گھلوٹیاں (ایک گاؤں کا نام ہے) کا ایک نہایت خوبصورت محلہ ہے - پچھلے دنوں عید میلاد کی تقریب پر جماعت احناف کی جانب سے ایک جلسہ منعقد ہوا - میں بھی " ع " اور مدرسین بھٹی بھنگو کے ساتھ وہاں پہنچا - جلسے کا انتظام بھی اسی محلہ کے رہنے والوں کی طرف سے کیا گیا تھا - اس کے مشرق کی جانب ایک چھوٹی سی

مسجد بھی تھی - جس کے قریب وسیع میدان میں جلسہ کا انتظام کیا
گیا تھا - وہ محلہ گاؤں سے باھر تھا - اور نہایت ھی خوبصورت - ایک
ھی خاندان کے افراد وھاں رھتے تھے - میں مکانوں کی ترتیب اور
حسن انتظام دیکھکر نہ صرف دش عش ھی کرتا تھا بلکہ یہ میری
خواھش تھی کہ کاش میرا بھی مکان یہیں ھوتا - حقیقتاً اس طرز
کے مکان میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھے تھے - میں اس محلے کو اندر
سے دیکھنے کے لیے بہت ھی بے تاب تھا - بعد میں معلوم ھوا کہ خوراک
وغیرہ کا انتظام بھی انہیں کے ذمے ھے - شاید اندر جانے کا موقع مل
جائے - اتنے میں ایک صاحب آئے جو بظاھر میرے آشنا معلوم ھوتے
تھے - لیکن میں ان کو نہ پہچانتا تھا - انھوں نے ھمیں بائیسکلیں اپنے
مکان میں رکھنے کے لیے کہا - ان کا مکان بھی اسی محلہ میں تھا - انہیں
نے ھمیں شام کے کھانے پر اپنے گھر مدعو بھی کیا - ھم نے شب کا کھانا
وھاں کھایا - اور ان مکانوں کو جن کے چاروں طرف فصیل نما دیوار تھی
خوب غور سے دیکھا - فی الواقع عمارات قابل دید تھیں -

مدرسہ کی خوشنما عمارت بلا شک و شبہ بھٹی بھنگو کا مدرسہ
ھے - جہاں جاسے والے دن ھم واپسی پر کھانے سے فارغ ھوکر پہنچ گئے -
اور شب بھی وھیں گذری - کل اسی جگہ معائنہ کے لیے میں آیا ھوا تھا -
صرف چند طلبا کا معائنہ کر سکا - ھیڈ ماسٹر وھاں رھنے کے لیے مجبور
کرتے تھے - لیکن میں آئندہ کا وعدہ کرکے "ع" کے ساتھ واپس اپنے
مکان پر آ گیا -

پچھلے دنوں میں ایک رشتہ دار کی شادی پر مدعو تھا - وھاں
ھمارے اور بھی قریبی رشتہ دار جمع تھے - میں بغرض اشاعت اپنے

ساتھہ " انجمن عالم گیر تحریک قرآن مجید - حیدرآباد - دکن" کی شائع شدہ " بچوں کی تفسیر " ساتھہ لے گیا تھا - وہاں نموناً ہر ایک کو دکھائی - اور خریدنے پر مجبور کیا - وہاں قرآن پاک کے مختلف تراجم پر بحث شروع ہو جاتی ہے - باتوں ہی باتوں میں علامہ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ کا ذکر شروع ہوا - میں نے اس کی کافی تعریف کی - اور اپنا فیصلہ دیا کہ مکمل ہو جانے پر بلا شک و شبہ یہ بہترین ترجمہ ہوگا - جس طرح اردو میں مولانا ابوالکلام آزاد کا " ترجمان القرآن " - مکرمی علوی صاحب نے فرمایا ہاں یہ ترجمہ فی الواقع بے نظیر ہے - ہر گھر میں اس کا ہونا اشد ضروری ہے - لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کے متن میں بے شمار غلطیاں ہیں - شاید دوسرے ایڈیشن میں یہ شکایت رفع کر دی جائے -

مندرجۂ بالا خواب اور اس کی مختصر تعبیر پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ " محتسب " کا فعل بالکل واضح ہے - کسی طرح بالکل مختلف قسم کے خیالات ایک مسلسل خواب میں موجود ہیں - وقت بھی ایک ہی ہے اور مقام بھی ایک ہی ہے - حالانکہ یہ خواب تین مختلف خیالات پر مبنی ہے جو مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر ظہور پذیر ہوے - خواب کے آخری جزو میں دیکھئے کہ ایک ہی کتاب کے دو مختلف پہلو ہیں - بالغ آدمیوں کے خواب میں یہ فعل سوائے چند ایک کے ضرور ہی موجود ہوگا - گویا خواب کی بناوٹ میں یہ نہایت ہی ضروری حصہ لیتا ہے -

ب - " تبدل " - بعض خیالات جو خواب میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں بعض اوقات تعبیر میں کچھہ حقیقت نہیں رکھتے - برعکس

اس کے ایسے خیالات جو خواب میں بالکل معمولی ہوتے ہیں ممکن ہے کہ وہ تعبیر میں نہایت ہی ضروری حصہ لیں- فراتڈ کی اس مریضہ کے خواب میں عجلت کے خیالات اصل خواب میں بالکل معمولی معلوم ہوتے ہیں- لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواب کی تعبیر ہی انہیں کے متعلق ہے- اسی طرح اس عورت کے خواب میں' جو اپنے اکلوتے بچے کو صندوق میں مرا ہوا دیکھتی ہے "صندوق" کا خیال بظاہر اتنی اہمیت نہیں رکھتا- لیکن تعبیر سے معلوم ہوا ہے کہ یہ لفظ نہایت ہی ضروری حصہ لیتا ہے —

ج - "مناظریت" اصل خواب کے خیالات اس طرح آپس میں مربوط ہوتے ہیں گویا وہ کسی دلچسپ کہانی کو بیان کر رہے ہیں- یا وہ کسی ڈرامہ کے کسی ایک منظر کو ظاہر کر رہے ہیں- خیالات اکثر مختلف اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں- اس دلفریب منظر کو تحریر میں صحیح صحیح کسی طرح نہیں لایا جاسکتا- مثلاً میرے اپنے خوبصورت گاؤں والے خواب میں مکانوں کا نقشہ الفاظ میں نہیں کھینچا جاسکتا- نیز وہ کسی طرح ایک دلچسپ اور مسلسل کہانی معلوم ہوتی ہے- یہ ضروری نہیں کہ ہر خواب میں یہ فعل موجود ہو بلکہ اکثر اوقات ان میں اصل خواب کے خیالات تعبیر میں بدستور قایم رہتے ہیں --

"علامات مخصوصہ"

اس بناوٹ کی طرف فراتڈ اور اس کے پیروؤں نے تعبیر میں خاص توجہ دی ہے- فراتڈ کے خیال کے مطابق صنفی جبلت کے علاوہ کوئی اور جبلت اتنی ممتنع نہیں ہوئی- بے شعوری میں صرف یہی

ایک جبلت ایسی ہے جو ممتنع ہونے کی سب سے زیادہ خصوصیت رکھتی ہے - بالغ آدمیوں کے خواب زیادہ تر ممتنع صنفی خواہش سے تعلق رکھتے ہیں - اور صنفیت کے مخصوص رموز رکھتے ہیں - ان رموز یا مخصوص علامات سے یہ ایک حد تک ممکن ہے کہ خواب کی تعبیر بغیر خواب دیکھنے والے کی مدد کے کی جا سکے - کیوں کہ بے شعوری میں ایسی علامات موجود ہوتی ہیں جو بعض خاص خاص اشیا کو ظاہر کرتی ہیں - ان کی تعداد کوئی اتنی زیادہ نہیں - اِنسانی جسم ' والدین ' بچے ' بہن بھائی ' پیدائش ' موت ' برھنگی اور ایک چیز اور ــــ

" انسانی جسم کی مخصوص علامات جو اکثر ظاہر ہوتی رہتی ہیں گھر یا مکان ہے - بہت سے اشخاص اکثر خواب میں مکان سے نیچے گرتے دیکھتے ہیں - بعض اوقات خوشی کے احساس سے اور بعض اوقات خوف کے احساس سے - جب مکان کی دیواریں بالکل صاف ہوں تو اس کا مطلب مرد ہے - اور جب چھجے اور کھڑکیاں وغیرہ بھی موجود ہوں تو اس کا مطلب عورت ہے - والدین خواب میں بادشاہ اور ملکہ یا کسی اور معتبر ہستی سے ظاہر ہوتے ہیں .... بچے اور بہن بھائی کے لیے چھوٹے چھوٹے جانور مخصوص ہیں- پیدائش بلا شک وشبہ پانی سے ظاہر ہوتی ہے- یا ہم پانی میں چھلانگیں مارتے ہوتے ہیں یا غوطہ زنی کرتے ہیں یا باہر نکل رہے ہوتے ہیں - بعض اوقات ہم کسی کو ڈوبنے سے بچا رہے ہوتے ہیں - یا کسی اور سے ہم بچائے جاتے ہیں- اس صورت میں بچے اور اس کی ماں کا باہمی رشتہ واضح ہوتا ہے- مرنے کی علامت سفر ہے- ریل گاڑی کا یا پیدل- کپڑے اور

وردی برہنگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ... . خوابوں میں سب سے زیادہ علامات صنفیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے لیے مخصوص علامات کافی تعداد میں موجود ہیں۔ مرد کے اعضاے مخصوص مختلف علامات اور مختلف طریقہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تین کا مقدس عدد ان کے لیے مخصوص ہے۔ دونوں صنفوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری اور دلچسپ عضو مرد کا عضوتناسل ہے جو خواب میں ان اشیا سے ظاہر ہوتا ہے جو شکل و شباہت اور افعال میں اس سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ طویل اور سیدھی جیسے چھڑی، چھاتہ، درخت، پول اور اسی طرح کی اور چیزیں۔ تکلیف دہ اور جسم کو زخمی کرنے والی چیزیں۔ جیسے نوک دار آلات، چاقو، خنجر، نیزہ، بندوق، پستول اور ریوالور وغیرہ۔ کیوں کہ یہ تمام اشیا افعال اور شکل و شباہت میں عضو مخصوص سے ملتی جلتی ہیں۔ نوجوان عورتوں میں قلق پیدا کرنے والے خواب، جن میں مسلح آدمی ان کا تعاقب کرتے ہیں، بہت ضروری حصہ لیتے ہیں۔ عورتوں میں غالباً اس قسم کے خواب سب سے زیادہ تعداد میں آتے ہیں۔ عضومخصوص کےلیے ایسی اشیا جن سے پانی بہہ کر نکلے مثلاً نل، پانی کے حوض یا چشمے، یا اونچی نیچی ہونے والی اشیا، مثلاً لٹکانے والے لیمپ، یا چھوٹی بڑی ہونے والی پنسلیں، قلم، قلمدان، ناخن تراش، ہتھوڑے، اور اسی قسم کے اور آلات مقرر ہیں۔ ہوائی جہاز بھی اس کا ایک نشان ہے۔ بعض اوقات خواب دیکھنے والا ہوا میں اُڑتا نظر

آتا ہے - اگر عورتیں اس قسم کا خواب دیکھیں - تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ آدمی بننے کی خواہشمند ہیں "-

"انسانی صنفی علامات جو سمجھہ میں کم آتی ہیں مچھلیاں اور سانپ وغیرہ ہیں - اسی طرح ہیٹ اور چغے بھی - یہ بات ابھی پایۂ تصدیق کو نہیں پہنچی کہ آیا اور چیزیں مثلاً ہاتھہ پاؤں فی الواقع مرد کے عضو تناسل کو ظاہر کرتے ہیں" -

عورتوں کے اعضائے تناسل کی تعداد نسبتاً کم ہے - ان کا عضو مخصوص ایسی اشیا سے ظاہر ہوتا ہے جن میں خلا پایا جائے جیسے گڑھے، غار، سوراخ، بوتلیں، جار، مختلف اقسام کے صندوق، الماریاں، جیب وغیرہ - جہاز بھی اسی تحت میں آتے ہیں - بعض علامات صرف رحم کے لیے مخصوص ہیں - جیسے کمرے، ستو و - علاوہ ازیں مختلف اقسام کی ٹھوس اشیا، جیسے لکڑی، کاغذ اور ان سے بنی ہوئی اشیا، جیسے میز، اور کتاب، دروازہ اور کھڑکی مبدء مہبل کے سوراخ کی علامات ہیں - منہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے - گرجے، مندر، سنگار بکس، جواہرات، خزانے، مٹھائیاں بھی عورت کو ظاہر کرتے ہیں - پستان بھی صنفی عضو کے تحت آتے ہیں - ان کے لیے مختلف اقسام کے پھل جیسے سیب، ناشپاتی وغیرہ مقرر ہیں - دونوں صنفوں میں موئے زہار جنگلات جھاڑیاں اور گھاس سے ظاہر ہوتے ہیں - پہاڑی منظر بھی اس علامت میں شامل ہے - مختلف قسموں کی حرکات صنفی فعل کے لیے مقرر ہیں - لہو و لعب اور پیانو پر کھیلنا اپنے عضو مخصوص سے کھیلنے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اس کی علامات ہیں - جلق کی عادت کسی درخت کی شاخ کھیلنے سے ظاہر ہوتی ہے - دانت نکالنا یا دانت کا نکلنا جلق کی

سزا ہے - معاشرت کے لئے گھوڑے کی سواری، ناچ، درختوں پر چڑھنا اور کسی چیز کے نیچے دب جانے کی علامات ہیں - ان میں چند دستکاری کے پیشے یا کسی ہتیار سے دھکاے جانا بھی داخل ہے - چند ایک علامات ایسی ہیں جو دونوں جنسوں کے لئے مقرر ہیں - مثلاً چھوٹے بچے (بچی) -

مندرجۂ بالا علامات فراڈ اور اس کے پیرووں مثلاً ڈاکٹر برل (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی - امریکہ) اور ڈاکٹر ارنسٹ جونز (صدر مجلس بین الاقوامی تجزیۃالنفس - لندن) وغیرہ وغیرہ کے مقرر شدہ ہیں - لیکن ان سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ تمام حالتوں میں ایسی علامات کی تعبیر صنفیت ہے - فراڈ کے خیال کے مطابق اگر خواب میں سانپ دکھائی دے تو یہ "سدا" انسانی عضو مخصوص کو ظاہر کرتا ہے - لیکن یہ درست نہیں ہوسکتا * - ممکن ہے کہ اس نے اس دن سانپ کو دیکھا ہو - اس لئے بغیر غور کے ان علامات سے نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں - "ائتلاف اختیاری" کا طریقہ استعمال کرنا لازمی ہے - یا کم از کم خواب دیکھنے والے سے ان کے متعلق سوال کرنا ضروری ہے - ممکن ہے کہ کسی خاص تجربہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو - فراڈ بھی اپنی تصنیف "تعبیر خواب" میں اس اصول پر قایم نہیں رہا - یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ فراڈ نے ممتنع طفلی صنفیت پر کافی سے زیادہ زور دیا ہے - اس کے ہر کام میں صنفی

---

* ملاحظہ ہو ڈاکٹر روز کی "نزاع اور خواب" (Keganpaul) - سانپ کسی صورت میں صنفی علامت نہیں ہوسکتا - "لیکن میرے خیال میں ڈاکٹر روز کے دلائل اس بارہ میں اتنے مستحکم نہیں —

جبلت موجود ہے - یہ نظریہ کہاں تک درست ہے ؟ قارئین خود اس کی جانچ کر سکتے ہیں کہ یہ نظریہ کس حد تک قبول کیا جا سکتا ہے - ہمارے شہر میں فراڈ کے ہم وطن ایک رومن کیتھو لک پادری ہیں ' جن سے میں فرانسیسی پڑھا کرتا تھا - یہ فراڈ کی تعلیمات کے سخت مخالف معلوم ہوتے ہیں - ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے فراڈ کے نظریۂ خواب کا ذکر کیا - کہنے لگے - " کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ تمام پیغمبروں ' ولیوں اور صالحین کے خواب میں یہ عنصر موجود ہوتا ہے ؟ کیا اس درجہ پر پہنچ کر بھی انہیں صنفیت کا خیال رہتا ہے ؟ یا ان کے روز مرہ کے واقعات اور تجارب میں صنفیت پنہاں ہوتی ہے ؟ " قارئین کچھ بھی خیال کریں - لیکن میرے خیال میں ہم بعض اوقات فراڈ کے نظریہ سے متفق نہ ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں - میں نے چند دن گذرے کہ خواب میں چھڑی ہاتھ میں لے کر نہر کے کنارے سیر کرتے دیکھا - فراڈ کے نظریہ کے مطابق یہ عضو مخصوص سے کھیلنے کی علامت ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے تقریباً ایک ماہ قبل میں نے ایک مدرس کو ایک نہایت خوبصورت چھڑی بنوانے کے لیے کہا - لیکن اس نے کافی دیر کر دی - میں بڑی بے صبری سے اس کا منتظر تھا - اکثر اسے کہتا رہتا - اور وہ عذر و معذرت کرتا رہتا - خواب والے دن شام کے وقت مجھے چھڑی ملی جو میری حسب خواہش تھی - کافی دیر تک میں اس چھڑی کو ہاتھ میں لئے سیر کرتا رہا - اب آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ اس خواب کو شام کے واقعہ کا رد عمل خیال کریں خواہ نظریۂ فراڈ کے مطابق اس کی تعبیر کریں —

فراڈ نے خوش قسمتی سے اپنی بعد کی تصنیفات میں اپنے اس نظریہ

کو قدرے تبدیل کر دیا ہے - فراڈ کے پیرو بھی کسی ایک خاص اصول پر کاربند نہیں رہے - مثال کے طور پر ڈاکٹر اے - اے - برل کی ایک مریضہ کا خواب درج کرتا ہوں - صاحب موصوف ' جو امریکہ کے مشہور ماہر ہیں اپنے "تجزیۃ النفس" * میں یہ خواب تحریر کرتے ہیں :-

ایک نوجوان عورت بیان کرتی ہے : "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی غیر معروف گاؤں میں تھی - اور میں اپنے گھر جو "لکونو" (Liconow) یا "لکونور بے" (Liconor Bay) میں واقع ہے پہنچنے کے لیے بہت بے تاب تھی - لیکن وہاں نہ پہنچ سکی - جو نہی میں حرکت کرتی میرے راستے میں دیوار حایل ہو جاتی - گویا وہ گلی دیواروں سے ہی بھری ہوئی تھی - میری ٹانگیں پتھر جیسی بھاری تھیں - میں صرف بہت آہستہ آہستہ چل سکتی تھی - گویا میں بہت نحیف اور ضعیف العمر تھی - پھر وہاں بہت سے چوزے دکھائی دیے - لیکن یہ منظر شہر کی آباد گلی میں تھا - وہ چوزے میرے پیچھے دوڑے - اور ان سب میں سے بڑا چوزہ مجھ سے کچھ اس طرح سے مخاطب ہوا "میرے ساتھ تاریکی میں چلو" -

جب مریضہ کو اپنے خیالات "چوزوں" پر ارتکاز کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے مطلع کیا "میں صرف سب سے بڑے چوزے کو اچھی طرح دیکھ سکی - باقی تمام صاف دکھائی نہیں دیتے تھے - یہ غیر معمولی طور پر بڑا تھا - اس کی گردن بہت لمبی تھی - اور اسی نے مجھ سے بات کی ...... گلی وہی ہے - جہاں میں مدرسہ جایا کرتی تھی"...... پھر اچانک

* A. A. Brill : Psycho - Analysis (3rd. Edition - W. B. Saunders and Company) - ۴۹ - صفحہ

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا - اور قہقہہ مار کر کہنے لگی- "میرا مخالف صنف میں ایک رفیق تھا - ہم مدرسہ کے اوقات کے بعد ملا کرتے تھے - اور اکٹھے ھی گھر آتے تھے - وہ بڑا دبلا پتلا تھا - لڑکیاں اس کے متعلق مجھے تنگ کیا کرتی تھیں - جب بھی اسے آتا دیکھتیں ' مجھے کہتیں ' اچھی ! وہ ہے تمہارا چوزہ ' - لڑکوں میں وہ اس نام سے مشہور تھا " - عورت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب مدرسہ کے دن گذر گئے نوجوان " ن " نے تین دفعہ اسے پسند کیا - (شادی کا خواستگار ہوا) - لیکن وہ لیت ولعل کرتی رہی - خواب کے زمانہ کے دوران میں وہ امید کرتی تھی کہ پھر درخواست کی جاے گی - حالانکہ وہ شخص کسی اور عورت کی طرف مایل معلوم ہوتا تھا - عورت کا انکار اس کی قلیل آمدنی کی وجہ سے تھا - کیونکہ وہ غریب تھا - اور یہ کافی مالدار بن چکی تھی -

" برل " نے اس کی تعبیر یوں کی ہے - بڑا چوزہ مسٹر " ن " ہے - جب وہ کہتا ہے " میرے ساتھ تاریکی میں چلو " تو یہ نئی درخواست کی خواہش ہے کیونکہ " تاریکی " سے مراد ہے اندھیرا - " شادی " راز وغیرہ ... ... یہ کسی بیابان میں ہے - اور اپنے گھر " لکونور بے " جانے کے لئے بے تاب ہے - یعنی وہ شادی کرنے کی از حد خواہشمند ہے - لیکن یہ وہاں نہیں پہنچ سکتی - راستے میں دیوار حایل ہے - اور گلی دیواروں سے بھرپور ہے - (دیواروں والی گلی = مالی حالت کا خراب ہونا) -

یہ تعبیر عورت کے تلازم اختیاری سے کی گئی ہے - مثلاً " تاریکی " اندھیرا ' شادی ' راز وغیرہ وابستہ تھے - اس عورت میں جو عصبی

مرض کی خفیف علامات بھی موجود تھیں، تعبیر خواب سے بالکل مفقود ہو گئیں - میرے خیال میں یہ تعبیر قبول کیے جانے کے بالکل قابل ہے - اسی خواب پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فراڈ کے مقررہ اصولوں پر اس کی تعبیر نہیں کی گئی - ممتنع خواہش کی جز صنفیت میں ضرور ہے - لیکن بچپن کے مجموعہ میں نہیں - مجموعہ سن بلوغ سے تعلق رکھتا ہے - نیز یہ خواہش بھی بے شعور نہیں گو ایک حد تک ممتنع ضرور ہے - خواہشات اور خیالات، جن کا اظہار خواب میں کیا گیا ہے برل کے مطابق "وہ خیالات ہیں جو گذشتہ مہینوں میں خواب دیکھنے والے کے ذہن میں تلاطم برپا کر رہے تھے - اور جن کو — جیسے کہ وہ خود مانتی ہے — وہ بالکل فراموش کرنے میں کوشاں تھی" - فراڈ کے اصول یعنی "ممتنع طفلی صنفیت" سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا گیا -

فراڈ کا تمام خوابوں کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ یہ سب نیند کے محافظ ہوتے ہیں - یہ درست ہے کہ خواب بالعموم بیدار کرنے والے مہیج سے ہمیں محفوظ رکھتا ہے - لیکن بعض اوقات اس کا عمل بے کار ہو جاتا ہے - کیونکہ کبھی کبھی خواب ہمیں بیدار بھی کر دیتے ہیں - جیسے خوف و ہراس کے خواب - اسی سبب سے فراڈ کا یہ اصول عام نہیں قرار دیا جا سکتا - گو زیادہ تر یہ امر واقع ہے - فراڈ کی مقرر شدہ صنفی علامت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سب علامات جبلی ہیں - اور قوموں کی جبلی خاصیت ہیں - فراڈ خود ان کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ "قومی وراثت" ہیں - ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ بعض علامات اکثر صنفی نہیں ہوتیں - اگر یہ علامات جبلی ہوتیں تو ان کا تعلق اس زمانے سے ہوتا جب ہم عالیشان مکانوں کی بجائے غاروں میں رہا کرتے تھے - اور درندوں

کی طرح زندگی بسر کیا کرتے تھے - پھر ہم کس طرح مان سکتے ہیں کہ چھتری، مکان، سنگھار بکس، میز، صندوق، گرجہ، خنجر وغیرہ "قومی وراثت" ہیں - اور اس ایسے صنفی علامات ہیں ؟ - "بے شعوری" نے بعد میں آکر کیوں یہ علامات مقرر کردیں ؟ یا کس طرح یہ جبلی ہوگئیں؟ فراڈ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں- یہ بات بڑی قابل اعتبار نہیں کہ خواب کے متعلق تلازم اختیاری آخر کار صنفیت کی طرف لے جاتے ہیں- اگر یہ اس طرف لے بھی جائیں تو یہ تعبیر کرنے والے کے اثر کی وجہ سے ہے —

اس بحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ فراڈ کا نظریہ بعض حالات میں بالکل درست ہوتا ہے - خصوصاً عصبی مریضوں کے خوابوں میں- لیکن بعض اوقات یہ ایسا نہیں ہوتا - ہم تمام کے تمام خواب اس قانون سے کبھی بھی تعبیر نہیں کر سکتے —

میں نے اپنے دوستوں اور مریضوں کے خوابوں میں چند علامات ایسی دیکھی ہیں جن کو صنفی علامات کی تحت میں لایا جا سکتا ہے - یہ کافی تجربات کی بنا پر نتیجہ اخذ کیا گیا ہے- علامات مندرجہ ذیل ہیں :-

مباشرت : چارپائی پر کسی کے ساتھ لیٹے ہوئے دیکھنا - یا کپڑا اوڑھ کر سونا - یا کشتی لڑنا —

مرد کا عضو مخصوص : مولی، گاجر وغیرہ - ستون اور نجاروں کے تمام آلات -

عورت کا عضو مخصوص : پگڑی، بوٹ، چائے کی پیالیاں وغیرہ —

پیدائش : سورج، چاند —

موت : گڑھا کھودنا - مکان کی دیوار گرتے دیکھنا -

ڈاکوؤں کا مکان کو لوٹتے دیکھنا - پالکی پر کسی کو سوار دیکھنا۔

" خواب اور ان کی تعبیر "

خواب کی تعبیر مندرجۂ ذیل اقسام کی ہو سکتی ہے :-

(الف) مستقبل کے واقعہ سے آگاہ کرنا - یا کسی ایسے حال کے واقعہ سے مطلع ہونا جس کی جاے وقوع کوئی اور جگہ ہو - دوسری صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ " دماغیت " (Mentalism) کے قانون کے مطابق دو نفس آپس میں اتنے مربوط ہو جاتے ہیں کہ ایک نفس کے احساس اور جذبات کا اثر دوسرے نفس پر پڑنا ممکن ہے - یہ اثر کس طرح پڑتا ہے؟ اس کا جواب دینے کی یہاں گنجایش نہیں * - یہ بات اب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اثر پڑتا ضرور ہے - خواب میں بھی ایسے واقعات کا علم ہو جانا ممکن ہے جن کا اثر ایک دوسرے کے نفس پر پڑے - مکرمی دہوی صاحب فرماتے ہیں " کافی مدت گذری ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ ڈاکو ہمارا گھر لوٹ رہے ہیں - تیسرے دن خبر ملی کہ بھائی صاحب (یعنی میرے والد محترم) وفات پا گئے ہیں - مخصوص علامت سے بھی اس کی تشریح کی جا سکتی ہے - (ڈاکوؤں کا مکان کو لوٹنا = موت) اور دماغیت کے قانون سے بھی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ باہمی تعلقات کی بنا پر جذبات ظاہر

---

* ان اقسام کے سوالات سے دلچسپی لینے والے حضرات کو " وکٹر سکنو " کی نہایت ہی دلچسپ تصنیف " قانون دماغیت " (The Law of Mentalism) (American Institute of Mentalism Publishers) کی سفارش کی جاتی ہے -

نہ ہوں، باہمی تعلق جتنا زیادہ گہرا ہو اتنا ہی ایک نفس دوسرے سے متاثر ہو سکنے کی قابلیت رکھتا ہے - مجھے بھی چند ایک واقعات ایسے یاد ہیں جن سے اس اثر کا بخوبی پتا چل سکتا ہے - چند سال گذرے ہیں میں کسی گاؤں میں گیا ہوا تھا - دوسری صبح نہایت آرام سے گذر گئی - حسب خواہش رفیق مالے سے میرا دل بہت خوش تھا - لیکن اسی دن شام کو اچانک میری طبیعت سخت خراب ہو گئی - خوشی اور بشاشت بالکل کافور ہو گئی - کھانا پینا تو کجا - کسی سے بات کرنے کو دل نہ چاہتا تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی شدید صدمہ کی وجہ سے میرا دل سخت مجروح ہو گیا ہے - میزبان بھی مجھ میں یہ فوری تغیر دیکھ کر سراسیمہ تھا - لیکن جلد ہی اس سر بستہ راز کا علم ہو گیا - اس واقعہ کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد ایک آدمی آیا - جس نے اطلاع دی کہ میری چھوٹی ہمشیرہ طاعون میں مبتلا ہوکر دم توڑ رہی ہے - اور صرف چند گھڑیوں کی مہمان ہے - ایک گھنٹہ بعد میں وہاں پہنچ گیا - میرے وہاں پہنچنے کے صرف چند منٹ بعد میری دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہستی کی روح صرف چند ہی گھنٹے بیمار رہکر عالم فردوس کو سدھار گئی - اس واقعہ سے جو غائبانہ اثر مجھ پر پڑا کچھ تعجب کی بات نہیں - یہ محض اتفاق نہیں مجھے ایسے کئی واقعات کا ذاتی تجربہ ہے - نتیجتاً اگر حالت بیداری میں اس کا اثر پڑ سکتا ہے تو خواب میں ایسے واقعات سے متاثر ہونا کون سے اچنبھے کی بات ہے ؟

(ب) خواب بعض اوقات کسی خارجی مہیج کے رد عمل ہوتے ہیں - جیسے

"مارے" کے دلچسپ تجربات -

(ج) خواب کا مطلب الفاظ کی بناوٹ سے معلوم کیا جاتا ھے -

(د) تعبیر تاریخی ھوتی ھے - یعنی حافظہ کی مدد سے گذشتہ واقعات کے علم کی بنا پر تعبیر کی جاتی ھے - گذشتہ نمبر میں ایسے خواب درج کئے جاچکے ھیں - اور -

(ہ) مخصوص علامات سے اب اس تعبیر کو مختلف مثالوں سے واضح کیا جاتا ھے :-

(۱) ھیٹ مرد کے عضو تناسل کی علامت - (فراڈ کی ایک نوجوان مریضہ) :-

"میں بہار کے دنوں میں ایک کوچے سے گذر رھی ھوں - ایک عجیب قسم کا نیلیوں کا ھیٹ میرے سر پر ھے - اس کے درمیانی حصہ کا ابھار اوپر کی طرف ھے - اور دونوں طرفوں کے حصے نیچے کو لٹکے ھوے ھیں - اور ایک حصہ دوسرے سے زیادہ لمبا ھے - میں ھشاش بشاش ھوں - جب میں چند افسروں کے مجمع سے گذرتی ھوں میں اپنے آپ سے کہتی ھوں : تم میرا کچھہ نہیں بگاڑ سکتے" * -

فراڈ نے اس کی تعبیر یہ کی :- ھیٹ فی الواقع مرد کا عضو مخصوص ھے - یعنی ھیٹ کا درمیانی ابھار والا حصہ اور لٹکے ھوے دو حصے اس کی علامت ھیں - اور چونکہ وہ اپنے خاوند سے ھر طرح مطمئن تھی اس لیے افسروں کا اسے کچھہ خوف نہیں ھوا - یعنی اس کی کوئی خواھش ان سے وابستہ نہ تھی - تعبیر سن کر عورت کچھہ

---

* فراڈ "تعبیر خواب" - صفحہ ۳۴۱ —

عرصہ تک خاموش رہی - اور پھر قدرے جھجک کر کہنے لگی کہ اس کے خاوند کا ایک بیضہ دوسرے سے زیادہ لٹکا ہوا ہے - فراق سے اس نے یہ بھی پوچھا کہ کیا تمام مردوں میں یہی بات پائی جاتی ہے ؟ - اس کے اس خیال سے دونوں اطراف کے لٹکے ہوے حصے واضح ہیں —

(۲) چارلس باڈون کی ایک مریضہ کا خواب جو اس مضمون کے گذشتہ نمبر میں درج کیا جا چکا ہے —

تعبیر - ائتلاف اختیاری سے معلوم ہوا کہ صدر مریضہ کے اس طبیب کو ظاہر کرتا ہے جو اس کے زمانۂ حمل کے دوران میں علاج معالجہ کی غرض سے آیا جایا کرتا تھا - وہ نصیحت جو خواب کے اخیر میں صدر نے مریضہ کو کی اس علامت سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے - بعینہ اجنبی سے مراد آنے والا بچہ ہے - (جس طرح ہنگری یا اٹلی سے سوئزرلینڈ آنے والے کے لیے سرحد سے گذرنا پڑتا ہے اُسی طرح بچے کو پہلے پہل اس دنیا میں آنے کے لیے سرحد عبور کرنی پڑتی ہے - خواب میں اجنبی سرحد سے آیا ہے - یعنی بچہ دنیا میں وارد ہوا ہے) زخم اور خنجر درد زہ کی علامت ہیں - خون بہنا خون نفاس کی علامت ہے - جس سے وہ بہت ڈرا کرتی تھی - عجیب قسم کی تبدیلی سے زخم باپ پر منتقل ہو گیا ہے - اور عورت کی بجائے اس کا خاوند چارپائی پر پڑ گیا ہے - صدر یعنی طبیب اسے آنے والے خطرہ کے متعلق ہدایات دیتا ہے - مختصراً نوجوان عورت پیدائش کی تکالیف سے بہت خائف رہا کرتی تھی - وہ تباہی اور بربادی کی منتظر تھی - اس کا خوف درست نکلا - متوقع بچہ طبیب کے پہنچنے سے پہلے ہی آگیا - اور ماں کا خون کافی تعداد میں بہہ گیا -

(۴۳) اب میں اپنے ایک دوست کے خواب کی مفصل تعبیر کرتا ہوں -

میرے ایک نوجوان دوست (مسٹر زندانی) بیان کرتے ہیں :-

" میں ایک نل کے قریب برہنہ کھڑا ہوں - صرف پائجامہ پہنے ہوئے ہوں - ایک نوجوان عورت بھی وہاں موجود ہے - جو اپنا گھڑا پانی سے بھرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے - وہ مجھہ سے کہتی ہے کہ پانی نہیں نکلتا - میں فی الفور نل کی نیچے کی ٹوٹی کھول کر اپنے ہاتھہ دھوتا ہوں .... پھر وہ مجھہ سے اپنا گھڑا اٹھوانے کے لیے کہتی ہے - پہلے میں ارادہ کرتا ہوں کہ گھڑا اس کے سر پر رکھہ دوں - اب قریب ہے کہ میرا جسم اس سے چھو جائے - لیکن میں رک جاتا ہوں - لیکن وہ خود ہی میرے قریب آجاتی ہے - اور اس کا جسم مجھہ سے چھو جاتا ہے - میں اسے متنبہ کرتا ہوں کہ ایسا نہ کرو - مبادا ہمیں کوئی اس حالت میں دیکھہ لے" -

میرے دوست خواب کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دیتے - لیکن ان کی زندگی کے ایک حال کے واقعہ کا مجھے علم تھا - اس لیے ان واقعات اور علامات کی مدد سے میں نے خواب کی تعبیر یہ کی -

سب سے پہلے علامات ملاحظہ ہوں :- " برہنگی " - یہ بے شرمی کا مخصوص نشان ہے - " پائجامہ " سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے دوست بہت زیادہ بے شرم نہیں - بلکہ صرف معمولی - " نل " سے مراد عضو تناسل ہے - " نوجوان عورت اپنا گھڑا پانی سے بھرنے کی کوشش کرتی ہے " - وہ اپنی صنفی خواہش پوری کرنا چاہتی ہے - لیکن چند حالات کی وجہ سے وہ اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتی - (گھڑا = رحم، = عورت کا عضو مخصوص +

پانی سے گھڑا بھرنا = انزال = مباشرت = صنفی خواہشات پوری کرنا) -

" وہ مجھہ سے کہتی ہے کہ ... ... " یعنی ہماری خواہشات پوری ہوتی نظر نہیں آتیں - یا تو نل پانی ہی دینے کے ناقابل ہے - یا کسی وجہ سے پانی نہیں نکلتا - لیکن خواب دیکھنے والا دوسری ٹوتی (ٹوتی بمعنی تجویز) کو کھول کر اپنے " ہاتھہ دھوتا ہے " - اور اسے صنفی خواہش پوری کرنے کی ایک اور تجویز بتاتا ہے - وہ اسے کہتا ہے کہ صرف ایسا کرنے سے ہی تم اپنی خواہشات پوری کر سکتی ہو - جس طریقہ سے تم پانی (خواہشات پوری کرنا) لینے کی خواہشمند ہو یہ طریقہ موزوں نہیں - اس طرح سے تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتیں -

" گھڑا اٹھوانے ... ... " وہ اسے جواب دیتی ہے کہ اگر تمہارے خیال میں ایسی تدابیر مفید ہو سکتی ہیں تو تم میری مدد کیوں نہیں کرتے چلو مل کر یہ طریقہ اختیار کریں - میں اکیلی اس تجویز کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی - (گھڑا بھاری ہونے کے سبب مدد کی ضرورت ہے -) تمھیں میری مدد کرنا لازم ہے - (گھڑا = مہبل یا رحم + پانی = مباشرت -) وہ " ارادہ " کرتا ہے کہ اس کی مدد کرے - اور اپنی بتائی ہوئی تجاویز پر مل کر عمل کرے - لیکن جب " قریب ہے کہ اس کا جسم اس سے چھو جائے وہ رک جاتا ہے " - وہ عورت کی خواہش کے مطابق اس کی مدد کرنے کا ارادہ کرتا ہے - لیکن فوراً ہی اسے خیال آتا ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں - (غیر عورت کے جسم کو چھونا کہاں کی عقلمندی ہے ؟) - یہ میری بے عزتی کا باعث ہے - اگر کسی نے دیکھہ لیا تو غضب ہی ہو جائے گا - وہ رک جاتا ہے - اور مدد دینے سے انکار کر دیتا ہے - عورت بہت ہی بے تاب ہے - وہ خود ہی اس کے قریب

آجاتی ہے" - کیوں کہ عورت اسے دل سے چاہتی ہے - وہ چاہتی ہے کہ جس طرح بھی ہو خواہ ہماری بے حرمتی کا باعث ہی کیوں نہ ہو ہم اپنی خواہشات پوری کرلیں - اور اپنے ارمان نکال لیں کہ حسرت باقی نہ رہے - لیکن خواب دیکھنے والا پھر اسے متنبہ کرتا ہے - اور اسے کہتا ہے ذرا اس پر بھی تو غور کرو کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ میری بتائی ہوئی تجاویز پر عمل کرو صرت اس طریقہ سے ہم بے عزتی سے بچ سکتے ہیں —

خواب میرے دوست کے حال کے ایک اہم واقعہ کا انکشاف کرتا ہے - ایک نوجوان عورت اسے اپنا دل دے چکی تھی - یہ بھی اسے چاہتے تھے - لیکن ان کی محبت عورت کی محبت کے درجے تک نہیں پہنچی تھی - عورت اپنی صنفی خواہشات پوری کرنے کی از حد خواہش مند تھی - اور وہ ہر ممکن سے ممکن طریقہ استعمال کرنے کو بالکل تیار تھی - میرے درست گو ناجائز محبت میں مبتلا تھے (کیونکہ عورت شادی شدہ تھی) لیکن وہ اس کی خواہشات کے سبب اپنی بے عزتی کروانے کو ہرگز تیار نہ تھے - اس لئے وہ اپنا پیچھا چھڑانے کی خفیف سی کوشش بھی کرتے تھے - باوجود اس بے رخی کے وہ اپنی کوشش میں برابر مشغول رہی - وہ اپنی تجاویز کے مطابق عمل کرنا چاہتی تھی - جب ان کو پتہ چلا کہ وہ ان کی محبت میں سر شار ہے اور کسی نہ کسی دن ان کے پاس ضرور آجائے گی انھوں نے اسے سمجھایا کہ اتنی عجلت مناسب نہیں - کام آہستہ آہستہ سے ہوگا - بہتر یہی ہے کہ تم میری بتائی ہوئی تجاویز پر عمل کرو ورنہ تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتیں - لیکن عورت بھلا کب ماننے والی تھی -

اس نے اندھا دھند اپنا کام جاری رکھا - نتیجہ یہ نکلا کہ خود بھی بدنام ہوئی - اور ان کو بھی بدنام کیا - سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے کامیابی کا منہ دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا - اور وہ ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو گئی - آخری بار انہوں نے اسے کہہ دیا کہ یہ ہے نتیجہ میرے کہنے پر عمل نہ کرنے کا -

خواب میں یہی عورت کام کر رہی ہے - اور اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے - خواب کی تعبیر یہ ہے :-

خواب دیکھنے والے کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات ہیں - لیکن وہ بے عزتی کے خوف سے خواہشات پوری کرنا پسند نہیں کرتا - گو عورت سر توڑ کوشش کرتی ہے - آخر کار وہ اسے کہتی ہے اگر تمہارا رویہ یہی رہا تو ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے - وہ اسے ایک تجویز بتاتا ہے - اور زور دیتا ہے کہ صرف اسی ایک طریقہ سے کامیابی ممکن ہے - لیکن عورت جو محبت سے اندھی ہو رہی ہے اس کے کہنے کی کچھ پروا نہیں کرتی - بلکہ اسے مجبور کرتی ہے کہ اس کا ساتھ دے - وہ پہلے تو رضامند ہو جاتا ہے - لیکن جلد ہی سنبھل جاتا ہے اور انکار کر دیتا ہے - عورت بدستور اپنے کام میں مشغول رہتی ہے - اور اپنی خواہشات پوری کرنے کی از حد خواہش مند ہے -

خواب دیکھنے والا اس تعبیر سے متفق ہے -

(۴) اشخاص مرد کے عضو تناسل کی علامت اور وادی و جنگل وغیرہ عورت کے اعضائے مخصوص کی علامت - ایک نیچے طبقے کی عورت کا خواب (فراق) --

" .... پھر کوئی اچانک مکان کے اندر گھس آیا - اور

اس نے خوف کے مارے ایک سپاہی کو آواز دی (اس کا خاوند سپاہی تھا) لیکن سپاہی دو آدمیوں کے همراہ ایک گرجہ کی طرف چلا گیا - جس کے اندر داخل ہونے کے لئے چند سیڑھیاں باہر لگی ہوئی تھیں - گرجے کے پیچھے ایک پہاڑی تھی - اور اس کے اوپر گھنا جنگل - سپاہی خود اور زرہ وغیرہ پہنے ہوے تھا - اس کی داڑھی گھنی اور بھورے رنگ کی تھی - ان دو آدمیوں کا لباس، جو سپاہی کے همراہ نہایت خاموشی سے چل رہے تھے تھیلیوں کی مانند تھا جو ان کی کمر پر بندھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں - گرجہ سے ایک سڑک اس پہاڑی کی طرف جاتی تھی - اس سڑک کے دونوں طرف گھاس اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں - راستہ جوں جوں پہاڑی کے قریب ہوتا جاتا تھا جھاڑیاں زیادہ گھنی ہوتی جاتی تھیں - اور پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر یہ ایک خاصہ گھنا جنگل بن گیا تھا " -

علامات اس خواب میں بالکل واضح ہیں - مرد کا عضو تناسل تین اشخاص سے ظاہر ہوا ہے - گرجہ سے مراد عورت کا عضو مخصوص ہے - گرجے کی سیڑھیاں مباشرت کو ظاہر کرتی ہیں - پہاڑی سے مراد جبل الزہرہ (Mons Veneris) ہے - جنگل بھی عورت کے عضو مخصوص کی علامت ہے - کمر کی تھیلیاں انثیین ہیں - سڑک کے کنارے کی گھاس موے زہار ہیں - جو جبل الزہ کی طرف جاتے ہیں * -

(۵) صندوق مستورات کی علامت -

---

* فرائڈ : تمہیدی لکچر - ۱۹۲۹ ع —

خواب دیکھنے والا سفر کرتا ھے - اور اس کا اسباب گاڑی میں لدا ھوا اسٹیشن کی طرف جاتا تھا - وھاں بہت سے صندوق تھے - جو ایک دوسرے کے اوپر پڑے ھوے تھے - اور ان کے اوپر دو سیاہ رنگ کے بڑے صندوق - اس نے کسی سے کہا "یہ صرف اسٹیشن تک ھی جارھے ھیں" —

فی الحقیقت یہ شخص کافی اسباب کے ساتھہ سفر کر رھا تھا - سیاہ رنگ کے صندوق دو سیاہ عورتیں تھیں - جن سے وہ ان ایام میں دلچسپی لے رھا تھا - ان عورتوں میں سے ایک اس کا ساتھہ دینے کا ارادہ رکھتی تھی - لیکن طبیب کے مشورہ سے اس نے اسی عورت کو باز رکھا —

(۶) پستان کی علامت -

خواب دیکھنے والا اپنی ھمشیرہ کو دو سہیلیوں کے ھمراہ جو آپس میں سگی بہنیں ھیں دیکھتا ھے - وہ ان سہیلیوں سے مصافحہ کرتا ھے - لیکن اپنی ھمشیرہ سے نہیں کرتا —

ائتلاف اختیاری کے ذریعے اس کے خیالات اس زمانے میں چلے گئے جب وہ اکثر خیال کیا کرتا تھا کہ عورتوں کی چھاتیاں اتنی دیر میں نشو و نما کیوں پاتی ھیں - خواب میں دو بہنیں پستان کی علامت ھیں جن کے متعلق وہ اکثر سوچا کرتا تھا - اگر وہ اس کی بہن کی ملکیت نہ ھوتیں تو وہ یقیناً انہیں ھاتھہ لگا لیتا —

(۷) علامت موت - (فراق) -

خواب دیکھنے والا ایک بڑے اونچے لوھے کے پل سے گزر رھا ھے - دو آدمی اس کے ھمراہ ھیں - خواب ہی کی حالت میں وہ ان کے

نام جانتا تھا - لیکن بیدار ہونے پر بھول گیا - اچانک اس کے دونوں ساتھی گم ہو جاتے ہیں - ان کی بجائے اسے وہاں ایک بھوت دکھائی دیتا ہے - اس نے اسے پوچھا کیا تم تار رسان ہو ؟ - " نہیں " - کیا کاڑیْ بان ہو ؟ " نہیں " - پھر وہ چلا جاتا ہے - خواب میں اس پر خوف طاری تھا --

بیدار ہونے پر اس کا خیال تھا کہ پل ٹوٹ گیا تھا - اور وہ ندی میں گر پڑا تھا ---

(۸) ایک اور خواب کی تعبیر ملاحظہ ہو - جو چند لحاظ سے دلچسپ ہے ---

خواب دیکھنے والے کا چچا سگرٹ پی رہا تھا - اگرچہ یہ ہفتہ کا دن تھا ... ... ایک عورت خواب دیکھنے والے کے ساتھ کچھ اس طرح کھیل رہی تھی گویا وہ اس عورت کا بچہ ہے --

خواب کے پہلے عنصر کے متعلق خواب دیکھنے والے نے جو یہودی تھا مطالع کیا کہ اس کا چچا بہت ہی نیک ہے - جو ایسی غلطی کا آج تک مرتکب نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی ہوگا - خواب کے دوسرے عنصر کی عورت اس کی والدہ ہے - ان دونوں خیالات کا آپس میں تعلق ضرور ہے لیکن وہ کس طرح ؟ - خیالات آپس میں مل کر جملہ شرطیہ بناتے ہیں - ان کی تعبیر یہ ہو سکتی ہے "اگر میرا چچا جو کہ اپنے مذہب پر سختی سے پابند ہے اور ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا سبت کے دن سگرٹ پیئے گا تو مجھے بھی اجازت ہوگی کہ اپنی والدہ کی طرف رغبت کروں ---

مندرجۂ بالا مضمون سے یہ نہ سمجھہ لینا چاھئے کہ خواب کا مضمون بالکل مکمل ھوگیا ھے - اور تمام اقسام کے خوابوں کی تعبیران قوانین کی مدد سے کی جاسکتی ھے - حقیقت یہ ھے کہ تعبیر خواب کے متعلق ھمارا علم ابھی بہت ھی ناکافی ھے - اس بات کی اشد ضرورت ھے کہ خواب کے مختلف نظریوں کو جانچا جاے - بالخصوص اس نظریے کو جس کی رو سے خواب مستقبل کے واقعہ کو ظاھر کرتا ھے - قارئین کرام سے استدعا ھے کہ اس مسئلہ سے دلچسپی لیں - اور اگر ممکن ھو تو راقم الحروف کو اپنے خیالات اور تجربات سے مطلع فرماویں -

خطبۂ صدارت

سائنس میں انقلاب

جدید طبیعیات چھہ بعدوں کا پتہ دیتی ہے

از

(سر جیمس جینس)

[نوٹ :- سر جیمس جینس نے جو ایک مشہور ریاضی داں اور ماہر فلکیات ہیں برطانوی انجمن ترقیء سائنس کے اجلاس منعقدہ ابرڈین کا افتتاح ۴ ستمبر سنہ ۱۹۳۴ ع کو کیا - انھوں نے اپنے خطبہ میں اس امر پر زور دیا کہ جدید طبعیات فلسفیانہ تصوریت (Idealism) کی جانب رخ کررهی ہے - زمان اور مکان فطری حقائق نہیں ہیں بلکہ وہ ہمارے خود ساختہ محض دماغی ڈھانچے ہیں - سر جیمس نے یہ بتلایا کہ جدید موجی تصویر ہم پر ظاہر نہیں کرتی کہ یہ موجیں ہمارے عام فطرت کا اظہار ہیں - بلکہ وہ اپنے وجود میں خود فطرت ہیں]

سائنس دانوں کا رجوع فلسفہ کی طرف

بتاریخ ۴ ماہ ستمبر بمقام ابرڈین برطانوی انجمن ترقی سائنس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ سال حال کے صدر سر جیمس ایچ جینس نے جو سائنس کے مشہور مضمون نگار ہیں، جلسہ کی روئداد کا آغاز ایک خطبہ سے کیا جس کا موضوع طبعیات جدید کی نئی عالمی تصویر (New World Picture of Modern Physics) ہے۔

اپنے خطبہ کے دوران میں سرجیمس نے کہا کہ ٹھیک نصف صدی قبل یہ کرسی نظری طبیعیات کے ماہر لارڈ ریلے آنجہانی کی ذات سے مزین تھی۔ اس دوران میں سائنس کی اصلی عمارت میں اس قدر ترقیاں ہوئی ہیں کہ عمارت کا پہچاننا مشکل ہے۔ یہ ترقیاں بہ لحاظ وسعت، شوکت اور حسن کے رفتہ رفتہ ہوئی ہیں۔ کیوں کہ کام کرنے والوں کی ایک پوری فوج کی فوج مصروف عمل رہی ہے، جس نے درجہ پر درجہ منزل پر منزل اور کلس پر کلس اضافہ کئے ہیں۔ بایں‌ہمہ ایک نظری طبعیات داں کو اس امر کے بلا تکلف مان لینے پر مجبور ہونا پڑے گا کہ اس کا شعبہ اس عمارت کے مثل ہے جو زلزلے کے جھٹکوں سے کھنڈر بن گئی ہو۔

اِنہدام عمارت

زلزلے کے جھٹکے یقیناً نئے مشاہدہ کردہ واقعات ہیں۔ عمارت اس لئے منہدم ہو گئی کہ وہ محقق واقعات کی ٹھوس بنیادوں پر قائم ہونے کی بجائے ظن اور قیاس کی ہمیشہ بدلنے والی ریت پر قائم تھی۔ درحقیقت یہ مجسموں کی نمائش کاہ سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی کیوں کہ قدیم طبعیات دانوں کو اجزاء فطرت کو بلیرڈ کے گولوں اور گھومتے ہوے لٹوؤں وغیرہ سے تشبیہ دینے میں بڑا لطف آتا تھا۔ ان کا مفروضہ تھا کہ انسان کے عالم وجود میں

آنے سے لکھوکھا برس پہلے فطرت موجود تھی اور اپنے راستہ پر گامزن تھی - ساتھہ ھی اس کے وہ یہ بھی مانتے تھے کہ سب سے آخر میں نفس (Mind) نے ظہور کیا - اگرچہ یہ نفس اپنی حدود اور احساسات سے باھر نہ جاسکتا تھا تاھم وہ یقین رکھتے تھے کہ یہی نفس اپنے محدود تجربے کے باوجود ان امور کی توجہ کرسکے گا جو ازل سے موجود چلے آتے ھیں- یہ گویا فطرت سے زائد از ضرورت توقعات کا قائم کرنا تھا، جیسا کہ اس کی عمارت کے اِنہدام سے ظاھر ھورھا ھے - فطرت نفس انسانی کی پابندیوں کا اتنا لحاظ نہیں کرتی - اس کی صداقتیں صرف تمثیلوں ھی سے منکشف ھو سکتی ھیں - تاھم کوئی تمثیل اپنی پوری وسعت کے باوجود ان واقعات کا ساتھہ نہیں دے سکتی جس کی وہ توجہ کرنا چاھتی ھے - کسی نہ کسی مقام پر یا تو وہ بہت وسیع ھوگی یا بہت محدود - پس صداقت محض تمثیلوں کے ذریعہ پیش نہیں کی جاسکتی - قدیم طبعیات دانوں کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ وہ حقیقی صداقت اور تمثیلوں کی نیم صداقت کے مابین امتیاز کرنے سے قاصر رھے —

خارجی عالم کا علم طبعی سائنس کو صحیح پیمائشوں کے ایک سلسلہ سے حاصل ھوتا ھے جو حقیقت کے اعتبار سے صحیح تر ھے - اس قسم کی مثال یہ ھے کہ ھائیڈروجن کے طیف (Spectrum) میں خط کا طول موج (Wave-length) اتنے سمر ھے- اس کے کوئی معنے نہیں جب تک کہ ھم کو یہ نہ معلوم ھو کہ "سمر" کیا ھے - جوں ھی کہ ھم سے یہ کہا جاتا ھے کہ یہ زمین کے نصف قطر کی فلاں کسر ھے یا پلاٹینم کی ایک سلاخ میں ایک خط کے طول کی کسر یہ ھے، یا کیڈمیم (Cadmium) کے طیف کے طول موج کا فلاں ضعف ھے تو ھمارا علم حقیقی ھو جاتا ھے- لیکن ساتھہ ھی ساتھہ

وہ ایک محض عددی تصور ہوجاتا ہے۔ ہمارے نفس صرف انہیں اشیا سے واقف ہیں جو ہمارے اندر ہیں۔ اشیاے خارج سے وہ واقف نہیں۔ بناء بریں ایک سہر یا ایک طول موج جیسی کسی شے کی اصل حقیقت کو ہم نہیں جان سکتے' جن کا وجود اس خارجی دنیا میں ہے' جس میں ہمارے نفوس نفوذ نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم ایک ہی جنس کی دو مقداروں کے عددی تناسب کو معلوم کر سکتے ہیں خواہ انفراداً وہ دونوں ناقابل فہم ہی کیوں نہ ہوں —

ریاضیاتی تصویر

اسی لیے خارجی دنیا کے متعلق ہمارا علم ہمیشہ عددوں پر مشتمل ہوگا۔ اور کائنات کی جو تصویر ہم کھینچیں گے وہ لازماً ریاضیاتی شکل میں ہوگی۔ تصویر کی تمام مادی تفصیلات' سیب' ناشپاتی' اور اننناس' اثیر (Ether) جوہر اور برقیے (Electrons) یہ صرف ایک لباس ہیں جن سے ہم نے اپنی ریاضیاتی علامتوں کو ملبوس کر رکھا ہے۔ فطرت سے اِن کا تعلق نہیں۔ بلکہ اُن کا تعلق ان تمثیلوں سے ہے جن کے ذریعہ ہم فطرت کو قابل فہم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید کرونکر (Kronecker) کا قول ہے کہ حساب میں خدا نے صرف اعداد صحیح پیدا کئے اور باقی سب کچھہ انسان نے داخل کیا ہے۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ طبعیات میں خدا ریاضی کا خالق ہے اور انسان نے بقیہ کی تکمیل کی۔ جدید طبعیات داں اس طرح کی زبان استعمال نہیں کرتا لیکن اس کے مضمرات کو تسلیم کرکے وہ طبعیات کے مفہومات کو مشاہدہ پذیر (Observables) اور غیر مشاہدہ پذیر (Unobservables) میں تقسیم کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ مشاہدہ پذیر' واقعات مشاہدہ ہیں اور اس لیے

اپنی ماہیت میں خالصتاً عددی اور ریاضیاتی ہیں۔ غیر مشاہدہ پذیر، تمثیلات کی مصورانہ تفصیلات ہیں —

طبعیات داں اپنی جدید عمارت کو زلزلہ گریز (Earthquake Proof) بنانا چاہتا ہے۔ یعنی کہ وہ جدید مشاہدات کی زد سے بچی رہے۔ اس لیے وہ اپنی عمارت واقعات کی ٹھوس چٹان پر ٹھوس اینٹوں سے بنانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تعمیر میں صرف مشاہدہ پذیروں سے کام لیتا ہے۔ پس اس کی عمارت ریاضیات اور اس کے ضوابط پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف انسان کی ساختہ پرداختہ آرائش و زیبائش ہے —

زمان اور مکان

اسی لیے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمان اور مکان کو ہم حقایق فطرت میں نہیں شمار کر سکتے۔ اور اضافیت کا عام نظریہ یہ بتلاتا ہے کہ ان دونوں کے حاصل ضرب یعنی مکانی و زمانی سلسلہ (Space-time Continuum) کا بھی یہی حال ہے۔ ہم جتنا چاہیں اس کو مسلیں، مروڑیں یا بگاڑیں یہ رمق بھر بھی اپنی فطرت سے الگ نہ ہوگا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ خود فطرت کا جز نہیں۔ اس طرح زمان اور مکان اور ان کا حاصل ضرب سب کے سب ہمارے ذہنی چوکھٹے ہیں، جن کو ہم نے بنا رکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ چوکھٹے بہت اہم ہیں، کیوں کہ ان ہی چوکھٹوں کی بدولت ہمارے دماغ دنیائے خارج کا علم حاصل کرتے ہیں۔ یہ علم ان پیاموں کی صورت میں حاصل ہوتا ہے جو ہمارے حواس بھیجتے رہتے ہیں۔ ان حواس تک یہ پیام تصادم کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ یا پھر برقی مقناطیسی معیار حرکت (Momemtum) کے توانائی کے انتقال کے ذریعہ —

جب جغرافیہ ان تمام خصوصیات کو شامل نہیں کر سکتا جن کو ہم صرف ایک ہی نقشہ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر وہ ہمیں ایک سے زائد نقشے مہیا کر دیتا ہے - نظری طبعیات کی بھی یہی حالت ہے - چنانچہ اس نے بھی ہم کو دو نقشے دیے ہیں - جن کو عرف عام میں ذراتی تصویر (Particle picture) اور امواجی تصویر (Wave Picture) کہتے ہیں -

قدیم تصویر

ذراتی تصویر ایک مادیاتی تصویر (Materialistic picture) ہے جو ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے عالم کو ایک ایسے نقشے کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں جیسے کہ زمان اور مکان میں مادہ کا وجود پایا جاتا ہے - امواجی تصویر ایک جبری (Determinist) تصویر ہے جو ان اشخاص کے لیے ہے جو یہ سوال کرتے ہیں کہ " اس کے بعد کیا ہونے والا ہے " - ان دونوں تصویروں کو ذراتی تمثیل (particle-parable) اور امواجی تمثیل (Wave parable) کہنا بہتر ہوگا - کیونکہ ان کی حقیقت بھی ایسی ہی ہے اور اس تسمیہ سے ہمیں اس امر سے آگاہی ہوتی ہے کہ تضاد اور تناقض پر ہمیں متحیر نہ ہونا چاہیے -

ذراتی تمثیل جو پہلے معرض ظہور میں آئی ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ کائنات مادی ایسے ذرات پر مشتمل ہے جو زمان اور مکان میں موجود ہیں - اس کی تخلیق کیمیا دانوں اور تجرباتی طبعیات دانوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے - ان کے کام کی بنیاد کلاسیکی (Classical) طبعیات پر تھی - اس پر آزمائش کا وقت ۱۹۱۳ ع میں آیا جب کہ بور (Bohr) نے اس امر کو معلوم کرنے کی کوشش کی کہ آیا ہائڈروجن کے جوہر کے دو ذرے اپنی حرکت سے ہائڈروجن کا نہایت پیچیدہ طیف پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں - اس کو ایک ایسی حرکت کا پتہ چلا

جو اس طیف کو مع اس کی تفصیلات کے پیدا کرسکتی ھے - لیکن اس کی جنبش نیوٹنی میکانیات کے خلاف تھی - برقیے مسلسل طور پر زمان اور مکان میں حرکت نہیں کرسکتے تھے بلکہ جست کرتے تھے اور ان کی یہ جستیں میکانیکی اصول کے تابع نہ تھیں - بلکہ بظاھر ایسا معلوم ھوتا تھا جیسا کہ آئین سٹائن (Ein stein) نے چار سال بعد مکمل طور پر ثابت کیا کہ وہ کلیات احتمال (Laws of Probability) کے تابع ھیں - ایک ھی جیسے ۱۰۰۰ جوھروں میں سے احتمال یہ ھے کہ صرف ۱۰۰ جست کریں گے اور ۹۰۰ نہ کریں گے - جست سے پہلے کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے معلوم ھو کہ کونسا جوھر جست کرنے والا ھے - اس لئے ذری تصویر اس سوال کا جواب مہیا کرنے سے قاصر رھی کہ "اس کے بعد کیا ھوگا" -

موجی تمثیل کی امواج انفرادی برقیوں کا نقشہ پیش نہیں کرتیں - بلکہ برقیوں کے ایک گروہ یا اژدھام کا نقشہ پیش کرتی ھیں مثلاً وہ برقیے جن پر برق کی ایک رو مشتمل ھوتی ھے -

اس خاص مثال میں امواج کو ھم مکان میں سے گزرتا ھوا تصور کرسکتے ھیں - سوائے اس کے کہ یہ موجیں مختلف رفتار سے چلتی ھیں، دیگر امور کے لحاظ سے یہ موجیں بہت کچھ ان موجوں کے مشابہ ھیں جن کی مدد سے میکسول نے مکان میں اشعاع کے بہاؤ کو بیان کیا تھا - اس لئے مادہ اور اشعاع قدیم طبعیات کے مقابلہ میں نئی طبعیات کی رو سے ایک دوسرے سے بہت مشابہ ھوے —

چھہ بعد

دوسری صورتوں میں معمولی زمان اور مکان موجی تصویر کے لئے کوئی اچھی زمین ثابت نہیں ھوتے - برق کی دو روؤں کی موجی تصویر یا آزادانہ حرکت کرنے والے دو برقیوں کی موجی

تصویر کو اس سے بھی بڑی زمین کی ضرورت ہے یعنی اس زمین میں چھہ بعد مکان کے اور ایک بعد زمان کا ہونا چاہیے۔ ان چھہ بعدوں میں سے کسی تین خاص بعدوں کو معمولی مکان سمجھنے کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں موجی تصویر کو مکان سے خارج سمجھنا چاہیے۔ پوری تصویر اور مکان کے متعدد ابعاد جن میں کہ وہ کھینچی جاتی ہے، حقیقت میں خاص ذہنی عمارتیں ہیں۔ یعنی وہ شکلیں اور ڈھانچے ہیں جو ہم نے مظاہر کے سمجھنے کے لیے تیار کیے ہیں —

اس طرح ہم کو دو برابر کی تصاویر حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تو ذری تصویر جو مادہ پرستوں کے لیے ہے اور دوسری موجی تصویر جو ..... کے اغراض کو پورا کرتی ہے —

موجی تصویر اور ذری تصویر میں اس طرح امتیاز کیا جا سکتا ہے کہ موجی تصویر میں کسی نقطہ پر موجیں جتنی زیادہ متلاطم ہوں گی انتاہی امکان اس امر کا زیادہ ہوگا کہ ذری تصویر میں اس نقطہ پر ایک ذرہ ہو۔ بایںہمہ اگر ذرے فی الواقع لفظوں کی صورت میں موجود ہوتے اور موجیں مکان کے مختلف نقطوں پر ان کے وجود کے احتمالات بتلاتیں جیسا کہ گیس کے سالموں کے لیے میکسول کا کلیہ بتلاتا ہے تو گیس کو مسلسل طیف پیدا کرنا چاہیے۔ حالانکہ مشاہدے میں صرف خط وار طیف (Line spectrum) آتا ہے —

اب ہم اپنے دعوے کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ برقیہ ایک نقطائی ذرہ (Point Particle) نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کو ہم ایسا ہی تصور کیے جائیں تو موجیں مکان کے مختلف نقطوں پر اس کے وجود

کی اضافی مناسبتوں کو بتلائیں گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ مناسبت کس کی اضافت سے ہو گی۔

برقیہ

اس کا جواب یہ ہے کہ خود ہمارے علم کی اضافت سے۔ اگر ہم برقیہ کی نسبت صرف اتناهی جانیں کہ وہ موجود ہے۔ بنا بریں مکان میں اس کی موجیں یکسانیت کے ساتھہ پھیلیں گی۔ تجربہ پر تجربہ کرتے چلے جائیں تو اس کی موجوں کی وسعت بہت محدود ہو جائے گی، لیکن ہم اُن کو گھٹاتے گھٹاتے نقطہ نہیں بنا سکتے۔ فی الحقیقت ایک حد اقل سے نیچے ہم ان کو نہیں لے جا سکتے۔ ہمیشہ موجوں کا ایک معین رقبہ چھوٹ جاتا ہے۔ جو موجیں چھوٹ جاتی ہیں وہ صحت اور قطعیت کے ساتھہ ہمارے علم کو بیان کرتی ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ برقیے کے محل کے متعلق ہمارے علم کی موجیں ہیں، اور شاید یہ کہنا بہتر ہو کہ وہ ہمارے علم کے نقائص کی موجیں ہیں —

ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم موجوں کے ایک ایسے نظام سے بحث کر رہے ہیں جو اجزائے عالم کے متعلق ہمارے علم کو ایک ترسیمی طریقے پر پیش کرتا ہے۔ مرکزی خیال یہ ہے کہ موجی تمثیل یہ نہیں بتلاتی کہ یہ موجیں ہمارے علم فطرت کی تصویر ہیں۔ بلکہ وہ یہ بتلاتی ہے کہ یہی موجیں عین فطرت ہیں۔

قدیم طبعیات کا موضوع ایک خارجی فطرت تھا جس کا وجود اس کا ادراک کرنے والے دماغ کا تابع نہیں تھا۔ اور فی الحقیقت اس کا وجود ازلی ہے۔ چاہے کوئی اس کا ادراک کرے یا نہ کرے۔ یہ حالت اب بھی قائم ہوتی، اگر طبعیات دانوں کے مشاہدہ کردہ برقیہ کا برتاؤ ویسا ہی ہوتا جیسا کہ اس کو ہونا چاہیے تھا۔

جدید طبعیات کا وجود میں آنا

لیکن برقیے کا برتاؤ ایسا نہیں تھا - اسی امر نے جدید طبعیات کی بنیاد ڈالی جس کی بدولت یہ دعوی معرض ظہور میں آیا کہ جس فطرت کا ہم مطالعہ کرتے ہیں وہ اِدراک کردہ اشیا کے بجاے ہمارے اِدراکات پر مشتمل ہے- وہ خارجی ذہنی علاقے کا خارجی جز نہیں ہے بلکہ خود علاقہ ہے- فی الحقیقت خارجی اور ذہنی میں کوئی واضح تفریق نہیں ہے- یہ دونوں مل کر ایک غیر منقسم مجموعہ بنتے ہیں- یہی اب فطرت ہے- اس دعوے کی آخری صورت ہی موجی تمثیل ہے- جس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فطرت عام طور پر موجوں پر مشتمل ہے- ان موجوں کی عام نوعیت ہمارے دماغوں میں علم یا عدم علم کی موجوں کی سی ہے —

اگر گریز کی اجازت ہو تو یہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم پر موجوں کی اصلی نوعیت منکشف ہوتی ہے تو یہ موجیں ایسی شے پر مشتمل ہوں گی جو پہلے ہی سے ہمارے دماغوں میں موجود ہے- اب علم اور عدم علم جتنا اس معیار پر پورا اُترتے ہیں اتنا کوئی اور چیز نہیں اُترتی- چنانچہ اثیری امواج تو قطعاً نہیں اُترتیں- بادی النظر میں یہ خیال عجب اور دور از حقیقت معلوم ہوتا ہے کہ فطرت بالآخر ایسی شے پر مشتمل ہو جس کو ہم سمجھ سکتے ہیں- لیکن یہ عقدہ ہمیشہ یوں حل ہو سکتا ہے کہ خارجی دنیا اصلاً اس نوعیت کی ہے جس نوعیت کے ہمارے ذہنی تصورات ہوتے ہیں —

بیش ازیں نیست کہ ان خیالات کو پادر ہوا کہا جاے گا یا یہ کہا جاے گا کہ یہ سب بے عقلی کی باتیں ہیں اور بدیہی ہیں- میں

بھی اسی خیال کی تائید کرتا، لیکن کیا کیا جائے کہ مشاہدہ بین طور پر بغیر کسی پس و پیش کے جدید طبعیات کی موجی تصویر کی تائید کرتا ہے - جب کبھی ذراتی تصویر اور امواجی تصویر میں تصادم واقع ہوا ہے تو مشاہدہ نے ذراتی تصویر کی تکذیب اور امواجی تصویر کی تصدیق کی ہے - اور یہ لحاظ رہے کہ یہ تصدیق فطرت کے متعلق ہمارے علم کی تصویر کے طور پر نہیں ہے، بلکہ خود فطرت ہی کی تصویر ہے - ہمارے ذہن مادہ پرستانہ خیالات کے اس قدر عادی ہیں کہ ذراتی تصویر اس رعایت سے باقی ہے - لیکن وہ واقعات پر ٹھیک ٹھیک منطبق نہیں ہوتی - اور جہاں تک ہمارے موجودہ علم کی رسائی ہے واقعہ یہ ہے کہ امواجی تصویر فطرت کی حقیقت سے بہت قریب ہے —

تاریخ انسانی کی ابتدا سے انسان اپنی نااہلیت کے نتائج کو تقدیر کے سر تھوپتا چلا آرہا ہے - ذری تصویر تقدیر کو اور زیادہ طاقتور اور زیادہ استوار دکھلاتی ہے - یعنی اس کا ہاتھ نہ صرف تمام انسانی معاملات میں ہے بلکہ کائنات کے ہر جوہر پر بھی اس کا عمل جاری ہے - جدید طبعیات نے اس میکانی ——— سے پیچھا چھڑا لیا - لیکن اس کو فطرت کی یکسانیت کے اُصول سے بڑی ہاتھ دھونا پڑا —

میری دانست میں کوئی سنجیدہ سائنس داں اس خیال کو آخری اور قطعی نہیں مانتا - کم از کم میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں - میرے خیال میں کسی کھڑکی کے میلے شیشے پر روشنی کی ایک شعاع کے وقوع کی تمثیل سے یہ غلطی واضح ہوجاتی ہے - ہائزن برگ (Heisenburg) کی ریاضیاتی مساوات اس امر کو بتلاتی ہے کہ نور کی ایک شعاع

کی توانائی ہمیشہ قدریوں (Quanta) کا صحیح ضعف ہوتی ہے۔ اسی کی مشاہداتی تائید ہم کو ضیا برقی (Photo- Electric) اثر میں ملتی ہے۔ جس میں جواہر کا نقصان ہمیشہ سالم قدریوں میں ہوتا ہے —

یہ اکثر بصورت تمثیل بیان کیا جاتا ہے ۔ تمثیل اس امر کو بتلاتی ہےکہ نور نوری ذرات پر مشتمل ہے۔ جنکو ضیائیہ (Photons) کہتے ہیں۔ ہر ضیائیہ میں توانائی کا ایک ہی قدر یہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے روشنی کی شعاع گویا ضیائیوں کی ایک بوچھار ہوتی ہے۔ جیسے کسی مشین گن سےگولیوں کی بوچھار ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جوہروں میں سالم قدریوں کا کیوں کر نقصان ہوتا ہے —

میلی کھڑکی

جب ضیائیوں کی ایک بوچھار ایک میلی کھڑکی کے شیشوں پر پڑتی ہے تو بعض ضیائیے گرد میں پھنس جاتے ہیں اور بقیہ بچ کر نکل جاتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خوش قسمت ضیائیے کس طرح منتخب ہیں؟ ۔ اس کا صاف اور سطحی جواب یہ ہوگا کہ یہ ان کی قسمت پر منحصر ہے ۔ یہ وہی جواب ہے جو نیوٹن نے نور کے جسمیوں (Corpuscles) کے متعلق کہا تھا ۔ لیکن ہم کو معلوم ہے کہ یہ جواب تشفی بخش نہیں ہے بلکہ صرف سطحی ہے —

بینک میں ہماری سلک پنس کی ایک صحیح تعداد کی شکل میں موجود ہوتی ہے لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سلک پنسوں کا ایک ڈھیر ہے ۔ ایک بچہ اس کو دیکھے تو شاید ایسا ہی سمجھے اور اپنے باپ سے سوال کرے کہ یہ کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو کرایہ میں کون سے پنس دینا چاہیے۔ اس کا باپ جواب دےسکتا ہےکہ محض "اتفاق"۔ یہ جواب مہمل ہے۔ لیکن اتنا ہی جتنا کہ سوال ۔ ہمارا سوال کہ یہ کس

طرح معلوم ہو کہ کون سے ضیائیے بچ کر نکل جائیں گے - اگر فطرت ہم کو یہ جواب دے کہ محض "اتفاق" تو یقیناً یہ جواب ہمارے جہل کے لحاظ سے ہوگا - ایسی تمثیل جو اشعاع کے بجائے شناخت پذیر ضیائیے پیش کرے، اس کو بھیڑ بکریوں میں تمیز کرنے کے لیے بخت اتفاق ہی کی ضرورت ہے - خود ضیائیوں کی طرح بخت اور اتفاق بھی ایک تصویری تفصیل ہے - ضیائیوں کی بوچھار کی حیثیت سے اشعاع کی تصویر ترک کردیں تو اس کا لازمی نتیجہ جبر کو تسلیم کرنا ہے - یہی کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب ہم ذراتی ضیائیوں کی جگہ ذراتی برقیوں کو دے دیں —

جبر

بنا بریں ذراتی تصویر کے اعتبار سے اختیار (Indeterminism) بظاہر ہمارے دماغوں میں ہے نہ کہ فطرت میں - بہر حال یہ تصویر نامکمل تصویر تصور کی جائے گی کیوں کہ یہ واقعات مشاہدہ کی تعبیر سے قاصر ہیں - موجی تصویر میں جس کی تصدیق ہر معلوم تجربے سے ہوتی ہے بالکلیہ جبر کا رنگ ہے —

ہم پھر اس امر کو محسوس کرتے ہیں کہ جدید طبعیات قدیم سے کچھ بھی بہتر نہیں ہے کیوں کہ اس نے ایک "جبر" کو ہٹا کر دوسرا "جبر" پیدا کردیا ہے - بے شک، لیکن ہر دو جبروں میں زمین آسمان کا فرق ہے - کیوں کہ قدیم طبعیات میں نفس مدرکہ کی حیثیت ایک تماشائی کی تھی اور جدید طبعیات میں اس کی حیثیت ایک اداکار کی ہے - اب فطرت کو نفس مدرکہ سے علحدہ کوئی بند نظام نہیں سمجھا جاتا - اب مدرِک اور مدرَک ایک ہی منفرد نظام کے متعامل حصے ہیں - موجی تصویر جس فطرت کو پیش کرتی ہے وہ

کسی نہ کسی طریقے پر ہمارے نفوس (Minds) اور بے جان مادہ دونوں پر مشتمل ہے - اشیا میں تغیر اب بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے مجبور ہیں - لیکن اب یہ محال نظر نہیں آتا کہ اس مجبور کرنے والی قوت کی ابتدا ہمارے نفس میں بھی ہو سکتی ہے —

جدید طبعیات میں جو "جبر" ہے وہ موجوں کا ہے اور اس لیے بالآخر علم کا - جہاں ہم سے تعلق نہیں ہوتا وہاں ہم کہتے ہیں کہ ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ ہوتا ہے - لیکن جہاں ہم سے تعلق ہے وہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ علم کے بعد علم آتا ہے - بایں‌ہمہ یہ علم بھی احتمالات کا ہے نہ کہ تیقنات (Certainties) کا - بہت سے بہت یہ ایک مندرس سی تصویر اس صاف حقیقت کی ہے جس کو ہم اس کے نیچے مستور سمجھتے ہیں - اسی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے کہ موجی تصویر کے 'جبر' کی ابتدا حقیقت مستور میں ہے یا نہیں - کیا فی الحقیقت ہمارا نفس اس کو تبدیل کر دیتا ہے جو کہ حقیقت میں واقع ہوتا ہے - یا یہ کہ ہمارا نفس ہمارے زاویۂ نظر کو بدل دیتا ہے اس لیے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے - ہم اس کو نہیں جانتے - اور چونکہ میں یہ نہیں جانتا کہ ہمارے جاننے کا ذریعہ ہی کیا ہو سکتا ہے' اس لیے میرے نزدیک اختیار (Free Will) کا مسئلہ ابدالآباد تک بے نتیجہ بحثوں کا موضوع بنا رہے گا -

جدید طبعیات نے یہ نہیں کیا ہے کہ اس طویل المدت مسئلہ پر کوئی قول فیصل دیا ہو - بلکہ اس نے صرف یہ کیا ہے کہ ایسے دروازہ کو دوبارہ کھول دیا ہے جس کو قدیم طبعیات نے بند کر دیا تھا - ہماری جبلت میں یہ اعتقاد موجود ہے کہ ہم اپنی غذائیں خود

منتخب کرسکتے ہیں اور اپنے آپ کو نقب زنی یا قتل سے روک سکتے ہیں - نیز یہ کہ اپنے ارادہ سے اپنے "اختیار" کو وسیع تر کرسکتے ہیں -

ممکن ہے کہ ہم اس میں غلطی پر ہوں - قدیم طبعیات کا نقطۂ نظر یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہم ہی غلطی پر ہیں اور ہمارا اختیار محض ایک فریب ہے - جدید طبعیات کا یہ قول ہے کہ ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو —

قدیم طبعیات نے کائنات کا جو نقشہ پیش کیا اس سے تو کائنات بجائے کسی مسکن کے قید خانہ معلوم ہوتی تھی - جدید طبعیات ایسی عمارت کا نقشہ پیش کرتی ہے جو یقیناً وسیع تر ہے، اگرچہ ممکن ہے کہ اس کے اندرونی دروازے کھلے ہوں یا بند ہوں - اس کے متعلق ہم کچھہ نہیں کہہ سکتے - لیکن ہم کو یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید اس عمارت میں ہمارے اس اختیار کی جگہہ ہو جس کو یقین کرتے ہیں کہ ہم میں ہے - کم از کم اس میں اتنا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ہم واقعات کو اپنے منشاء کے مطابق ڈھال سکیں اور جذبات، ذہن اور کوشش کی زندگی بسر کریں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ عمارت انسان کی سکونت کے لیے موزوں ہو اور محض جانوروں کی پناہ گاہ نہ ہو -

مسئلۂ اصطلاحات

جدید طبعیات متعدد فلسفی نتائج کی حامل ہے - لیکن ان کو الفاظ میں بیان کرنا ایک دقت طلب بلکہ ناممکن امر ہے - ان نتائج کو ایسے مختصر اور خوبصورت جملوں میں نہیں بیان کیا جاسکتا جیسے کہ سائنس والے پسند کرتے ہیں —

مثلاً یہ کہ "مادہ پرستی فنا ہوگئی" یا یہ کہ "مادہ کا وجود باقی نہیں رہا" - امر واقعہ یہ کہ مادہ پرستی اور مادہ دونوں کو

نئے علم کی روشنی میں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت ھے - جب یہ ھوچکا تو مادہ پرست کو اپنے لیے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ جس مادہ پرستی کی اجازت سائنس دیتی ھے وہ مادہ پرستی ھے بھی یا نہیں - اور پھر مادہ جتنا بھی باقی رہ جاے گا اس کو مادہ کہنا زیادہ مناسب ھوگا یا کچھہ اور - یہ مسئلہ صرف اصطلاحات کا ھے -

بہر صورت جو کچھہ باقی رھے گا وہ اس سے بہت مختلف ھوگا جس کو اب تک مادہ کہتے آے ھیں اور مادہ پرستی سے منسوب کرتے رھے ھیں، جس کو عہد وکٹوریہ کے سائنس داں مانتے تھے - اب مادہ پرستی کی خارجی اور مادی کائنات کچھہ نہیں رھتی بجز اس کے کہ ھمارے دماغوں ھی کے پیدا کردہ چند ڈھانچے ھیں - اس حد تک تو طبیعیات نے فلسفیانہ تصوریت (Philosophic Idealism) کی طرف قدم بڑھایا ھے - نفس اور مادہ اگر ایک ھی نوعیت کے نہیں ھیں تو کم از کم ایک ھی منفرد نظام کے اجزا ھیں - بنابریں ڈیکارٹ (Descartes) کے زمانے سے فلسفہ میں جو ثنویت (Dualism) چلی آرھی تھی اس کے لیے اب کوئی جگہہ باقی نہیں رھی -

یہاں ھم کو اس بنیادی دقت سے دو چار ھونا پڑتا ھے جو فلسفیانہ تصوریت کی ھر شکل کے لیے پیش آتی ھے - اگر وہ فطرت جس کا ھم مطالعہ کرتے ھیں رہ زیادہ تر "حلقۂ دام خیال" ھے تو پھر کیوں ھمارے نفوس ایک ھی سی فطرت کا تصور قائم کرتے ھیں - مختصر یہ کہ ھم سب کیوں ایک ھی سورج، ایک ھی چاند اور ایک ھی تارے دیکھتے ھیں؟

ایک ممکنہ سراغ

میں یہ عرض کروں گا کہ طبیعیات اس مشکل کی ایک سراغ بتلاسکتی ھے، اگرچہ وہ خیالی ھی کیوں نہ ھو-

قدیم ذراتی تصویر نے جو زمان اور مکان کے حدود میں واقع تھی، مادے کو ذرات میں تقسیم کر رکھا تھا اور اشعاع کو ضیائیوں کی ایک بوچھار میں - اب جدید تر اور صحیح تر موجی تصویر جو مکان اور زمان کے ڈھانچے سے ماورا ہے ان ضیائیوں کو ملا کر پھر ایک شعاع نور پیش کرتی ہے اور متوازی سمتوں میں چلنے والے برقیوں کی بوچھار کو وہ ایک مسلسل برقی رو بتلاتی ہے - جوہریت اور انفرادی وجودوں میں تقسیم، یہ محدود مکانی زمانی تصویر کی اساسیں ہیں - لیکن وسیع تر اور جہاں تک ہمارا علم ہے صحیح تر تصویر میں ان کا وجود باقی نہیں رہتا - اس میں جوہریت کی بجاے خلالیت (Holism) ہے اور ضیائیے انفرادی وجود نہیں رکھتے - جن میں سے ہر ایک اپنا اپنا راستہ چلے، بلکہ ایک کُل یعنی شعاع نور کے اجزا ہیں - یہی کیفیت متوازی چلنے والے بوچھار کے برقیوں کی ہے - اب حیاتیین (Biologists) بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ ہمارے جسموں کے خلیوں کی بھی یہی کیفیت ہے، اگرچہ ابھی ان میں کامل اتفاق نہیں - اور کیا یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ جو کچھ ادراک کردہ اشیا کے لیے صحیح ہو وہ نفوس مدرکہ کے لیے بھی درست ہو - جب ہم اپنے آپ کو مکان اور زمان میں دیکھتے ہیں تو ہم بدیہی طور پر افراد ہیں - اور جب ہم مکان اور زمان سے آگے بڑھ جاتے ہیں تو شاید پھر حیات کے ایک مسلسل دائرے کے اجزا بن جاتے ہیں -

عالم منبسط

از

[جناب ایم ذکی الدین صاحب ایم ایس، سی - (آنرز) [علیگ]
سابق ریسرچ اسکالر طبیعیات علی گڑہ و الگزنڈر فان ھمبولٹ
اسٹفٹنگ اسکالر برلن]

—) ••• (—

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات لاولی الالباب ٥
(آل عمران)

— • • • —

اندھیری راتوں میں جب چاند کی روشنی نہیں ھوتی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھاکر بے شمار ستاروں کو اپنی طرف مسکراتے دیکھا ھوگا - یہ وھی آفتاب ھیں جو لاکھوں اور کروروں میل سے آپ کی طرف پیغام بھیج رھے ھیں۔ ان کا فاصلہ کیا ھے ؟ ان کا حجم کتنا ھے ؟ یہ سوالات ایسے ھیں جن کے متعلق علم ھیئت کے محققین کافی علمی ذخیرہ جمع کرکے ایک متفق راے قایم کرنے میں ایک حد تک کامیاب ھوچکے ھیں -

ان کا خیال ھے کہ بعض کا فاصلہ اتنا ھے کہ اگر روشنی ۱،۸۶۰۰۰ میل

فی ثانیہ کی رفتار سے چلتی ہوئی ہماری طرف آے تو ہزار یا دس ہزار برس میں ہم تک پہونچے گی - حجم کے متعلق ان کی یہ راے ہے کہ اگر ہزار آفتاب ملا دئے جائیں تو بھی بعض ستاروں کے برابر نہیں ہو سکتے -

فصل اور حجم کے متعلق انسان جب ہیئت دانوں کے جوابات سنتا ہے تو کان پر ہاتھ دھر کر اللہ تعالی کی عظمت اور جلال کو یاد کرنے لگتا ہے - سبحان اللہ خدا کی کیسی کیسی قدرت ہے —

فرض کیجئے محققین کا ایک گروہ ایک عمدہ طیارے میں، جو حرارت و حدت کے اثر سے محفوظ ہو اور جس کی رفتار روشنی کی رفتار یعنی ۱۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ کے برابر ہو، سفر کرے تو وہ لوگ دنیا سے گزر کر آفتاب کو دیکھتے گذر جائیں گے - نظام شمسی کے حدود کو طے کر کے وہ ایک ایسے مقام پر پہونچیں گے جہاں فضا میں لاکھوں روشن ستارے نظر آئیں گے - وہی ستارے جو در اصل آفتاب ہیں اور جن کے گرد بہت سے سیارے گردش کر رہے ہیں —

اگر اب حیات کا ایک جرعہ ان کو ابدی زندگی کا پیام دے دے تو وہ ہزاروں برس کے بعد (یہاں برس سے مراد دنیاوی سال ہے یعنی وہ وقفہ جس میں دنیا سورج کے چاروں طرف گھوم کر اسی مقام پر واپس آجاے جہاں سے وہ روانہ ہوئی تھی) دوسرے ستارے کے نزدیک پہونچ سکیں گے -

اگر ہم اسی طرح سفر میں مشغول رہیں تو؟ آخر اس سفر کی کوئی انتہا بھی ہوگی؟

ان سوالات کا جواب دینا آسان نہیں - یہاں منطقی، ریاضی

داں ' فلسفی ' طبعیات داں سب انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں -

کائنات کی انتہا کیا ہے ؟ کیا یہی وہ آغاز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں؟ ان سوالات لاجواب میں دو الفاظ کا استعمال ضروری ہے نمبر (۱) محدود - نمبر (۲) لا متناهی -

مشہور و معروف ریاضی داں آئنستائن کے نظریہ کی رو سے کائنات لا محدود ہے مگر متناهی ہے —

وقتاً فوقتاً اہل دماغ نے اس اہم مسئلہ پر طبع آزمائی فرمائی ہے- سلبرا ستائن (Silberstein)لی ماتر (Lemaitre) ایڈنگٹن (Eddington) جینس (Jeans) اور دیگر مشہور و معروف ہیئت دانوں نے اس اہم مسئلہ کے متعلق خیالات کا اظہار کیا ہے - مضمون کی طوالت کے خوف سے ہم ان امور و مسائل کا اس وقت ذکر نہیں کریں گے - جو دوسرے علوم کی مدد سے حاصل کئے گئے ہیں -

اس مسئلہ کا حل مختلف مشاہدات کے مدد سے ہوا - یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ فضا میں متعدد نظام بکھرے ہوے موجود ہیں - جگہہ جگہہ پر گرم گیس کا اجتماع جس کو سحابیہ Nebula کہتے ہیں واقع ہیں . ان سحابیوں کے ساتھہ بہت سے ستارے اور متعدد سیارے ہیں - بعض کا فاصلہ لاکھہ برس کی راہ کا ہے- یہاں مقصد یہ ہے کہ اگر روشنی اپنی رفتار سے لاکھہ برس تک سفر کرے تو دنیا سے اس تک یا اس سے دنیا تک پہونچ سکے گی - بعض سحابیے فضا میں اتنے فاصلے پر واقع ہیں کہ ہماری دور بین کام نہیں کرتی - حتیٰ کہ کوہ ولسن (Mount Wilson) کی رصد گاہ جس کی دور بین کا دہانہ سو انچ کا ہے اس مقصد کے لئے بیکار ہے -

طبیعات کی مدد سے ہم ان دور افتادوں کا پتہ بہ آسانی لگا لیتے ہیں ۔

دھوپ کی روشنی کو لیجئے۔ اس کو ایک منشور میں سے گزار کے دوسری طرف روشنی کا عکس دیوار یا کسی سفید کاغذ پر ڈالئے ۔ آپ کو سفید روشنی کی بجائے سات رنگ دکھائی دینگے ۔ اس آلہ کو طیف نما کہتے ہیں ۔ یہی وہ آلہ ہے جو ہم کو اتنی دور کی خبر دیتا ہے ۔ ہیئت دان کے لئے یہ آلہ نہایت مفید ہے ۔ ہیئت دان اس آلہ کو ایک دوربین میں لگا دیتا ہے اور دوربین کا رخ ایک خاص ستارے کی طرف کر دیتا ہے ۔ روشنی گزر کر ایک عکس گیر تختی پر گرتی ہے ۔ وہ اس تصویر سے عجیب و غریب معلومات حاصل کرتا ہے ۔

پہلے پہل امریکہ کے معروف ہیئت دان ہبل (Hubble) اور شیپلے (Shapeley) نے روشنی کا عکس لے کر عجیب و غریب انکشاف کیا ۔ مندرجہ بالا سطور میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آسماں میں بہت سے سیارے اور ستارے موجود ہیں ۔ بعض مقامات پر دو ستارے جب ہمارے میدان نظر میں حائل ہو جاتے ہیں تو ان کی روشنی میں کمی و بیشی واقع ہوتی ہے ۔ بعض جگھوں پر دو ستارے مل کر مخصوص اوقات پر کمی و بیشی دکھلاتے ہیں ، جن کو توام ستارے (Binary Stars) کہتے ہیں ۔

ان ستاروں کی مدد سے ان سحابیوں کے فاصلہ کا پتہ بہ آسانی چل جاتا ہے ۔ اور روشنی کے ذریعے سے بھی ان کا فاصلہ بہ آسانی معلوم کیا جاتا ہے ۔ رفتہ رفتہ دیگر ہیئت دانوں نے اور سحابیوں کا پتہ چلایا اور ایک حد تک اس تحقیق میں کامیاب رہے —

ہم جب اپنی معلومات کو جمع کر کے ایک نظر دوڑاتے ہیں تو اس

بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان کی رفتار بہت تیز ہے اور وہ فضا میں بہت سرعت سے دوڑ رہے ہیں - ان کی رفتار دوسرے ستاروں سے کہیں زیادہ ہے- مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف ان سحابیوں کا فاصلہ بڑھتا ہے تو دوسری طرف ان کی رفتار بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے - ان تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ جو سحابیے ہم لوگوں سے دور جارہے ہیں ان کی رفتار زیادہ ہوتی جاتی ہے - یا یوں کہیے کہ جو کم فاصلہ پر ہیں ان کی رفتار کم ہے اور جو زیادہ دور ہیں وہ زیادہ تیزی سے بھاگ رہے ہیں —

ہمارے میدان نظر میں ایک ایسا سحابیہ بھی ہے جو سومیلین سال کے فاصلہ پر واقع ہے اور ۱۹٬۵۰۰ کیلومیٹر کی رفتار سے ہم سے جدا ہورہا ہے - اب تک ۹۰ سحابیوں کا مشاہدہ ہوچکا ہے - اس میں پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ۵ سحابیے ہماری طرف آرہے ہیں - زیادہ تحقیق سے اس بات کا پتہ چلا کہ ان کے متعلق معلومات کافی بہم نہیں پہنچی ہیں اس لئے ہم لوگوں کا علم نامکمل ہے اور اس بات کا بھی پتہ چلا کہ دراصل یہ بھی ہم سے دور ہی بھاگ رہے ہیں - اگر یہی حال رہا تو اس کا حشر کیا ہوگا ؟ کیا یہ ایک قانون فطرت ہے جو انسان کی عقل میں نہیں آسکتا ؟ کیا ان ہی وجوہات کی بنا پر یہ دور و دراز سفر پر آمادہ ہوگئے ہیں؟ کیا انسان کا رنج و الم، علم و ہنر، ترقی و تنزل، مصیبت و آرام کی گھڑیاں ایسی نہیں کہ ان کی طرف ایک نظر ڈالی جاے ؟

کیا ہم ایسے سیہ کار و بد بخت ہیں کہ عالم میں کوئی ہمارا مددگار و معاون نہیں؟ کیا آج ہی وہ قیامت کا دن ہے جب کہ نفسی نفسی پکاری جارہی ہے؟

اگر ان کی رفتار یہی رهی تو کڑوروں سال میں یہ سب کے سب اتنے دور چلے جائیں گے که هماری نظر ان دوربینوں کی مدد سے بهی ان تک نہیں پہنچ سکے گی - اور همارا علم ادهورا هو کر خواب و خیال کی صورت اختیار کرلے گا —

آئیے اب عالم کے نظریه کے متعلق بحث کریں :-

آئنسٹائن کہتا ہے که مکان هموار و مسطح نہیں بلکه منحنی هے - کیا یه اِس کا ایک معمولی کرشمه هے ؟

آپ نے بچوں کو صابون اور پانی کا مرکب لے کر نرکل کی نلکی سے کهیلتے دیکها هوگا - بچے خوشی سے حباب بناتے هیں اور جوں جوں هوا حباب میں جاتی هے حباب کا قطر زیادہ هوتا جاتا هے - پهولتے پهولتے ایک وقت ایسا آتا هے که حباب نلکی سے الگ هو کر فضا میں منتشر هوجاتا هے یا پهوٹ جاتا هے —

علماء کی رائے هے که نظام عالم کے ساتھ بهی یہی کهیل کهیلا جارها هے - شاید کوئی پوشیدہ طاقت اس کو اس طرح بڑها رهی هے جس طرح حباب کو بچے - کیا یه حباب پهوٹ جائے گا ؟ کب اور کس طرح ؟ ان سحابیوں کا اثر اس پر کیا پڑے گا ؟ ان سوالوں کا حل علوم طبعی اور عقل انسانی کا معراج کہاں هے —

سب سے پہلے سنه ۱۹۱۷ع میں ڈی سٹر (De Sitter) نے عالم منبسط کے متعلق اپنا نظریه پیش کیا - اس نظریه کے مطابق ان اجسام کی روشنی سرخ کی طرف زیادہ هوگی - اس وقت صرف تین سحابیوں کی رفتار معلوم تهی - اس لئے نظریه کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی تهی، گرچه ان تینوں سحابیوں کی رفتار ڈی سٹر کے نظریه کے مطابق تهی مگر اس وقت

اس نظریہ کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی گئی —

سنہ ۱۹۲۳ میں سلیفر (Slipher) نے انگلستان کے مشہور ہیئت داں ایڈنگٹن کے پاس چالیس سحابیوں کی رفتار کے متعلق مشاہدے روانہ کئے جس کو ایڈنگٹن نے اپنی مشہور کتاب میں شایع کیا ہے -

سنہ ۱۹۲۷ میں لی ماتر نے ایک بہتر اور مضبوط نظریہ تحقیقات کرکے قائم کیا - اور یہی اس کا نظریہ ہے کہ کائنات حباب کے طرح پھیل رہی ہے - اس نظریہ کو قائم کرنے میں بہت دقتوں سے سابقہ پڑا - اور بہت دماغی محنت صرف کرنے کے بعد اُن اہم مسائل کے متعلق کچھ علم ہوا -

اس مسئلہ کے سلسلہ میں آئنسٹائن کی کوشش تھی کہ لامتناہی فضا کے متعلق ایک رائے قایم کرنے کے بعد اس کے نظریہ میں اس بات کی گنجائش رکھی جائے - آئنسٹائن کی کائنات میں بڑھنے والی قوت اور قوت تجاذب کا برابر ہونا لازمی امر تھا —

اس سلسلہ میں فریڈ مان (Friedmann) کی تحقیقات کا ذکر کرنا لازمی ہے - سنہ ۱۹۲۲ میں اس نے بہت سے ریاضی کے مسائل کو حل کرکے کائنات کے متعلق معلومات میں اضافہ کیا —

فرض کیجئے ایک فضا ہے ' مادہ سے خالی ' اس میں مادہ بھر دیجئے - قوت تجاذب کام کرے گی اور حجم کو ایک جا کرنے کی کوشش کرے گی - اس قوت کی وجہ سے وسعت نہیں شروع ہوگی - مزید مادہ رکھئے زیادہ قوت پیدا ہوگی - مگر بڑھنا کم ہوگا - اگر مادہ کی ایک مخصوص مقدار جمع کردی جائے تو اس موقع پر بڑھنے کی قوت اور قوت اجتماعی برابر ہوجائے گی -

یہ تصویر آئنسٹائن کی کائنات کی ہوگی - اگر اور مادہ

زیادہ لیں گے تو مادہ گھٹنے لگے گا اور وہ کائنات ایک گھٹنے والی کائنات کی صورت اختیار کر لے گی۔ آئنسٹائن کے نظریہ میں ان سحابیوں کے متعلق کوئی جگھہ نہیں رکھی گئی ہے —

ان دونوں نظریوں کی بنا پر اس کائنات کے حجم میں فرق نہ ہوگا اور اس بنا پر اس کو فضاے لا محدود کہا جاے تو بہتر ہے —

ان دونوں نظریوں کے متعلق ایک عالم نے خوب کہا ہے کہ آئنسٹائن کا نظریہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس کی کائنات مادہ سے پر ہے مگر رفتار سے خالی ہے اور ڈی سٹر کی کائنات رفتار سے پر ہے مگر مادہ سے خالی یا یوں کہیے کہ اجتماع ضدین ہے —

مشاھدے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کائنات مادہ سے بھی بھرا ہے اور رفتار سے بھی، اس لئے ہمیں ایسے نظریہ کی ضرورت ہے جو دونوں کے متعلق کچھہ سہولت پیدا کرے اور مشاھدات کی بنا پر قائم شدہ ہو۔

اس طرح کا نظریہ نہایت ہی مستحکم بنیاد پر لی متر نے قائم کیا ہے۔ اس کے نظریہ کی مدد سے اسی بات کا حل ملتا ہے کہ عالم منبسط ہے۔ اس میں مادہ اور رفتار کے موجود ہونے کی وجہ معقول طور سے ریاضی کے اہم اور دقیق مسائل و مساوات کی مدد لے کر بیان کی گئی ہے۔ مگر اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے ایک دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ ریاضی کی مدد ہی سے سمجھاے جا سکتے ہیں —

انشاالله دوسری قسط میں ان مسائل کے متعلق مزید کوائف پیش کئے جائیں گے —

مردوں اور عورتوں کی قدیم خصومت

از

(ھلال)

نام خدا ھماری صنف لطیف بھی مخلوقات عالم میں کس قدر معرکہ آرا صنف ثابت ھوئی ہے کہ زمانہ کا کوئی دور عورتوں کے قضیہ سے خالی نظر نہیں آتا - جہاں تک نظر کی رسائی ھوتی ھے اس خیال کے ظاھر کرنے میں کسی تامل کی گنجائش نہیں معلوم ھوتی کہ تہذیب و تمدن کا ھر عہد کم و بیش مردوں اور عورتوں کی باھمی ترجیح و افضلیت یا مساوات کے تصفیہ میں خاصی کشمکش میں مبتلا رھا ھے -

چونکہ اتفاق سے مضمون بہت دلچسپ ھے اور بحث نہایت لطیف آپڑی ھے اس لئے میں قارئین سے پیش از وقت عذر خواہ ھوں کہ حکایت کی درازی سے ملول نہ ھوں اور اس کی اطافت کو نظر انداز نہ کریں -

ضرورت ہے کہ پہلے عورتوں کے متعلق وہ خیالات سامنے رکھے جائیں جو اب تک ان کے متعلق قائم کئے جاچکے ھیں —

اس امر کے تسلیم کرنے میں کسی کو تامل نہ ھوگا کہ قدرت نے مرد کے دل میں عورت کی شدید رغبت پیدا کی ھے اور عورت کے دل میں مرد کی - مگر باوجود اس کے یہ بھی سب کو ماننا ھی

پڑے گا کہ ان دونوں میں خصومت اسی وقت سے چلی آتی ھے جس وقت سے انسان کا وجود ھوا ھے- اسی لئے علم حیوان والوں نے نہایت سیر چشمی سے عورت کے لئے یہ فتوی نافذ کردیا ھے کہ "وہ مرتبہ میں مرد سے کم ھے" اور فلسفیوں میں سے تو ایک خدا کا بندہ بھی اس بات پر راضی نہ ھوا کہ عورت کو اونچی ذات والی یا مرد کی صلب سے پیدا ھونے والی باور کرتا بلکہ غریب عورت کا مذاق اڑاتے ھوے نہایت ڈھٹائی سے کہدیا کہ عورت کو تو شیطان نے پیدا کیا اور (معاذاللہ) خدا کو اس سے لا علم رکھا، جب (نقل کفر کفر نہ باشد) اللہ میاں خواب غفلت سے چونکے تو شیطان کو اس کی کارستانی پر جھڑکیاں دیں مگر اس نئی مخلوق کو زندہ رھنے دیا- چنانچہ یہ زندہ رھی- جب مرد نے دیکھا کہ وہ حسین اور نمکدار مخلوق ھے تو اس کا ھاتھ پکڑا اور اب دونوں آرام سے بسر کرنے لگے اور ان میں توالد و تناسل شروع ھوگیا یہاں تک کہ زمین ان کی ذریات سے بھر گئی —

یہودیوں کی شریعت جس عظمت و احترام کا مستحق مرد کو سمجھتی اور جو حقوق اسے دیتی ھے وہ عورت کو نہیں دیتی —

افلاطون باوجود یکہ تربیت و تعلیم کے لحاظ سے مرد و عورت میں عدم تفریق کا معتقد تھا تاھم اس نے بھی عورت کو چشم اعتبار سے نہ دیکھا- پھر اسی کی تقلید وولٹیر نے بھی کی اور اسے ناقابل اعتماد سمجھا- ایک مرتبہ وولٹیر سے مذھب کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ " میں چاھتا ھوں کہ میرا مددگار میرے کپڑے بنانے والا اور میری بیوی یہ سب پابندِدین ھوں تاکہ میرا حامی دشمن سے نہ مل جاے- کپڑے بنانے والا کپڑا نہ چراے اور بیوی خیانت نہ کرے"- ظاھر ھے کہ اس پیرایۂ بیان سے وولٹیر نے

ان کا مذاق اڑاتے ہوئے تینوں کو جاہل قرار دیا اور یہ رائے قایم کی کہ اُن کے راہ راست پر آنے کی کوئی سبیل سوائے مذہب کے نہیں ہے —

ہمیشہ اس عقیدے کے لوگ بکثرت پائے گئے ہیں جو عورت کو "دنیا کی غلطی" کا ثمرہ سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ عورت ہی نے آدم کو ثمر ممنوعہ کھلایا تھا۔ پولس نے جو عیسائیوں کے نزدیک پیمبر تھا عورت پر اور عنایت کی تو اسے تھیٹر کے بلند ترین اسٹیج پر جا بٹھایا اور مرد کے لئے سچی سجائی کوٹھی مخصوص فرمائی۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ جوانوں کو حتی المقدور کنوارا رہنے کی بھی نصیحت فرمائی۔

غالباً پولس صاحب اس زمانے میں روما کی عورتوں کے رسوائن حالات اور انکی عیش پرستیوں سے بہت متاثر تھے جو اُن دنوں راستوں اور عام مکانوں میں بال بکھیرے اور سینہ کھولے ہوئے پھرتی تھیں' زیب و زینت میں مبالغہ کرتیں۔ دودھ سے غسل کرتیں اور مردوں کے ساتھ برملا بیہوائی کرتی تھیں —

جرمنی فیلسوف شوپنہور بھی اس مظلوم صنف کا بڑا سخت دشمن تھا۔ وہ عورتوں کی جنس کا نام صنف لطیف ہونے پر چراغ پا ہے اور لکھتا ہے کہ اس کا نام صنف لطیف کیوں رکھا گیا ہے حالانکہ اس کی شکل قبیح ہے اور اس کی خلقت میں کوئی حسن ہے نہ کوئی تناسب پھر اس کی ترکیب جسمی بھی ذوق فنی کے لحاظ سے ناقص ہے —

اسی جذبہ سے متاثر ہو کر شوپنہور نے مسیحیت کی بھی ھجو کر ڈالی اور اس بنا پر اسے ملامت کی کہ اس نے عورت کا احترام کیا اور جوان کے پہلو میں اس کے لئے ایک مقام رفیع معین کیا۔ پھر یہ بھی کہا کہ مذہب

خیالی (Romanticism) جس میں یوروپ کی اس عہد میں بڑی شہرت ہے اور ادب جذباتی (German sentimentality) جس میں جرمنی مشہور ہے دونوں نے اور بھی خرابی ڈالی اور عورت کو آسماں تلے ایک جگہ مل گئی - اسی سلسلہ میں جرمنی فلسفی نے اهل اسیو کی بڑے مبالغہ سے مدح سرائی کی ہے کہ وہ عورت کا درجہ پست رکھتے ہیں اور تعدد ازواج کے حامی و عامل ہیں اور اهل یورپ کی مذمت کی ہے کہ وہ اس تعدد کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں —

پھر شوپنہور نے لکھا ہے کہ اهل مغرب دولت میں عورت کو مرد کے برابر حصہ دیتے ہیں حالانکہ عورت بہت خراچ اور بڑی مسرف ہے اور نہایت خود پسند واقع ہوئی ہے اور اپنے دعوے کی دلیل لوی شانز دهم کے قول سے پیش کی ہے جو فرانسیسی بغاوت کا الزام اپنے ملک کی بدکار و مسرف عورتوں کے سر پر تھوپتا تھا جن کی بدولت فرانس افلاس و تباهی کے غار میں جا پڑا -

ان خیالات و آرا میں شوپنہور مسکین تو اس لیے معذور ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں شفقت مادری کا مزہ ہی نہ چکھا تھا کیونکہ اس کی ماں اور باپ کے درمیان ان بن تھی- ماں اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ بیٹھی ارر آزادی کے ساتھ نہایت ذلت کے زندگی گزارنے اور عفت و عصمت کے انمول موتی چند ٹکلیوں کے معاوضہ میں بیچنے کا ذلیل رویہ اختیار کیا - شوہر یعنی شوپنہور کا باپ ترک وطن پر مجبور ہوا اور پولینڈ میں رهنے لگا - ظاہر ہے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ جس کے نہ بیوی ہو نہ ماں نہ بیٹا نہ بیٹی نہ کنبہ نہ وطن اس سے یہ امید کیونکر کی جاسکتی ہے کہ وہ اس مخلوق کا احترام کرے گا جس کا بد ترین نمونہ اُس کی ماں نے پیش کیا تھا- اور همیشہ کے لیے اسے بدنام

و رسوا کر دیا تھا - عجیب بات ہے کہ لارڈ بیرن بھی جو عین اسی سال پیدا ہوا تھا جس سال شوپنہور پیدا ہوا، ماں کے معاملہ میں اسی فضیحت کا شکار تھا اور شوپنہور کی ماں کی طرح اس کی ماں بھی بد کار و بد نام ہو چکی تھی —

جرمنی کا دوسرا فلسفی نٹشے شوپنہور سے بھی زیادہ عورتوں کو حقیر و ذلیل سمجھتا تھا - مگر اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ڈاروِن کے نظریۂ بقائے اصلح پر بڑی مضبوطی سے ایمان لایا تھا، عورت جیسی کمزور مخلوق، متواضع و متوسط انسان، جمہوریت پسند اور تن آسان لوگ ان سب سے اسے سخت نفرت تھی، وہ قوی، متکبر، اور غیر معمولی انسان (فوق البشر Super man) اور شخصی حکومت کے حامیوں کو بہت عزیز رکھتا تھا - اس بارے میں نٹشے کا یہ قول بہت مشہور ہے "جمہوریت پسند: انگریز، بیل اور عورت وغیرہ یہ سب میرے نزدیک ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک ہی مٹی سے بنے ہوئے ہیں —

چونکہ وہ مساوات سے نفرت کرتا تھا اور غلبہ اور قوت و سیادت پر جان دیتا تھا اس لیے کہا کرتا تھا کہ مرد اور عورت میں مساوات قبیل محال سے ہے کیونکہ دنیا میں امن کی حکومت صرف اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ مرد حاکم ہو اور عورت اس کی رعایا یا محکوم فطرت مساوات سے بغض رکھتی ہے - اس لیے ہمیں افراد میں مختلف فروق اور امتیازات نظر آتے ہیں -

یوروپ اور امریکہ میں بھی اسی ترقی کے زمانہ میں بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ عورت مرتبہ میں مرد سے کم ہے —

مگر یہ سب رائیں انفرادی رایوں سے زیادہ وقیع نہیں ہیں جہاں اور بہت سے خرافات و اوہام ہیں وہیں یہ خیالات بھی ہیں جن کی تائید کسی معقول دلیل سے نہیں ہوتی - شخصی رائیں تعصب مناقشہ اور جہالت کے شائبہ سے خالی نہیں ہوتیں اس لیے کہ وہ عملی تجربات اور علمی سندات کا نتیجہ نہیں ہوتیں - اس مقالہ کے قلم بند کرنے کا مدعا یہی ہے کہ علما کی تحقیقات کے مختلف پہلو روشنی میں آجائیں- خصوصاً علم النفس نے مردوں اور عورتوں کے فروق معلوم کرنے کے جو اصول متعین کیے ہیں واضح ہو سکیں ــــ

ذکاوت عقلی کے اعتبار سے علما کو مرد و عورت میں کوئی قابل ذکر فرق نہ محسوس ہوا، انھوں نے یورپ و امریکہ کے لاکھوں طلبا اور طالبات پر مختلف عمروں اور تعلیمی درجوں میں ذکاوت کا معیار قائم کرکے تحقیقات کی اور آخر میں یہی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوے کہ دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں پایا جاتاــ

سوئزرلینڈ کے مشہور عالم ڈاکٹر کلاباریڈ کو وزارت تعلیمات مصر نے اپنے ملک کے تعلیمی حالات معائنہ کرنے کے لئے دعوت دی اور اس سلسلہ میں تین سال تک ان کی خدمات سے استفادہ کیا ۔ تعجب ہے کہ اس معائنہ و تحقیقات کے بعد انھوں نے جو اوسط ذکاوت کا قائم کیا اس کے اعتبار سے عورتوں میں مردوں سے زیادہ ذکاوت پائی- غالباً اس کا سبب یہ ہوا کہ جو تحقیقات ڈاکٹر کلاباریڈ نے کی تھی اس کے لیے انھیں مردوں اور عورتوں کی کافی تعداد نہ ملی کیونکہ لڑکیوں کی جس تعداد پر جانچ کی گئی وہ ایک هزار اور چند سو سے زیادہ نہ تھی ــــ

علاوہ ازیں ذکاوت کا یہ مسئلہ کسی قدر تفصیل کا محتاج ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم کسی اسکول یا کالج میں ایک ہزار متعلم اور ایک ہزار متعلمات تصور کریں تو اوپر کی ترتیب میں پانچ فی صدی مرد اور نیچے کی ترتیب میں بھی دس یا بیس فی صدی مرد نکلیں گے۔ رہی باقی نسبت جو متوسط ہے تو اس میں اناث کی تعداد زیادہ ہوگی مگر یہ اسی حالت میں صحیح ہوگا جب زیر امتحان مردوں اور عورتوں دونوں کی تعداد مساوی ہو —

ڈاکٹر کلا بارید نے اپنی ایک اور تحقیقات میں بھی اسی کے قریب قریب ایک نظریہ قائم کیا اور دریافت کیا کہ مرد عورتوں پر علوم ریاضیہ میں سبقت رکھتے ہیں۔ جس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہزاروں سال سے حسابی اعمال کے مشاق ہوتے آئے ہیں جن کی ضرورت خانگی و تجارتی و ملکی ہر شعبہ میں پڑتی ہے —

اسی طرح ان کی تحقیق یہ بھی ہے کہ خاموشی سے پڑھنے اور درجہ فہم و سرعت ادراک میں مرد عمومی حیثیت سے عورت سے ممتاز ہے مگر لہجہ کی متانت میں عورت مرد سے بڑھی ہوئی ہے —

عجیب بات ہے کہ عورت خوشخطی میں مرد سے ممتاز پائی گئی ہے اور یہ حقیقت مصر کے مروجہ نظریہ کے بالکل برعکس ہے جس کی کوئی بنا نہیں - شائد مصری نظریہ اس نظریہ کے مشابہ ہے جس کی بنا پر خوشخطی کو قلت ذکاوت کے ساتھ ایک خاص نسبت دی جاتی ہے یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس کا خط بہت اچھا ہوگا اس میں ذکاوت ضرور کم ہوگی - یہ وہی غلطی ہے جس میں مصریوں کی طرح فرانسیسی بھی مبتلا ہیں اور ان میں یہ مثل رواج پاگئی ہے کہ " خط گدھوں کی زبان ہے " -

اگر مضمون میں ایسے ہی مروجہ عام نظریے جمع کر دیے جائیں جن کی صحت کی کوئی بنا نہ ہو تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

عورت جلد لکھانے میں مرد سے زیادہ قدرت رکھتی ہے اور علمی اداروں میں تحریر و انشا میں مردوں سے فائق ہو جاتی ہے، اسی لیے اس کی انشا کے موضوع نہایت اچھے، عبارت گداز و شیریں اور مضمون پر مغز ہوتا ہے۔ عورت کا ذہن بہت رسا ہوتا ہے اسی لیے اس میں طول تحریر کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور طول کلام کی طرف بھی بہت راغب نظر آتی ہے۔ علمی اداروں میں عورت کے مراسلات کا بڑا امتیاز جو اوروں میں نہیں ہوتا یہ ہے کہ اس کی فکر روشن، اور تفہیم صاف ہوتی ہے، اغماض اور ابہام سے اپنی تحریر کو دور رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے طالبات مدارج انشاء میں عام حیثیتوں میں طلبا سے فائق پائی جاتی ہیں۔ یہ وہ نتائج ہیں جو علمائے تربیت نے امریکہ میں معلوم کئے ہیں۔ ضرور ہے کہ دوسرے ملکوں پر بھی یہی نتائج منطبق ہوں کیوں کہ طبیعت بشری تقریباً ہر جگہ میں یکساں ہی ہوتی ہے—

اس قول پر استدلال کرتے ہوے کہ یہ فروق دونوں جنسوں میں عام ہیں یعنی جس طرح ان کا اثر دوسرے ملکوں پر ہے اسی طرح مصر پر بھی ہوگا ذیل میں ڈاکٹر کلا باریڈ کی ایک رپورٹ کا اقتباس دیا جاتا ہے جو مصری مدارس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے متعلق انھوں نے قلمبند کی ہے—

مرتبہ نقشوں سے واضح ہے کہ لڑکیاں لڑکوں سے بہت فائق ہیں۔ لڑکیوں میں یہ تفوق اٹھارہ سال کی عمر تک زود نویسی میں دیکھا

گیا ہے (اس عمر کے بعد لڑکے لڑکیوں سے بڑھ جاتے ہیں) - اسباق و کلمات کے حفظ کرنے میں بھی سترہ سال کی عمر تک یہ فوقیت لڑکیوں ہی میں پائی گئی - حساب کے عمل جمع میں لڑکوں اور لڑکیوں کی قوت یکساں ہے- عمل تقسیم میں لڑکے لڑکیوں پر فائق ہیں اور ضرب و تقسیم دونوں میں لڑکیاں تیرہ چودہ سال کی عمر تک لڑکوں سے بڑھی رہتی ہیں —

علوم تاریخیہ میں اعداد و شمار دلالت کرتے ہیں کہ عورتیں مردوں سے کم ہوں، بعض محققین نے اس کا سبب دریافت کرنے کی سعی کی تو ایسے وجوہ بیان کئے جو ظن و تخمین کے دائرہ سے خارج نہیں —

عورت قانون شکنی، اور رواجات، عادات اور رسوم وغیرہ سے تجاوز کرنے میں مرد سے کم زور ہے یعنی عام آداب و قواعد اور فطری معمولات کی خلاف ورزی کم کرتی ہے - جس عمر تک لڑکیاں عام طور سے مدرسوں میں رہتی ہیں اس عمر تک ایسی لڑکیوں کی تعداد کم دیکھی جاتی ہے جو بلا سبب مدرسہ سے غائب ہو جاتی ہوں یا نا فرمانی کرکے مدرسہ کے فرائض انجام نہ دیتی ہوں - ان حالات کے علاوہ لڑکیاں معلمین سے مخالفت و عداوت بھی بہت کم کرتی ہیں اور آپس میں بھی لڑکوں کے خلاف بہت کم لڑتی ہیں —

لکنت، اور گویائی و تقریر میں مشکل محسوس ہونا یا لفظ ادا کرنے سے پہلے دھرانا یہ تمام عیوب بڑی شدت سے بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں میں زیادہ ہیں - اگر اس مرض کا اصل سبب سمجھ میں آجائے تو مرد و عورت کے اس اختلاف کی وجہ بھی معلوم ہوجائے —

گویائی میں رکاوٹ والدین اور معلمین کی جہالت کا نتیجہ ہے یا

تربیت کی خرابی کا، وراثت کو اس میں اتنا دخل نہیں ہے - علما کا قول ہے کہ جب بچہ بولنے کا ارادہ کرے اسے خاموش کردینا جب اپنا مطلب بیان کرنا چاہے اسے دھمکانا اور جھڑکنا اس خیال سے کہ وہ ابھی چھوٹا ہے اسے اپنے بڑوں کے سامنے بات نہ کرنا چاہئیے، اور جب غلط جواب دے تو اس کا مذاق اڑانا، مدرسہ میں اپنے دوست بڑھانے پر اس کی حوصلہ افزائی نہ کرنا، اس کی غلطیوں کی اصلاح میں مبالغہ کرنا، استادوں کے سامنے صحیح قرأت پر بہت زور دینا سوالات کا جواب جلد دینے پر اصرار کرنا اور جب صحیح جواب نہ دے تو اسے مرغا بنا دینا یا یہ دھمکی دے کر فوراً بٹھا دینا کہ اگر معلم کے منشا کے مطابق جلد سے جلد جواب نہ دوگے تو سزا پاوگے یہ اور اسی قسم کی اور بہت سی صورتیں لکنت اور قوت تقریر و گویائی کی رکاوٹ کا اہم سبب ہیں —

چونکہ لڑکیوں کی حالت لڑکوں سے مختلف ہے اور ان کے ساتھ ان کی سرشت کے لحاظ سے نرمی و مہربانی کا برتاو کیا جاتا ہے اور اداء مطلب پر ان کو جرأت دلائی جاتی ہے اس لیے وہ لڑکوں کے مقابلہ میں ان عیوب کا نشانہ کم بنتی ہیں —

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لکھنے اور کام کرنے میں دقت ہونا یا دائیں کے بجائے بائیں ہاتھ سے کام لینا بمقابلہ عورتوں کے مردوں میں بہت ہے - علما کا اندازہ ہے کہ ہر شہر کے چار فی صدی باشندے دائیں ہاتھ سے کام نہیں لے سکتے - اور یہ ایک طبیعی امر ہے جس کے لیے کسی قلق یا اہتمام کی ضرورت نہیں - ان لوگوں کی مثال ان اشخاص کی طرح ہے جن کی بائیں آنکھ میں دائیں آنکھ سے زیادہ

روشنی ہوتی ہے - اس لیے یہ کوشش کہ بائیں ہاتھ سے کام لینے کے عادی لڑکے کو تعلیم و تحکم سے داہنے ہاتھ سے کام کرنے کا عادی بنایا جائے بالکل بے سود ہے -

عورتوں میں بائیں ہاتھ سے کام لینے والیاں مردوں کے مقابلہ میں $\frac{3}{5}$ کی نسبت سے ہیں - یعنی اس قسم کے پانچ مردوں کے مقابل تین عورتیں ایسی دیکھی جاتی ہیں -

عورتیں خیالی افسانے پڑھنے میں مردوں سے زیادہ حریص ہوتی ہیں - مردوں میں جو لوگ اس قسم کے افسانے پڑھتے ہیں وہ زیادہ تر انہی افسانوں کو ترجیح دیتے ہیں جن میں پر خطر مہموں یا سفروں کے حالات ہوتے ہیں - مثلاً سند باد بحری یا مونٹو کرسٹو کے افسانے ' عورتیں ان کے خلاف ایسے افسانے زیادہ پسند کرتی ہیں جن میں خانہ داری ' عیالداری کا ذکر' اور اجتماعی زندگی کے حالات ہوں - یہ بڑی ایک طبعی امر ہے - اسی طرح مردوں کے تمام خواب بہادری ' استقلال' خطرات کے مقابلے اور سمندروں کے سفر وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں اور عورتوں کے خواب میں زیادہ تر شادی ' خانہ آبادی اور اجتماعی زندگی کے مناظر ہوتے ہیں - عجیب بات ہے کہ دونوں میں اس واضح فرق کا اصل منشا وہی جنسی جذبہ یا طبیعی کشش ہے جو مردوں اور عورتوں کے درمیان پائی جاتی ہے -

البتہ صحت روایت اور صدق شہادت میں مرد عورت سے زیادہ ممتاز ہے - یعنی عورت جب کسی واقعے کو دیکھے اور اس کے متعلق اس کی شہادت لی جائے تو وہ اچھی طرح مسلسل بیان نہ کر سکے گی اور مرد کی طرح بیان میں باریکی سے کام نہ لے گی - مگر اس سے یہ نہ سمجھ لیا

جائے کہ مرد اس جہت میں کامل ہے صرف اتنا ہے کہ وہ اس خصوص میں نسبتاً عورت پر فوقیت رکھتا ہے - اس نکتہ پر دلالت کرنے کے لیے علماے نفسیات نے بہت سے تجربات کئے ہیں - ان کی مختصر کیفیت یہ ہے —

ایک استاد لڑکوں کی ایک مہذب اور اعلیٰ جماعت کے سامنے قتل کا ایک چھوٹا سا ڈراما دکھاتا تھا پھر ان سے ان کے مشاہدہ کے متعلق مختصر و واضح تحریری بیان طلب کرتا اور یہ شرط لگا دیتا کہ صحیح واقعات تسلسل کے ساتھ بیان کئے جائیں - پھر ان سب کے بیانات مہارت بیان کا اندازہ کرنے کے لیے ایکر اس مہارت کا اوسط ہر ایک کے پرچہ پر درج کر دیتا - تعجب ہے کہ جس ہال میں یونیورسٹیوں کے چوہ سو طلبا امتحان کے لیے جمع ہوے تھے ان میں یہ نسبت اوسطاً (۷۰) فیصدی سے زیادہ نہ بڑھی - پھر ایسا ہی تجربہ اتنی ہی تعداد کی طالبات پر کیا گیا تو یہ نسبت (۶۰) فیصدی رہی —

گذشتہ سال مدارس کے لڑکوں اور لڑکیوں کا فرق متحرک تصاویر کے ذریعہ سے معلوم کرنے کے لیے ایک تجربہ کیا گیا - یہ تجربہ اپنی قسم کا پہلا تجربہ نہ تھا، امریکہ اور جرمنی کے لوگ ایسے تجربے بہت کر چکے ہیں - یہ تجربے جذبات اور رجحانات کا فرق بہت واضح کر دیتے ہیں مثلاً ان کی بنا پر معلوم ہوا کہ مرد اداکاری کے معاملے میں عورتوں سے بہت مختلف ہیں - فقیر لڑکے اور لڑکیاں دولتمندوں کی ایکٹنگ زیادہ پسند کرتی ہیں کیونکہ اس موقع پر طرح طرح کے کھیل اور دلچسپیاں بہت ہوتی ہیں - مردوں میں جنگی کاموں اور چوری اور بہادری کے قصوں اور جاسوسی و ظرافت کے واقعوں کی

اداکاری کا میلان زیادہ ہوتا ہے عورتوں کو خیالی افسانوں اور
چرواہوں اور بچوں کی اداکاری بہت مرغوب ہوتی ہے - یہ خیال کرکے
تعجب ہوتا ہے کہ ان تجربات میں عشقیہ افسانوں کا نمبر بلحاظ ترتیب
ساتواں رہا یعنی جن اقسام کے فلم لوگوں کو مرغوب ہوتے ہیں ان
قسموں میں ساتواں درجہ عشقیہ افسانوں کو ملا - اس سلسلہ میں
یہ بات بھی عجیب معلوم ہوئی کہ مفلس لڑکیاں عشقیہ فلموں کی زیادہ
شائق ہوتی ہیں اس خصوصیت میں ان کا نمبر متوسط اور اعلی طبقے
کی لڑکیوں سے بڑھا ہوا ہے - غالباً اس کا سبب بھی یہی ہوگا کہ ایسے
فلموں میں محبت کی اداکاری کے دوران میں اداکار عورتیں کھیل کود،
تفریحات، جلسہ آرائی، ناز و عشوہ وغیرہ کے مناظر زیادہ پیش کرتی
ہیں جن سے انھیں بہت دلچسپی ہوتی ہے —

اس تجربہ کے نتیجہ میں یہ بھی معلوم ہوا کہ طالب علم لڑکوں
اور لڑکیوں میں اداکار مردوں اور اداکار عورتوں میں مخصوص
افراد پسند کئے جاتے ہیں - مرد فلم استاروں میں نوجوانوں کا میلان
هارڈی، هولٹ، سمر فیل، جاکی جوکان کول مین کی طرف بترتیب
پایا گیا - اور عورتوں کا میلان اوتلف منگو لون شانی، نوح بیری
باویل، جاک اوکی کی جانب معلوم ہوا —

عورت فلم استاروں میں لڑکے، جینور، بینٹ، مکڈو نالڈ، شیرر
کرافورڈ کو درجہ بدرجہ پسند کرتے ہیں - عورتیں جینور، ڈرسلر،
مکڈو نالڈ، کرافورڈ اور بنیٹ کو عزیز رکھتی ہیں - اس سے یہ واضح
ہے کہ دونوں جنسیں عورت فلم استاروں کی طرف راغب ہونے میں
زیادہ متفق ہیں اور لڑکے اور لڑکیاں دونوں گریٹا گاربو، اینا سے وانگ،

اور مرن لوائے سے یکساں متنفر ہیں - تنفر کے معاملہ میں عورتیں گلوریا سوانسن اور لوئیس ولسن سے خصوصیت سے متنفر ہیں - مگر بن حر وغیرہ جیسی مشہور و پسندیدہ فلموں کو ترجیح دینے کا میلان دونوں میں متفقہ موجود ہے —



یہ امر بالکل واضح ہے کہ طبیعت نے عورت میں جذبہ جنسیت جو حیوانی خواہش کا باعث ہوتا ہے' اتنا زیادہ نہیں ودیعت کیا ہے جتنا مرد میں ودیعت کیا ہے - اسی لئے مرد اکثر حالات میں عورت کے حسن و جمال پر فریفتگی یا دوسری ناگفتہ بہ اغراض کی وجہ سے عورت کا پیچھا کرتا ہے - مگر عورت اکثر مرد کی طرف اس کی حمایت حاصل کرنے یا اُس پر اعتماد کرنے کے وجہ سے دوڑتی ہے' جس کی تہ میں دو اساسی و طبعی خصوصیات بھی ہوتی ہیں یعنی خوف اور بھوک' اگر وہ ضبط و مدافعت کی قوت رکھتی ہے تو اسے عفت کی طرف منسوب کرتے ہیں' اور دناءت و کمینگی سے اس کا مرتبہ بالا سمجھتے ہیں - بہر حال عورت کی یہ صفات نسبتاً بیان کی گئی ہیں اس کا یہ مدعا نہیں ہے کہ عورت میں ادنیٰ درجہ کی یا حیوانی خواہشیں ایک سرے سے ہوتی ہی نہیں - ہوتی ضرور ہیں مگر بمقابلہ مرد کے بدرجہا کم ہوتی ہیں - پھر کبھی اس کی کمزوری اور مرد کے متعلق اس کا حسن اعتماد دونوں مل کر اسے مرد کی اطاعت پر مجبور کر دیتی ہیں اور وہ اندھوں کے طرح اس کی فرمانبرداری کرتی ہے - اسی سبب سے اکثر عورتیں تباہی کے غار میں جا پڑتی ہیں اور شدید ترین نقصانات برداشت کرتی ہیں - طلاق اور خاندانوں کی تباہی کے زیادہ

اسباب مرد ھی سے متعلق ھوتے ھیں - عورتوں پر ان کی ذمہ داری نسبتاً کم عائد ھوتی ہے جیسا کہ یوروپ اور امریکہ کے اعداد و شمار سے واضح ھوتا ہے —

انصاف کا تقاضا ہے کہ اسی سلسلہ میں زرا ان باتوں پر بھی غور کر لیا جائے کہ ایسی عورتیں کتنی کثرت سے موجود ھیں جو اپنے دامن کو رزائل سے بچائے رکھتی ھیں اور ایسی کتنی ھوں گی جو پوشیدہ طور پر اپنے شوھروں کے غیر عورتوں سے ناجائز تعلقات کا علم رکھتے ہوئے بھی سینہ پر صبر کی سل رکھہ کر ان بے عنوانیوں کو برداشت کئے جاتی ھیں - ساتھہ ھی یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ ایسی عورتوں کی تعداد بھی کم نہ ملے گی جو کسی احمق شوھر کے پلے باندہ دی گئی ھیں اور طرح طرح کی سختیوں اور مصیبتوں میں پڑنے کے باوجود اس احمق کی رفاقت پر صابر ھیں - ان کی تعریف کے مقابل ان مردوں کی حالت پر بھی نفریں کئے بغیر نہیں بنتی جو ایک بات یا قلم کی ایک جنبش سے عورت کی ساری زندگی نہایت ذلیل اغراض کے لئے تباہ کر دینے میں کوئی تامل نہیں کرتے اور اس مسکین کو فریب دے کر اسے ھمیشہ کے لئے ندامت و مایوسی کا شکار بنا دیتے ھیں —

عورت ' ھر ضعیف مخلوق کی طرح بالطبع نہایت محتاط اور پرھیزگار واقع ھوئی ہے - اپنے نفس ' صحت اور نیک نامی کا بہت خیال رکھتی ہے ' اور حوادث کا شکار بہت کم ھوتی ہے - اسی لئے عمر بھی زیادہ پاتی ہے اور بیشتر شہروں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ نکلتی ہے - مگر بدقسمتی سے یہی سب باتیں اس کی تباھیوں کا باعث ھیں —

اب مضمون کے اختتام پر یہ لکھہ دینا بھی ناگزیر معلوم ہوتا ھے کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان خواہ کیسے ھی فرق پائے جائیں عام اس سے کہ وہ جسمانی ہوں یا نفسیاتی، کسی حال میں بھی وہ ایک کی دوسرے پر فوقیت کی دلیل نہیں ھو سکتے - کیونکہ خود مرد افراد میں باھمی تفاوت پایا جاتا ھے وہ مرد و عورت کے درمیانی تفاوت سے زیادہ ھے - جس طرح مختلف بشری نسلوں میں جو فرق ہوتا ھے وہ ایک ھی نسل یا خاندان کے درمیانی فرق سے کم ہوتا ھے - اور اگر ہم نظریۂ وارثت کو مان لیں جس میں اخلاقییں (Behaviourites) کے سوا جن کی تعداد بہت کم ھے کسی کو شک نہیں تو ہم عورت کی حقارت کرکے اپنی نفسی وقعت کو آپ کم کرلیں گے کیونکہ مرد والدین سے کم و بیش کچھہ نہ کچھہ خصوصیات ضرور وراثت میں پاتا ھے - شائد بعض قارئیں اس سے واقف نہ ہوں گے کہ علمائے نفسیات نے تحقیق سے معلوم کیا ھے کہ ایک سو ساٹھہ حالتوں سے ایک سو تیس حالتیں ضرور ایسی ہوتی ھیں جن میں اولاد مقدار ذکاوت میں اپنے والدین کے مشابہ ہوتی ھے - مشہور عالم نفسیات فرانسس گالٹن (Galton) کا قول ھے کہ بچہ اپنے والدین سے اخلاق کا نصف، دادا دادی سے چوتھائی اور پردادا پر دادی سے آٹھواں حصہ وراثت میں پاتا ھے - اسی طرح اوپر کی پشتوں سے بترتیب $\frac{1}{16}$، $\frac{1}{32}$، $\frac{1}{64}$ اخلاقی میراث پاتا ھے -

اور شاید بعض قارئیں اس سے بھی بے خبر ہوں گے کہ ہر مرد میں ایک عنصر انوثی اور ہر عورت میں ایک عنصر ذکوری موجود ہوتا ھے یعنی کوئی مرد بہمہ جہت کامل مرد اور کوئی

عورت کامل عورت نہیں ہوتی - بعض مرد ایسے ہوتے ہیں جو عورتوں سے نفرت کرتے ہیں اور بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو مرد سے متنفر ہوتی ہیں -

حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں جنسوں (مرد و عورت) میں اس نوع کی خصومت قدیم سے چلی آتی ہے اور اسی طرح رہے گی - باوجودیکہ دونوں میں طبعاً ایک دوسرے کا میلان موجود ہے- یہ بات دوسری ہے کہ سرے سے اس خصومت کی کوئی بنیاد ہی نہیں —

کیا دوسرے سیاروں پر زندگی ہے

ہمارے اس سیارۂ ارضی پر حیات کی اعلیٰ ترین صورت انسان ہے۔ بعض سائنس دانوں کے نزدیک انسان ایک بے غرض و غایت کائنات میں ایک حیاتیاتی اتفاق ہے۔ کائنات کا بے غایت ہونا اور انسان کا محض ایک اتفاق ہونا ایسے مسئلے ہیں جن پر اختلاف راے ہے۔ لیکن نظام کائنات اور اس کو ضبط میں رکھنے والے قوانین کو دیکھ کر اکثر مفکرین اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ معمار ازلی نے اس کارخانۂ عالم کو بے غرض نہیں بنایا (ربنا ما خلقت هذا باطلا) —

اب سوال یہ ہے کہ جو سیارے زمین کی طرح سورج کے گرد گردش کرتے ہیں اور جو سورج سے توانائی حاصل کرتے ہیں، ان میں بھی ارضی حیات نباتی و حیوانی کی طرح کی کوئی حیات ہے یا نہیں؟ —

یہاں ہم یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ جدید تحقیقات نے اس سوال کا کیا جواب دیا ہے —

کوہ ولسن واقع امریکہ کی رصد گاہ کے ناظم ڈاکٹر ایڈمس کا بیان ہے کہ نظام شمسی کے نو سیاروں میں سے صرف تین سیارے ایسے ہیں جن میں حیات کا وجود ممکن ہو سکتا ہے۔ سورج سے فاصلوں

کے لحاظ سے یہ سیارے زہرہ، زمین اور مریخ ہیں —

سورج سے سب سے قریب سیارہ عطارد (Mercury) ہے - وہ بہت چھوٹا ہے، بہت گرم ہے اور اس میں کوئی کرۂ ہوا نہیں ہے - وہ کم و بیش چاند کے برابر ہے - اور سورج کے گرد اس کی حیثیت ایسی ہے جیسی کسی شمع کے گرد پروانے کی ہوتی ہے - زہرہ کی آب و ہوا بہت کچھ خاطر خواہ ہے - یہ سیارہ سورج سے زمین کے مقابلے میں تین چوتھائی فاصلے پر ہے - اس کی جسامت بہت کچھ زمین کے برابر ہے - ایک جسم جس کا وزن زمین پر ۱۰۰ پونڈ ہو وہ زہرہ پر صرف ۸۵ پونڈ رہ جائے گا - اس کا کرۂ ہوا بھی بہت وسیع ہے، اگرچہ اس کی کثافت زمین کے کرۂ ہوا کی کثافت سے غالباً کم ہے - اس کے کرۂ ہوا میں ہمیشہ ابر غلیظ دکھائی دیتا رہتا ہے -

ڈاکٹر ایڈمس کو اس میں کلام ہے کہ ہیئت دانوں نے کبھی زہرہ کی سطح کو بھی دیکھا ہے - یہی وجہ ہے کہ اس کے سطحی حالات پردے میں ہیں - زہرہ پردن کی مدت کا تعین بھی نہیں ہو سکا ہے - سیارے کے رات اور دن والے رخوں میں تپش کا ایک ہی رہنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی گردش محوری بہت قلیل المدت ہے - برخلاف اس کے طیف نمائی امتحان (Spectroscopic examination) سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی مدت کم از کم کئی ارضی دنوں کی ہوگی -

لیکن طیف نما نے زہرہ کے کرۂ ہوائی کی ترکیب کے سوال کو ایک حد تک حل کر دیا ہے - ابر کے غلاف کے اوپر اس میں زیادہ تر کاربن ڈائی آکسائڈ ہے - اور اگر اس کے پورے کرۂ ہوائی کا یہی حال ہے تو زہرہ پر زمین کی سی حیات حیوانی نہیں ہو سکتی، کیونکہ حیوان ایسی

ھوا میں زندہ نہیں رہ سکتے - زمین کے کرۂ ھوا میں جو آکسیجن ھے اس کے متعلق یہ دعوی کیا گیا ھے کہ اس کو پودے پیدا کرتے ھیں- جو کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کرکے آکسیجن کو بطور ذیلی حاصل کے خارج کرتے ھیں - پس کاربن ڈائی آکسائڈ کی زیادتی اس بات کی دلیل ھو سکتی ھے کہ زھرہ پر حیوانی یا نباتی کسی قسم کی زندگی نہیں ھے - بایںہمہ یہ استدلال مسکت نہیں ھے - کیونکہ ھو سکتا ھے کہ کرۂ ھوا کے بالائی طبقے نیچے کے طبقوں سے بالکل مختلف ھوں - چنانچہ اس امر کی شہادت موجود ھے کہ زمین کے کرۂ ھوائی کے بالائی طبقوں میں نائٹروجن زیادہ ھے - اگر زھرہ پر کوئی شخص طیف نما سے دیکھے تو وہ اس امر کے باور کرنے میں حق بجانب ھوگا کہ زمین پر کوئی زندگی نہیں ھے —

مریخ کا مدار سورج سے زمین کے مقابلے میں زیادہ فاصلے پر ھے - دوسرے سیارے کے مقابلے میں اس سیارہ کا مطالعہ بہت زیادہ کیا گیا ھے - مریخ کی سطحی تفصیلات البتہ مرئی ھیں -

مریخ کی " نہروں " کا مسئلہ مختلف فیہ ھے - لیکن اب ھیئت دانوں کی اکثریت اسی طرف ھے کہ یہ نہریں مصنوعی نہیں ھیں - ان نہروں کو سب سے پہلے اطالوی ھیئت دان گیوویغی شیا پریلی نے دریافت کیا تھا - اس کے بعد پرسیول لوول نے ان کا مطالعہ کیا ' چنانچہ انھوں نے ان کے متعلق تحقیقات کرنے کی غرض سے اریزونا میں ایک رصدگاہ قائم کی —

مریخ کو کئی حیثیتوں سے زمین سے زبردست مشابہت حاصل ھے - مریخ کی مدت گردش یومی ۲۴ گھنٹہ ھے - اس لیے وھاں بھی دن

رات مثل زمین کے ہوتے ہیں - سرما میں قطبین پر برف جم جاتا ہے اور بہار میں پگھل جاتا ہے -

گرما میں خط استواء پر ایک سبزی سی دوڑتی نظر آتی ہے، جس سے نباتی زندگی کا شبہہ ہوتا ہے - مریخ میں کرۂ ہوائی بھی ہے اگرچہ لطیف ہے - اور اس میں بادل بھی دکھائی دیتے ہیں -

لیکن اب تصویر کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ رصدگاہ کوہ ولسن کے زبردست آلات کی مدد سے جو تحقیقات کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مریخ کی سطح کے ایک معین رقبہ کے اوپر آزاد آکسیجن کی مقدار زمین پر مماثل رقبہ کی آکسیجن کے دسویں حصے سے زیادہ نہیں ہوسکتی - اور اگرچہ بخارات آبی وہاں موجود ہیں، تاہم زمین کے مقابلے میں اس کی مقدار بہت کم ہے - علاوہ ازیں تپش کے تغیرات بغایت زبردست ہوتے ہیں - چنانچہ جب مریخ سورج سے قریب ترین ہوتا ہے اس وقت موسم کسی قدر سرد ہوتا ہے [تقریباً ۶۰ درجہ فارن ہایت] اور رات کے وقت تپش صفر سے ۴۰ درجہ نیچے پہنچ جاتی ہے - کیونکہ ہوا کا غلاف اتنا پتلا ہے کہ وہ اس تپش کو روک نہیں سکتا —

اب بڑے بڑے سیاروں مشتری اور زحل کا مسئلہ رہ جاتا ہے - مشتری اتنا بڑا ہے کہ بعض ہیئت دانوں کے نزدیک وہ پگھلی ہوئی حالت میں ہے - یا کم از کم اتنی گرمی اس میں موجود ہے کہ وہ اپنی سطح پر زندگی کے لئے حرارت بہم پہنچا سکتا ہے، اگرچہ وہ سورج سے اتنا دور ہے کہ وہاں سے اس کو بہت کم حرارت حاصل ہوتی ہے - اب لوول کی رصدگاہ کے ناظم ڈاکٹر سلیفر نے یہ دعوے پیش کیا ہے

کہ طیف نگار سے قطعی طور پر یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ ان سیاروں کے کرۂ ہوائی کے بالائی طبقے زیادہ تر میتھین اور ایمونیا پر مشتمل ہیں —

میتھین کو دلدلی گیس بھی کہتے ہیں - کانوں میں اسی کی وجہ سے دھماکے پیدا ہوتے رہتے ہیں - ایمونیا سے ہر شخص واقف ہے - جس نے ایمونیا کو ایک مرتبہ بھی سونگھا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ مشتری یا زحل پر زندگی کس قسم کی ہو گی - ان بڑے بڑے سیاروں کے کرۂ ہوائی میں آکسیجن کا پتہ نہیں چلا - اگر آکسیجن موجود ہوتی تو ضرور ہے کہ کوئی زبردست دھماکہ وقوع پذیر ہوتا ' کیونکہ آکسیجن اور میتھین بڑی شدت کے ساتھ ایک دوسرے سے متحد ہوتی ہیں - بنابریں ان بڑے بڑے سیاروں پر حیات کا وجود ممکن نہیں —

معلومات

انسانی آواز کی تکبیر

سائنس داں یوں تو ہمیشہ کچھ نہ اختراع کرتے رہتے ہیں، لیکن اس مرتبہ تو انھوں نے کمال ہی کر دیا ہے —

انھوں نے اس مرتبہ ایک آلہ مکبر الصوت ایجاد کیا ہے جو انسانی آواز کو ۱۰،۰۰،۰۰۰ (دس لاکھ) گنا بڑا کر دیتا ہے، پھر وہ آواز اتنی بڑی ہو جاتی ہے کہ ایک ہزار آبشاروں کی آواز بھی اتنی نہیں ہوتی —

موجد کے قول کے بموجب یہ آلہ آواز کو ہوا میں اتنی قوت کے ساتھ پھینکتا ہے جتنی کہ ایک ۴۰ پونڈ وزنی گھن کی ضرب میں ہوتی ہے - اس کے ذریعہ سے آواز میلوں تک اچھی طرح سنائی دے سکتی ہے- اس صنعت نے انسانی آواز کو بادلوں کی گرج سے بھی زیادہ زوردار بنا دیا ہے —

اس زبردست قوت کے حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ انسانی آواز کے وہی سر لیے جاتے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آسکتے ہیں- دوسرے سروں کو اس میں حذف کر دیا جاتا ہے - اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ آواز میں فطری لوچ باقی نہیں رہتا -

موجد کے نزدیک اس آلے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی جہاز گرداب میں پھنس جائے تو جہاز والوں کو ہدایات بہت آسانی

سے پہنچائی جاسکتی ہیں ' یا لوگ کشتیوں میں اتر کر بھٹک گئے ہیں تو ان تک بھی آواز پہنچائی جاسکتی ہے - اس کے علاوہ بڑی بڑی آتھزدگیوں میں جہاں کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی یہ آلہ آتش فرو رسالہ کو ھدایات دے سکتا ھے - مزید برآں شور شوں کے موقع پر آمروں (Dictators) کے لیے یہ آلہ بہت مفید ہوگا —

خطوط بذریعہ گراموفون

لندن میں ایک شخص نے چار برس کی مسلسل محنت کے بعد ایک ایسی ایجاد کی ہے جس سے ترسیل خطوط میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہو جاے گا - اس ایجاد کی مختصر کیفیت یہ ھے کہ اس نے ایک آلہ تیار کیا ہے جس کے سامنے خط کا مضمون یا مبارک باد وغیرہ پڑھی جاے تو وہ دھات کے ایک ریکارڈ پر محفوظ ہو جاتی ہے - اس کو لفافہ میں رکھ کر سوئیوں کے ساتھ ڈاکخانہ میں حوالہ کیا جا سکتا ہے - یہ سب کام خود مشین کرتی ہے - ریکارڈ اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ڈاک میں بھیجنے سے ٹوٹنے کا کوئی اندیشہ نہیں - ریکارڈ میں ۱۲۵ الفاظ تک بھرے جا سکتے ہیں - اس آلے کو موجد نے اپنے دفتر میں نصب کیا ھے اور وہ اُس دن کا منتظر ہے جس دن کہ دور دراز اعزہ و احباب کو ترسیل خطوط کا یہی واحد ذریعہ ہو جاے گا —

بلند ترین فلک بوس مینار

پیرس کی ہوائی حفاظت کے لیے تجویز ہے کہ کانکریٹ کا ایک مینار بنایا جاے جس کی بلندی ۶٬۶۰۰ فٹ ہو - یعنی مینار کوی سوا میل اونچا ہو - ہندوستان میں کوہ منصوری کی بلندی تقریباً اتنی ہی ہے - ایفل ٹاور ' جس کی بلندی ۹۸۰ فٹ ہے ' اس مینار کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا - اس

مینار کی تیاری پر ۲،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ (دو کرور) پونڈ صرف ہوں گے - اس مینار کا قاعدہ (Base) ایک دائرہ ہوگا، جس کا قطر ۶۹۰ فٹ ہوگا چوٹی پر مینار کا قطر ۱۳۲ فٹ ہوگا - یہ مینار مجوف ہوگا - اس کی دیواریں مضبوط ترین کانکریٹ سے بنائی جائیں گی، جن کی موٹائی زمین پر ۴۰ فٹ ہوگی —

اس مینار میں زمین کی سطح سے علی الترتیب ۵۹۰، ۱۹۸۰، ۴۲۹۰ فٹ کی بلندیوں پر تین تختے ہوں گے، جن پر ہوائی جہازوں پر نشانہ لگانے والی توپیں، حد گیر (Range finders)، اور جدید ترین سلنے والے آلے نصب کئے جائیں گے - یہ تختے مینار کے دیواروں سے ۵۰۰ فٹ تک چاروں طرف نکلے رہیں گے - ان کی حفاظت کے لیے مخروطی چھتیں ڈالی جائیں گی - چھت اور تختوں کے بیچ میں برقی دروازے رہیں گے، تاکہ ہر حصے کو حسب مرضی کھول یا بند کر سکیں —

اپنے ہوائی جہازوں کی آمد و رفت کے لیے مینار میں ۱۹۰ فٹ × ۶۰ فٹ کے منافذ رہیں گے - سب سے نیچے کی منزل میں ایک طاقت گاہ ہوگی، جس سے مختلف منزلوں میں روشنی اور طاقت پہنچائی جائے گی - اس طاقت گاہ سے برقی کھٹولے بھی چلائے جائیں گے، تا کہ جس بلندی پر چاہیں گولہ بارود، توپیں، ہوائی جہاز یا ذخائر پہنچا سکیں —

برقی طاقت گاہ کے ناکارہ ہوجانے کی صورت میں ایک ڈھلوان گھومتا ہوا زینہ سا رہے گا جس کے ذریعہ سے بھی ہر بلند پر رسائی ممکن ہوگی - سب سے نیچے والے تختے کی چھت ۱۰۰ فٹ بلندی ہوگی اور بقیہ دو تختوں کی چھتیں ۶۶۰ فٹ بلند ہوں گی - اس طرح زائد تختوں،

دفتروں ' مرمت گاھوں وغیرہ کے لیے کافی جگہ رہے گی —

ایسے برج سے جو دفاعی فوائد حاصل ہوں گے ان میں ابھی کلام ہے - لیکن ہوائی جہازوں کے خلاف توپخانے کو بڑی بلندیوں پر رکھا جاسکے گا اور اس طرح ان کی زد بڑھ جائے گی - اور چونکہ دشمن کے ہوائی جہاز جس بلندی سے حملہ کریں گے اسی بلندی سے دفاعی ہوائی جہاز بھی نکل سکیں گے ' اس لیے دفاع زود تر اور قوی تر ہو سکے گا -

اپنی بغایت بلندی کی وجہ سے یہ مینار زہریلی گیس کے حملوں سے بالکل مامون ہوگا - اور یہ دعوی کیا گیا ہے کہ بم یا گولوں سے مینار کی مضبوط دیواریں بالکل متاثر نہ ہوں گی - گزشتہ جنگ عظیم میں تجربے نے یہ بتلایا کہ مضبوط کنکریٹ کی اٹھارہ انچ دبیز دیواروں کو منہدم کرنے کے لیے چھہ انچ قطر گولے کی ایک راست زد کی ضرورت ہوتی تھی - پس اس مینار کی دیواروں کو ' جو ۳۰ تا ۴۰ فٹ دبیز ھیں یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ ان پر کوئی گولہ لگا ہے —

مینار کا مجموعی وزن دس ملین (ایک کرور) ٹن ہوگا - لہذا دو ٹن والے گولے کا اثر اس مینار پر اتنا ہوگا جتنا ۲ من وزن والے انسان پر ایسے چھرے کا جس کا وزن ایک اونس کا دو ہزارواں حصہ ہو - اس مینار کا وزن اتنا زبردست ہوگا کہ خود اس پر رکھی ہوئی توپیں جب سر کی جائیں گی تو ان کا رد عمل قابل نظر انداز ہوگا —

یہاں تک تو وہ دلائل ہیں جو اس مینار کے حامی پیش کرتے ہیں ' لیکن اس کے مخالفین کا استدلال یہ ہے کہ جدید قسم کے ہوائی بموں کے تخریبی اثرات کو ان حسابات میں بہت حقیر سمجھہ لیا گیا ہے - ان کے نزدیک ہوائی جہازوں کے لیے یہ مینار ایک بے خطا نشانہ ہوگا - لہذا

یہ مینار کسی کافی قوی ہوائی حملہ کو برداشت نہ کر سکے گا —

اسی سلسلہ میں اس امر کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے کہ ایسی عمارت پر ہوا اور دھوپ کا کیا اثر پڑے گا - محکمہ جویات (Metereological Department) کے حسابات کے بموجب ایسی بلندیوں پر ہوا کی رفتار تقریباً ۲۰۰ میل فی گھنٹہ ہوگی - اور اس وجہ سے مینار کی چوٹی پر ہوا کا دباؤ معمولی عمارتوں پر کے دباؤ سے کوئی تین گنا ہوگا - باوجود اس قدر عظیم الجثہ ہونے کے حساب لگایا گیا ہے کہ ایسی آندھی میں مینار کی چوٹی کوئی ساڑھے پانچ فٹ ادھر ادھر جھومے گی - اور مینار کے ایک طرف سورج کی شعاعوں کے پڑنے سے جو حرارت پیدا ہوگی اس سے کنکریت پھیلے گا - لہذا اس سبب سے بھی منیار چوٹی پر کوئی ساڑھے تین فٹ تک جھک جائے گا - لیکن یہ حرکتیں اس قدر بطی ہوں گی کہ جو مشاہد وہاں مشاہدات لے گا اس کو وہ محسوس بھی نہ ہوں گی —

اس مینار کی علت غائی دفاع ہے - لیکن اس کے علاوہ ایام صلح میں یہ مینار علمی رصد گاہ اور طبی مرکز کی حیثیت سے بھی کام دے گا - اب تک ہوا کے بالائی طبقوں کی تحقیق کے لئے رصد گاہوں کو پہاڑوں پر نصب کرنا پڑتا ہے، لیکن خود پہاڑ ہواؤں اور ہوائی حالات پر بہت اثر ڈالتے ہیں - اس لئے علمائے سائنس کے لئے یہ نعمت غیر مترقبہ ہوگی کہ عین صنعتی رقبہ میں پہاڑوں سے الگ ان کو ایک رصد گاہ مل جائے گی —

صحت گاہ کی حیثیت سے بھی یہ مینار بے نظیر ہوگا - اس کے بالائی حصے چونکہ بالعموم بادلوں سے اونچے ہوں گے، اس لئے وہاں کی فضا گرد و غبار سے پاک اور سورج کی حیات بخش شعاعوں سے مملو ہوگی

یہ دونوں نعمتیں تمام سال حاصل رہیں گی - اور چونکہ یہ مینار پیرس سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے ' اس لئے شہریوں کی ایک کثیر تعداد اس سے متمتع ہو سکے گی —

شعریٰ شعریٰ (Sirus) کا فاصلہ زمین سے کوئی ۷۰ بلین میل ہے - اس پر بھی وہ روشن ترین ستارہ ہے - اس کا شمار " ثوابت " میں ہے ' لیکن ایک صدی میں یہ تقریباً ایک انچ ہٹ جاتا ہے - اس قدر بعید فاصلے پر بھی اس خورد بینی حرکت کے معنے ۱۹٬۰۰۰٬۰۰۰ میل یومیہ کی رفتار کے ہیں - آج شعریٰ کی جو روشنی ہم دیکھتے ہیں وہ وہاں سے تیس برس ہوے چلی تھی - شعریٰ کے مقابلے میں ہمارا سورج ایسا ہے جیسے دیو کے سامنے ایک بچہ - اگر دونوں کے محل باہم تبدیل کردیے جائیں تو ہمارا سورج دوربین سے بھی بمشکل نظر آے گا - اور سورج کی جگہہ شعریٰ آجاے تو وہ زمین کو اس طرح فنا کردے گا جس طرح ایک بڑی بھٹی ایک پسو کو فنا کردیتی ہے ' کیونکہ ہمارے سورج جیسے ۴۰۰ سورج ہوں تب وہ شعریٰ کے برابر ہوں گے —

سورج کی عمر ستارے جب اپنے راستوں پر چلتے ہیں تو فضا میں بکھرے ہوے مادے کے ہزاروں ٹن سمیٹ لیتے ہیں - یہ گویا ستاروں کے لئے زائد ایندھن بن جاتا ہے - لیکن اس زیادتی سے ستاروں کے اشعاعی عمل پر کوئی معتدبہ اثر نہیں پڑتا - اس اشعاع کی بدولت ستارے اپنی توانائی ایک نہایت زبردست شرح کے ساتھہ کھو رہے ہیں - توانائی کے ساتھہ ساتھہ ان کے وزن یا کمیت میں بھی کمی واقع ہوتی ہے - بالفاظ دیگر ستارے خود ہی اپنی آگ میں جل رہے ہیں - اور یہی حال ہمارے سورج کا ہے —

چونکہ تمام ستاروں کی صورت میں کمیت کے نقصان کو ان کی مجموعی کمیت سے ایک یکساں نسبت ہوتی ہے اس لئے اپنے سورج کے متعلق معلومات کی بناء پر ہم دوسرے ستاروں کے متعلق بھی چند حسابات لگا سکتے ہیں۔

اپنی پیدائش سے لے کر اب تک ستارے جن شرحوں سے اپنی کمیت کھو رہے ہیں وہ چونکہ معلوم ہیں اس لئے ہیئت دانوں نے ان کی عمر کا ایک اندازہ لگایا ہے۔ انھوں نے اس امر کا بھی حساب لگایا ہے کہ ستارے کتنے عرصہ تک توانائی کا اشعاع کرتے رہیں گے۔ ان حسابات کی بناء پر سائنس داں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سورج کی عمر کا اندازہ کھربوں برس میں کرنا چاہیئے ــ

ہمارے اس سیارے پر حیات کا سبب وہ توانائی ہے جو سورج سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن سورج اس توانائی کو اور نیز اپنی کمیت کو ۴۰ لاکھ ٹن فی ثانیہ کی شرح سے کھو رہا ہے۔ اگرچہ یہ مقدار بھی بہت بڑی معلوم ہوتی ہے، تاہم اس شرح سے بھی سورج پانچ کرور برس میں اپنی مجموعی کمیت کا ایک فی صد کھوے گا ــ

پس جب تک سورج پر ستر کھرب برس نہ گزر لیں وہ ہماری زمین کو حیات بخش توانائی پہنچاتا رہے گا ــ

غرائب ولادت | حال میں ایک عورت کے پانچ بچے ایک وقت میں پیدا ہوے۔ اس واقعہ نے دنیا کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرلیا۔ اس پر ایک اخبار نے حسب ذیل اعداد و شمار جمع کئے ہیں :۔

سترھویں صدی عیسوی میں اسکاچستان میں ایک جولاہا ۶۲ بچوں کا باپ تھا جو ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ جولاہے کی وفات پر اس کے ۳۹ بچے زندہ تھے۔ موجودہ زمانے میں کناڈا میں براسکا نامی ایک شخص کی ۴۱ اولادیں ہیں۔

براسکا کی پہلی بیوی سے ۹ بچے پیدا ہوے' اس کی دوسری بیوی نے ۲ درجن بچوں کا اضافہ کیا' اور اس کی تیسری بیوی نے ۱۱ بچے پیدا کرکے تعداد ۴۱ تک پہنچا دی - براسکا کی عمر ۹۹ برس کی ہے - اس کے ۲۹ لڑکے لڑکیوں کی شادی ہوچکی ہے - اس کی اولاد اور احفاد کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے —

انگلستان میں اینتھونی کلارک ۳۲ بچوں کا باپ ہے - مسز میری جوناس ساکن چسٹر نے انگلستان کی آبادی میں ۳۳ کا اضافہ کیا - اور مسز ایما نے ۲۷ بچے پیدا کئے - زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک مقام کے دفتر پیدائش میں تین شخص پیدائشیں درج رجسٹر کرنے آے - پہلے نے اپنے اکیسویں بچے کی پیدائش درج کرائی' دوسرے نے اُنیسویں کی اور تیسرے نے سترھویں کی - اس طرح ان کے تینوں گھرانوں میں مجموعی تعداد ۵۷ رہی —

بلجیم کے شہر اینٹورپ سے اطلاع آئی ہے کہ ایک عورت نے ایک سال میں چھہ بچے پیدا کئے - تین جڑواں بچے جنوری میں پیدا ہوے اور تین اس کے بعد دسمبر میں —

امریکہ کے شہر شکاگو میں ۱۹۲۰ میں ایک مقدمہ طلاق کا دائر ہوا' جس کے دوران میں معلوم ہوا کہ مرافعہ کرنے والی مسز آرمسبی نے شادی کے بعد ۷ برس کی مدت میں ۱۴ بچے پیدا کئے' اس طرح کہ ایک مرتبہ ۳ بچے جڑواں ہوے' ۲ مرتبہ دو دو بچے ہوے' اور ۳ مرتبہ ایک ایک - اور ایک مرتبہ ۴ بچے جڑواں ہوے - اس طرح اس کا سالانہ اوسط دو بچوں کا رہا —

کچھہ عرصہ ادھر جب یارک شائر کی مسز لائٹ فٹ نے ۹۴ سال

کی عمر میں انتقال کیا تو اس نے ۹ بچے، ۷۹ پوتے، ۷۳ پرپوتے، اور ۲ سگر پوتے چھوڑے- جنوبی جارجیا میں مسز شیور نامی ایک عورت نے اپنی عمر کے آخری ایام اپنی اولاد و احفاد کے یہاں یکے بعد دیگرے جانے میں بسر کئے، جن کی تعداد چار پشتوں تک ۳۱۰ تک پہنچ گئی تھی- اسی طرح مسز وولف ساکن اوٹا نے جب ۹۱ سال کی عمر میں انتقال کیا تو اس نے ۳۰۳ زندہ اولادیں چھوڑیں، جن میں ۱۸۹ پرپوتے اور ۲۳ سگر پوتے شامل ہیں —

امریکہ کے ایک ضلع کے رہنے والے وب نامی ایک شخص کے ۶ لڑکے اور ۶ لڑکیاں تھیں- یہ ۱۲ اولادیں زندہ ہیں اور ان کی اولاد و احفاد کی تعداد اب ۱۹۵۱ تک پہنچ گئی ہے- اولاد اکبر جین نامی کے ۴۴۴ اولادیں ہیں- دوسرے بھائی مائلس کی ۴۰۲ اولادیں ہیں- اس کے بعد تینوں بہنوں کا نمبر ہے جو علی الترتیب ۲۳۰، ۲۰۸، اور ۲۰۱، اولادوں کی ذمہ دار ہیں- سب سے چھوٹے بھائی کی اولادیں ابھی صرف ۱۶۶ ہیں —

پیرس کے موسیو گورداں کے حالات بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں ہیں- گورداں نے ۱۰۱ برس کی عمر میں انتقال کیا- گورداں کے والد کی پیدائش ۱۷۳۱ ع میں ہوئی تھی- انھوں نے ۱۷۵۲ ع میں شادی کی تھی- ۱۷۵۳ ع میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا انتقال اسی سال ہوگیا- انھوں نے دوبارہ ۱۸۲۰ ع میں شادی کی- اور ۹۱ برس کی عمر میں ایک دوسرا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام گورداں رکھا گیا- ۱۹۲۴ ع میں جب کہ گورداں کے اواخر ایام تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ میرے بھائی نے ۱۷۱ برس ہوئے انتقال کیا—

جن پانچ بچوں کی بہ یک وقت پیدائش کا اوپر ذکر کیا گیا ھے وہ انٹاریو واقع کناڈا میں پیدا ھوے - اور چونکہ اس کی نظیر دنیا میں کہیں اور نہیں تھی اس لیے ان پانچوں بچوں کو خاص قسم کے حضانتی آلوں (Incubators) میں رکھا گیا اور تیل میں نہلایا گیا - ان بچوں کا باپ ایک کسان ھے اور ماں کی عمر ۲۵ برس ھے —

تسکنی کی ایک دھقانی عورت نے ۶ بچے پیدا کئے اور ایک سال بعد پانچ اور پیدا کیے - یہ عورت ۲ جڑواں بچیوں میں سے ایک تھی - اس کی ماں تین جڑواں بچوں میں سے ایک تھی - اس کے بعد اسی عورت نے ۲ مرتبہ تین تین بچے پیدا کئے اور پھر ایک مرتبہ چار - اس کے بعد اور بھی بچے ھوتے رھے - یہاں تک کہ تعداد ۶۲ تک پہنچ گئی —

عجائب فطرت

مدراس سے یہ اطلاع ملی ھے کہ وھاں پتھور نامی ایک گاؤں میں 'ریامل' ایک عورت پچھلے پندرہ مہینوں سے ایک قسم کے درد معدہ میں مبتلا تھی - یہ کیفیت نویں مہینے کے بعد سے زیادہ نمایاں رھی - مدت گذر جانے کے بعد اس کے پچھلے مہینے ایک "زھریلا ناگ" پیدا ھوا - چونکہ اس عورت کے اور کوئی اولاد نہ تھی ' اس لیے اس نے اس کی بہت سخت حفاظت کی - ناگ ایک مہینہ تک تو خاموش رھا - اس کے بعد اس نے اپنے "ماموں" کو کاٹ لیا - اور وہ بے ھوش ھوکر گر پڑا - اس کے پاس جو لوگ تھے انھوں نے ناگ کو مار ڈالا - جب "ماں" کو خبر ھوئی کہ میرا بچہ مار ڈالا گیا تو وہ رونے لگی اور روتی ھوئی اپنے بھائی کے پاس آئی اور جہاں ناگ نے کاٹا تھا اسی مقام پر اس نے بھی کاٹا اور خون چوس لیا - چند

دقیقوں کے بعد بھائی ہوش میں آگیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
کہ وہ خواب میں ہو- اور اب وہ بالکل اچھا ہے- اس خبر کا ناقل
اخبار جسٹس ہے —

انڈین ایکسپرس اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ پیر ومباڈور کے قرب
میں مقام اری گول کاڑا میں ایک عجیب و غریب بچھڑا پیدا ہوا ہے'
جس کا سر انسانی ہے- اس کا سارا جسم بالکل بچھڑے کا سا ہے' لیکن
صورت اس کی انسانی بچے کی سی ہے- اس عجیب و غریب بچھڑے
کو دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آتے ہیں —

ولایت سے خبر آئی ہے کہ وہاں ایک معدنی رقبہ میں ایک بلی
کا بچہ پیدا ہوا ہے' جس کے دو چہرے ہیں' چار آنکھیں ہیں' دو
ناکیں ہیں اور دو منہ ہیں- یہ بچہ بہت قوی اور تندرست ہے اور
مثل دیگر بچوں کے خوب کھیلتا ہے- بچہ کی ماں ایک ایرانی بلی
ہے جو اپنے بچے کو بڑے فخر و مباہات سے دیکھتی ہے —

جسم انسانی میں نظام شمسی

انسانی زندگی کے ایک نئے مفہوم کی تشریح میں ڈاکٹر
کرائل کا قول ہے کہ انسان جو کچھ کھاتا ہے وہ اشعاع (Radiation)
ہے' جو جسم کے برقی دور یعنی نظام عصبی میں برقی رویں پیدا
کر دیتا ہے- غذا میں یہ اشعاع سورج کی شعاعوں سے حاصل ہوتا ہے-
ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں کہ جواہر بلیرڈ کے گیندوں کی طرح نہیں
ہیں' بلکہ وہ نظام شمسی ہیں- جواہر گویا لپٹی ہوئی کمانیوں کی
طرح ہیں جو اشعاع شمسی سے پر ہیں- جسم میں غذا کی صورت میں
داخل ہوکر توانائی کے حامل یہ جواہر جسم کے نخز مایہ (Protoplasm)
میں بے بار ہوجاتے ہیں' جس سے نئی کہربائی توانائی اور نئی برقی

روپیں حاصل ہوتی ہیں - جوہر کو نظام شمسی سے بدیں وجہ تشبیہ دیتے ہیں کہ اس کے مرکز پر مثل سورج کے اس کا مرکزہ (Nucleus) ہوتا ہے - اس کے چاروں طرف برقیے ہوتے ہیں ' جو سورج کے گرد گھومنے والے سیاروں کے مانند ہے - انسانی جسم ایسے ہی جوہروں سے بنا ہے -

نیند کا سبب ایک شے ہے جو دماغ میں پیدا ہوتی ہے

جب انسان کی پلکیں بھاری ہونا شروع ہوتی ہیں ' یعنی اس کی آنکھوں میں نیند بھرنے لگتی ہے ' تو اس کے دماغ میں ایک عجیب شے بننے لگتی ہے ' جس کو نومی سمین [Hypnotoxin] کہتے ہیں - پیرس کے ڈاکٹر پیراں نے نومی سمین کی تجرید دماغ انسانی اور حرام مغز حیوانی سے کی ہے ' جب کہ وہ کچھ عرصہ تک سونے سے باز رکھے جائیں - نہ سونے کی وجہ سے یہ شے دماغ میں بظاہر جمع ہونے لگتی ہے - غنودگی کی حالت میں اور عین بیداری پر جانوروں کو اس نومی سمین کی پچکاریاں دی گئیں تو وہ سب سو گئے -

جدید انسان کا سرزبوم افریقہ ہے

برطانیہ میں سر اسمتھہ وڈورڈ جو قدیم انسان پر سند کی حیثیت رکھتے ہیں ' ان کا قول ہے کہ ایشیا کی بجائے افریقہ انسانیت کا اصلی مرکز ہے اور وہی عالمی " باغ عدن " ہے - ان کے ان دعووں کی بنیاد اس شہادت پر ہے جو کھوپڑیوں کی صورت میں علاقۂ ٹنگینیکا واقع افریقہ میں ان کو دستیاب ہوئی ہیں - اس بناء پر وہ کہتے ہیں کہ عہد یخ میں ایک قسم کا انسان رہتا تھا جو جدید انسان سے بہت مشابہ تھا - اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ افریقہ میں جدید انسان ایشیا یا یورپ سے بہت پہلے نمودار ہوا - اصلی انسان کے زمین پر قابض ہونے سے پہلے چار قسم کے انسان فنا ہوچکے تھے - ایک تو پلٹ ڈاونی انسان ہے جس کی دریافت انگلستان

میں ہوئی - دوسرا جاوی انسان ہے ' اور انہیں کا ہمعصر ہائڈ لبرگی انسان ہے جو جرمنی میں دریافت ہوا اور جس میں صرف ایک ہی جبڑا پایا گیا - جدید ترین انسان چین کا فاسلی انسان ہے - یہ تمام قسمیں انسان کی ہی مختلف شاخیں سمجھی جاتی ہیں - اس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ فطرت گویا تجربے کر رہی تھی ' تا آنکہ اس نے جدید انسان کو پیدا کر دیا ان قسموں کے علاوہ ایک اور پانچویں قسم بھی ہے جس کا زمانہ بہت بعد کا ہے - اس کو نینڈرتھالی انسان کہتے ہیں - یہ قسم بھی اب ناپید ہے - تو گویا اس طرح لاکھوں برس ادھر پانچ قسم کے انسان دنیا میں آباد تھے - ان سب کی اصل ایک ہی تھی اور وہ حیوانی تھی - ان قسموں میں سے ایک نے ارتقا کے منازل طے کر کے جدید انسان کی صورت اختیار کر لی -

سورج ' ہوا ' اور سمندر میں انسان کے لیے کافی توانائی ہے

جامعہ ہارورڈ (امریکہ) کے ڈاکٹر لیہب فرماتے ہیں کہ دھوپ' ہوا' سمندر کی موجوں اور سمندر کی حرارت میں انسان کے آئندہ استعمال کے لئے کافی توانائی موجود ہے - ہر سال دنیا ۱۷۸،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ (انیل ۷۸ کھرب) کلو گرام حرارے (Calories) استعمال کرتی ہے ' یعنی اتنی توانائی جتنی ۲ ۷۰،۰۰،۰۰۰ ٹن کوئلہ سے حاصل ہوسکتی ہے - اگر توانائی کے فطری مآخذ بند کردیے جائیں تو اس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ۱۱،۰۰،۰۰۰،۰۰۰ آدمیوں کی محنت درکار ہوگی - بایںہمہ سالانہ جو توانائی صرف میں آتی ہے اس میں صرف ۱۷ فی صدی اصلی انسانی توانائی ہے - کوئلہ سے ۵۰ فی صدی حاصل ہوتی ہے ' اور بقیہ تیل ' لکڑی ' گیس ' اور اہلی جانوروں کی محنت سے حاصل ہوتی ہے - اگر فطری مآخذ ختم ہوجائیں تو دوسرے مآخذ کام میں لائے جا سکتے ہیں -

زمین تک سورج کی توانائی سال بھر میں جتنی آتی ہے وہ کوئلہ، گیس اور تیل کی صورت میں دنیا کی توانائی کا کوئی ۳۴ گنا ہوتی ہے۔ ۳۴ مربع میل کے رقبہ میں جو توانائی واقع ہوتی ہے وہ اگر طاقت میں تحویل کرلی جائے، تو اتنی طاقت حاصل ہوگی کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مجموعی پیداوار طاقت سے کہیں زائد ہوگی۔ اسی طرح زمین کی حرارت موجودہ ماخذوں کی توانائی سے لاکھوں گنا زیادہ توانائی بہم پہنچا سکتی ہے —

بروسین اور پوٹاش کا خزانہ بحیرہ موت میں

دو برس ادھر ایک کمپنی اس غرض سے قائم ہوئی تھی کہ بحیرہ موت (Dead Sea) سے پوٹاش اور بروسین کی بڑی بڑی مقداروں کو حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے اپنا کام بھی شروع کردیا تھا - اس بحرہ میں دریائے اردن ہر سال ۴۰،۰۰۰ ٹن پوٹاش پہنچاتا ہے - پوٹاش اور بروسین دونوں کا ماخذ گیلیلی کے گرم چشمے ہیں - اندازہ لگایا گیا ہے کہ بحیرۂ موت کے نمکوں کو اپنی موجودہ حالت ارتکاز میں آنے کے لئے کوئی ۵۰،۰۰۰ برس لگے ہیں - اس رقبہ سے جو بروسین حاصل ہوتی ہے اس کا صرف روز بروز بڑھ رہا ہے - اس کو نہ صرف کیمیاوی مرکبات اور رنگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ کوشش ہورہی ہے کہ موٹر چلانے کے لئے اس سے تیل تیار کیا جائے —

زمین سے بجلی

اب تک سب لوگ یہی یقین کرتے ہیں کہ بجلی آسمان سے گرتی ہے اور راستہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو نیست و نابود کردیتی ہے - لیکن جدید تحقیقات سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ تمام بجلیوں کا مبدء بادل نہیں ہوتے - تیز رفتار کے ساتھ

جو تصویریں لی گئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ بجلی کبھی کبھی زمین سے خارج ہوکر بادلوں تک جاتی ہے —

پالیسی بیچنے والی مشین

ایک مشین ایجاد کی گئی ہے جو باقاعدہ مہور اور دستخط شدہ پالیسیاں فروخت کرتی ہے - مشین گھڑی کی طرح معلوم ہوتی ہے - اس کے عمل کی یہ صورت ہے کہ ایک سکہ اس میں ڈالا جاتا ہے - سکہ ڈال کر ایک دستہ کھینچنے سے ایک پنسل باہر نکل آتی ہے - پالیسی چاہنے والا ایک مقام پر دستخط کردیتا ہے اور دستہ کو پیچھے ڈھکیل دیتا ہے - اس سے پالیسی باہر آجاتی ہے - مشین کے اندر جہاں دستخط ہیں وہاں صحیح تاریخ اور صحیح وقت اجرائی پالیسی کا درج ہوتا ہے - اگر ۷ دن کے اندر کوئی حادثہ پیش آجاے تو بیمہ شدہ شخص ادائی رقم کے لئے درخواست دیتا ہے - اگر اس کا نام مشین کے رجسٹر میں درج ہوا تو اس کو رقم ادا کردی جاتی ہے —

جامعہ پنجاب میں صنعتی تحقیقات

جامعہ پنجاب کے تجربہ خانجات کیمیا کے ناظم ڈاکٹر ایس' ایس بھٹنا گر نے پٹرولیم کی صنعت کے متعلق جو بیش از بیش تحقیقات کی ہیں اُن کے صلے میں انڈوبرما اینڈ اٹک آئل کمپنی لمیٹڈ کے ایجنٹ میسرزاسٹیل براد رس کمپنی لمیٹڈ نے پروفیسر موصوف کی خدمت میں ڈیڑہ لاکھہ روپیے کی ایک رقم پٹرولیم اور متعلقہ موضوعات پر تحقیقات کی غرض سے پیش کی ہے - یہ رقم پانچ برس کی مدت میں مساوی قسطوں کے ذریعہ ادا کی جاےگی- میسرز اسٹیل برادرس کے ایجنٹ میسرز ملر اینڈ وارڈ نے پروفیسر موصوف کی خدمت میں ایک نذرانہ بھی پیش کیا ' لیکن پروفیسر صاحب نے وہ رقم جامعہ پنجاب کے

حوالہ کردی - جس کو جامعہ پنجاب نے بڑی خوشی سے قبول کیا - اس رقم سے جامعہ پنجاب میں پٹرولیم کی تحقیق کا ایک شعبہ کھولا جاے گا —

اس منصوبے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اگر نتائج اس نوعیت کے ہوے کہ ان کی رجسٹری کرائی جاے' تو اس کو میسرز اسٹیل برادرس اور پروفیسر بھٹناگر اور ان کے مددگار مل کر کام میں لائیں گے اور منافعہ میں سب شریک رہیں گے - ڈاکٹر بھٹناگر نے وعدہ کیا ہے کہ اپنے منافع میں سے ایک بڑا حصہ وہ جامعہ پنجاب کو نذر کریں گے تاکہ علمی، صنعتی' اور طبی تحقیقات کا کام بخوبی انجام دیا جاسکے —

تبصرے

۱ - کتاب الطبیعیات (جلد سوم) کتاب النور

از

محمد نصیر احمد صاحب عثمانی نہو تلوی - ایم - اے - بی ایس - سی

(علیگ) معلم طبیعیات کالج جامعہ عثمانیہ - قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ - محمد سلیمان خاں نمبر ۹۱۷ کلب روڈ - چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

یا

غلام دستگیر صاحب تاجر کتب چار کمان و عابدروڈ حیدرآباد دکن

مولوی نصیر احمد صاحب عثمانی پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے کتاب الطبیعیات کے نام سے ایک مفید سلسلہ تالیف کر کے طلباے انٹرمیڈیٹ کی ایک شدید ضرورت کو رفع کیا ھے - انگریزی میں طبیعیات پر اگرچہ بیشمار کتب موجود ھیں لیکن اس اھم اور ھمہ گیر علم پر مختلف کتب کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا یکجا کرنا مبتدیوں کے لیے نہایت دشوار امر تھا - طلبا کی ان دقتوں کے مد نظر اردو میں ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس میں مختلف طبعیی مظاہر اور ان

کے اطلاقات پر کافی روشنی ڈالی گئی ہو - زیر نقد کتاب " کتاب النور "
اسی سلسلہ کی تیسری جلد ہے جس میں طبیعی مناظر اور ہندسی مناظر کے
مبادیات کافی شرح و بسط کے ساتھہ پیش کیے گئے ہیں - مضامین کو بہت سلیقہ
سے ترتیب دیا گیا ہے اور اس بات کی بڑی کوشش کی گئی ہے کہ جدید انکشافات
اور نظریوں سے طلبا کو روشناس کرایا جائے تاکہ وہ طبیعیات جیسے وسیع
علم کا صحیح زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کر سکیں - کتاب کے آخری باب میں نور
کے مختلف نظریے بیان کئے گئے ہیں لیکن اگر کتاب کے آغاز ہی میں نور کی
نوعیت سے بحث کرتے وقت ان کا بھی ذکر کیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا -
مفید اور معتد بہ مواد اور ترتیب مضامین کا لحاظ کرتے ہوے یہ کتاب
نہ صرف عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباے انٹرمیڈیٹ کی ضروریات کو کما حقہ
پورا کر سکتی ہے بلکہ دیگر ہندوستانی جامعات کے نصاب انٹرمیڈیٹ پر
حاوی ہے - وہ حضرات بھی جو طبیعیات کو بذات خود پڑھنا چاہتے ہیں
اس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ کر سکتے ہیں - کتابت اور طباعت کافی
دیدہ زیب ہے اور شکلیں بہت صاف بنائی گئی ہیں تاہم اس میں ابھی ترقی
کی گنجائش ہے - کتاب کے اخیر میں ایک فرہنگ اصطلاحات دی گئی
ہے جس کی ترتیب اردو حروف تہجی پر کی گئی ہے - بہ حیثیت
مجموعی میں توقع کرتا ہوں کہ یہ کتاب معلم اور متعلم دونوں
کے لیے مفید ثابت ہوگی —

(م - ی - و)

حلقۂ ہمدردان جامعہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کارکن جامعہ کی آمدنی کا پائدار اور قابل اعتماد مستقل انتظام اسے نہیں سمجھتے کہ بنک میں سرمایہ جمع ہو یا ارباب حکومت کی طرف سے امداد ملے - بلکہ تمام مسلمانوں کے دل میں اس قومی تعلیم گاہ کی جگہ ہو جائے اور وہ قطرہ قطرہ کرکے فیض و کرم کا دریا بہادیں جو بنکوں اور حکومتوں کے زوال کے بعد بھی جاری رہے —

اس لئے حلقۂ ہمدردان جامعہ قائم کیا گیا ہے

اور یہ کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس حلقہ میں شریک کیا جائے اور سب سے تھوڑی تھوڑی مستقل امداد ماہانہ یا سالانہ حاصل کرکے جامعہ کے مصارف کا انتظام کیا جائے - یہ مرکزی ادارہ جو مسلمانوں کی قومی بیداری اور تعمیری کوششوں کی ایک یادگار ہے اسی ط قائم رہ سکتا ہے اور ترقی کر سکتا ہے - آپ کی فرض شناسی سے اُمید ہے کہ آپ حلقۂ ہمدردان میں شرکت سے دریغ نہ فرمائیں گے - آپ کی امداد خواہ کسی قدر قلیل ہو لیکن اس سے جامعہ کی مجموعی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہو جائے گا —

اردو

انجمن ترقیٔ اُردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے - اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے —

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے- رسالے کا حجم ڈیڑھ سو صفحے ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ —

قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی [آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ]

المشتہر : انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد - دکن

نرخ نامۂ اجرت اشتہارات اُردو و سائنس

کالم	ایک بار کے لئے	چار بار کے لئے
دو کالم یعنی پورا ایک صفحہ	۱۰ روپے سکۂ انگریزی	۴۰ روپے سکۂ انگریزی
ایک کالم (آدھا صفحہ)	۵ روپے سکۂ انگریزی	۲۰ روپے سکۂ انگریزی
نصف کالم (چوتھائی صفحہ)	۲ روپے ۸ آنے سکۂ انگریزی	۱۰ روپے سکۂ انگریزی

رسالے کے جس صفحہ پر اشتہار شائع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونے کے لئے بھیج دیا جائے گا - پورا رسالہ لینا چاہیں تو اس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ انگریزی برائے رسالۂ اُردو و رسالۂ سائنس اس کے علاوہ لی جائے گی —

المشتہر : انجمن ترقیٔ اُردو اورنگ آباد - دکن

سائنس

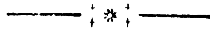
۱ - یہ رسالہ انجمن ترقی اُردو کی جانب سے جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے —

۲ - یہ رسالہ سائنس کے مضامین اور سائنس کی جدید تحقیقات کو اُردو زبان میں اہل ملک کے سامنے پیش کرتا ہے - یورپ اور امریکہ کے اکتشافی کارناموں سے اہل ہند کو آگاہ کرتا اور ان علوم کے سیکھنے اور ان کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلاتا ہے —

۳ - ہر رسالے کا حجم تقریباً ایک سو صفحے ہوتا ہے —

۴ - قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی ہے (آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ)

۵ - تمام خط و کتابت :- آنریری سکریٹری - انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے ہونی چاہیے —



(باہتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اُردو پریس اُردو باغ اورنگ آباد دکن میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سے شایع ہوا)